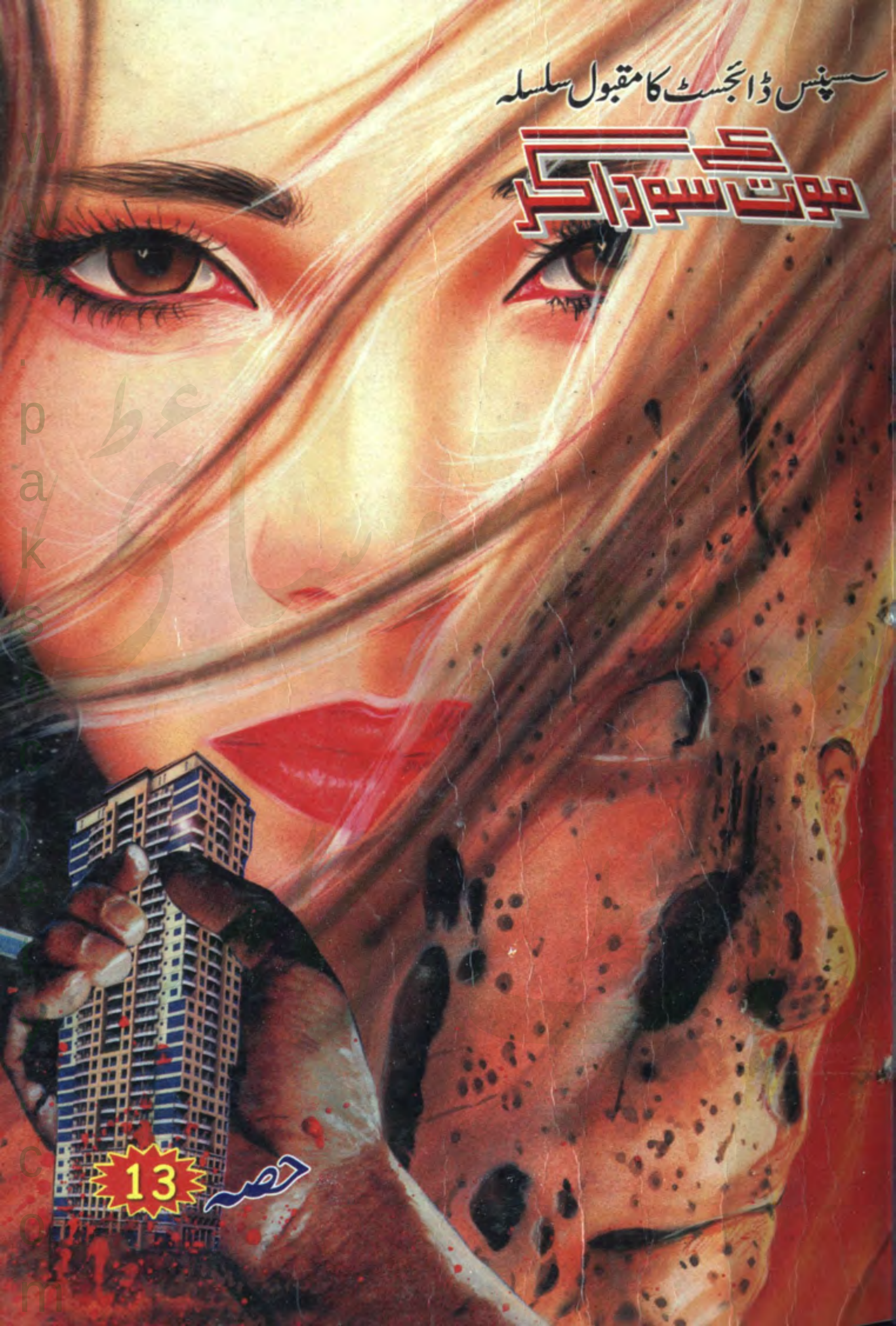

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
حصہ 13
www.paksociety.com

موت کے سوداگر

اقلیم علیم


ایک نوجوان کی
خود نوشت اس نے منشیات
کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی
طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک
دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا. شہر، شہر،
ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے
لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہوگیا مگر موت کے سوداگر
بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے بھی اپنی طرف سے
کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

سرِشام ہم دوبارہ دربار ہال میں بلائے گئے تو وہاں چراغاں کا ساسماں بندھا ہوا تھا۔ مشعلوں سے پیدا ہونے والا دھواں، ہوا کی آزادانہ آمد ونکاس کے باوجود فضا میں رچا ہوا تھا اور سردار صبغت اللہ، قندوز خان کے علاوہ مزید دو افراد کے ساتھ ہمارا انتظار کررہا تھا۔

اس نے مجھے اور سلطان شاہ کو بہت تپاک کے ساتھ اپنے سینے سے لگایا۔ دیرا اور غزالہ سے احترام کے ساتھ ہاتھ ملایا اور ہم فرشی قالین پر پڑے ہوئے دبیز گدوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک تھالی میں شراب کی بوتلیں پیش کی گئیں۔ قندوز خان نے شاید پہلے ہی بتادیا تھا کہ ہم میں سے صرف دو افراد مے نوشی کے عادی تھے۔ اس لیے تھالی میں گلاسوں کی تعداد اسی اعتبار سے رکھی گئی تھی۔

تھالی میں بھانت بھانت کی کئی شرابیں موجود تھیں۔ دیرا روسی واڈکا پی پی کر اکتا گئی تھی۔ اسی کی فرمائش پر بلیک لیبل اسکاچ کی بوتل کھولی گئی اور فضا میں الکحل کی خمار انگیز بو پھیلنے لگی۔

سردار صبغت اللہ کچھ دیر تک جرگے کی کارروائی پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا۔ وہ بار بار میرے حوصلے کی تعریف بھی کرتا جارہا تھا لیکن قندوز خان کی موجودگی کی وجہ سے اس نے اشارے کنائے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے میری اور اس کی ساز باز کا سراغ ملتا ہو۔

''اب ضیغم خان اور گوہر جان کا کیا بنے گا؟'' موقع پا کر غزالہ نے سوال کیا۔

''اس وادی میں ثبوت اور گواہی کے بغیر کوئی دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔'' صبغت اللہ نے کہا ''اس لیے ان دونوں کا یہاں لایا جانا بہت ضروری تھا۔ ابھی تک ہم یہ سنتے آئے تھے کہ پائندہ گل کے ساتھ ضیغم خان ملا ہوا تھا۔ آج یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ جو کچھ ہوا اس کی ذمے داری پائندہ گل پر تھی۔ اب ان دونوں کا کام ختم ہوگیا۔ انہیں کسی بھی وقت یہاں سے جانے کی آزادی ہے مگر شاید وہ رکے رہیں۔ گوہر جان، ارسلا خان کی واپسی کا انتظار کرے گی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کی شادی تک یہیں رہنا چاہتی ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' دیرا نے لقمہ دیا ''جنت گل کی پسند اور ناپسند اپنی جگہ پر ہے مگر گوہر جان اپنی بیٹی کی شادی چھوڑ کر واپس نہیں لوٹ سکتی۔ وہ نہ جانے کب سے اس دن کے خواب دیکھتی رہی ہوگی۔''

''میں نے سنا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی خدمت کرنے کے لیے ہمیشہ یہیں رہنے کا ارادہ ظاہر کرچکی ہے۔'' قندوز خان

نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا ''اس بات پر ضیغم خان بہت پریشان ہے۔''

''اچھا!'' صبغت اللہ چونک کر بولا ''وہ مظلوم عورت ہے۔ اگر اس نے ایسی خواہش ظاہر کی تو اسے یہاں ٹھکانا مل جائے گا۔ میں ضیغم خان کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا۔'' پھر وہ ہنس کر مجھ سے مخاطب ہوگیا ''آج رات اس جوڑے کو بھی مہمان خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ تم دیکھو کہ ضیغم خان کتنا خود غرض آدمی ہے۔''

''مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔ وہ مجھے اس وادی سے باہر ملا ہوتا تو میں نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہوتا۔'' میں نے حقارت سے کہا ''اسے افسوس ہے کہ اب جنت گل اس کے قبضے سے نکل جائے گی اور وہ اس کی شادی کے بدلے میں لاکھوں کی رقم وصول کرنے سے محروم ہو جائے گا۔''

صبغت اللہ تحقیر آمیز انداز میں ہنس دیا ''وہ لنگڑا رقم کا اتنا حریص ہے؟ طبیعت چاہتی ہے کہ اس لالچی شخص کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دی جائے۔ ایسے آدمی زمین کا بوجھ ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ گوہر جان اس کے ساتھ اب تک کیسے رہ رہی ہے؟ وہ آسانی سے اُسے چھوڑ کر دوبارہ اپنا گھر بنا سکتی تھی۔''

اس مرحلے پر قندوز خان نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہاں موجود دونوں شنگاری عجلت میں اپنے گلاس خالی کر کے، وہاں سے چل دیئے۔ ان کا رخ واپسی کے راستے کی طرف تھا۔

''جنگ ختم ہوئے کئی دن گزر گئے، آج جنت گل کا فیصلہ بھی ہوگیا۔ اب ہمارے بارے میں تمہارا کیا حکم ہے؟'' میں نے صبغت اللہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''چند روز اور ٹھہر جاؤ۔ ارسلا خان کسی دن بھی یہاں پہنچ جائے گا۔ اس کی شادی کا جشن قابل دید ہوگا۔ تم مدتوں تک اس روایتی تقریب کو نہیں بھلا سکو گے۔'' اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔

اس کی خواہش پر میرا خون خشک ہوگیا۔ وہ سب ہی خُوں خوار اور متلون طبیعتوں کے مالک تھے۔ ان کے درمیان رہ کر میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کی برہمی کے لیے کسی معقول جواز کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ وہ کسی وقت بلاوجہ بھی بھڑک سکتے تھے۔ خود صبغت اللہ ہمیں پچھلے دن زندان میں ڈلوا چکا تھا۔ بہت مشکل سے وہ مبارک ساعتیں آئی تھیں کہ ہم اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

ہماری عافیت اسی میں تھی کہ کوئی نئی بدمزگی پیدا ہونے سے پہلے ہی عزت کے ساتھ گالان سے کوچ کر جائیں بصورت دیگر وہ کسی بھی وقت ہم سے نظریں بدل سکتا تھا۔

''یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اس طرح سوچ رہے ہو۔'' میں نے منکسر المزاجی سے کام لیتے ہوئے کہا ''لیکن ہمیں کراچی سے نکلے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ ہمیں جلد از جلد واپس لوٹنا ہوگا۔''

''کیا تم بدرو کا بھی انتظار نہیں کرو گے؟'' صبغت اللہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے چونکا دیا ''پشاور سے اس کا پیغام آیا تھا۔ وہ ہر بات سے بےخبر ہے اور پائندہ گل سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اب سوچتا ہوں کہ اسے بلا لوں۔ قندوز خان کہہ رہا تھا کہ وہ تمہاری سفارش لایا ہوگا۔''

''سفارش کی ضرورت اس وقت تھی جب ہم پائندہ گل کے قیدی تھے۔ تم سے تعاون کے بعد ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔ میں بدرو داد سے کراچی میں ملاقات کرلوں گا۔''

''مجھے اسے بلانا پڑے گا۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا ''مجھے وادی کے کاروباری انتظامات کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔ پائندہ گل اپنی بےایمانی کی وجہ سے کئی جگہ مار کھا رہا تھا۔''

اس وادی میں رہنے والے لوگ بیرونی وسائل پر زیادہ انحصار نہیں کرتے تھے۔ ان کے رہنے سہنے کا ڈھب سامنے آیا تھا اس میں امداد باہمی کا رنگ نمایاں تھا۔ ان حالات میں یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ صبغت اللہ ہیروئن کے کاروبار کا ذکر کر رہا تھا جس پر وادی کی بیرونی آمدنی کا دارومدار تھا۔

''مجھے شبہ ہے کہ بدرو یہاں سے لے جانے والے مال میں چوری کر رہا تھا اور اس کمی کو ملاوٹ کر کے پورا کر دیتا تھا۔'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''ملاوٹ کی شکایت کی وجہ سے ہم دو گاہکوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مجھے اس کو بتانا ہوگا کہ اس کی حرکتیں میری نظروں سے اوجھل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کمپنی بھی برباد ہو چکی ہے جس میں تم کام کرتے تھے۔ نئے خریداروں کی تلاش میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''اس وقت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے اپنی جان بچانے کے لیے کہا ''کراچی لوٹنے کے بعد کوئی راستہ نظر آیا تو میں تم کو پیغام بھجوا دوں گا۔ کراچی میں تمہارا کوئی نہ کوئی آدمی تو رہتا ہی ہوگا؟''

''کراچی میں بھی بہت کام نکل آیا ہے۔ سہراب گوٹھ کے جس کوچی کیمپ پر چھوٹے خان کا قبضہ تھا، اب وہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس اڈے کے نکل جانے سے ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں قندوز خان کو وہاں مامور کردوں۔ اس کے ذریعے تم ہر وقت مجھ سے رابطہ کرسکو گے۔''

''ہوسکتا ہے کہ کراچی پہنچنے کے بعد ہم تمہارے لیے کوئی بڑا خریدار تلاش کرسکیں۔'' ویرا نے پرخیال لہجے میں کہا ''ہمارے پاس تمہارے مال کے نمونے اور دام ہوں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے۔''

''مجھے معلوم تھا کہ بات اس حد تک ضرور جائے گی۔'' وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا پھر اس نے اپنے قریب رکھی ہوئی ایک تھالی پر سے کپڑا الٹ دیا۔ اس میں تین جگمگاتی ہوئی پیالیوں میں ہیروئن کے نمونے موجود تھے۔ ان میں سے ایک بالکل سفید اور بقیہ دو بھورے تھے۔ ان دونوں کے رنگ میں بھی ہلکا سا فرق تھا جسے صرف تجربے کار نگاہیں پہچان سکتی تھیں۔ ویرا نے گہری دلچسپی کے ساتھ وہ تھالی اٹھالی۔

''نمونے مل جائیں گے، فی الحال ہم براؤن شوگر بنا رہے ہیں۔ سفید مال بنانے میں کچھ دشواری ہے جس پر جلد ہی قابو پالیا جائے گا۔ جو مال چاہو، وہ ملے گا۔ دام منڈی کے مطابق ہوں گے۔'' وہ خالص کاروباری باتوں پر اتر آیا۔

مجھے یاد تھا کہ ویرا نے جب جمی لائیڈ سے فون پر بات کی تھی تو اس نے ویرا کو پاکستان سے عمدہ قسم کی ہیروئن کی خریداری کی ہدایت کی تھی۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر شی کی ترجیحات میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ وہ لوگ پاکستان اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں تیار ہونے والی ہیروئن کو پاکستان میں پھیلانے کے منصوبوں سے دستبردار ہو کر، اس موت کا رخ یورپ کی بستیوں اور شہروں کی طرف موڑنے پر تل گئے تھے اور شاید ویرا اسی نقطہ نظر سے صبغت اللہ کی دلچسپی کی باتیں کر رہی تھی۔

ہم لوگوں نے اس وقت تک شنگاریوں کو ویرا کی اصلیت کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ ان کے لیے وہ فرزانہ بنی ہوئی تھی۔ سردار صبغت اللہ بھی اسے دوغلی نسل کی ایک عام سی لڑکی سمجھ رہا تھا۔ ایسی لڑکی جس نے پاکستان کی مٹی سے اپنا رشتہ ہونے کے باوجود مغرب کی آزاد فضاؤں میں پرورش پائی ہو۔ اسے بھنک بھی مل جاتی کہ وہ شی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی منظور نظر ہے تو صبغت اللہ کی گفتگو کا رنگ ہی بدل جاتا۔

ان باتوں میں بہت زیادہ پیچیدگی نہیں تھی۔ سردار صبغت اللہ ہیروئن کی فروخت کے نئے انتظامات کا خواہاں تھا۔ اسے مرحوم پائندہ گل کے کاروباری ساتھیوں پر اعتماد نہیں تھا۔ دوسری طرف ویرا نے اپنی جانب سے کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے وہ گفتگو جلد ہی نمٹ گئی۔ یہ طے پا گیا کہ ہماری واپسی پر، شنگار اولی میں تیار کی جانے والی ہیروئن کے نمونے ہمارے ساتھ ہوں گے اور اگر ویرا اس کی فروخت کے لیے مستقل بنیادوں پر کوئی سودا طے کرانے میں کامیاب ہوگئی تو اسے اس کی خدمات کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' سردار صبغت اللہ اپنا بھرا ہوا گلاس لے کر اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اشارہ کرنے کے بعد اس نے دوسروں سے مخاطب ہو کر کہا ''تم کھاتے پیتے رہو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔''

میرے لیے اس کی وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ میں الجھن میں پڑ گیا لیکن اس کی خواہش کی تعمیل ہر حالت میں ضروری تھی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے چل دیا۔ اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔

خلاف معمول اس وقت صبغت اللہ کے کمرے کے باہر کوئی محافظ یا خدمت گار موجود نہیں تھا۔ اس نے خود ہی دروازہ کھولا اور میرے داخل ہونے کے بعد بند کر دیا۔ کمرے میں اپنی جگہ پر پہنچ کر اس نے ایک گھونٹ لینے کے بعد اپنا گلاس تپائی پر رکھا اور پھر مجھ سے لپٹ گیا۔

''تم میرے بھائی ہو۔'' اس نے وارفتگی کے عالم میں کہا ''میرا خیال تھا کہ فلک شیر خان تمہیں اپنی باتوں میں بری طرح پھانس لیا تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ کیا پائندہ گل واقعی تمہاری اور جنت گل کی شادی کروانی چاہتا تھا؟'' وہ مجھ سے الگ ہوگیا مگر میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر تحسین آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر اس وقت مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''اصل بات تم کو بھی معلوم ہے۔ میں جرگے کے سامنے وہ باتیں نہیں دہرا سکتا تھا۔ اس وقت ایسی کہانی کی ضرورت تھی جو میرے اور پائندہ گل کے درمیان تخلیے میں گفتگو کا جواز فراہم کر سکے۔'' میں نے سادگی سے کہا ''میں نے سوچا اور پھر وہی ایک کہانی جاندار نظر آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی مجھے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔''

''تم نے بہت پامردی سے ہر بات کا سامنا کیا۔'' وہ نہایت فراخ دلی سے میری تعریف کیے جا رہا تھا ''میرے منصوبے کی ناکامی یا کامیابی کا دارومدار تمہاری ثابت قدمی پر تھا۔ تم نے مجھے ہی نہیں، پورے بادرانی قبیلے کو سرخ رو کیا

ہے۔ تم بول رہے تھے تو میں خود حیران تھا کہ وہ باتیں میرے علم میں کیوں نہیں ہیں۔ تمہارے ہر لفظ سے سچائی کی مہک پھوٹ رہی تھی۔ قسم بخدا، میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا عظیم الشان جھوٹا نہیں دیکھا۔ کاش! میں پوری بستی کے سامنے تمہاری اس خوبی کا اعتراف کرنے کے قابل ہوتا۔"

"یہ تمہاری ذرہ نوازی ہے۔" میں نے اس کی صاف گوئی پر اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر کہا "میں موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جنت گل کو باعفت قرار دے کر، ارسلا خان کی تحویل میں دینے کا فیصلہ نہ ہوسکا تو تمہارا خون کھول اٹھے گا۔ تمہارے منصوبے کی کامیابی کے ساتھ ہی مجھے اپنی جان بھی عزیز تھی۔ اسی مجبوری نے مجھے کھلے جھوٹ کی راہ دکھائی ورنہ جھوٹ بولنے سے مجھے شدید نفرت ہے۔"

وہ میرے شانے پر ہاتھ مار کر زور زور سے ہنسنے لگا "تم ہوشیار ہی نہیں، دُور اندیش بھی ہو۔ فکر نہ کرو، اب میں تمہارا پکا دوست ہوں۔ بادرانی جسے دوست بنا لیتے ہیں، وہ قبر تک ان کا دوست ہی رہتا ہے۔ جرگے میں بولے گئے جھوٹ کی وجہ سے میں تمہاری دوسری باتوں کو نہیں جھٹلاؤں گا۔ ہر وقت جھوٹ بولنے والے مکار اور فریبی ہوتے ہیں۔ ضرورت اور مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا دانش مندی میں شمار ہوتا ہے۔"

"میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے یہ وضاحت کردی۔ میرے دل میں یہی خوف تھا کہ اب میں تمہیں اپنی سچائی کا یقین نہیں دلا سکوں گا۔ تم نے مجھے دوست کہا ہے تو مجھے ہمیشہ اپنا خیر خواہ ہی پاؤ گے۔"

"ہم ایک دوسرے کے دوست اور راز دار بن چکے ہیں تو مجھے یہ بھی بتادو کہ تمہارے ساتھ والی سفید لڑکی کون ہے۔ وہ ہیروئن کے بارے میں اتنا کچھ جانتی ہے جو قندوز خان بھی نہیں جانتا۔" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"وہ ہماری زبان اور رہن سہن پر تحقیقات کرنے کے لیے یہاں آئی تھی۔" میں نے اپنی پرانی کہانی پر قائم رہتے ہوئے، دھڑکتے دل کے ساتھ کہا "یہ بات میں اور کئی بار دہرا چکا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے ملک میں اس نے ہیروئن کے بارے میں سنا اور دیکھا ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہیروئن ولایت میں بہت مقبول ہے۔"

"اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا "یہ بتاؤ کہ وہ تمہاری کون ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔ اسے یہاں کام کرنے کے لیے مقامی دوستوں کی ضرورت تھی۔ ہم نے ملاقات ہونے پر اسے اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کی اور وہ فوراً راضی ہوگئی۔ ہماری وجہ سے اس بے چاری کو یہاں آنا پڑا ہے۔"

"اس کی نظریں عجیب لگتی ہیں۔" سردار صبغت اللہ نے معنی خیز ہنسی کے ساتھ کہا "تم بولتے ہو تو وہ فریفتہ ہوجانے والی نظروں سے تمہاری طرف دیکھتی رہتی ہے جیسے تم پر مرمٹی ہو......"

"یہ نہ کہو۔" میں اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں بول اٹھا "تمہیں معلوم ہے کہ میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی بھی میرے ساتھ آئی ہوئی ہے۔ اس کی موجودگی میں، میں کسی دوسری عورت سے کیسے دوستی کرسکتا ہوں؟ یہ تمہاری نظر کا فریب بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تمہاری بیوی کی موجودگی کی وجہ سے ہی وہ میری نظر میں آئی ہے۔ اس جیسی والہانہ نظروں سے تو تمہاری بیوی بھی تم کو نہیں دیکھتی۔ ہوسکتا ہے کہ اس فرنگی لڑکی نے تم سے محبت کا اظہار نہ کیا ہو مگر میں بتائے دیتا ہوں کہ اس کے ارادے خطرناک ہیں۔ ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔"

"تمہارے مخلصانہ مشورے کا شکریہ۔ اب میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔"

"تم چاہو تو تمہارا پیچھا چھڑانے کے لیے میں اسے یہاں بھی روک سکتا ہوں۔" سردار صبغت اللہ کی روشن اور چمک دار آنکھوں میں ایک عجیب سا خود غرضانہ تاثر سمٹ آیا "وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گی۔"

اس کے ارادے نیک نہیں تھے۔ وجود زن سے ایک نئے رنگ کا فتنہ جنم لیتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس موقعے پر میری زبان کی ذرا سی لغزش دیرا کی آزادی کا خاتمہ کرسکتی تھی۔ میں نے پورے اطمینان سے کہا "وہ ہماری ذمے داری نہ ہوتی تو مجھے اس کے یہاں رہنے یا یہاں سے واپس جانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی مگر ہم اس کی سلامتی کے لیے جواب دہ ہیں۔ ہم اس کے بغیر کراچی پہنچے تو ناقابل تصور مصائب سے دوچار ہوجائیں گے۔"

"وہ اتنے دنوں سے کراچی سے غائب ہے۔ واپس لوٹی تو تم پر کیا اثر پڑے گا؟" وہ سنجیدہ ہوچکا تھا اور اس سنجیدگی میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ وہ رفتہ رفتہ کھل کر سامنے آرہا تھا۔

"ابھی تک ہم سب اکٹھے ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بھی اس کی عینی شاہد ہے۔ ہم سے کوئی بھی باز پرس کی فرزانہ خود ہماری ڈھال بن جائے گی۔ ہم اسے چھوڑ کر دا گئے تو ہمارے کسی بھی بیان پر یقین نہیں کیا جائے گا اور ہماری مٹی پلید ہوکر رہ جائے گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اب میں اس سے ہوشیار رہوں گا۔ وہ مجھ پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ کراچی پہنچتے ہی میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"خیر، بعد میں دیکھا جائے گا۔" غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے وہ فقرہ نکل گیا مگر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا "میرا مطلب ہے کہ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر بعد میں تم نے چاہا تو مجھے تمہاری مدد کرکے خوشی ہوگی۔ وہ یہاں رہ بھی جائے تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ شہروں کے مقابلے میں یہاں کی زندگی کس قدر سہل و سادہ ہے۔ قندوز خان بتا رہا تھا کہ فرزانہ کو یہاں کا قدرتی حسن بہت پسند آیا ہے اور وہ دوبارہ یہاں آنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"بالکل۔" میں نے فوراً ہی اس کی تائید کی "میرا خیال ہے کہ وہ کراچی پہنچتے ہی تیاری شروع کردے گی اور شاید چند ہفتوں میں دوبارہ یہاں آموجود ہوگی۔ اس وقت تم اسے یہیں کسی بادرانی سے شادی کرنے کا مشورہ دے سکتے ہو۔ وہ یہاں والوں کی مردانہ وجاہت اور حوصلہ مندی سے بہت متاثر ہے۔" اس نے اپنا گلاس اٹھا کر ایک لمبا گھونٹ لیا اور بولا "لیکن بھرے جرگے میں جنت گل کے ہاتھوں مار کھانے والے نے ہم سب کو شرمندہ کردیا تھا۔ وہ لڑکی اس قدر تیز اور پھرتیلی نکلی کہ اس نے ہمارے کڑیل جوان کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ فرزانہ اس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی؟" اسے رفتہ رفتہ ہر بات کے بارے میں دیرا کی رائے کی فکر ہونے لگی تھی۔

"اس کے خیال میں وہ برابر کا مقابلہ نہیں تھا۔ جنت گل ایک ایسے فن میں مہارت رکھتی ہے جس سے تمہارا آدمی واقف ہی نہیں تھا۔ فرزانہ خود اس کھیل کی ماہر ہے۔ تیر اندازی اور گھڑ سواری بھی کرلیتی ہے۔"

"پائندہ گل کے شکنجے سے وادی کو آزاد کرانے کے بعد میرا ایک اور مشن بھی ہے۔" اس کی سیاہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں "ابھی تک شنگارادیلی میں باہر کی کسی عورت کو نہیں بسایا گیا ہے۔ کئی شنگاریوں نے اپنی پسند سے باہر کی عورتوں سے شادیاں کی ہیں لیکن وہ عورتیں اور ان کی اولادیں باہر ہی رہتی ہیں۔ میں نے جنت گل کو یہاں روک کر ایک بڑے انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جنت گل، پائندہ گل کی اولاد قرار دی جاچکی ہے اس لیے یہاں کے لوگوں کو خوشی ہے کہ اسے وادی میں روکا جارہا ہے۔ اس وقت لوگوں کو یہ خیال نہیں رہا ہے کہ وہ وادی سے باہر کی عورت ہے۔ اس کی ارسلا خان سے شادی ہونے کے بعد جہاں بادران والوں کی عزت میں اضافہ ہوگا، وہیں ایک پرانی ریت بھی ٹوٹ جائے گی۔ جنت گل کے بعد باہر کی عورتوں کو یہاں بسانے کا راستہ کھل جائے گا۔"

وہ بہت دور کی بات سوچ رہا تھا اور درحقیقت اتنا سادہ لوح نہیں تھا جتنا بننے کی کوشش کرتا تھا۔ دیرا کی ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی سے یہ بات عیاں ہورہی تھی کہ اس وقت صبغت اللہ کے ذہن میں باہر کی کسی اور عورت کا خیال نہیں تھا لیکن وہ شنگارادیلی کی قدامت پرست اور بھاری بھرکم عورتوں کے مقابلے میں باہر کی تیز و طرار اور سبک اندام عورتوں کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ ایک بار جنت گل بادرانیوں کی بہو بن جاتی تو صبغت اللہ آسانی کے ساتھ، اپنی پسند کی عورت کو گالان میں بسا سکتا تھا۔

"وہ صرف نام کی فرزانہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اصل فرزانگی تو تم پر ختم ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ تم نے جنت گل کے ذریعے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔ شنگاریوں کے گھروں میں باہر کی عورتیں آئیں گی تو اس میل جول کے نتیجے میں ایک نئی نسل جنم لے گی جو شنگاریوں جیسی طاقت اور شہریوں جیسی ذہانت کی مالک ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ آنے والے برسوں میں شنگاریوں کی سلطنت ان پہاڑوں سے نکل کر دور تک پھیل جائے۔"

"میں نے اپنے لڑکپن ہی سے بہت زیادہ وقت کی دنیا میں گزارا ہے۔" وہ بدستور اپنی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا "باہر کی ہر عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے منہ لگایا جائے۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی پرکشش ہوتی ہے اور مجھے تمہارے سامنے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ فرزانہ ایک بے مثال لڑکی ہے۔ خوب صورت، ذہین اور نازک اندام ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مردوں کو لبھانے کا فن بھی جانتی ہے۔ سنا ہے کہ صندل خان بھی اس پر مرمٹا تھا؟"

اس کا آخری، استفسار طلب فقرہ سن کر میں مصنوعی انداز میں ہنس پڑا "فرزانہ باہر کی نہیں، بہت باہر کی لڑکی ہے۔ وہ فرنگیوں کے مادر پدر آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ اس لیے ہر مرد سے آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتی ہے اور لوگوں کو غلط فہمیاں ہونے لگتی ہیں۔ شروع میں مجھے بھی خیال ہوا تھا کہ وہ مجھ پر عاشق ہوگئی ہے۔ میں نے تنہائی میں ایک بار اس سے قریب ہونا چاہا تو اس نے ذرا سی دیر میں میرے اوسان خطا کردیئے۔ ہوا میں گھوم گھوم کر ایسے کرارے ہاتھ جمائے کہ مجھے خوف آنے لگا۔ وہ اپنے دوست کے علاوہ کسی

مرد کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"دوست!" صبغت اللہ نے حیرت سے دہرایا "کیا اس کا کوئی دوست بھی ہے؟"

"ہاں!" میں نے بے پروائی سے کہا "ولایت میں شادی سے پہلے بلکہ بعد میں بھی مردوں اور عورتوں کی دوستی کا رواج ہے۔ بعض جوڑے تو شادی کیے بغیر، کئی کئی بچوں کے ماں باپ بھی بن جاتے ہیں۔ فرزانہ کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ولایت میں ایسی باتوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔"

"استغفراللہ!" میرا وار کارگر رہا اور وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا "لعنت ہے ایسی عورت پر۔ شکل و صورت اتنی معصوم اور حرکتیں اتنی گندی۔ یہ تو بالکل صورت حرام نکلی۔ اسے تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ تو بہتر رہے گا۔"

"ایک بار اسے یہاں رہنے پر آمادہ کر لیا گیا تو ماضی سے اس کا ہر رشتہ ٹوٹ جائے گا۔" میں نے اسے پسپائی پر آمادہ پا کر اپنا پینترا بدل دیا "وہ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

"نہیں، اس بارے میں اب تمہاری کوئی وکالت کام نہیں آئے گی۔" اس نے سختی سے کہا "داغدار ماضی رکھنے والی کسی عورت کی اس وادی میں گنجائش نہیں ہے۔ تم شاید جنت گل کے معاملے کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہو۔ نسلی برتری اور قبائلی ضد کی بنا پر میں نے اس کے ماضی کی پردہ پوشی کر کے اسے قبول کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ آبرومند نہ ثابت ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے کسی شنگاری کی بیوی نہیں بنا سکتی تھی۔ شنگاری مرد، بیوہ عورتوں سے بخوشی شادی کر لیتے ہیں لیکن اوباش عورتوں پر یہ زمین بہت تنگ ہے۔ اگر فرزانہ نے شادی کے بغیر کسی مرد سے دوستی کی ہوئی ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچنا یا کہنا ہی فضول ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری بار یہاں آئے تو تمہاری رائے بدل جائے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اسے منع کر دینا۔ وہ دوبارہ یہاں آئی تو کوئی اسے خوش آمدید نہیں کہے گا۔ جس عورت کے سر پر کسی شنگاری کا ہاتھ نہ ہو، وہ مال غنیمت بن کر رہ جاتی ہے اور جس کا زور چلتا ہے وہ اسے اڑا لے جاتا ہے۔ اس نے دوبارہ ادھر کا رخ کیا تو اس کا سراغ بھی نہیں مل سکے گا کہ اسے کون اور کہاں لے گیا۔ لاوارث عورتوں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر ہمارا کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا۔ یہاں کے تمام تعزیری قوانین مقامیوں کے مفادات اور عزت و حمیت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں۔"

"اس لحاظ سے زرتاشہ خوش نصیب تھی کہ اس کی دادرسی ہوئی۔ پہلے ارسلا خان کو جلا وطن ہونا پڑا اور اب اس کی بے گناہی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد سارا بوجھ عبدالرحیم خان کی گردن پر چلا گیا۔"

"ہاں۔ زرتاشہ بھیڑیں چرانے والی ایک بے بساط لڑکی تھی مگر وہ اسی زمین کی بیٹی تھی۔ یہاں کا قانون اس زمین کی اولادوں کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے۔ آپس کے معاملات میں ہر قیمت پر انصاف کیا جاتا ہے۔ ہم باہر سے آنے والوں کو یہ حق نہیں دے سکتے۔ انہیں مقامیوں کی بالادستی قبول کرنی پڑتی ہے۔"

اس نے پرجوش انداز میں اپنے قبائلی نظام کی وکالت کرتے ہوئے وضاحت کی۔ وہ مہذب دنیا سے بالکل الگ تھلگ، ایک جنگ جو قبائلی معاشرے میں رہ رہا تھا اس لیے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا۔ وہ اس منافقت سے پوری طرح آشنا نہیں تھا جو نام نہاد مہذب معاشروں میں ایک اہم قدر کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ ان معاشروں کے تحریری قوانین میں ہر انسان کے برابر کے حقوق تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ان کے نفاذ کے عمل میں اس قدر سنگ دلی بلکہ بے رحمی برتی جاتی ہے کہ مقامی اور غیر مقامی کی تفریق ایک برہنہ حقیقت بن جاتی ہے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے بے جان آواز میں کہا "میں اسے سمجھاؤں گا کہ یہاں کے خالص مردانہ ماحول میں اس کو بھرپور تحفظ نہیں مل سکے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔"

"اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔" وہ ہلکی سی تلخی کے ساتھ بولا "مگر تم میری باتیں فراموش نہ کرنا۔ میں عقابی نظریں رکھتا ہوں۔ میں نے اس کی والہانہ نظروں میں جو کچھ پڑھا ہے، وہ تم کو بتا دیا ہے۔ تم بھی اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں وہ دیمک کی طرح، اندر ہی اندر تمہاری گھریلو زندگی کو نہ چاٹ جائے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے تمہاری بات گرہ سے باندھ لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں گالان سے کب روانہ کرو گے؟" گفتگو میں موڑ آتے ہی میں نے اپنا پرانا سوال دوبارہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میری خواہش تھی کہ تم ارسلا خان کی شادی کے جشن میں ضرور شریک ہوتے لیکن تم واپسی میں عجلت دکھا رہے ہو تو پھر کل ہی چلے جاؤ۔ میں تمہیں سرحد پار پہنچانے کا بندوبست کرا دوں گا۔"

"تم بہت عظیم اور فراخ دل ہو۔" میں نے ممنونیت سے

میں کہا "تم یقین کرو کہ کراچی سے ہماری طویل غیر حاضری کی بنا پر کئی اہم کام بگڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور یہاں رکتا......"

اس نے میری بات کاٹ دی "اب بار بار رکنے کا ذکر زبان پر نہ لاؤ، چلنے کی بات کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ان بے جان اور ویران پہاڑوں میں تم جیسے لوگ دو چار دن تو خوش رہ سکتے ہو۔ اس سے زیادہ وقت گزارنا، ان کے بس سے باہر ہے۔ پرندوں کی طرح ہر انسان بھی اپنے گھر اور ماحول میں ہی خوش رہ سکتا ہے۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ وہاں ویرا نے سب کو اپنی باتوں میں الجھایا ہوا تھا۔

"صبح بستی میں منادی کرا دو کہ میرے یہ مہمان سورج چڑھنے کے بعد یہاں سے کوچ کریں گے۔" صبغت اللہ نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد قندوز خان سے کہا "انہیں شایان شان طریقے سے رخصت کیا جائے گا۔ روانگی کے لیے نیچے گاڑیاں تیار رہنی چاہئیں۔ ہر چیز یہیں دیکھ بھال لی جائے تاکہ راستے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔"

"میں پورا بندوبست کر لوں گا۔" قندوز خان نے اپنے سر کو خم دے کر کہا۔

اس بار صبغت اللہ نے ویرا کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ابھارے ہوئے تاثرات کی بنا پر صبغت اللہ کی رغبت ختم ہو چکی تھی اور وہ جان بوجھ کر ویرا کو نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اگلے روز روانگی کی خوش خبری سننے کے بعد وہ تینوں ہی بہت زیادہ مطمئن اور مسرور نظر آنے لگے تھے اس لیے کسی نے بھی ویرا کے بارے میں صبغت اللہ کے رویے کی تبدیلی کو محسوس نہیں کیا۔ خود ویرا بھی بے تکلفی کے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھی اور اس کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد، صبغت اللہ کے ایما پر انواع و اقسام کے گرم گرم اور اشتہا انگیز کھانے لائے جانے لگے۔ شنگاریوں کے معمول کے مطابق، کھانوں میں زیادہ زور گوشت پر تھا۔ پرندوں سے لے کر بھیڑوں تک کے بھنے ہوئے گوشت کی کثرت تھی۔ صبغت اللہ نے پورا دستر خوان سجنے کا انتظار کیے بغیر ہی ایک گرم گرم ران اٹھا کر اپنے دانتوں سے کھانی شروع کر دی۔ ہم لوگوں نے بھی اس کی تقلید میں کھانے کا آغاز کر دیا۔

وہ لوگ ہر اعتبار سے نیم مہذب اور شائستہ تھے لیکن کھانے کے بارے میں ان کا ذوق بہت بلند تھا۔ وہ کھانے کے اعلیٰ معیار اور وافر مقدار میں یقین رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کھاتے کھاتے، ہم چاروں نے نڈھال ہو کر ہاتھ روک لیے مگر صبغت اللہ اور قندوز خان کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ انواع و اقسام کے بھنے ہوئے گوشت کے پارچوں سے بھری ہوئی قابیں یکے بعد دیگرے خالی کرتے رہے۔ اپنے مضبوط معدوں میں خوراک کی تہیں جمانے کے لیے وہ وقفے وقفے سے سرخ وائن کے لمبے لمبے گھونٹ پی لیتے جا رہے تھے۔ جب ان کے سامنے ہڈیوں کے انبار کے سوا کچھ باقی نہیں رہا تو ان دونوں نے آسودہ انداز میں لمبی لمبی ڈکاریں لے کر اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

ہم میں سے ہر شخص ضرورت سے زیادہ شکم سیر ہو چکا تھا پھر سردار صبغت اللہ کاہلی کے انداز میں اپنی مسند پر نیم دراز ہوا تو میرے لیے آرام کی خواہش پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔

"ہم نے اس قدر کھا لیا ہے کہ اب لیٹنے کی سوجھ رہی ہے۔" میں نے بے بسی سے قندوز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اجازت ہو تو ہم اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ آج کی یہ دعوت ہم کبھی نہیں بھول سکیں گے۔"

صبغت اللہ فاخرانہ انداز میں ہنس پڑا "غنیمت ہے کہ تمہیں صرف لیٹنے کی سوجھ رہی ہے۔ کچھ لوگ تو اتنے پرخور ہوتے ہیں کہ کھاتے کھاتے پھٹ مرنے کی آرزو میں جیتے رہتے ہیں۔ جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ اب تم چاروں سے صبح ملاقات ہوگی۔" اس نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر ہم چاروں سے مصافحہ کیا اور ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔

"تم لوگ بہت خوش نصیب ہو۔ سردار صبغت اللہ نے تمہیں بہت عزت سے نوازا ہے۔" باہر نکلنے کے بعد قندوز خان نے رشک آمیز آواز میں کہا "گالان میں اتنی عزت گنتی کے لوگوں کو ملی ہے۔"

"آج کا دستر خوان واقعی بہت شان دار تھا۔ میں اس عزت افزائی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "گالان میں کہاں کسی کو ایک وقت میں اتنے کھانے نصیب ہوتے ہوں گے۔"

قرب و جوار میں جلتی ہوئی مشعلوں کی ناہموار روشنی میں قندوز خان نے برا سا منہ بنا کر سلطان شاہ کو گھورا اور چلتے چلتے کہا "تمہارے اعصاب پر صرف کھانا سوار ہو کر رہ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں فاقوں پر گزارہ کرتے رہے ہو۔ وادی کے سردار کا دستر خوان ہر شام اسی طرح بارونق ہوتا ہے۔ آج تمہاری وجہ سے دوسروں کو مدعو نہیں کیا گیا ورنہ اس وقت وہاں پچیس تیس شنگاری ضرور موجود ہوتے۔"

"اس بے چارے کو معاف کر دو۔" قندوز خان کی تنقید

نے ویرا کو بولنے کا موقع فراہم کر دیا ''کراچی میں اسے دو وقت کی دال بھی مشکل سے ملتی ہے۔ بھوکے کے سامنے ایک وقت میں بیسیوں عمدہ کھانے آ جائیں تو کئی روز کے لیے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کس عزت کا ذکر کر رہے تھے؟''

قندوز خان نے ویرا کے اس مذاق سے محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ مار کر کہا ''تم اچھی چوٹیں کر لیتی ہو۔ میں اس عزت کی بات کر رہا تھا جو سردار تمہیں دینے والا ہے۔ تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ صبح گالان میں تمہاری روانگی کی منادی کرانے کا کیا مطلب ہے۔ صبح تمہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور پھر بستی کے سارے مرد تمہیں پورے اعزاز کے ساتھ یہاں سے رخصت کریں گے۔ ایسا کسی کسی مہمان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔''

''مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں گالان میں کئی دن تک رہنے کے باوجود کسی مقامی عورت کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکی۔ کل صبح پھر مرد ہی مرد ہوں گے۔ عورتوں کو تم اتنا کیوں چھپاتے ہو؟'' ویرا نے پوچھا۔

''حیا ہماری عورتوں کا زیور ہے۔'' قندوز خان نے اپنا سینہ پھلا کر کہا ''اور ہم سب غیرت مند لوگ ہیں۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہماری عورتیں غیر مردوں یا آزاد خیال عورتوں کے سامنے آئیں۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اس بارے میں بار بار سوالات کر کے بھی تم کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکو گی۔''

وہ ہمیں لے کر مہمان خانے میں داخل ہوا تو ضیغم خان اپنی گونگی بیوی کے ساتھ باہر والے وسیع کمرے میں قالین پر دراز تھا۔ ہماری آوازیں سن کر وہ دونوں ہی اٹھ گئے۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم لوگ لوٹ آئے۔'' ضیغم خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''میری زبان خاموشی کی وجہ سے اینٹھنے لگی تھی۔ یہاں بات کرنے کے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔ تم آ گئے ہو تو اب باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں گا۔ شاید تم کسی دعوت میں گئے ہوئے تھے؟''

''زیادہ باتیں مت کرو۔'' میرے بولنے سے پہلے قندوز خان نے اسے جھڑک دیا ''ان لوگوں کو صبح یہاں سے روانہ ہو جانا ہے اس لیے ابھی سے اپنی گونگی بیوی کے ساتھ وقت گزارنے کی عادت ڈالو۔ وہ زبان سے نہ سہی، اشاروں سے تو تمہاری باتوں کا جواب دے دیتی ہے۔''

''کیا تم سب یہاں سے واپس جا رہے ہو؟'' اس نے مایوسانہ لہجے میں ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ قندوز خان اس کے ردعمل کی پروا کیے بغیر وہاں سے واپس چل دیا تھا۔

''تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے خود ساری عمر یہیں رہنا چاہتے ہو۔'' میں نے طنز سے کہا۔

''میں اس عورت سے عاجز آیا ہوا ہوں۔'' وہ گوہر جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''یہ اپنی بیٹی کی شادی ہونے تک یہاں رکنے پر مصر ہے۔ کون جانے کہ یہ اس کے بعد بھی یہاں سے جانے پر آمادہ ہو سکے گی؟''

''گالان سے ایسے ہی بیزار ہو تو گوہر جان کو یہاں چھوڑ کر کابل کیوں نہیں چلے جاتے؟'' سلطان شاہ نے کہا۔

''بیوی کو اکیلا چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں؟'' اس نے بے ساختہ کہا ''اجنبیوں کی بستی میں اپنی عورت کو غیر مردوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا میری حمیت کے خلاف ہوگا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

''تم بہت ملعون اور حیلہ جو آدمی ہو۔'' سلطان شاہ نفرت سے بولا ''تمہاری حمیت اس وقت کہاں جا سوئی تھی جب تم نے اپنے سر پر باپ بننے کا جعلی تاج سجانے کے لیے پائندہ گل سے سازش کی تھی؟''

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے خوف زدہ آواز میں بولا ''آہستہ بولو، کسی نے یہ باتیں سن لیں تو میری جرگے والی کہانی کا بھرم جاتا رہے گا۔ انسان سے زندگی میں کبھی کبھار بھول ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس بھول پر اسے ساری زندگی نشتر زنی کا نشانہ بنایا جاتا رہے۔''

سلطان شاہ کے جلے کٹے تبصرے پر گوہر جان کا چہرہ کھل اٹھا اور آنکھوں میں حیوانی چمک عود کر آئی۔ اس نے اپنے حلق سے بے معنی آوازیں نکال کر بیک وقت دونوں ہاتھ فضا میں لہرانے اور گھمانے شروع کر دیے۔ وہ اپنے مخصوص اشاروں کی مدد سے کچھ کہہ رہی تھی جو ہمارے پلے نہ پڑ سکا لیکن ضیغم خان کے لیے اشاروں کی وہ زبان اجنبی نہیں تھی۔ اپنی بیوی کا مقصد سمجھ کر اس نے اسے بری طرح جھڑک دیا ''خاموش بیٹھی رہ! میں ایسی کڑوی کسیلی باتوں سے مرنے والا ہوتا تو تو آج سے برسوں پہلے بیوہ ہو چکی ہوتی۔ فکر نہ کر، میں تجھے قبر میں اتارنے کے بعد بھی برسوں زندہ رہوں گا اور تیرے ارمان کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔''

وہ شاید روئے زمین کا عجیب ترین جوڑا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے، ایک دوسرے کو کوستے پیٹتے رہتے تھے، دوسروں کے سامنے بے عزت کرتے تھے اور بددعائیں دیتے تھے لیکن ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ خوں خوار جونکوں کی طرح آپس میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں اس جذبے کا سراغ لگانے سے قاصر تھا جس

نے ان دونوں کو یکجا رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ ان میں دور دور تک کوئی قدر مشترک نظر نہیں آ رہی تھی۔

گوہر جان چند ثانیوں تک قہر بھری نظروں سے اپنے شوہر کو گھورتی رہی پھر کسی چیل کی طرح اس پر جھپٹ پڑی اور اس کے جسم پر تھپڑوں کی برسات شروع کر دی۔ وہ تماشا خاصا دلچسپ اور عبرت انگیز تھا لیکن ہم وہاں رکنے اور اس جھگڑے میں ملوث ہونے کے بجائے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ لنگڑے ضیغم خان نے اپنی بیوی کے حملوں سے بچاؤ میں ناکام رہنے کے بعد جوابی وار کرنے شروع کر دیے تھے۔ فضا ان کی لڑاکا بلوں جیسی غصیلی غراہٹوں اور تیز آواز سے گونج رہی تھی۔

کمرے میں رازدارانہ گفتگو کا موقع میسر آتے ہی ویرا نے ایک متوقع سوال کر ڈالا ''سردار صبغت اللہ نے تمہیں اپنے کمرے میں لے جا کر کیا راز و نیاز کیے تھے؟ واپسی پر وہ کچھ اکھڑا اکھڑا نظر آ رہا تھا۔''

''وہ ہمیں رد کنے پر مصر تھا اور میں فوری واپسی پر ضد کر رہا تھا۔'' میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا ''ہماری اس تکرار کا نتیجہ تم سن ہی چکی ہو۔ اس نے خود ہماری کل روانگی کی خبر سنائی تھی۔''

''لیکن تم دونوں بہت دیر بعد باہر آئے تھے۔'' غزالہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''کتنی بھی حجت اور تکرار ہوتی، اتنی سی بات میں اتنا وقت نہیں لگ سکتا تھا اور کیا باتیں ہوتی رہی تھیں؟''

غزالہ کے سوال سے ویرا کو شہ مل گئی اور اس نے قدرے خفگی سے کہا ''اب ڈینی کا رویہ بدل رہا ہے۔ اس نے بہت سی باتیں چھپانی شروع کر دی ہیں حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا۔ ہم مل جل کر مشورے کرتے تھے۔''

''روانگی کے علاوہ جو باتیں ہوئیں وہ اتنی خوشگوار نہیں تھیں کہ انہیں دہرایا جا سکے۔'' میں نے ویرا سے کہا ''تم بلاوجہ میری نیت پر شبہ کر رہی ہو۔ میں ضروری باتیں ہمیشہ بتا دیتا ہوں۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی ''پہلے ہر بات بلا کم و کاست زیر بحث آتی تھی۔ اب تم ضروری اور غیر ضروری کی آڑ لے کر قطع برید کرنے لگے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

میں لمحہ بھر خاموش رہ کر اس صورت حال پر زیر لب مسکراتا رہا پھر آہستگی سے بولا ''تم اصرار کر رہی ہو تو سنو کہ ان سنگلاخ ویرانوں میں خشک اور سپاٹ زندگی گزارنے والے قبائلیوں کو تم نے اعصاب شکن امتحان میں ڈالا ہوا ہے۔ صبغت اللہ تم کو گالان ہی میں روکنے کے عزائم لیے بیٹھا تھا۔''

''مبارک ہو!'' اس بار سلطان شاہ کو ویرا کو چڑانے کا سنہرا موقع مل گیا ''نیم وحشیوں میں پہنچتے ہی عاشقوں کی برسات ہونے لگی ہے۔ صندل خان اپنی حسرتیں دل میں لے کر چل بسا اور اب نیا امیدوار سامنے ہے۔''

''تم مجھ سے اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے جھوٹ بول رہے ہو۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے تبصرے کو نظرانداز کر کے بے اعتباری سے کہا ''صبغت اللہ اس قماش کا آدمی نظر نہیں آتا۔''

''پائندہ گل بھی نورانی صورت آدمی تھا مگر گوہر جان پر پھسل پڑا۔ تمہارے ٹائپ کی عورتوں میں خرابی یہی ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر اچھے خاصے شریف مردوں پر بدمعاشی سوار ہو جاتی ہے۔'' سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

''تم چپ رہو ورنہ میں چانٹا مار دوں گی۔'' ویرا کو یک بیک غصہ آ گیا ''ہم اس وقت اہم بات کر رہے ہیں۔ تم موقع محل دیکھے بغیر ہر وقت ایک ہی راگنی الاپتے رہتے ہو جو کبھی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔''

سلطان شاہ نے پھر منہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا لیکن غزالہ نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اشارہ کر کے اسے خاموش کر دیا اور مجھے بولنے کا موقع مل گیا ''مرد اور عورت کے درمیان قدرت نے ایک ازلی کشش رکھی ہے۔ اس میں قماش اور حلیے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض گھنے مرد کسی کو اپنے دل کا بھید نہیں پانے دیتے۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے لیے کس قدر دور کی باتیں سوچ رہا تھا۔ اگر مجھے بروقت تمہارے ایک فرضی بوائے فرینڈ کا ذکر نہ سوجھ گیا ہوتا تو تمہیں یہاں سے نکال لے جانا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ غنیمت ہے کہ ہمیں کل یہاں سے نکل جانے کی اجازت مل گئی ہے ورنہ تمہاری وجہ سے اور بھی مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔''

''پھر تو یہ معجزہ ہی نظر آ رہا ہے کہ میں کسی بڑی الجھن سے دوچار ہوئے بغیر یہاں سے جا رہی ہوں۔'' ویرا نے فکرمندی کے ساتھ اعتراف کیا ''اگر صبغت اللہ نے ایسا گل کھلایا ہے تو میں یہاں کے کسی مرد پر اعتبار نہیں کر سکتی۔''

''وہ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اپنے پیش رو کی روایت کی تجدید کرنی چاہتا تھا؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا تو ویرا نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کی علامات پا کر ناک منہ چڑھا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

میں نے سلطان شاہ کے اس سنجیدہ سوال کا مقصد سمجھے

بغیر کہا ''وہ جنت گل اور ارسلا خان کی شادی کے ذریعے باہر کی عورتوں کو شنگارادیلی میں آباد کرنے کی بات کررہا تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شادی کی راہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یہ لوگ جیسے بھی ہیں، ان کی مسلمانی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔'' وہ پرتشویش آواز میں بولا ''وہ فرزانہ خانم کو مسلمان کیے بغیر ہرگز شادی نہ کرتا۔ تم نے بوائے فرینڈ کا قصہ گھڑ کر ثواب کمانے کا ایک موقع ضائع کردیا۔''

اس وقت ویرا کے قریب ہی تپائی پر خالی گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے بھنا کر ایک خالی گلاس سلطان شاہ پر کھینچ مارا۔ اس نے ڈھٹائی کے ساتھ اس گلاس کو فضا ہی میں لپک کر پھرتی سے قریبی بستر پر اچھالا اور ویرا کے حرکت میں آنے سے پہلے ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اس نے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔'' اس کے چلے جانے کے بعد ویرا اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے بولی ''ان پہاڑوں کی آب و تاب نے اس کے دل و دماغ پر عجیب ہی اثر ڈالا ہے۔ یہ کچھ دن اور یہاں رُکا رہتا تو ہاتھ سے ہی نکل جاتا۔''

''تم لوگوں کی آپس کی نوک جھونک نے یہاں کی بے کیف زندگی میں دلچسپی پیدا کی ہوئی ہے ورنہ ہم اپنا سارا وقت بے بسی پر کڑھتے ہوئے گزارنے پر مجبور ہوجاتے۔ حالات سدھرنے کے ساتھ سلطان شاہ بھی راہ راست پر آجائے گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اس وقت وہ مایوسی کے عالم میں، اپنی ذات سمیت ہر ایک کا مضحکہ اڑانے پر تلا ہوا ہے۔ تمہیں اس کو معاف کردینا چاہیے۔''

''میں کون سا اسے سولی پر لٹکا رہی ہوں؟'' وہ تنک کر بولی ''ہم سب ایک جیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اسے ہر وقت رعایتیں دی جاتی رہیں؟ دیکھا جائے تو تم تینوں کے مقابلے میں مجھ پر سب سے زیادہ ذہنی دباؤ ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کبھی برا وقت آیا تو تم دونوں مجھے بھول کر صرف غزالہ کو بچالے جانے کی کوشش کرو گے اور مجھے اپنا راستہ خود بنانا ہوگا۔''

''یہ تمہاری زیادتی ہے۔'' غزالہ نے اس کے آخری فقروں پر احتجاج کرتے ہوئے کہا ''مجبوری میں کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن دیدہ و دانستہ تمہیں یکہ و تنہا نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم بھول رہی ہو کہ یہاں آتے ہوئے جب ہمارے قافلے نے بارانی طوفان سے پناہ لینے کے لیے تاریک غار میں سر چھپایا تھا تو سلطان شاہ ایک لمحے کے لیے تاریک غار میں سر چھپایا تھا تو سلطان شاہ ایک لمحے کے لیے بھی تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ ہم اس کی فکرمندی اور خلوص کو مذاق میں نہیں ٹال سکتے۔''

''اس کا مضحکہ اڑانے کے باوجود، میں دل ہی دل میں اس کی احسان مند تھی۔'' ویرا نے اعتراف کیا ''لیکن بعض اوقات وہ اپنی تلخ کلامی سے بلاوجہ تاؤ دلا دیتا ہے۔ تم میرے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟ وہ ڈیبی کے مقابلے میں تم کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔''

''میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں تنہائی میں اسے کیا کچھ نہیں کہتی۔'' غزالہ نے بے چارگی سے کہا ''وہ اپنی غلطیاں بھی تسلیم کرلیتا ہے لیکن تم سے آمنا سامنا ہوتے ہی اس کی کوئی نہ کوئی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور کوئی نہ کوئی نیا تنازع اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت میں بالکل بے بس ہوکر رہ جاتی ہوں۔''

''میرے لیے یہ انکشاف حیران کن ہے کہ وہ اپنی غلطی مان لیتا ہے۔'' ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

غزالہ اور ویرا کے درمیان سلطان شاہ کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ میں بستر پر دراز ہوگیا۔ صبغت اللہ کے مرغن کھانوں سے فیض یاب ہونے کے بعد مجھے شدت سے آرام کرنے کی حاجت محسوس ہو رہی تھی لیکن نیند کا پتا نہیں تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ واپس نہیں آیا تو غزالہ کو اس کی فکر لاحق ہوگئی۔ وہ دونوں جس انداز میں ایک دوسرے کی خبر گیری کرتے رہتے تھے، وہ میرے لیے ہمیشہ دلچسپی کا سبب بنتا تھا۔

غزالہ نے دروازے سے ہی واپس لوٹ کر ویرا کو بتایا کہ سلطان شاہ وسطی ہال میں ضیغم خان اور گوہر جان کے ساتھ چوپال جمائے بیٹھا تھا۔ شاید وہ ویرا کے سوجانے کا منتظر تھا تاکہ بعد میں خاموشی سے واپس لوٹ کر اپنے بستر میں دبک سکے۔ میں کافی دیر تک بستر پر پڑا اپنے خیالات میں ڈوبا رہا لیکن تھکان کے احساس کے باوجود نیند نہ آسکی اور میں دونوں عورتوں کی باتوں میں شامل ہوگیا۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے بستر پر سنبھال چکی تھیں اور اس وادی سے روانگی کی خوشی ان پر غالب آئی ہوئی تھی۔

شنگارادیلی میں ہماری وہ آخری رات بیداری کے عالم میں گزری، سلطان شاہ اپنی دانست میں بہت تاخیر سے اندر آیا اور ہم تینوں کو باتوں میں مصروف پاکر حیران رہ گیا۔ جب تک ہم شنگارادیلی میں رہے، وہاں کی معاشرت اور روایات ہمارے اعصاب پر اس بری طرح سوار رہیں کہ ہم سب خود کو اسی ماحول کا ایک جزو سمجھتے رہے لیکن وہاں سے روانگی کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم نے ان خطرناک حالات میں کسی خسارے سے دوچار ہوئے بغیر خاصی طویل مدت گزار لی تھی۔

ایک طرف کراچی اور مشرق و مغرب کے دوسرے ترقی یافتہ شہروں کی رنگین اور فسوں کار یادیں تھیں اور دوسری طرف شنگارادیلی کے دشت و جبل کی سنگلاخ حقیقتیں، جن کا آپس میں کوئی موازنہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ان میں سے کسی ایک کو حقیقت مان لینے کے بعد دوسرا خودبخود خواب قرار پاجاتا تھا لیکن ان دونوں متضاد حدوں میں ہمارے چار کردار مشترک تھے جن کے تجربات اپنی جگہ پر اٹل تھے۔

شب بیداری کے بعد طلوع ہونے والی صبح ہمارے لیے ہیجان انگیز تھی۔ ہم چاروں صبح کے ملگجے اجالے میں ہی نہا دھو کر تازہ دم ہوگئے اور جب قندوز خان کا آدمی ہمیں بیدار کرنے کے لیے اونگھتا ہوا آیا تو ہمیں چاق و چوبند پاکر شرمندگی سے اپنا سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔

باہر خوب اجالا پھیل جانے کے بعد قندوز خان آموجود ہوا۔ اس کے پیچھے دو خدمت گار ہمارے کمرے میں چلے آئے۔ ان دونوں نے معمول کے مطابق گرما گرم ناشتے سے بھری ہوئی تھالیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گھر لوٹنے کی خوشی میں تم چاروں ساری رات جاگتے رہے ہو۔'' قندوز خان نے ہماری خمار سے بھری ہوئی آنکھوں کا جائزہ لے کر گرم جوشی سے کہا۔

''جانے کی خوشی کے ساتھ اس بات کا صدمہ بھی ہے کہ ہم، تم جیسے پرخلوص دوستوں سے بچھڑ جائیں گے۔ بعد میں نہ جانے ہم ایک دوسرے سے مل بھی سکیں گے یا یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہمارے درمیان کوئی کاروباری معاملہ طے ہوگیا تو ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔'' قندوز خان نے ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک ہوتے ہوئے کہا ''ہم لوگ کراچی تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ جنگ میں پرانے آدمیوں کے کام آجانے کے بعد ہم چند آدمیوں پر باہر کے کام کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ جب تک نئے آدمی باہر کے رسم و رواج اور زبان سے واقف نہیں ہوجاتے، گنتی کے چند افراد ہی کو باہر کے پھیرے لگانے ہوں گے۔''

''وہ کاروباری ملاقاتیں ہوں گی۔ دوستی تو بے غرض اور دائمی ہوتی ہے۔''

قندوز خان دھیمے سے ہنس پڑا ''غور کرو تو ہماری دوستی کی بنیاد بھی لین دین پر استوار ہوئی ہے۔ تم نے پائندہ گل کے خلاف ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے تمہیں اپنا معزز مہمان بنالیا۔ یہی کاروبار میں ہوتا ہے۔''

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ مادہ پرستی کے اس دور میں دوستی تو درکنار، رشتے بھی مشترکہ مفادات کے سائے میں پروان چڑھتے ہیں۔ جہاں کوئی فائدہ ہونے کی امید نہ ہو، محض وضع داری کی بنا پر سگے رشتے دار بھی ایک دوسرے سے ملنے میں کوئی گرم جوشی نہیں دکھاتے۔ اگر اس وقت قندوز خان کی بات غلط بھی ہوتی تو میں ہرگز اس کی تردید نہ کرتا۔ اپنی روانگی کے آخری مرحلے پر میں اس پر ہول وادی کے کسی خارش زدہ کتے کو ناراض کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تو سردار صبغت اللہ کا منہ چڑھا مشیر اور معاون تھا۔

اس نے ہمیں بتایا کہ گالان میں ہمارے بارے میں منادی کرادی گئی تھی۔ تیاریاں جاری تھیں اور بستی کے لوگ اپنے مہمانوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے میدان میں جمع ہونے شروع ہوگئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد قندوز خان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم نے اپنے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں، پھر تن کے کپڑوں کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل آئے۔ ہمیں پائندہ گل کے وفاداروں نے شب خوابی کے لباس میں، ننگے پیروں کراچی سے اغوا کیا تھا مگر مرحوم صندل خان کے طفیل اس وقت ہمارے جسموں پر صاف ستھرے شنگاری لباس موجود تھے اور پیر بھی جوتیوں سے محروم نہیں تھے۔

باہر ضیغم خان اور گوہر جان کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ دونوں آپس کی بک بک اور جھک جھک سے نمٹ کر کسی کمرے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ قندوز خان مہمان خانے سے باہر نکلنے کے بعد ایک سیدھی راہداری میں ہولیا جو کافی فاصلے کے بعد دو سمتوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اس روز میں نے پہلی بار یہ تماشا دیکھا کہ راستے میں نظر آنے والا ہر شنگاری ہمارے سامنے سے احتراماً سر کو خفیف سا خم دے کر گزر رہا تھا اور مجھے دلی خوشی ہو رہی تھی کہ اس وقت تک سب کچھ ہمارے حق میں نظر آرہا تھا۔ بظاہر ہماری روانگی میں کسی رخنہ اندازی کا امکان نہیں تھا۔

ایک طویل راستہ طے کرنے کے بعد ہم حویلی کے مغربی دروازے سے باہر نکلے تو دور تک پھیلے ہوئے پتھریلے اور ہموار میدان میں ایک میلے کا سا سماں بندھا ہوا تھا۔ سورج مشرق سے بتدریج بلندیوں کی طرف اٹھتا جارہا تھا۔ اسی کے ساتھ فصیل کے لمبے سائے غیر محسوس انداز میں سکڑتے جارہے تھے۔ فصیل کے ساتھ ہی چند تخت جوڑ کر اسٹیج بنایا گیا تھا۔ اس پر قالین ڈال کر مسندیں لگائی گئی تھیں۔ ان میں سے وسطی مسند بہت آراستہ اور کشادہ تھی۔ وہ یقینی طور پر صبغت اللہ کے لیے رکھی گئی تھی۔ قندوز خان ہمیں لے کر تخت پر چڑھا تو میدان میں دور تک بے شمار شنگاری بچے، جوان اور بوڑھے رنگا رنگ مقامی ملبوسات پہنے، پھیلے ہوئے تھے اور آہستہ

آہستہ ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

قندوز خان ہمارے ساتھ چھوٹی مسندوں پر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نادیدہ نقارے پر ضرب لگائی گئی۔ فضا دہل اٹھی۔ اسی کے ساتھ ساری نگاہیں حویلی سے نکاسی کے راستے کی طرف اٹھنے لگیں۔

چند منٹ بعد سردار صبغت اللہ، مسلح شنگاریوں کے جھرمٹ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا نمودار ہوا اور فضا ہولناک چیخوں سے لرز اٹھی۔ شنگاری اپنے ہونٹوں کو دائرے کی صورت میں سکوڑ کر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چلا رہے تھے اور اپنے دہانوں میں ایک انگلی ڈال کر زور زور سے ہلا رہے تھے۔ سردار صبغت اللہ مربیانہ انداز میں ہاتھ لہراتا ہوا تخت پر چڑھ آیا۔ اس کے ساتھ چند شنگاری بھی اوپر آ گئے۔ بقیہ اسٹیج کے پیچھے چلے گئے۔

صبغت اللہ نے اوپر آتے ہی مجھے پوری قوت سے اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کے ہمراہیوں نے بھی باری باری، میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ وہی عمل دہرایا۔ عورتوں کے ساتھ صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا گیا۔ اس رسم کے خاتمے پر صبغت اللہ نے ہم سب کو بیٹھنے کے لیے کہا اور خود مجمع کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی مجمع پر سناٹا چھا گیا اور دور دور تک پھیلے ہوئے شنگاری، تیزی سے اسٹیج کے قریب سمٹنے لگے۔

صبغت اللہ نے گونجیلی آواز میں اپنا خطاب شروع کیا تو اس کا مفہوم ہماری دسترس سے باہر تھا۔ وہاں کسی بات کی تائید یا تردید کا مسئلہ درپیش نہیں تھا، اس لیے ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ البتہ وہ اپنی تقریر کے دوران میں بار بار ہماری طرف اشارے کرتا جا رہا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے ہی بارے میں رطب اللسان تھا۔ وہ کئی منٹ تک بے تکان بولتا رہا اور لوگ صبر و سکون سے سنتے رہے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ایک بار پھر کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی چیخوں کا عجیب و غریب سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی بے پناہ شور میں اسٹیج کے نیچے سے چار سجے ہوئے تھال نکال لے گئے اور پھر صبغت اللہ نے ایک جھلملاتا ہوا لبادہ کھول کر میرے شانوں پر ڈال دیا۔ اس وزنی لبادے پر دل کھول کر طلاکاری کی گئی تھی۔ وہ اعزازی لبادہ پہنانے کے بعد اس نے تھالی میں سے ایک تھیلی اٹھا کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا "ان پہاڑوں میں صرف جنس چلتی ہے۔ یہاں کوئی سکہ نہیں ہے۔ اس لیے اس تھیلی میں پانچ ہزار ڈالر کا حقیر نذرانہ ہے جو ہماری محبت کی بس ایک علامت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ مجھے گلے سے لگایا۔ چیخوں کا ماند پڑتا ہوا وحشیانہ سلسلہ پھر جنون آمیز ہو گیا۔

سردار صبغت اللہ نے سخاوت اور دریا دلی سے کام لیتے ہوئے ہم چاروں کو وہ اعزازی لبادے اور مساوی ڈالروں کی تھیلیاں عطا کیں تو میرے ذہن میں مغلوں کے درباروں کی کہانیاں تازہ ہو گئیں۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیسویں صدی کے آخری حصے میں بھی صدیوں پرانی روایات اتنی شان و شوکت سے زندہ ہو سکتی ہیں۔ اس وقت ماحول اس قدر گرم اور جذباتی ہو رہا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی ان لبادوں کو جسم سے الگ نہیں کر سکا۔

ویرا کی خلعت پوشی سے فارغ ہوتے ہی صبغت اللہ تخت سے نیچے اتر گیا۔ سب لوگوں نے اس کی تقلید کی۔ نیچے رک کر وہ جذباتی انداز میں ہماری خدمات اور رفاقت کا ذکر کرنے لگا۔ اسی اثنا میں قد آور اور مضبوط خچروں کی ایک قطار حویلی سے برآمد ہوئی اور صبغت اللہ نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے دعائیہ انداز میں کہا "جاؤ، میرے دوستو، تمہاری مٹی تمہیں یاد کر رہی ہے۔ قندوز خان تمہیں سرحد پار پہنچائے گا۔ میری ذات سے تمہیں جو بھی دکھ پہنچے ہوں، ان کے لیے مجھے معاف کر دینا پھر ملا تو میں ان کی تلافی کر دوں گا...... فی امان اللہ!"

قندوز خان اچھل کر ایک خچر کی پشت پر سوار ہو گیا۔ مزید چار مسلح شنگاری بھی زینوں پر سوار نظر آنے لگے۔ بقیہ چار خچر ہمارے لیے تھے۔ ہم بھی کسی نہ کسی طرح ان پر سوار ہو ہی گئے۔ خچر حرکت میں آئے تو شنگاریوں کی چیخوں کا سلسلہ پھر انتہا کو پہنچ گیا۔ اس بار وہ سب اپنے سردار کے ساتھ ہماری طرف ہاتھ بھی ہلا رہے تھے۔

گالان سے اس قدر پرشکوہ روانگی کے بارے میں ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہت سے بچے ہمارے خچروں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے پھر خچروں نے رفتار پکڑنی شروع کر دی۔ آوازیں رفتہ رفتہ پیچھے ہونے لگیں اور سنگلاخ زمین پر خچروں کے سموں کی آواز تیز ہونے لگی۔ ڈھلان کا سلسلہ شروع ہوا تو پیچھے کا ہر منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا لیکن ہمارے اعزاز میں جمع ہونے والے شنگاریوں کی آوازیں پھر بھی سنائی دے رہی تھیں۔

مجھے گالان پہنچنے کے روح فرسا تجربات یاد تھے اس لیے میں دیر تک ان خطرناک، کھڑی ڈھلانوں کا انتظار کرتا رہا جنہیں ہم نے آتے وقت عبور کیا تھا لیکن ان ڈھلانوں کا عشر عشیر بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ گھنے جنگل میں خچروں کی سست روی سے ڈھلان اترنے کا احساس ہو رہا تھا لیکن اس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"وہ تمہیں لانے والوں کی بدمعاشی تھی۔" میرے استفسار پر قندوز خان نے بھی وہی بات کہی جو صندل خان مجھے بتا چکا تھا "وہ تمہیں بدترین راستے سے اوپر لے گئے تھے تاکہ تم فرار کے بارے میں سوچ بھی نہ سکو۔ جنگلات کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد سرسبز وادی نظر آنے لگے گی۔"

اس کا کہنا درست ثابت ہوا۔ چھدرے درختوں سے نکلنے کے بعد پیالے جیسی وادی کا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ راستہ محفوظ ہی نہیں، مختصر بھی ثابت ہوا تھا۔ ایک لمبی اور ہموار ڈھلان کو عبور کرنے کے بعد ہمارے خچر گالان کی سطح مرتفع سے وادی میں اتر چکے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اس بار ہم وادی کے کسی اور ہی حصے میں اترے تھے۔

ہموار زمین سے پیر ٹکراتے ہی خچروں کی رفتار میں دوبارہ تیزی آ گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ وادی میں سے نکلنے کے لیے ہمیں اسی مقام تک پہنچنا ہوگا جہاں سے ہم نے پچھلی بار اپنے سفر کا آغاز کیا تھا مگر اس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

میدانی علاقے میں نسبتاً کافی طویل چکر کاٹنے کے بعد ہمیں پتھروں سے بنے ہوئے وہ مکانات نظر آئے جو وادی میں داخلے کے واحد راستے کے سامنے ایک ناقابل تسخیر فصیل کی طرح حائل تھے۔ گالان کی سیدھی ڈھلان سے کھیتوں کی طرف مڑتے ہوئے، قندوز خان نے بتایا کہ صبغت اللہ نے شنگاروادی کا اقتدار سنبھالتے ہی عورتوں کو برہنہ چھاتیوں کے ساتھ بیگار کرنے کی سزا کالعدم قرار دے دی تھی کیونکہ اس سے وادی ہی کی عورتوں کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ میری دانست میں وہ ایک خوش گوار تبدیلی تھی جسے بہت پہلے نافذ ہو جانا چاہیے تھا۔

افیم کے لہلہاتے ہوئے پودوں کی دیکھ بھال کرنے والے دہقانوں نے حیرت بھری نظروں سے ہمارے قافلے کو دیکھا اور ہم کھیتوں کے بعد ایک بڑے سنگی مکان میں سے گزرتے ہوئے اس میدان میں پہنچ گئے جہاں تین صاف ستھری جیپیں پہلے سے تیار تھیں۔

قندوز خان نے اپنے خچر کو آزاد کرتے ہی وہاں موجود لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی پھر اس کے معائنے کے بعد دو گاڑیوں کے انجن چلا دیئے گئے۔

"کیا جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے یہاں نہیں رکو گے؟" قندوز خان کو فوری روانگی پر آمادہ پا کر میں نے پوچھا۔

"شاید تم اس طوفانی برسات کو بھول گئے جس نے آتے ہوئے تمہیں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔" وہ ہنس کر بولا "تم چاہو تو ہم رک سکتے ہیں لیکن یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہی بہتر ہوگا۔ ابھی تیز اور چمک دار دھوپ نکلی ہوئی ہے لیکن ان پہاڑوں میں موسم کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ گاڑیوں میں خورد و نوش کا سامان موجود ہے۔ بے فکری سے راستے میں کھاتے پیتے سفر کریں گے۔"

میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہم لوگ جیپوں میں سوار ہونے لگے۔ اس بار صرف قندوز خان ہی اردو بول اور سمجھ سکتا تھا اور بدقسمتی سے وہ بھی بے نوش تھا۔ بقیہ چار آدمی اردو سے نابلد تھے۔ اس وجہ سے ترتیب وہی رہی جو آتے ہوئے تھی۔ یعنی ایک گاڑی میں غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ تین مقامی تھے اور دوسری جیپ میں میرے اور ویرا کے علاوہ قندوز خان اور ایک شنگاری تھا۔ ہماری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ قندوز خان نے سنبھال لی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو زرافے کی گردن کی طرح اوپر اٹھی ہوئی پہاڑی ہمارے سروں پر موجود تھی۔ درے سے کچھ آگے نکلنے کے بعد قندوز خان نے جیپ کا انجن بند کر دیا۔ واپسی کے سفر میں وہ لوگ ڈیزل کی بچت کے لیے وہی طریقہ استعمال کرنے کے عادی تھے۔ ڈھلان اتنی زیادہ تھی کہ راستے کی ناہمواری اور رکاوٹوں کے باوجود، رفتار پر قابو رکھنے کے لیے جابجا بریک استعمال کرنے پڑتے تھے۔ انجن کے شور سے عاری، قدرتی ماحول میں سفر بہت خوشگوار اور فرحت بخش محسوس ہو رہا تھا۔

خطرناک اور پرپیچ راستوں پر ہم نے چند میل ہی طے کیے ہوں گے کہ اچانک فضا میں کسی نقارے کی ماتمی سی آواز کی بازگشت سنائی دینے لگی اور قندوز خان نے اضطراری طور پر بریک لگا کر جیپ ایک طرف روک لی۔

"کیا بات ہے؟ رک کیوں گئے؟" میں نے کسی انجانے خوف کے زیر اثر سوال کیا۔

"رکنا ہی پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ واپس لوٹنا پڑے۔" وہ کھوئی کھوئی آواز میں بولا "یہ گالان کے ماتمی نقارے کی گونج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی المناک سانحہ رونما ہو گیا ہے۔"

اس کی زبان سے وہ بری خبر سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید ہمیں رخصت کرنے کے لیے جمع ہونے والے ہتھیار بند شنگاریوں نے سردار صبغت اللہ کو مار دیا ہے یا اس کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور بازی دوبارہ پائندہ گل کے حامیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ہمارے لیے وہ اندیشہ بہت ہولناک تھا۔

اقتدار کی جنگ میں ایک بار خون بہہ نکلے تو وہ بار بار اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ شاید پائندہ گل اور اس کے وفاداروں کا خون بھی گالان کے باسیوں سے اپنا خراج لے رہا تھا۔

☆☆☆

قندوز خان نے فوراً ہی جیپ کنارے سے لگا کر کھڑی کردی تھی۔ پیچھے آنے والی جیپ کے ڈرائیور نے اس کی تقلید کی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے گالان کے شاہی نقارے کی ماتمی گونج سن لینے کے بعد سفر موقوف کرنے کا تعلق بھی ان کی کسی قدیم روایت سے تھا۔

"تو کیا اب ہم واپس گالان جائیں گے؟" میں نے وحشت زدہ آواز میں اس سے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" اس نے مغموم انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بات طے ہے کہ کوئی فیصلہ ہونے سے پہلے ہم یہاں سے آگے نہیں جاسکیں گے۔ رہا گالان واپسی کا راستہ، تو وہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ ہم اسی لمحے واپس لوٹ سکتے ہیں۔"

"تم نے کیا سوچا ہے؟" ویرا نے اضطرار کے عالم میں سوال کیا۔ "اس مختصر سے کارواں میں فیصلہ کرنے کا اختیار صرف تم ہی کو حاصل ہے۔ باقی سب لوگ تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"میں انتظار کروں گا۔" اس نے گہری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھنے کے بعد گمبھیر آواز میں کہا۔ اس وقت قندوز خان کی چمکیلی آنکھوں میں، دل کو متاثر کرنے والی افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔

"انتظار......! مگر کس کا انتظار؟" ویرا جلد از جلد سب کچھ جان لینے کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے گردن تان کر تیکھی نظروں سے قندوز خان کو باقاعدہ گھورنا شروع کردیا تھا۔

"گالان کی بلندی سے جب نقارے کی ایسی کربناک چیخ بلند ہوتی ہے تو جو جہاں اور جس حال میں ہے، اسی حال میں ٹھہر جاتا ہے یا پھر واپس گالان کی طرف چل دیتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نقارۂ مرگ کی سوگوار آواز سن لینے کے بعد کوئی بھی مسافر اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ ایسے مسافروں کی آگاہی کے لیے گالان سے قاصد دوڑائے جاتے ہیں جو راستے میں رکے ہوئے مسافروں کا تجسس دور کرکے انہیں پوری بات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد مسافروں کی اخلاقی ذمے داری ختم ہوجاتی ہے۔ پوری بات جان لینے کے بعد وہ واپس لوٹیں یا اپنی منزل کی طرف بڑھ جائیں، اس کا انحصار ان کے جذباتی ردِ عمل پر ہوتا ہے۔ میں یہاں رک کر گالان کے قاصد کا انتظار کروں گا۔ گالان والوں کو معلوم ہے کہ ہم اتنی جلدی نقارے کی بازگشت سے دور نہیں نکل سکے ہوں گے۔"

اسی لمحے غزالہ بھی پچھلی جیپ سے اتر آئی۔ اسے دیکھ کر ہم سب بھی ناہموار اور سنگلاخ زمین پر اتر گئے۔ دوسری جیپ بھی رفتہ رفتہ خالی ہو رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ آواز کیسی تھی؟ ہم اس ویرانے میں کیوں رک گئے ہیں؟" اس نے آتے ہی سہمی سہمی آواز میں بیک وقت کئی سوال داغ دیے۔ وہ بہت ہراساں نظر آرہی تھی۔

"تسلی رکھو، کچھ نہیں ہوا۔" میں نے اس سے سختی سے کہا پھر ویرا سے مخاطب ہوگیا۔ "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو ایک طرف لے جاکر پوری صورت حال سمجھا دو۔ مجھے قندوز خان سے کچھ سمجھنے دو۔"

"تم لوگوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" قندوز خان نے لقمہ دیا۔ "یہ خالص ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔ تم پر زیادہ سے زیادہ یہ اثر پڑ سکتا ہے کہ سوگ کی وجہ سے تمہاری روانگی دس پانچ روز کے لیے ملتوی ہوجائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ تھوڑی دیر میں پوری بات سامنے آجائے گی۔"

وہ اپنی دانست میں ٹھیک ہی کہہ رہا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم چاروں کو شنگاریوں کے سیمابی مزاج اور ان کے مروجہ طور طریقوں سے وحشت ہونے لگی تھی اور ہم مزید ایک لمحے کے لیے بھی اس ماحول میں واپس لوٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں رخصت کرنے کے بہانے، پائندہ گل کے حامیوں نے جتھے بنا کر جوابی بغاوت کردی ہو؟" میں نے بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح اپنے ذہن میں چبھنے والے خوف کو الفاظ کی شکل میں ڈھال دیا۔ "اور اب وہاں پھر خون بہنا شروع ہوگیا ہو۔"

"شنگارا دیلی میں ایسی بغاوت کا تصور ہی نہیں ہے" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "دو افراد یا گروہوں میں اختلاف ہوجائے تو وہ للکار کر ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں۔ چوری چھپے وار کرنا شنگاریوں کی مردانگی کی توہین ہے۔ یہ خیال اپنے ذہن سے بالکل نکال دو۔ تمہیں یاد نہیں کہ پائندہ گل کے وفاداروں سے ٹکر لینے سے پہلے، گھنٹیوں والوں نے ساری رات انہیں خبردار کیا اور بھرپور تیاری کا موقع دیا تھا؟"

"پھر وہ حادثہ کیا ہوسکتا ہے؟ ہمارے نکلتے ہی گالان میں کون سی بلا آگئی؟" میرا لہجہ الجھن آمیز تھا۔

"اپنے ذہن پر بلاوجہ زور نہ دو۔ اس انداز میں نقارہ اسی وقت بجایا جاتا ہے جب کسی کی موت واقع ہوجائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہاں کون مرا ہے۔ اگر وہ سردار صبغت اللہ ہے تو ہمیں فوراً لوٹنا ہوگا اور اس کا سوگ ختم ہونے سے پہلے کسی سفر کا آغاز نہیں کیا جاسکے گا۔"

میں اس کی بے پروایانہ گفتگو پر حیران رہ گیا۔ "کیوں بدشگونی کی باتیں کر رہے ہو؟"

"کیسی بدشگونی؟" اس نے آنکھیں نکال کر مجھ سے زیادہ حیرت سے پوچھا۔

"خدا، سردار صبغت اللہ کو لمبی زندگی دے۔ تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔"

"کسی کو کتنی بھی زندگی ملے، آخر کار ایک دن مہلت پوری ہو ہی جاتی ہے۔ جو چیز اتنی اٹل اور برحق ہے، اس کا ذکر بدشگونی کیسے کہلا سکتا ہے؟ اس معاملے میں ہم لوگ توہم پرست نہیں ہیں۔

زندگی اور موت اللہ کے حکم سے ملتی ہے۔ پائندہ گل اپنی ہزار خواہشوں کے باوجود جنت گل کو نہیں مار سکا کیونکہ قدرت کو اسے بادرانیوں کی بہو بنانا تھا۔ وہ خود زندگی کی آرزو اپنے دل میں لیے مرگیا۔ جن معاملات میں انسان اتنا حقیر اور بے بس ہو، وہ میرے ایک دو جملوں سے بدل نہیں سکتے۔ گالان میں جسے مرنا تھا وہ مرچکا۔ اس حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ بعض معاملات میں تم اتنے روشن خیال ہو۔" میں نے طنز سے کہا۔ "بدروحوں سے اس قدر دہشت زدہ رہتے ہو کہ اپنے مُردوں کے پیٹ چیر کر بالکل خالی کردیتے ہو تاکہ بھوکی بدروحیں خوراک کی تلاش میں وہاں نہ گھس بیٹھیں۔"

"اس وقت اس معاملے کا کیا ذکر تھا؟" وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر نیم دوستانہ انداز میں غرایا۔

"توہم پرستی کی بات ہو رہی تھی نا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اور گالان میں ایک مُردہ بھی تیار ہے۔" اس کی زبان سے اپنے شبہات کی تردید سن لینے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوچکا تھا۔

"شہروں کا ماحول ہی ایسا ہے کہ وہاں کی رنگینیوں اور چکاچوند میں آدمی اس طرح ڈوبا رہتا ہے کہ اسے سامنے کی بہت سی باتیں نہیں سجھائی دیتیں۔" وہ ناراض لہجے میں بولا۔ "دوا اور دو چار کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ چوری، ڈاکے اور رشوت سے مال جمع کرکے، اس پر اتراتا پھرتا ہے اور جان کو کوئی روگ لگتا ہے تو اسے اپنی بدمعاشیوں کی سزا سمجھ کر سچی توبہ کرنے کے بجائے بدیسی ڈاکٹروں کے پیچھے خوار ہوتا پھرتا ہے۔ وہاں جاکر ہم لوگ بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں لیکن اپنی مٹی میں پہنچتے ہی میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں کہ شہروں پر جو آفتیں اور بلائیں نازل ہوتی رہتی ہیں، ان کا سبب وہی بدروحیں ہیں جو تمہارے مردوں کے گندے پیٹ میں پناہ لیتی ہیں۔ جس دن تم لوگوں نے تدفین سے پہلے اپنے مُردوں کے پیٹ چاک کرکے صاف کرنے شروع کردیے، شہروں میں سکون کا دور دورہ ہوجائے گا اور لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرنے لگیں گے۔"

اُس کا یقین اس علاقے کے پہاڑوں کی طرح راسخ تھا۔ اس کی گہری سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے، میں نے اس کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ ترک کردیا اور ایک چٹان پر ٹک کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"ہمیں اس نحوست سے کب نجات ملے گی؟" تھوڑی دیر بعد ہی غزالہ غصیلے تیوروں کے ساتھ میرے سر پر آموجود ہوئی۔ "وہاں کچھ بھی ہوا ہو، ہمیں اس سے کیا لینا......؟ ہم نے ایک بار گالان کو برباد کہہ دیا ہے تو ہم اپنا سفر جاری کیوں نہیں رکھ سکتے؟ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ لوگ ایسے ہی بہانوں سے ہمیں روکتے رہیں گے اور پھر ہماری کسی بات پر مشتعل ہوکر ایک دن ہمیں مار دیں گے۔"

"تمہارا اعتراض بہت معقول ہے۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کے لیے اشتعال انگیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہاں رکنے کا فیصلہ میرا نہیں، قندوز خان کا ہے۔ میں اس کی کھوپڑی میں اپنا یا تمہارا بھیجا نہیں ڈال سکتا۔"

"بھیجا نہیں ڈال سکتے لیکن شکریے کے ساتھ انہیں واپس تو لوٹا سکتے ہو۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا" میں نے حیرت سے دیدے نچاتے ہوئے کہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت سارے ہی شنگاری ہم سے دور، سر جوڑے کھڑے تھے۔ شاید وہ سب مرنے والے کے نام کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ ان میں صرف قندوز خان ہی اردو سمجھ سکتا تھا لیکن وہ بھی ہماری آوازیں نہیں سن سکا تھا۔ دوسری طرف ویرا نے ایک جیپ کے قریب سلطان شاہ کو گھیرا ہوا تھا اور وہ دونوں پورے انہماک کے ساتھ کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ اس وقت انہیں اپنے گرد و پیش کا بالکل ہوش نہیں رہا تھا۔

"میرا مطلب بہت سیدھا ہے لیکن اس وقت تم پر شنگاریوں کی اطاعت کا بھوت سوار ہے۔ تم میری بات نہیں سمجھ سکو گے۔ ہم دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ یہاں سے چیغا سرائے تک کا ایک ہی راستہ ہے۔ جو ہم تلاش کرسکتے ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کی بستی میں کوئی سوگ یا سانحہ ہوگیا ہے تو انہیں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً اپنے لوگوں میں جانا چاہیے۔ بس وہ ایک گاڑی کی چابی ہمارے حوالے کردیں۔ ہم خود یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ویری گڈ!" میں نے ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے لیکن یہ بھول رہی ہو کہ ہماری منزل چیغا سرائے نہیں، کراچی ہے۔ ہمیں سفری دستاویزات کے بغیر، افغانستان کے جنگ زدہ علاقے سے گزر کر دو سرحدیں عبور کرنی ہیں جن کے درمیان نو مینز لینڈ واقع ہے۔ مگر میں نے تمہاری تجویز نوٹ کرلی ہے۔ موقع ملنے پر میں اس سے ضرور استفادہ کروں گا۔"

"اگر ان لوگوں کی نیت ٹھیک ہے تو انہیں تمہاری تجویز قبول کرلینی چاہیے۔" غزالہ بدستور شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔ "ڈالروں کی صورت میں، ہمارے پاس صبغت اللہ کی دی ہوئی خاصی بڑی رقم موجود ہے۔ ہم چیغا سرائے سے آگے کے سفر کے لیے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیں گے۔ آج کل پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر زیادہ دیکھ بھال نہیں ہوتی۔ سرحدی چوکیوں پر مامور فوجیوں کی نظروں میں آئے، بغیر، ہزاروں افغان پاوندے اور کوچی روزانہ پاکستان سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی کسی قافلے کے ساتھ ہم بھی نکل جائیں گے۔"

پے در پے رکاوٹوں سے دل برداشتہ ہوکر، اس نے شنگارا دیلی سے نکل جانے کا ایک مکمل خاکہ سوچ لیا تھا اور اس پر فوراً ہی عمل

درآمد کروانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے اسے ان باتوں سے آگاہ کرنا شروع کردیا جو ویرا کے ذریعے اس کے علم میں نہیں آسکی تھیں۔

"ٹھیک ہے!" پوری صورت حال سے واقف ہونے کے بعد وہ ٹھنڈی پڑگئی اور سکون سے بولی۔ "تھوڑی دیر تک انتظار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قاصد کے آجانے کے بعد' وہ واپس لوٹنے کا عندیہ دے تو تم میری تجویز پیش کردینا۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ یہ لوگ اندر سے اتنے سیدھے اور مخلص نہیں ہیں جتنا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی نیت میں کہیں نہ کہیں 'کوئی نہ کوئی کھوٹ ضرور موجود ہے۔ ہمیں کوئی بڑا خطرہ مول لئے بغیر' خوش اسلوبی کے ساتھ یہاں سے نکل بھاگنے کی فکر کرنی چاہیے۔"

"تم یہ باتیں کس بنا پر کہہ رہی ہو؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس چھٹی حس کہہ لو۔" میں نے اس کی آواز سے فوراً ہی بھانپ لیا کہ وہ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ میرے زور ڈالنے پر اسے زبان کھولنی ہی پڑگئی۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ خدا کرے میرے خدشات غلط ثابت ہوں لیکن موجودہ حالات میں' میں اپنے مشاہدے کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ جب صبغت اللہ نے ویرا کو خلعت اور انعام سے نوازا تھا تو میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک دیکھی تھی۔ ایسی چمک جو بے بس شکار کو اپنی دسترس میں پاکر' بلی کی آنکھوں میں نمودار ہوتی ہے۔ میں اسی وقت سے خیر کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ تم خود بتاؤ کہ اس حالت میں' میں ان شنگاریوں پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کیسے کرسکتی ہوں؟"

غزالہ کی وہ باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی سی سرایت کرگئی۔ مجھے بے اختیار سردار صبغت اللہ کی وہ حریصانہ باتیں یاد آگئیں جو اس نے تخلیئے میں ویرا کے بارے میں کی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو سرسری انداز میں ان باتوں سے آگاہ کردیا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد کہ ویرا کے وطن میں اس کا کوئی بوائے فرینڈ اس کی واپسی کا منتظر تھا' صبغت اللہ نے ویرا یا فرزانہ کی ذات میں دلچسپی لینے کا سلسلہ ترک کردیا تھا اور اس بات نے ان تینوں کو مطمئن کردیا تھا کہ ویرا ان لوگوں کے کسی جور و ستم کا نشانہ نہیں بنائی جائے گی لیکن غزالہ نے چند گھنٹے قبل کے مشاہدے کا ذکر چھیڑ کے اس خطرے کو ایک مرتبہ پھر تازہ کردیا تھا۔

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ صبغت اللہ کسی لومڑی کی طرح چالاک اور مکار ہے۔" غزالہ نے چند ثانیوں کے پُرتشویش توقف کے بعد' اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے تم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا' تم نے خوبصورتی سے ایک عدد بوائے فرینڈ کا مفروضہ گھڑ لیا اور اس نے فوراً ہی اپنی روایتی غیرت و حمیت کی بنیاد پر پسپائی اختیار کرلی۔ ان تمام باتوں نے ویرا کو مطمئن کردیا ہے۔ شاید اسے خطرے کا ادراک بھی نہ ہو مگر میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے سے خبردار کررہی ہے۔ تم یقین کرو کہ اس وقت ویرا نے خلعت و انعام لیتے ہوئے پوری توجہ سے صبغت اللہ کی آنکھوں میں جھانک لیا ہوتا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے بگٹٹ بھاگ لی ہوتی۔"

"مجھے امید نہیں کہ صبغت اللہ ہمارے ساتھ کوئی کمینگی دکھائے گا۔" میں نے غزالہ کے قریب ہو کر مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن پھر بھی ہم محتاط رہیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ ان لوگوں سے کسی حیلے بہانے سے ایک دو ہتھیار اور ان کے راؤنڈز حاصل کرلیے جائیں تاکہ برے وقت میں ہم اپنی حفاظت آپ ہی کرسکیں......"

"اگر ان کے ارادے خطرناک ہیں تو یہ کسی قیمت پر ہمیں مسلح نہیں کریں گے۔"

"قندوز خان سے بات کرنے کے بعد ہی صورت حال واضح ہوسکے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک ہم سرحد پار نہیں کرلیتے' ہمیں چوبیس گھنٹے چوکنا رہنا ہوگا۔ رات میں بھی ہم چاروں باری باری جاگ کر پہرا دیں گے تاکہ بے خبری میں نہ مارے جائیں' ہم میں سے ہر ایک کو اپنی دو گھنٹے کی نیند کی قربانی دینی پڑے گی۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح ہم کسی بھی امکانی خطرے کا موثر سدباب کرلیں گے۔"

غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن گاڑیوں کی طرف دیکھ کر فوراً ہی خاموش ہوگئی۔

ادھر سے ویرا' سلطان شاہ کے ساتھ تیزی سے ہماری طرف چلی آرہی تھی۔

"خدا خیر کرے!" میں آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ان دونوں کے تیور اچھے نہیں ہیں۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "یہ جب بھی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی رفتار سے ظاہر ہورہا ہے کہ انہیں اپنا تنازع حل کرنے کے لیے کسی تیسرے فریق کی اشد ضرورت آن پڑی ہے۔ دونوں ہی کے منہ سوجے ہوئے ہیں۔"

"تم نے کچھ سنا؟" سلطان شاہ نے دور ہی سے اونچی اور ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

"تم ہی کو سنانا پڑے گا۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دونوں کی آوازیں ہم تک نہیں آرہی تھیں۔"

"ہم دونوں پر لعنت بھیجو!" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "ہر وقت ہماری ہی نگرانی کرتی رہتی ہو۔ ہم اوپر سے آنے والی ٹاپوں کی آواز کا ذکر کررہے ہیں۔ غور کرو تو تم بھی یہ آواز سن سکتی ہو۔"

ہم سب نے خاموش ہو کر اپنے کان فضا پر لگا دیے۔ چند ہی ثانیوں میں' میں نے کسی دوڑتے ہوئے چوپائے کے سموں کی وہ ڈوبتی ابھرتی آوازیں سن لیں جو بتدریج قریب آتی جارہی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ گالان والوں کا خچر سوار قاصد قریب آپہنچا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ اس وقت تک شنگاریوں نے بھی وہ آوازیں سن لی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے دہانے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں کچھ کہا جیسے وہ اپنی آواز دور تک پہنچانی چاہتا ہو پھر وہ سب ہی گردنیں اچکا اچکا کر اس سمت میں دیکھنے لگے جدھر سے ڈھلان اتر کر ہم وہاں تک پہنچے تھے۔

"خدا کرے کہ گالان میں تمہاری کسی عزیز ہستی کی وفات نہ ہوئی ہو۔" میں نے قندوز خان کی پشت پر پہنچ کر' اپنی آواز کو قدرے گلوگیر بناتے ہوئے کہا۔

وہ چونک کر میری طرف گھوما اور گھورتے ہوئے بولا۔ "ابھی مرنے والے کا نام بھی معلوم نہیں ہوا ہے اور تمہاری آواز خوا مخواہ رندھی جارہی ہے۔ کہیں تم اس طرح کوئی بدشگونی تو نہیں کرنا چاہتے؟"

"جسے مرنا تھا' وہ گالان کا نقارہ مرگ بجنے سے پہلے مرچکا ہے۔ زندگی اور موت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس پر واویلا کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔" میں نے اس کا پرانا جواب اسی پر لوٹاتے ہوئے کہا۔ "میری رندھی ہوئی آواز سے گالان میں کوئی نیا مردہ تو دریافت ہونے سے رہا۔ میرا دل آنے والے وقت کے تصور سے بھاری ہورہا تھا......"

"آنے والے وقت میں تمہیں مقدر کی کون سی سیاہی نظر آرہی ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر' برہمی کے عالم میں سوال کیا۔ اس وقت اس کی تیوریاں یک بیک چڑھ گئی تھیں۔

"وہ تمہارا عزیز ہوا تو تم اسے مٹی دینے ضرور جاؤ گے اور ہمیں اسی مقام سے تمہیں الوداع کہنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم ہمارے ساتھ گالان واپس نہیں جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے دردناک آواز میں کہا۔ "سردار صبغت اللہ نے ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم سفر پر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم سفر ادھورا چھوڑ کر واپس گئے تو تم تصور نہیں کرسکتے کہ ہم کیسی کیسی آفتوں میں پڑ جائیں گے" اسی اثنا میں میرے تینوں ساتھی بھی قریب آچکے تھے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں ان توہمات پر یقین نہیں رکھتا مگر میری زوجہ اور اس کے بھائی کو دنیا کی کوئی طاقت قائل نہیں کرسکتی۔ ان دونوں کو پورا یقین ہے کہ سفر ادھورا چھوڑنے والوں کو کالا ناگ ڈس لیتا ہے یا پھر خونی چمگادڑیں ان کے حلقوم کو ادھیڑ کر رکھ دیتی ہیں۔"

"نہیں...... واپسی کا نام بھی نہ لینا۔" سلطان شاہ نے میرے خاموش ہوتے ہی خوف زدہ آواز میں ٹکڑا لگایا۔ "بھائی قندوز ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ گالان کی بد روحیں تو مُردوں کے پیٹ میں ٹھکانا بناتی ہیں مگر خونی چمگادڑیں زندہ انسان کے نرخرے سے خون کی دھاریں بہا ڈالتی ہیں۔ گالان میں تو ویسے بھی کالی چڑیلیں پلی ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہی آزاد ہو کر ہم پر حملہ آور ہوجائیں۔"

"تم لوگ عجیب باتیں کررہے ہو۔" قندوز خان ذری ذری ہنسی کے ساتھ بولا۔ "شہر والوں کی زبان سے میں پہلی بار اس قسم کی باتیں سن رہا ہوں...... میں تمہیں واپس چلنے پر مجبور نہیں کروں گا۔"

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" سلطان شاہ بے ساختہ اس سے بغل گیر ہوگیا۔ "یہ عجیب باتیں نہیں ہیں۔ دنیا کے ہر شہر اور ویرانے میں خبیث روحوں اور پلید آسیبوں کا وجود ہوتا ہے۔ عقل مند لوگوں ان نادیدہ قوتوں سے کوئی نقصان اٹھائے بغیر ان پر یقین رکھتے ہیں۔ جو احمق ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان کا حشر خراب ہوتا ہے۔ ان کے سروں پر عمر بھر بد روحوں کے نحوست انگیز سائے طاغوتی ناچ ناچتے رہتے ہیں......"

"ب...... بس کرو' بھائی سلطان شاہ!" قندوز خان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں اسے خاموش کرادیا۔ "تم بلاوجہ مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔ ہم لوگ بہت بے جگر اور حوصلہ مند ہیں مگر ایسی باتوں سے ڈرتے ہیں۔ ہوا سے کون لڑسکتا ہے؟ مقابلہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب دشمن سامنے ہو اور نظر آرہا ہو۔"

"کبھی کبھی بد روحیں انسانی روپ دھار کر سامنے بھی آجاتی ہیں۔ تم اس وقت اپنا شوق ...... پورا...... " سلطان شاہ کی آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی کیونکہ قندوز خان نے اپنی چوڑی ہتھیلی سے اس کا دہانہ پوری قوت سے دبوچ لیا تھا۔

"اب اس بارے میں اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا۔" وہ سلطان شاہ کے دہانے سے ہاتھ ہٹائے بغیر' پھنسی پھنسی آواز میں غرایا۔ "تم نے زبان کھولی تو میں تمہارا ٹینٹوا دبا دوں گا۔"

سلطان شاہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تیر رہی تھی۔

"دو چار ہتھیار ہمیں بھی دے دو!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "بُرے وقت میں دل کو ڈھارس رہے گی۔"

قندوز خان نے مجھ سے بُرے وقت کی کوئی وضاحت طلب کیے بغیر' اپنے شانے سے لٹکی ہوئی' کلاشنکوف اتار کر میری طرف اچھال دی۔ اس میں تیس راؤنڈز والا بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا۔

ہماری گفتگو شنگاریوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کے سردار کے معزز مہمان تھے۔ اس لیے انہوں نے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر' قدرے فاصلے پر اپنی منڈلی جمالی تھی اور بڑی بے تابی کے ساتھ گالان سے آنے والے قاصد کے

نمودار ہونے کا انتظار کررہے تھے۔
قندوز خان غیر مسلح ہونے کے بعد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر کہ وہ خود کو بد روحوں کے کسی ممکنہ عتاب سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی دعا یا وظیفہ پڑھ رہا ہوگا' اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میری اور سلطان شاہ کی فی البدیہہ گفتگو نے اس بے چارے کے ذہن کو اس بری طرح ماؤف کیا تھا کہ اس نے کوئی چون وچرا کیے بغیر اپنی کلاشنکوف تک میرے حوالے کردی تھی۔

میں نے کلاشنکوف اپنے شانے سے لٹکاتے ہوئے' معنی خیز نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ شنگاریوں کی طرف سے اپنی بدگمانی پر نادم نظر آرہی تھی۔ اس کی ایک مضبوط دلیل یہ تھی کہ شنگاری ہم لوگوں کے بارے میں نیک ارادے نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ ہمیں کسی بھی قیمت پر مسلح کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ قندوز نے اپنی بھری ہوئی کلاشنکوف میرے حوالے کرکے غزالہ کی اس دلیل کی نفی کردی تھی۔

چند منٹ بعد اوپر کے ایک موڑ پر ایک خچر سوار شنگاری نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی قندوز خان کے ساتھی جوش و خروش سے اپنے ہاتھ فضا میں لہرانے لگے۔ آنے والے نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکال کر ان کے خیر مقدمی اشاروں کا جواب دیا اور ڈھلان کے پرخطر ہونے کے باوجود اپنے خچر کی رفتار تیز کردی ایڑ لگتے ہی خچر نے اپنی رفتار بڑھائی' پھر شاید اس کا سم کسی ڈھیلے پتھر پر پڑ کر پھسلا اور خچر بری طرح لڑکھڑا کر رہ گیا۔ میرا سانس چند ثانیوں کے لیے سینے ہی میں رک گیا۔ اگر اس بلندی پر خچر اپنا توازن کھو بیٹھتا تو اپنے سوار سمیت' کسی گیند کی طرح گہری کھائیوں میں لڑھکتا چلا جاتا۔

اس جھٹکے کے نتیجے میں' خچر کی حیوانی جبلت نے اسے ست روی پر مجبور کردیا۔ اس خطرناک پتھریلی ڈھلان پر تیز رفتاری' کشش ثقل کے ساتھ مل کر کربناک موت کا سبب بن سکتی تھی۔

گالان سے پیغام لانے والا بتدریج نزدیک آتا جا رہا تھا۔ خچر نے ایک جھٹکا کھانے کے بعد خود کو سنبھال لیا تھا لیکن شاید آنے والے کے ستارے گردش میں آچکے تھے۔ وہ ہم لوگوں سے بمشکل چند سوفٹ دور رہا ہوگا۔ ہمارے اور اس کے درمیان ایک سیدھی ڈھلان حائل تھی جس پر خچر دوڑا چلا آرہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خچر کا اگلا پیر اس بری طرح رپٹا کہ پھر وہ سنبھل ہی نہ سکا۔

شنگاری اس کی پشت سے اچھل کر دور جاگرا۔ فضا خچر کی بھیانک چیخوں سے لرز اٹھی۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ داہنی جانب کی کھائی کی طرف لڑھکتا ہوا ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا اور اس کی دردناک آوازیں گہری کھائی میں نیچے ہی نیچے اترتی چلی گئیں۔

خچر کی لرزہ خیز چیخوں کے ساتھ ہی وزنی پتھروں کے نیچے لڑھکنے اور درختوں کے ٹوٹنے کی آوازیں اتنی پُرشور تھیں کہ کچھ دیر کے لیے نووارد شنگاری کی چیخیں اس میں دب کر رہ گئیں۔ مگر پھر سب ہی کو بیک وقت ہوش آیا کہ سواری کو اندھی کھائیاں نگل چکی تھیں لیکن سوار کو ادھر گرنے سے بچایا جاسکتا تھا۔ شنگاریوں کے ساتھ ہی ہم چاروں نے بھی کھائی کے کنارے کنارے' اوپر کی طرف دوڑنا شروع کردیا۔

بدنصیب قاصد کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی جو اسے سہارا دے سکتی۔ وہ سنگلاخ راستے پر' پتھروں میں لڑھکتا اور خون میں لتھڑا ہوا' آہستہ آہستہ کھائی کے رخ پر جارہا تھا۔ قندوز خان زور لگا کر سب سے آگے نکل گیا۔ اس نے عین اس وقت لہولہان قاصد کی لمبی قمیض کا لہراتا ہوا دامن تھاما' جب اس کی ٹانگیں کھائی کی فضا میں معلق ہوچکی تھیں۔ اس کا نیچے جاتا ہوا' دیوہیکل وجود ایک جھٹکے سے فضا میں ٹھہر گیا مگر وہ جھٹکا اتنا پرزور تھا کہ قندوز خان کے قدم اپنی جگہ سے ہل کر رہ گئے۔

وہ بہت نازک مرحلہ تھا۔ قندوز خان اس کا دامن تھامے رہتا تو لڑکھڑا کر خود بھی اسی کے ساتھ کھائی میں گرجاتا اور اگر دامن چھوڑ دیتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس شنگاری کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے سے نہیں بچاسکتی تھی۔ وہ ایک سیکنڈ کا بس ہزارواں حصہ تھا' جو فیصلہ کن ثابت ہوتا اور اسی قلیل سی مہلت میں کئی شنگاریوں نے اپنے زخمی قاصد کے بال اور بازو تھام لیے۔ وہ ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے جس کا جہاں ہاتھ پڑا' اس نے زخمی کے بدن کا وہی حصہ گرفت میں لے لیا اور پھر ان سب نے خون آشام درندوں جیسی یک آواز غراہٹ کے ساتھ زخمی کو کھائی کے سرے سے دور کھینچ لیا۔

اعصاب شکن لمحات گزر گئے لیکن سب خاموش کھڑے ہانپتے رہے۔ سب کی نگاہیں نووارد کے جسم پر مرکوز تھیں۔ ناہموار اور نوکیلے پتھروں سے بھری ہوئی ڈھلان پر لڑھکنے کی وجہ سے اس کے چہرے سمیت پورے بدن پر گہرے زخم آئے تھے' جن سے خون جاری تھا۔ شاید اس کی ہڈیوں پر بھی شدید ضربات آئی تھیں کیونکہ وہ بظاہر آنکھیں موندے ہوئے' بے ہوش پڑا ہوا تھا مگر مشینی انداز میں کراہے جارہا تھا۔

قندوز خان نے زمین پر بیٹھ کر اسے ہلایا جلایا لیکن اس کی بے ہوشی دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ آخر کار اس نے اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر مقامی بولی میں کچھ کہا اور دو شنگاری دوڑتے ہوئے' جیپوں کی طرف اترتے چلے گئے۔ بقیہ آدمی وہیں رک کر زخمی کو ہوش میں لانے کی کوششیں کرنے لگے۔

میرے لیے وہ صورت حال تشویش ناک اور مایوس کن تھی زخمی قاصد سے تمام تر انسانی ہمدردی ہونے کے باوجود میرے دل میں شدت سے یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اسے مرنا ہو تو وہ ضرور مرجائے لیکن قدرت اسے اتنی مہلت ضرور دے دے کہ وہ گالان سے لانے والا پیغام قندوز خان کو سنا سکے۔ وہ پیغام دیے بغیر موت کی دلدلوں میں اتر جاتا تو ہمیں لامحالہ قندوز خان کے ساتھ گالان کی طرف جانا پڑتا اور ایک بار وہاں پہنچنے کے بعد کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ سردار صبغت اللہ کب ہمیں دوبارہ واپسی کی اجازت دے گا۔

دونوں جیپیں اس مقام پر آنے تک بھی بے ہوش شنگاری کو ہوش نہیں آسکا۔ آخر کار قندوز خان نے اپنے ساتھیوں کو کوئی ہدایت دی۔ وہ مل کر اسے زمین سے اٹھا رہے تھے تو وہ ہماری طرف مڑ کر افسردہ آواز میں بولا۔ "ہمارے سامنے واپسی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ گالان میں کس کی موت ہوئی ہے۔ قاصد خبر سنانے سے پہلے ہی بری طرح زخمی ہوکر بے ہوش ہوچکا ہے۔ اس کی جان بچانے کے لیے طبی امداد بہت ضروری ہے۔ ہم فوراً گالان کی طرف لوٹ رہے ہیں۔"

میں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ زخمی کو اٹھانے والے شنگاریوں کی طرف سے ایک غلغلہ بلند ہوا۔ معلوم ہوا کہ بے ہوش قاصد ہوش میں آچکا تھا اور قندوز خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

قندوز خان لپک کر اس جیپ کے قریب پہنچ گیا جس کے عقبی حصے میں زخمی کو ڈالا گیا تھا۔

بند آہنی باڈی والی جیپ کے عقبی حصے میں زیادہ جگہ نہیں تھی۔ وہاں شنگاریوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ہم چاروں صبر اور اطمینان سے الگ کھڑے وہ تماشا دیکھتے رہے۔

شنگاری خاموش تھے۔ ان کی غیر فطری خاموشی سے فضا بوجھل اور سنسنی خیز ہوگئی تھی۔ پھر اس سکوت میں زخمی قاصد کی اٹکی اٹکی اور مجروح آواز ابھرنے لگی۔ میں نے اس کے ہر لفظ پر کان جمائے ہوئے تھے۔ ہرچند کہ اس کی زبان میرے لیے قابل فہم نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کے ٹوٹتے ہوئے سانسوں سے ابھرتے ہوئے جنت گل کے الفاظ سن لیے۔ جو کچھ ہوا تھا' اس کا جنت گل کی ذات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔

سرکشی اور بغاوت' جنت گل کی سرشت میں داخل تھی۔ اس نے جرگے کے دوران میں بھی کسی کا لحاظ کیے بغیر ایک شنگاری کو اپنی آتش انتقام کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید جنت گل نے اشتعال کے عالم میں کسی شنگاری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

میرا ذہن اسی ضدی اور منہ زور لڑکی کی ذات میں الجھ گیا۔ اپنے مخصوص پس منظر کی وجہ سے اس کا کردار بہت الجھا ہوا تھا۔ وہ اپنے وجود کی تمام تر دل فریبی اور رعنائی کے باوجود' فریق ثانی کو کسی بھی وقت متحیر کردینے کی منفی صلاحیتوں سے مالا مال تھی۔ اگر اس نے بادرانیوں کی تحویل میں پہنچتے ہی کسی کو جان سے مار ڈالا تھا تو اس کا مستقبل غیر یقینی ہوچکا تھا۔ سردار صبغت اللہ کی' اسے بہو بنانے کی خواہش اپنی جگہ پر تھی لیکن ایک قاتل کے لیے شنگارا ویلی کا تعزیری قانون یقیناً سخت رہا ہوگا۔ ارسلا خان کی منکوحہ کے طور پر نامزدگی کے بعد جنت گل غیر نہیں رہی تھی' مقامی ہوگئی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ جب بھی ظالم اور مظلوم' دونوں مقامی ہوں تو وادی کا جرگہ عموماً انصاف سے کام لیتا تھا۔ کیا جنت گل کو قتل کے جرم میں سزائے موت سنادی جائے گی؟ میرے ذہن پر وہ سوال رہ رہ کر ہتھوڑے برسانے لگا۔

میں نہ جانے کتنی دیر تک ان ہی خیالوں میں ڈوبا رہا۔ میں اس وقت بری طرح چونکا جب شنگاریوں نے یک بیک بلند آواز میں... انا للہ وانا الیہ راجعون کے قرآنی الفاظ ادا کیے۔

"کیا وہ مرگیا؟" میں نے خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر اضطرار کے عالم میں پوچھا۔

قندوز خان دل گرفتہ انداز میں ہماری طرف گھوما۔ اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کا کرب سمٹ آیا تھا۔ اس نے سرد اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "ہاں! فرشتہ گل کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے۔ اس کا دم اپنے فرض کی ادائیگی میں اٹکا ہوا تھا۔ جنت گل کی خودکشی کی خبر سنانے کے بعد وہ سکون سے مرگیا۔"

ہم سب کے لیے وہ خبر ایک صدمے سے کم نہیں تھی۔ ہم چاروں نے ہی بیک آواز سوال کیا۔ "کیا جنت گل نے خودکشی کرلی؟" پھر میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ واقعہ کب اور کیسے ہوا؟"

"اس نے زرافے کی گردن جیسی پہاڑی سے نیچے درے میں کود کر جان دے دی۔" قندوز خان نے متاسفانہ لہجے میں کہا "گالان سے نقارہ بجا کر اسی کی موت کا اعلان کیا گیا تھا۔ فرشتہ گل اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاسکا۔ موت نے بہت بے رحمی کے ساتھ اسے ہم سے چھین لیا ہے۔"

"وہ اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔ خدا اسے شہادت کا رتبہ عطا کرے۔" سلطان شاہ نے دعائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہمدردانہ لہجے میں کہا اور قندوز خان آمین کہہ کر رہ گیا۔

وہ بہت عجیب اور پیچیدہ موڑ تھا۔ چند منٹ پہلے تک فرشتہ گل کی جان بچانے کے لیے گالان کی طرف واپسی ناگزیر ہوگئی تھی لیکن جنت گل کی خودکشی کی خبر ملنے اور پھر فرشتہ گل کی موت کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہوکر رہ گئی تھی۔ اب معاملہ دو میتوں کی تدفین میں شرکت تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ دونوں مرنے والوں میں سے کوئی بھی اتنا اہم نہیں تھا کہ اس کے جنازے میں شرکت لازمی ہوتی۔ ہم لوگ واپس لوٹتے یا نہ لوٹتے' ان دونوں کی تدفین ہر حال میں اپنے وقت پر ہونی تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ فرشتہ گل کی لاش کو اس ویران مقام سے گالان تک لے جانا تھا اور یہ فرض قندوز خان کے ساتھی سرانجام دے سکتے تھے۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے وقت ضائع کرنے کے بجائے قندوز خان سے سوال کر ڈالا۔

"واپسی۔" اس نے پُر تشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فرشتہ گل کی لاش کو گالان پہنچانا ہے۔ یہاں مرنے والوں کی مٹی میں ہر مرد شریک ہوتا ہے۔ تدفین تک ہمیں رکنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے' فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "فی امان اللہ' تم لوگ ایک گاڑی لے جاؤ۔ دوسری جیپ کی چابی ہمیں دے دو تاکہ ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔"

"تم گالان نہیں چلو گے؟" اس نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے اسے دو ٹوک جواب دیا۔ "میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ سفر کو ادھورا چھوڑنے سے بہت بڑی اور تباہ کن بدشگونی......"

"خاموش رہو!" وہ حلق پھاڑ کر ہذیانی انداز میں اس بری طرح چیخا کہ اس کے الفاظ کا مفہوم نہ سمجھنے کے باوجود سارے شنگاری اچھل پڑے اور ان کے ہاتھ اپنے اپنے ہتھیاروں تک پہنچ گئے۔

"تمہاری ان منحوس باتوں نے فرشتہ گل کی جان لے لی ہے۔" وہ بھڑکے ہوئے انداز میں بولتا رہا۔ "تمہیں شروع سے پوری بات دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ ہم ان طاقت ور اور ڈراؤنی چیزوں کا نام لیے بغیر اشاروں کنایوں میں بھی بات جاری رکھ سکتے ہیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سدھایا ہوا کوئی خچر کسی ڈھلان پر سے اس بری طرح پھسلا ہو لیکن تم نے جب سے نحوست زدہ باتیں کرنی شروع کی ہیں' ان ہونی بھی ہونے لگی ہے۔ تم نہیں لوٹتے تو نہ لوٹو۔ میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میرا فرسودہ بلکہ احمقانہ حربہ اس پر حد سے زیادہ کارگر ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "تم بلاوجہ ہی بھڑک رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض اوقات برے کلمات اور تذکرے بھی اپنا اثر دکھا جاتے ہیں۔ تم کو خود اندازہ ہے کہ غزالہ اور سلطان کے وہم میں کتنی سچائی ہے۔ بے چارہ فرشتہ گل چند منٹ کی مسافت طے کیے بغیر' ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔ لاؤ جیپ کی چابی مجھے دے دو۔"

قندوز خان کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ چکا تھا۔ اس نے مزید منہ بنا کر بے اعتنائی سے کہا۔ "موت برحق ہے۔ شنگاریوں کی اٹل روایات بھی اپنی جگہ پر ہیں مگر تم یہ بات بھول رہے ہو کہ تم سردار کے معزز مہمان ہو اور تمہیں سرحد کے اس پار تک پہنچانے کی

طرح اڑے ہوئے ہو تو میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔"

"مجھے واپس لوٹنے میں کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو قائل کر لو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کے ذہن سے بُری اور کالی چیزوں کا خوف دور ہونا چاہیے۔"

"بس!" اس نے ہاتھ اٹھا کر بے تابی سے مجھے خاموش کر دیا۔ "میں اس بارے میں مزید ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ اگر تم لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو تو میرے آدمی ایک گاڑی میں فرشتہ گل کی لاش واپس لے جائیں گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

وہ اپنے آدمیوں کو وہاں سے واپس روانہ کرنے میں مصروف ہو گیا اور ہم چاروں وقت گزارنے کے لیے ایک طرف بیٹھ گئے۔ جنت گل کی خودکشی کی خبر ویسے تو ہر ایک کے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی تھی۔ لیکن غزالہ اور ویرا نے اس اطلاع کا کچھ زیادہ ہی اثر لیا تھا۔ ان کی دانست میں جنت گل امنگوں اور ولولوں سے بھرپور زندگی گزارنے والی لڑکی تھی اور ہر قیمت پر حالات سے مقابلہ کر کے اپنا راستہ بنانے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ اس سے یہ توقع تو کی جا سکتی تھی کہ وہ بادرانیوں کی تحویل میں جانے کے بعد اپنی مار دھاڑ اور دیگر حرکتوں سے ان کی زندگیاں اجیرن بنا دیتی لیکن یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ سردار صبغت اللہ کے فیصلے سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے گی۔

اس کی خودکشی کا دوسرا پہلو زیادہ اثر انگیز تھا۔ سردار صبغت اللہ کو یہ گھمنڈ تھا کہ وہ طاقت کے زور پر سردار پائندہ گل کی ناجائز بیٹی کو ارسلا خان کی بیوی بنا کر' اپنے بادرانی قبیلے کو شنگارا ویلی کی تاریخ کا ایک انوکھا اعزاز عطا کرے گا مگر جنت گل نے اپنی جان قربان کر کے اس کا وہ جبر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنی جان پر کھیل گئی لیکن اس نے کسی بادرانی کی بیوی بننا گوارا نہیں کیا۔ اس کی جگہ کوئی اور بے حوصلہ لڑکی ہوتی تو چند روز تک رونے دھونے کے بعد حالات سے سمجھوتا کر لیتی اور ساری عمر کے لیے بادرانیوں کی افزائش نسل میں مصروف ہو جاتی۔ اس اعتبار سے جنت گل نے خطرناک پہاڑی سے نیچے چھلانگ لگا کر سردار صبغت اللہ کے گھناؤنے منصوبے کو بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کی خودکشی میں صبغت اللہ کے فیصلے سے زیادہ' گالان میں رونما ہونے والے خونیں انقلاب کا دخل ہے۔" باتوں باتوں میں سلطان شاہ نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا۔

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ گھنٹیوں والوں کی شورش کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو سردار صبغت اللہ کو اپنے عزائم پر عمل

"یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ بہت سے لوگ کسی نیک اور مثبت جذبے کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ بعض افراد منفی جذبوں سے مغلوب رہتے ہیں۔ جنت گل کو اپنے بچپن سے جو محرومیاں سہنی پڑیں' ان کے نتیجے میں وہ انتقام کے راستے پر چل نکلی۔ جب تک سردار پائندہ گل زندہ تھا' وہ اسے بدنام بلکہ رسوا کرنے کا منصوبہ بناتی رہی۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ کسی بادرانی سے شادی کر کے وہ اپنے باپ کو دلی اذیت پہنچا سکے گی تو شاید وہ یہ کام بھی کر گزری ہوتی لیکن خونی انقلاب کے نتیجے میں پائندہ گل مارا گیا۔ اب جنت گل کے سامنے کوئی مقصد نہیں رہا تھا۔ وہ جسے سلگا کر تسکین حاصل کر رہی تھی' وہ خود ہی راہی ملک عدم ہو چکا ہے۔ اس حقیقت نے اس کی ترجیحات بدل دیں اور اس نے گالان میں ازدواجی قید کی ذلت قبول نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا......"

"شاباش!" ویرا نے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم کسی بات پر دماغ سوزی بھی کر سکتے ہو۔ جنت گل بہت خوش نصیب تھی کہ تم اس کے بارے میں اپنے ذہن پر اتنا زور ڈال رہے ہو۔ دیکھا جائے تو یہ فرض ڈیڈی پر عائد ہوتا تھا کیونکہ جنت گل نے اس کے ساتھ ایک خوشگوار جبری تجربہ کیا تھا۔ تمہاری اس کے ساتھ کیا رشتے داری نکل آئی کہ تم اس کے لیے اپنا ذہن تھکا رہے ہو؟"

ویرا حسب عادت بہکنے لگی تھی۔ اس کے نزدیک وہ مذاق کی بات تھی لیکن میں سرے سے اس ذکر کو پسند ہی نہیں کرتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایسی باتوں سے غزالہ کو گہرا رنج پہنچے گا۔ میں نے ملامت آمیز نظروں سے ویرا کو گھورا تو اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میرے متوقع ردِ عمل سے محظوظ ہونے کے لیے وہ بات نکالی تھی۔

"مجھے کیوں گھور رہے ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "غزالہ کوئی الہڑ اور نوخیز دوشیزہ نہیں ہے جو ذرا سی بات پر بپھر جائے گی۔ وہ اپنی بردباری کی وجہ سے حقائق کے ساتھ زندہ رہنا جانتی ہے۔ میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ سلطان شاہ کو ایک حقیقت یاد دلائی ہے۔"

"بہت سے حقائق ایسے ہوتے ہیں جن کے ذکر سے گریز کرنا ہی بہتر ہوتا ہے" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ زندگی کے بکھیڑوں کو موت کے بعد تک نہیں گھسیٹتے۔ موت کے بعد دشمن کی برائیوں تک کا ذکر کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جنت گل اگر ڈیڈی کی دوست نہیں تو دشمن بھی نہیں تھی۔ اپنے دردناک انجام کی وجہ سے وہ ہر ایک کی ہمدردی کی مستحق بن چکی ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں بے رحمانہ رائے زنی نہیں کرنی

گناہ کا کفارہ ادا کر چکی ہے۔"

"بعض اوقات تم دونوں یک بیک اس قدر سنجیدہ ہو جاتے ہو کہ وحشت ہونے لگتی ہے" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "ابھی تک ہم جن حالات سے دوچار ہیں' ان کا غم بھلانے کے لیے کبھی کبھی تو خود اپنا مضحکہ اڑا کر قہقہے لگانے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ ایسی مایوسی اور بے زاری میں اگر میں نے جنت گل کے لیے کچھ کہہ دیا تو اس پر اتنا دل گرفتہ ہونا مناسب نہیں ہے۔"

"اور تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتیں" سلطان شاہ نے موقع پاتے ہی ٹکڑا لگا دیا "معلوم ہوتا ہے کہ سنجیدگی کا تمہاری سرشت میں سرے سے دخل ہی نہیں ہے۔"

"سنجیدہ بننے کی کوشش میں اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہے" ویرا جل کر بولی "رونی صورت بنائے رکھنے والوں سے مجھے نفرت ہے۔ میں ہنس کھیل کر زندگی گزارنی پسند کرتی ہوں۔"

"جو پسند کرتی ہو' وہی کرو۔ اپنے اوپر ہنسو اور اپنی دسترس میں آنے والے کھلونوں سے کھیلتی رہو۔ ان حدود سے جب بھی تجاوز کرو گی تو دوسروں کے لیے تکلیف دہ بن جاؤ گی" سلطان شاہ نے نہایت برجستگی کے ساتھ کہا "تم عام طور پر یہی کرتی ہو کہ اپنی حد سے باہر نکل جاتی ہو۔"

اسی وقت ایک جیپ کا انجن جاگ اٹھا۔ ویرا کو سلطان شاہ پر کوئی جوابی وار کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ سب کی توجہ جیپ کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ قندوز خان کے تمام ساتھی' فرشتہ گل کی لاش کے ساتھ ایک جیپ میں لد چکے تھے اور جیپ رینگتی ہوئی' بلندی کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ قندوز خان دوسری جیپ کے قریب کھڑا ہاتھ لہرا کر جانے والوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔

"تم لوگوں کی بک بک میں مجھ سے ایک چوک ہو گئی" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کیا؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا۔ میرے لہجے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ضرور حاصل ہو گئی ہے کہ قندوز خان ہمیں گالان واپس لے جانے کے بجائے' چیغا سرائے کی طرف لے جائے گا لیکن میرے پاس صرف ایک کلاشنکوف ہے۔ اگر مجھے خیال رہتا تو واپس جانے والوں کے ہتھیار ہماری تحویل میں آ سکتے تھے۔"

"لیکن قندوز خان بہت چالاک نکلا" سلطان شاہ بولا "اپنی کلاشنکوف تمہارے حوالے کرنے کے بعد وہ غیر مسلح ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس کا شانہ خالی نہیں ہے' وہ دوبارہ مسلح ہو چکا ہے۔"

میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اس ... توجہ

رائفل جھول رہی تھی۔ ان افغان قبائلیوں کے نزدیک، ہتھیار مرد کا زیور تصور کیے جاتے تھے۔ قندوز خان نے افراتفری کے اس عالم میں بھی اپنی مردانہ تزئین کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔

ہم چاروں اس کے قریب پہنچے تو وہ اپنی محویت سے چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔

"میں نے وہی کیا ہے جو تم چاہتے تھے" اس نے پیش بندی کے طور پر مدافعانہ انداز میں کہا "وہ لوگ فرشتہ گل کی لاش گالان لے گئے ہیں۔ میں تمہیں آگے لے جاؤں گا لیکن اب نحوست کی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو یہ یاد رکھنا کہ تم زندگی بھر ان پہاڑوں سے سر ٹکراتے رہ جاؤ گے لیکن کبھی بھی چینغا سرائے نہیں پہنچ سکو گے۔ یہاں ایک جیسے اندھے راستوں کی بھرمار ہے۔ تم ایک دفعہ کوئی غلطی کر بیٹھے تو چلتے چلتے تمہارے بدن کھاد میں بدل جائیں گے اور تم واپسی کی راہ نہیں پاسکو گے۔"

"تم شاید ڈر رہے ہو" میں نے دانستہ ایک جارحانہ قہقہے کے ساتھ کہا "بادرانیوں کی ہونے والی بہو، گوشت اور خون کے لوتھڑوں میں بدل گئی۔ فرشتہ گل خاک و خون میں نہا کر فرشتہ اجل کی گود میں جا بیٹھا۔ تم سمجھ رہے ہو کہ اب تمہاری باری ہے۔ شاید اسی لیے تم نے اپنے کسی ساتھی سے یہ رائفل لے لی ہے؟"

"مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کرو" وہ برہم ہو کر بولا "شنگاری شیروں کی طرح زندہ رہتے ہیں یا زندگی کے لیے لڑتے ہوئے، بے خوفی سے مرجاتے ہیں۔ میں کس حرامی سے ڈروں گا؟ اور یہ۔۔۔ یہ رائفل میں نے صرف اپنے لیے ہی نہیں لی ہے، واپس جانے والوں کے ہتھیار اور میگزین خالی جیپ میں رکھے ہوئے ہیں تاکہ تم چاروں کے بدن سورماؤں کی طرح سج سکیں۔ ان علاقوں میں ہتھیار صرف مرنے مارنے کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتے، ان سے انسان کی شان بڑھتی ہے۔ مرد کے پہلو میں ہتھیار نہ ہو تو وہ نامرد معلوم ہوتا ہے۔"

مجھے یہ جان کر تحیر آمیز خوشی ہوئی کہ اس نے ہم چاروں کو پوری طرح ہتھیار بند کرنے کا بندوبست کیا ہوا تھا لیکن وہ ایک نازک موقع تھا۔ اپنے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد وہ اچانک ہی تنہائی کے احساس میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس کے ذہن پر ارواحِ خبیثہ کی دہشت مسلط تھی۔ یہ ضروری تھا کہ اس کے ذہن پر طاری ہونے والے دباؤ کو اس حد تک بڑھا دیا جائے کہ وہ پورے سفر میں ہم پر بالادستی قائم کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکے اور بے چون و چرا ہماری بحفاظت واپسی کے پروگرام پر عمل کرتا رہے۔

میں نے اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "پہلے تم نے اپنے اکیلے رہ جانے کی بات کی اور اب لڑ کر مرجانے کی دھمکی دے رہے ہو۔ دوسری طرف ہمیں مسلح کرنے کا بندوبست بھی کر چکے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فرشتہ گل کو سسک سسک کر مرتے ہوئے دیکھ کر تمہارا دماغ چل گیا ہو؟"

"اوئے، ڈپٹی خان!" وہ غضب ناک ہو کر غرایا "مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ میں سردار صبغت اللہ کا داہنا بازو ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تم چاروں کے مقابلے میں، میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ قسم قرآن کی، اگر میرا دماغ پھر گیا تو تم چاروں کو جہنم میں بھی مجھ سے پناہ نہیں مل سکے گی۔ میں اپنے دشمنوں کو مارتا کم اور گھسیٹتا زیادہ ہوں تاکہ ان کے حشر سے دوسرے دشمن عبرت حاصل کرسکیں۔"

اس کی برہمی کو دیکھتے ہوئے، میں فوراً ہی ہنس دیا اور بولا "تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہو۔ میں اپنی اور تمہاری بات نہیں کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی ان کالی اور بری چیزوں سے دہشت زدہ ہو جن سے غزالہ اور سلطان شاہ کو ڈر لگ رہا ہے۔ اسی خوف کی وجہ سے تمہارے ذہن میں ہمارے بارے میں برے برے خیالات آرہے ہیں۔"

"ہم سیدھے سادے جنتی لوگ ہیں" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اول تو ہمارا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اگر کبھی کوئی غلط فہمی پیدا ہو بھی گئی تو ہم جہنم میں تمہارے ہاتھ نہیں آسکیں گے کیونکہ ہمارا ٹھکانا جنت میں ہوگا۔ تم ان فضولیات پر سر کھپانے کے بجائے روانگی کی فکر کرو۔"

"گالان میں ہم نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی" وہ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا "سردار صبغت اللہ نے تمہیں عزت و انعام سے نواز کر رخصت کیا ہے۔ ہمارے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس وقت میں نے صرف تمہاری دل جوئی کی خاطر جنت گل اور فرشتہ گل کے جنازوں میں شرکت کا ارادہ ترک کیا ہے۔ تم کو میرے اس جذبے کی قدر کرنی چاہیے۔ میں ایک گاڑی تمہارے سپرد کر کے واپس چل دیتا تو تم کسی حالت میں چینغا سرائے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اجنبیوں کے حق میں یہ پہاڑ اور پہاڑی راستے بہت بے رحم اور غدار ہیں۔ ایک بار راستے کا سراغ کھو دینے کے بعد تم شاید گالان بھی نہیں لوٹ پاتے۔"

"اگر تم واپسی پر تل ہی جاتے تو ہمیں ان خطرات سے واقف ہوتے ہوئے بھی، اپنے طور پر سفر جاری رکھنے کا خطرہ مول لینا پڑتا۔ اب میں ان توہمات کا ذکر۔۔۔۔۔"

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ میری بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں بولا "مجھے سب معلوم ہے۔ چلو، جیپ کے پچھلے حصے سے اپنے اپنے ہتھیار سنبھالو تاکہ ہم چینغا سرائے کی طرف روانہ ہوسکیں۔ واپسی کے سفر میں کم وقت لگتا ہے لیکن پھر بھی ہمیں جلد از جلد روانہ ہوجانا چاہیے۔"

اس وقت تک واپس جانے والی گاڑی، ان پہاڑوں کے پُرپیچ راستوں میں گم ہوچکی تھی البتہ اس کے انجن کی دم توڑتی ہوئی موہوم سی بازگشت فضا میں سنائی دے رہی تھی۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی خیال جما ہوا تھا کہ ہم لوگوں کو گالان سے جلد از جلد اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ گالان والے نقارے پر ضرب لگا کر، سنکھ پھونک کر، یا کسی اور ذریعے سے قندوز خان کو صوتی اشاروں کی صورت میں کوئی پیغام پہنچانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ ایک تجربے سے گزرنے کے بعد، میں سفر میں کسی دوسری رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو سب مسلح تھے۔ قندوز خان جیپ چلا رہا تھا۔ میں نے اخلاق اور مصلحت، دونوں ہی تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے ویرا کو اس کے برابر والی نشست پر بٹھا دیا تھا اور خود ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ جیپ کی پچھلی نشستوں پر براجمان ہوگیا تھا۔

جیپ پہاڑی ڈھلانوں پر بنے ہوئے ناہموار اور کچے راستے پر اچھلتی کودتی، نشیب کی طرف رواں تھی۔ پچھلی برسات کی تباہ کاریوں کی وجہ سے وہ راستہ کچھ زیادہ ہی پرخطر ہوگیا تھا۔ زمین پر زور و شور سے بہنے والے برساتی پانی کے گہرے کٹاؤ کی وجہ سے راستے میں جا بجا آڑی ترچھی نالیاں وجود میں آگئی تھیں جن کو عبور کرنے کے لیے رفتار اور اسٹیئرنگ وہیل پر قابو رکھنا پڑ رہا تھا۔ راستے میں حائل ہوجانے والے پتھروں اور چٹانی ٹکڑوں کو غالباً ان شنگاریوں نے، جو ان راستوں پر سفر کرتے رہتے تھے، کھائیوں میں لڑھکا دیا تھا۔

صاف موسم میں، سورج کی تیز اور چمک دار روشنی میں ہم چینغا سرائے کی طرف بڑھتے رہے۔ اس دوران میں ویرا، قندوز خان سے مسلسل باتیں کرتی رہی۔ وہ ویرا کی باتوں میں دلچسپی ضرور لے رہا تھا لیکن اس کے انداز میں صندل خان جیسا والہانہ پن نہیں تھا کیونکہ قندوز خان کا مزاج صندل خان سے بہت مختلف تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ وہ صندل خان کی طرح بلانوش نہیں تھا۔ وہ گالان میں مے نوشی کرتا رہا تھا لیکن سفر شروع کرنے کے بعد اس نے اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ جب کافی وقت گزرنے کے بعد ویرا نے اس بارے میں شکوہ کیا تو اس نے اپنی نشست کے نیچے سے ایک بوتل نکال کر خاموشی سے اس کی طرف بڑھا دی۔

ویرا نے تحسین آمیز کلمات کے ساتھ بوتل سے استفادہ کیا اور اس کا منہ بند کیے بغیر بوتل قندوز خان کی طرف بڑھا دی۔ قندوز خان نے راستے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے اب نہیں پیوں گا۔ بوتل ڈپٹی کو دے دو یا منہ بند کر کے اپنے پاس رکھ لو۔"

"اس کی بو سے مجھے ابکائیاں آنے لگتی ہیں" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اِدھر دینے کے بجائے یہ بوتل اپنے ہی پاس رکھ لو" میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر سختی کے آثار نمایاں تھے۔

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے" میں نے غزالہ سے نظریں چار ہوتے ہی کہا "اس وقت میرا موڈ نہیں ہو رہا۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

"سبحان اللہ!" میرا جواب سن کر سلطان شاہ نے ہانک لگائی "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی مچھلی پانی میں اترنے سے انکار کرے گی۔ ان پہاڑوں میں آکر عجیب و غریب تجربات ہو رہے ہیں۔"

قندوز خان دھیمے سے ہنس پڑا "تم لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کبھی تم چاروں ایک دوسرے سے سر ملا کر بولتے ہو اور کبھی بے رحمی کے ساتھ ایک دوسرے کا مذاق اڑانے لگتے ہو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ تم ایک دوسرے کے جاں نثار ہو یا گہرے دشمن ہو۔"

"یہ بات ہم آج تک خود بھی نہیں سمجھ سکے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "جس دن دوستی اور دشمنی کا یہ راز سمجھ میں آگیا، اس دن ہمارے آدھے مسائل خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ ویسے تم برا نہ مانو تو میں تم سے ایک سوال پوچھ لوں۔ یہ سوال شروع ہی سے میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔"

"کیسا سوال؟" جیپ میں قندوز خان کی اشتباہ آمیز آواز گونجی "کہیں تمہارے سوال کا تعلق اسی منحوس موضوع سے تو نہیں ہے جس سے میں گریز کرنا چاہ رہا ہوں؟"

"بھلا ایسا ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری مرضی کا احترام نہ کروں؟" ویرا نے چالاکی سے کہا "یہ سوال تمہارے نئے سردار

صبغت اللہ کی نجی زندگی کے بارے میں ہے۔"

"پوچھ لو!" قندوز خان نے نیم دلی سے کہا "مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ کسی اجنبی کی زبان سے اپنے سردار کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں سن سکتے۔ تمہارے دماغ میں کوئی غلط بات رینگ رہی ہے تو بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنی زبان بند رکھو۔ بڑوں کا قول ہے کہ ایک خاموشی ہزار دکھوں سے محفوظ رکھتی ہے۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے نئے سردار نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟" ویرا کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ اس سوال کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی اپنے بارے میں صبغت اللہ کے عزائم کو فراموش نہیں کر سکی تھی۔

"شادی گھر بسانے اور گھریلو زندگی گزارنے کا نام ہوتا ہے" قندوز خان نے کسی توقف کے بغیر کہنا شروع کردیا "وہ کیا' میں خود بھی کنوارا ہوں۔ سردار پائندہ گل اس وادی کا بہت مضبوط حکمراں تھا۔ لوگوں کو اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر تیار کرنے کے لیے سردار صبغت اللہ نے برسوں تک دن رات کام کیا ہے۔ اس کی جان توڑ محنت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ پائندہ گل کو آخری لمحے تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ کھیتوں والوں کی قیادت سردار صبغت اللہ کررہا ہے۔ یہی ہماری تحریک کی کامیابی کا راز تھا۔ اگر وہ شادی کرلیتا تو تحریک کو اتنا وقت ہرگز نہ دے پاتا اور اگر شادی کے بعد تحریک کے لیے جتا رہتا تو اپنی بیوی سے ناانصافی کا مرتکب ہوتا۔ اب اس کا خواب پورا ہوگیا ہے۔ وہ کسی بھی وقت شادی کرسکتا ہے۔ مگر تم کو اس بارے میں کیا تجسس ہے؟"

"اس نے اپنے لیے کوئی نہ کوئی لڑکی تو پسند کی ہوگی؟" ویرا نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بہت گہرا ہے۔ اس کے دل کی بات کوئی نہیں جان سکتا۔ کم از کم اس کے ساتھیوں کو ایسی کسی خوش نصیب لڑکی کے وجود کا علم نہیں جو سردار صبغت اللہ کے دل کی وادی میں بستی ہو۔"

"کسی مقصد کے لیے اتنی بڑی قربانی دینے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں" ویرا نے رشک آمیز لہجے میں کہا "تم لوگ خوش نصیب ہو کہ تمہاری تحریک کو اتنا مخلص سربراہ میسر آیا' جس نے تم لوگوں کو سردار پائندہ گل کے مظالم سے نجات دلانے کے جوش میں اپنی ذات اور ذاتی ضروریات تک کو فراموش کیا ہوا تھا۔"

"یہ واقعی مقدر کی بات ہے" قندوز خان کا لہجہ احسان مندی کے جذبے سے بوجھل تھا "وہ بہت بے لوث آدمی ہے۔ جب جرگے میں جنت گل کی بے گناہی کی حیران کن بات شروع ہوئی تو میرا خیال یہ تھا کہ سردار پائندہ گل کی نسل کے اس آب دار موتی کو سردار صبغت اللہ اپنی ملکیت بنانے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن وہ اپنی بے لوثی سے ہر ایک کو ششدر کردینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ اپنے بجائے' وہ اپنے اس جلاوطن تایا زاد بھائی کی عزت کی بحالی کے بارے میں فکر مند تھا جو عبدالرحیم خان اور پائندہ گل کی گھناؤنی سازش کی وجہ سے مفرور بنا ہوا تھا۔"

"ہاں!" ویرا کو خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا "سردار صبغت اللہ کی سوچ بہت اچھی تھی۔ وہ شنگارا ویلی میں ارسلا خان کو سرخ رو کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن جنت گل نے خود کو ختم کرکے اس خواب کو چکنا چور کردیا۔ وہ اپنے باپ ہی کی طرح خود سر اور ہٹ دھرم نکلی۔ اس نے جان دے دی لیکن ایک بادرانی کی بیوی بننا قبول نہیں کیا۔"

"اس کی قصیدہ خوانی مت کرو" وہ تلخی سے بولا "دنیا میں وہ خود بدنام تھی اور اپنے باپ کے لیے ایک گالی بنی ہوئی تھی۔ اپنے لیے حرام موت کا انتخاب کرکے اس نے اپنی عاقبت بھی بگاڑ لی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنے جرگے کے فیصلے پر اعتبار نہیں ہے؟" ویرا نے پھرتی سے سوال داغ دیا۔

"یہ میں نے کب کہا ہے؟" وہ چڑ کر بولا "تم خواہ مخواہ بات سے بات نکالنے کی ناکام کوشش کررہی ہو۔ ذیبی نے الزام سے انکار کیا' جرگے نے دلائل کے ساتھ اسے باعزت قرار دے دیا۔ اس میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس نے اپنی آزاد روی اور بسیار گوئی سے اپنی شہرت داغ دار کی ہوئی تھی۔ اگر وہ اپنی زبان بند رکھتی اور عزت دار لڑکی کی طرح زندگی گزارتی تو بولنے والوں کی زبانیں بند ہوجاتیں۔ لوگ غلاظت کے ڈھیر سے بہت بچ کر گزرتے ہیں لیکن اس احمق لڑکی نے یہ گندگی اپنے چہرے پر ملنے کی کوشش کی تھی۔ ذیبی کے بارے میں جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے' وہ یہ بات بھول گئی کہ اس کی ہرزہ سرائی سے جہاں اس کے باپ کی بدترین بے عزتی ہوگی' وہاں وہ خود بھی رُسوا ہوجائے گی۔ گالان کے جرگے نے اسے باعزت قرار دے دیا۔ اسے عزت دار عورت ہی کی طرح دفن کیا جائے گا۔ اس کی قبر پر ببول کے خشک ڈنٹھل نہیں گاڑے جائیں گے لیکن کابل میں کون ہمارے جرگے کے فیصلے کی تشہیر کرے گا؟ کابل کے قہوہ خانوں میں لوگ مزے لے لے کر' جنت گل کی پھیلائی ہوئی کہانیاں دہراتے رہیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "عاقبت نااندیشی کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

اس گفتگو کے بعد جیپ میں خیال انگیز خاموشی پھیل گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ میری ہی طرح' ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ جنت گل کے معاملے میں سچ اور جھوٹ اس بری طرح گڈمڈ ہوا تھا کہ حقیقت کا سراغ لگانا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ جنت گل کے ساتھ جو کچھ ہوا' میں اس میں ایک سرگرم فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ' جنت گل اور صبغت اللہ کو بھی معلوم تھا کہ کیا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ بظاہر وہ جنگ صبغت اللہ نے جیت لی تھی اور جرگے سے اپنی مرضی کا فیصلہ حاصل کرلیا تھا لیکن جنت گل سمجھ گئی تھی کہ میں اپنے مفاد کی خاطر صبغت اللہ سے ل گیا تھا۔ اس نے خودکشی کرکے نہ صرف صبغت اللہ کا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا بلکہ میرے منہ پر بھی بھرپور طمانچہ رسید کیا تھا کہ میں صبغت اللہ سے سازباز کرنے کے باوجود جنت گل کو باور انیوں کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور نہیں کرسکا تھا۔ جنت گل کے اس خاموش جواب کی تپش بس میں ہی محسوس کرسکتا تھا۔

سورج سر پر آنے کے بعد تیزی کے ساتھ آسمان کے مغربی گوشوں کی طرف جھکتا جارہا تھا اور سائے سکڑنے کے بعد دوبارہ دراز ہونے لگے تھے۔ آخر کار ہمیں چینغا سرائے کے اس کیمپ کے موہوم سے آثار نظر آنے لگے جہاں سے ہم نے گالان کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

ڈھلان کا سلسلہ رفتہ رفتہ معدوم ہوچلا تھا اور جیپ کا غراتا ہوا انجن' کم و بیش مسطح پہاڑی راستے پر پہیوں کو طاقت فراہم کرنے میں مصروف تھا۔ آخری چند سو میٹر کا فاصلہ تیزی کے ساتھ طے کیا گیا۔ اس ویرانے میں انجن کی آواز دور تک پھیل رہی تھی اس لیے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی تین افراد پتھریلی عمارت سے باہر نظر آنے لگے تھے۔ وہ اپنی روایات کے مطابق آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھے لیکن وہ ہتھیار ان کے شانوں ہی سے جھول رہے تھے۔ سفر کی سمت اور اپنی ساخت کی بنا پر قندوز خان کی جیپ غالباً دور ہی سے پہچان لی گئی تھی۔

جیپ رکنے کے بعد قندوز خان جوں ہی اپنی نشست سے نیچے کودا' تینوں افراد نے پرتپاک انداز میں اس سے باری باری بغل گیر ہونا شروع کردیا۔ معانقہ کرتے ہوئے وہ بلند اور پُرجوش آواز میں کچھ بولتے بھی جارہے تھے جو میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے اترنے سے قبل استفسار طلب نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ جواب میں برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور میں غصیلی نظروں سے اسے گھورنے پر مجبور ہوگیا۔

"یہ سب شنگاریوں کی بولی بول رہے ہیں۔ اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑتا" سلطان شاہ نے نیچے اترتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی "معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہی تین نفوس ہیں۔"

ان تینوں نے ہمارے ساتھ بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش بھی کی جس کے جواب میں ہم صرف باچھیں پھیلا کر رہ گئے۔ میری بے بسی سے بھرپور مسکراہٹ کو دیکھتے ہی قندوز خان کو صورت حال کا ادراک ہوا اور وہ ایک جان دار قہقہہ مار کر بولا "یہ تینوں اردو نہیں جانتے اور تم چاروں ہماری بولی سے ناواقف ہو۔ اب ترجمانی کا کام مجھے ہی سرانجام دینا پڑے گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ لوگ تمہیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔"

"ہماری طرف سے ان کا شکریہ ادا کردو اور بتادو کہ ہم معقول مہمان ثابت ہونے کی پوری کوشش کریں گے" میں نے رسمی لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے؟"

"آج یہیں آرام کریں گے" وہ اطمینان سے بولا "شام ہونے والی ہے۔ ان پہاڑوں میں رات بہت تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے۔ تمام لوگ نہا دھو کر آرام کرو۔ تمہیں وقت پر کھانا مل جائے گا۔ میں ذرا آبادی کا چکر لگاؤں گا تاکہ کل کی روانگی کے امکانات کا جائزہ لے سکوں۔ یہاں سے سرحد کی طرف کارواں جاتے رہتے ہیں۔"

"تو تم آج کی رات باہر گزارو گے؟" ویرا نے بری طرح چونک کر سوال کیا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں" وہ ویرا کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا "ہوسکتا ہے کہ مجھے واپسی میں دیر ہوجائے۔ ہر شخص میری زبان سے گالان کے انقلاب کی کہانی سننے کا خواہاں ہوگا۔ میں اپنے پرانے دوستوں کو مایوس نہیں کرسکتا۔ اگر میں رات کو ان میں رہ بھی گیا تو صبح سویرے لوٹ آؤں گا۔"

"لیکن یہ تینوں اردو سے واقف نہیں ہیں۔ ہم ان سے بات کیسے کریں گے؟" غزالہ بولی۔

"بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ تمہارے بستر لگادیں گے۔ وقت پر لذیذ کھانا فراہم کریں گے۔ فاضل وقت میں تم آس پاس گھومنے یا آرام کرنے کے لیے آزاد ہوگے۔ اس بار تم یہاں کے قیدی نہیں' مہمان ہو۔ تم اپنی مرضی کے مطابق نقل و حرکت کرسکو گے۔ بس یہاں سے زیادہ دور نہ جانا۔"

وہ لوگ ہمیں پتھروں کی موٹی دیواروں والے ایک کمرے میں لے گئے۔ باہر کی فضا میں خنکی رچی ہوئی تھی لیکن کمرے میں آرام دہ حرارت کا احساس ہورہا تھا۔ اس کمرے کا فرش قالین سے مزین تھا۔

جیپ میں طے کی جانے والی طویل پہاڑی مسافت نے ہمارے انجر پنجر ہلا دیے تھے۔ مسطح اور دبیز قالین نظر آتے ہی میں اس پر دراز ہوگیا۔ قندوز خان اپنے ساتھیوں کو تیز تیز لہجے میں کچھ سمجھانے لگا۔

"یہ لوگ ابھی بستر لگائے دیتے ہیں" ان کے لوٹ جانے کے بعد قندوز خان نے ہم سے کہا "فوری طور پر چائے آئے گی۔ سات بجے کھانا تیار ملے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ جلد از جلد لوٹ آؤں لیکن تم لوگ میری واپسی کا انتظار نہ کرنا۔ معاملات طے ہوگئے تو تمہیں کل بھی طویل سفر کرنا ہوگا۔"

اتنا کہہ کر قندوز خان بھی باہر چلا گیا اور وہاں صرف ہم چاروں رہ گئے۔

"یہاں قالین ضرور بچھا ہوا ہے لیکن یہ کمرا زیادہ آرام دہ نہیں ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد ویرا پرتشویش انداز میں بولی۔ "یہاں ہم آرام سے نہیں سو سکیں گے۔ رات کو سردی بہت بڑھ جائے گی۔"

"ایک رات گزارنے کے لیے ہم کہیں بھی پڑ سکتے ہیں۔ اتنے نخرے اچھے نہیں لگتے" سلطان شاہ بولا۔

"یہ نخرا نہیں ہے" ویرا جل کر بولی "تم تینوں کے حافظے کمزور ہیں یا پھر تمہاری عقلیں چرنے گئی ہوئی ہیں۔ تمہیں یاد نہیں کہ پچھلی بار ہم صندل خان کے قیدی تھے لیکن اس سے محدود مصالحت ہو جانے کے بعد ہمیں یہاں کے بہترین کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا؟ یہ کمرا اس سے کئی درجے کم تر ہے۔"

اس کے ٹوکنے پر میرا حافظہ تازہ ہو گیا۔ پچھلی بار ہماری آنکھیں ایسے کمرے میں کھلی تھیں جہاں پیال کے بستروں، فرشی چٹائی، پھوس کے چھپر، پتھریلی دیواروں اور ٹاٹ کے پردے کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن ہم لوگوں سے دیانت دارانہ تعاون کا حلف لینے کے بعد، صندل خان نے ہمیں اس سنگلاخ کمرے سے قدرے نشیب میں بنی ہوئی ایک ایسی عمارت میں منتقل کر دیا تھا جس کے احاطے میں رنگا رنگ پھولوں کی بہار پھیلی ہوئی تھی اور وہاں دالان کے پیچھے بنے ہوئے متعدد کمروں میں سے ایک بہترین کمرا ہمارے تصرف میں دے دیا گیا تھا۔ پچھلی بار ہمارے سفر کی ابتدا بھی اسی حویلی نما عمارت کے سامنے والے مسطح قطعہ زمین سے ہوئی تھی لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ اس بار چیغا سرائے پہنچ جانے کے باوجود ہمیں اس آرام دہ عمارت یا پیالوں والے جھونپڑے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

"اب تمہاری عقل کام کر رہی ہے۔ قندوز خان کے سامنے تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "صرف وہی ہماری بات سمجھ سکتا تھا۔ یہاں رہ جانے والوں سے ہم کیسے بات کریں گے؟"

"میں نے عقل کے استعمال کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا ہے" وہ چیخ کر بولی "ہماری یہاں سے روانگی کا قصہ اتنا پرانا نہیں ہے کہ ذہنوں سے اتر سکے۔ میں نے یہ سوچ کر اپنی زبان بند رکھی کہ کہیں تم نے کسی مصلحت کی وجہ سے وہ ذکر گول نہ کیا ہوا ہو۔ تم بات بات میں دلیل، منطق اور مصلحت تلاش کر لیتے ہو؟"

اس پر غصہ آنے کے باوجود میں بے بسی سے ہنس پڑا "بے وقوف لڑکی! تم نے بات تو چھیڑی ہوتی۔ اس کمرے میں قالین کے بجائے اونی کمبلوں کی کئی تہیں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ خوشنما احاطے میں دوسرے کمروں سے متصل تھا۔ یہاں صرف یہی ایک کمرا نظر آ رہا ہے۔ پتا نہیں تینوں ششگاری کہاں رات بسر کریں گے؟"

"ابھی اجالا باقی ہے" غزالہ نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "وہ لوگ بستر لے کر آئیں گے تو کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لی جائے گی۔ وہ کمرا نہیں ملا تو رات یہاں بھی بسر کی جا سکتی ہے۔"

"دیواروں میں ایسی بھیانک کھڑکیاں ہیں کہ ان میں سے کوئی آدم خور تک آسانی سے اندر کود سکتا ہے" ویرا دو کھلی ہوئی کھڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"فکر نہ کرو۔ سونے سے پہلے پٹ بند کر لیں گے۔ دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا جائے گا" غزالہ تحمل سے بولی۔

ویرا تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑی "کھڑکیوں کے پٹ دکھاوے کے ہیں۔ ایک دوسرے پر جمے ہوئے پتھروں کے درمیان میخیں پھنسا کر انہیں روکا گیا ہے۔ یہ پٹ ہوا کو ضرور روک سکتے ہیں لیکن ذرا سا زور پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے آ گریں گے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ بس تمہاری خوش فہمی دور کر رہی ہوں۔"

"خوف نہیں لیکن مجھے تشویش ضرور لاحق ہے" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "میں اپنی تشویش کا سبب بتانے سے قاصر ہوں لیکن ہم آج کی رات غافل نہیں رہیں گے۔ پہلے میں جاگ کر نگرانی کرتا رہوں گا۔ مجھے نیند آنے لگی تو سلطان شاہ کو بیدار کر دوں گا۔"

"اس وقت کی بات اور ہے۔ رات گئے جس کسی نے کھلے آسمان کے نیچے رک کر پہرے داری کرنے کی کوشش کی، صبح اس کی سردی سے اکڑی ہوئی لاش ہی ملے گی" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "اس وقت بھی ہم صبغت اللہ کے مراعات یافتہ مہمانوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا خطرہ محسوس کر رہے ہو یا تمہیں کس بارے میں تشویش لاحق ہے؟"

"چھٹی حس کچھ کہہ رہی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "میرے ذہن میں جب بھی خطرے کی ایسی گھنٹی بجتی ہے، کچھ نہ کچھ ہو کر رہتا ہے۔ ہم میں سے کوئی باہر رہ کر اپنی رات برباد نہیں کرے گا۔ اپنی اپنی باری پر ہم دونوں میں سے ایک آدمی کو اپنے بستر میں دبک کر چوکنا رہنا ہو گا۔ اگر کوئی ہماری نگرانی کر رہا ہو تو اسے علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم میں سے کوئی جاگ بھی رہا ہے۔ صبح ہمیں یہاں سے روانہ ہو ہی جانا ہے۔"

"خدا ہم چاروں کی حالت زار پر رحم کرے!" سلطان شاہ منہ بنا کر گھگیایا۔

"ڈیئی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں بھی اندر سے مضطرب ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں، تم لوگوں کو اپنی کیفیت سے کیسے آگاہ کروں۔ کھڑکیوں کی بات میں نے بلاوجہ نہیں کی تھی۔"

"کھڑکی کے راستے، کوئی آدم خور تمہیں لے بھی گیا تو ذلیل و خوار ہو کر خودکشی کر بیٹھے گا" سلطان شاہ مفروضوں کو ماننے پر آمادہ نہیں تھا "تمہارا خیال ہے کہ یہ ششگاری آدم خوروں کے علاقے میں رہتے ہیں؟"

"بات کو طول مت دو" غزالہ نے خشک لہجے میں سلطان شاہ کو خاموش کرا دیا "مکاری ششگاریوں کے خون کا ایک نمایاں وصف ہے۔ ہم محض اس خیال سے مگن نہیں رہ سکتے کہ ہم ان کے سردار کے مراعات یافتہ مہمان ہیں یا ہمیں گالان میں خلعت فاخرہ سے نوازا گیا ہے۔ یہاں سے نکلنے تک ہمیں چوکنا رہنا ہو گا۔"

"اگر تم سب ہی یک زبان ہو گئے ہو تو میری مغز زنی بے سود ہے" سلطان شاہ نے بے چارگی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد تینوں ششگاری موٹے موٹے گدوں اور لحافوں کے گٹھر لے کر واپس آ گئے اور انہیں قالین پر ڈال کر بچھانے میں مصروف ہو گئے۔ ویرا دلچسپی کے ساتھ ان کا مشاہدہ کرتی رہی۔ قرینے سے بستر لگانے کے بعد وہ جوں ہی سیدھے ہوئے، ویرا نے مسکراتے ہوئے ان میں سے ایک سرخ و سفید نوجوان کو آنکھ ماردی اور وہ سٹپٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے کانوں کی لویں اور رخساروں کا نظر آنے والا حصہ یک بیک سرخ بھبوکا ہو گیا تھا۔

اس شخص کے دونوں ساتھی اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے بے خبر تھے۔ وہ ہمارے ہتھیاروں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جوں ہی ہتھیاروں کو ہاتھ لگایا، سلطان شاہ نے جھپٹ کر انہیں روک دیا۔

"انہیں ہرگز ہاتھ نہ لگانا" اشاروں کے ساتھ، غیر ارادی طور پر اس کی زبان بھی چل پڑی "یہ بھائی قندوز خان کا تحفہ ہے۔ اسے ہم کسی قیمت پر جدا نہیں ہونے دیں گے۔"

ویرا کے شکار نے آہستہ آہستہ گردن گھما کر کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھا اور ویرا نے پھر وہی حرکت دہرا دی۔ اس پر وہ شخص پیر پٹختا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا سیدھا باہر نکلا چلا گیا۔ اس کی آوازیں اتنی مبہم تھیں کہ اس کے دونوں ساتھی کچھ سمجھے بغیر مشینی انداز میں اس کے پیچھے ہو لیے۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے دبیز گدے پر منتقل ہو کر، ویرا پر آنکھیں نکالیں۔

وہ مسکرانے لگی "بس دل چاہ رہا تھا۔ تم دیکھنا کہ وہ دوبارہ اندر آئے گا۔"

"کیا ہوا تھا؟" سلطان شاہ نے متجسس ہو کر دریافت کیا۔ اس نے وہ منظر نہیں دیکھا تھا۔

"فی الحال کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ ہونے کی توقع ہے" ویرا اسے جواب دے کر اچانک ہی غزالہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیوں غزالہ! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟ میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تم نے اچار کا استعمال بھی شروع نہیں کیا اور یہ بدتمیز ابھی سے ہونے یا نہ ہونے کی فکر میں دبلا ہوا جا رہا ہے۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" غزالہ اس کے سوال پر چراغ پا ہو گئی "پتا نہیں تم دونوں آپس کے مذاق میں میری ٹانگ کیوں کھینچنے لگتے ہو؟ میں ایسی بے ہودگی بالکل پسند نہیں کرتی۔"

"اوہ، آئی ایم سوری!" ویرا معذرت خواہانہ لہجے میں بولی "مجھے معلوم نہیں تھا۔ کیا تم یہ بتاؤ گی کہ تمہیں کس قسم کی بے ہودگی پسند ہے۔ آئندہ میں اسی کا اہتمام کیا کروں گی۔"

"تم جہنم میں جاؤ!" غزالہ نے بھنا کر کہا اور غصے میں بل کھاتی ہوئی، باہر نکلتی چلی گئی۔

"دیکھ لو، یہ بھی چلی گئی" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر مغموم لہجے میں بولی "اس بار تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔"

"بعض اوقات تم اپنی حرکتوں سے لوگوں کی ہڈیاں تک سلگا کر رکھ دیتی ہو۔"

"اب میں کچھ نہیں بولوں گی" ویرا نے اداسی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ اب سلطان شاہ غزالہ کی خبرگیری کے بہانے باہر جائے گا۔ میں کچھ بولی تو تم بھی لڑ کر باہر چلے جاؤ گے اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔"

"بعض اوقات تم واقعی زچ کر دیتی ہو" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

سلطان شاہ نے ویرا کو قہربار نظروں سے گھورا اور اس کے ردعمل کی پروا کیے بغیر غزالہ کے پیچھے چلا گیا۔

ویرا نے شرارت میں کامیاب رہنے والے شریر بچے کی طرح بھرپور قہقہہ لگایا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے گدے پر سے کھینچتے ہوئے بولی "آؤ، ان کی واپسی تک ہم دونوں بھی ڈوبتے سورج کی شفق رنگ روشنی میں اس مسطح چٹان پر راک اینڈ رول ناچتے ہیں۔ اس سے بدن چاق و چوبند رہتا ہے۔"

مجھے راک اینڈ رول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ویرا مذاق کر رہی تھی۔ دن کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ہم اس مدت میں اپنی نئی قیام گاہ کے قرب و جوار کا خاصا جائزہ لے سکتے تھے۔ میں قدرے مزاحمت کے بعد اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے کی چوکھٹ پر ہی وہ ششگاری ہم سے آ ٹکرایا جو ویرا کی نظربازی کا شکار ہوا تھا۔ مجھ سے ٹکراتے ہی وہ باہر رک گیا اور جوں ہی ہم دونوں باہر نکلے، اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی واڈکا کی بوتل ایک جھٹکے سے ویرا کی طرف بڑھا دی۔ ویرا نے جوں ہی بوتل تھامی، وہ تیز تیز قدموں سے واپس لوٹ گیا۔

"یہ میرے لیے آئی ہے" ویرا بوتل کو فضا میں لہراتے ہوئے بولی "میں نے کہا تھا نا کہ یہ واپس آئے گا۔ حرامی سمجھ رہا ہو گا کہ جو عورت شراب پیے بغیر اسے آنکھ مار سکتی ہے، وہ نشے میں دھت ہونے کے بعد پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی بانہوں میں آ گرے گی۔ لاحول ولا قوۃ.... پتا نہیں دنیا کے سارے ہی مَردوں کی سوچ یکساں کیوں ہوتی ہے۔ خود راہ چلتے، محض تفریحاً اتنی خوش شکل لڑکیوں کو آنکھ مار کے خوش ہوتے ہیں کہ بعد میں ان کے چہرے بھی یاد نہیں رہتے لیکن یہی حرکت کوئی عورت کر گزرے تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ایسے پست ذہنیت لوگ یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ کوئی عورت بھی تفریحاً یا عادتاً ایسا کر سکتی ہے۔"

"دیکھو، سلطان شاہ کے منانے کے باوجود، غزالہ سیدھی چلی جا رہی ہے۔"

"اس وقت وہ کڑک مرغی کی طرح پھولی ہوئی ہے۔ جتنا

چھیڑوگے' اتنا ہی پھیلتی جائے گی۔ وہ کہاں تک جائے گی؟ ذرا اندھیرا ہونے دو' خود ہی کمرے میں لوٹ آئے گی" وہ بے فکری سے بولی۔

"شرم کرو..... اب تم میرے منہ پر اسے بُرا بھلا کہنے پر اتر آئی ہو۔"

"تو کیا ہوا.....؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی "تم مدت سے اس کے سامنے مجھے ڈانٹتے پھٹکارتے رہے ہو۔ ایمانداری سے بتاؤ کہ مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ صرف اتنا کہ ایک دہشت زدہ چینی مولوی نے ڈون کوانگ فو کی حویلی میں تمہیں اس کے حوالے کیا تھا اور میں نے ازخود تمہارا ہاتھ تھاما تھا۔"

"اس وقت تم بہت زیادہ بہک رہی ہو۔ بوتل کھول کر تھوڑی سی الکحل لے لو تو اعتدال پر آجاؤگی" میں نے تنک کر کہا "اس وقت تک تمہارا خاموش رہنا ہی ہم دونوں کے حق میں سودمند ثابت ہوگا۔"

اس نے ایک قہقہہ لگایا "بڑا نازک نکتہ پیدا کیا ہے تم نے۔ چرچ میں راہب بتاتا ہے کہ لوگ پی کر بہکتے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ مجھے بہک کر پینی چاہیے تاکہ نارمل ہوسکوں۔ پی کر بہکنا یا بہک کر پینا.....! واہ' کیا بات ہے۔ اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔"

"عادی شرابیوں کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ ان کا معدہ الکحل سے خالی ہو تو عقل' کھوپڑی سے سرک کر' پیٹ میں اتر جاتی ہے" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت تم اسی منزل پر فائز ہونے والی ہو۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی "اس وقت ہم نے کمرا خالی چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ ہم میں سے کسی نہ کسی کو وہاں رکنا چاہیے تھا۔"

"وہاں رکھا ہی کیا ہے؟ سردار صبغت اللہ سے ملی ہوئی خلعتیں چرا بھی لی جائیں تو کیا فرق پڑے گا...؟ نقد ڈالر تو ہماری جیبوں میں موجود ہیں۔ گالان سے باہر وہی ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

"تم ہتھیاروں کو بھول رہے ہو..... ان لوگوں نے بستر بچھاتے ہی ہمارے ہتھیار سمیٹنے کی کوشش کی تھی" وہ معنی خیز لہجے میں بولی "میدان صاف پاکر وہ اپنا کام دکھا جائیں گے اور ہم نہتے رہ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے منع کرنے کے بعد وہ ایسی کوئی حرکت کریں گے" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ سب چیزیں لے بھی گئے تو ہم دوبارہ منگوالیں گے۔ وہ ہماری حکم عدولی نہیں کرسکیں گے۔"

"انہیں اپنی بات کیسے سمجھاؤگے؟ وہ اردو میں بالکل ہی کورے ہیں۔"

"بس' تم دیکھتی جاؤ۔ وہ اشاروں پر ناچیں گے' اشاروں پر۔"

میں ایک بار اس کمرے سے نکل ہی آیا تھا تو قرب وجوار کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ ہموار پہاڑی ٹیلا بہت وسیع نہیں تھا۔ غزالہ اور سلطان شاہ نے اس کے کنارے پر پہنچ کر جس طرح اپنا رخ تبدیل کیا تھا اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ آگے کھائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

مجھے قرب وجوار میں پتھروں کی حویلی یا اس کے باورچی خانے کی دھواں اگلنے والی چمنی سمیت' کسی چیز کے جانے پہچانے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ اس مسطح قطعہ زمین پر ہمارے کمرے سے کچھ فاصلے پر پتھروں کے کئی کمرے ضرور نظر آرہے تھے۔ شاید ان میں شنگاریوں کا قیام تھا۔ ان ہی میں سے کوئی کمرا بیت الخلاء اور غسل خانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہوگا۔ خاص بات یہ تھی کہ باہر جیپ موجود نہیں تھی۔ شاید قندوز خان اسی سے گیا تھا۔

آخر کار ہم دونوں بھی اس پلیٹو کے کنارے پر پہنچ گئے۔ آگے خودرو جھاڑیوں سے بھری ہوئی ناہموار' نشیبی زمین تھی اور اس طرف نیچے اترنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ہم دونوں نے بھی غزالہ اور سلطان شاہ کی طرح' ان بے ہنگم گڑھوں کے کنارے کنارے چلنا شروع کردیا۔ میری عقابی نگاہیں دور دور کا طواف کررہی تھیں لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ چینغا سرائے میں ہماری قیام گاہ کس رخ پر واقع تھی۔

ایک بہت طویل چکر کاٹنے کے بعد ہم دوبارہ اسی مقام پر پہنچ گئے جہاں سے ہم نے اپنے تجسس آمیز سفر کی ابتدا کی تھی۔ اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ اس مسطح ٹیلے تک آمدورفت کے لیے وہی ایک کچا راستہ تھا جس سے ہماری جیپ وہاں پہنچی تھی۔ بقیہ اطراف میں جنگلی پودوں وغیرہ سے بھرے ہوئے کھڈ اور کھائیاں ہی پھیلی ہوئی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلی بار جب ہم نے چینغا سرائے میں قیام کیا تھا تو وہاں بلندی کے ساتھ ہی نشیب میں بھی تعمیرات موجود تھیں اور وہاں آمدورفت کے لیے ایک پرپیچ مگر خوب صورت راستہ بھی موجود تھا لیکن اس بار ان میں سے کوئی بھی نشانی موجود نہیں تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ جگہ چینغا سرائے نہ ہو" ویرا نے میرے ذہن کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"قندوز خان اتنا سفید جھوٹ نہیں بول سکتا" میں نے وثوق سے کہا۔

"پھر اندر چل کر آرام کرو۔ ہوسکتا ہے کہ پچھلے چند دنوں میں اس علاقے کا جغرافیہ تبدیل ہوگیا ہو" ویرا تمسخرانہ لہجے میں بولی "قندوز خان ہی اس پہیلی پر کوئی روشنی ڈال سکے گا۔"

غزالہ پہلے ہی سلطان شاہ کے ساتھ کمرے میں جاچکی تھی۔ ہم دونوں بھی ٹہلتے ہوئے واپس چلے گئے۔ غزالہ بستر پر دراز تھی۔ سلطان شاہ اسی شنگاری کے ساتھ مغز زنی کررہا تھا جسے ویرا نے آنکھ مار کر بھگادیا تھا۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پاکر وہ پلٹا اور ویرا کو دیکھتے ہی اس نے خوشامدانہ انداز میں اپنی باچھیں پھیلادیں۔

"اُلّو کا پٹھا مجھے دیکھ کر یوں مسکرا رہا ہے جیسے میرا برسوں پرانا دوست ہو" ویرا منہ بنا کر بڑبڑائی پھر اس ہونق کو یکسر نظرانداز کرکے سلطان شاہ سے مخاطب ہوگئی "تم اس نابکار کو کیا سمجھانے کی کوشش کررہے ہو؟ یہ تمہارا بھیجا کھاجائے گا اور کچھ سمجھ کر نہیں دے گا۔"

"بھوک چمک اٹھی ہے۔ میں اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ تم دونوں کے آتے ہی کھانا لگادیا جائے۔ اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی" سلطان شاہ نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں' میں نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارے جملہ ہتھیار جوں کے توں موجود تھے۔

"اب ہم آہی گئے ہیں تو مختصریات کرو" یہ کہہ کر ویرا اس شنگاری کی طرف بڑھی۔ اس نے داہنے ہاتھ سے لقمہ منہ میں لے جانے کی اداکاری کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے کسی کو بلانے کا پرزور اشارہ کیا اور وہ شخص تفہیمی انداز میں سرہلا کر پھرتی سے واپس چلاگیا۔

"کمال ہے" سلطان شاہ نے خودکلامی کے انداز میں کہا "میں بات میں سمجھا رہا تھا تو وہ اودبلاؤ کی طرح حیرت سے میرا منہ تک رہا تھا اور اب کسی سعادت مند ملازم کی طرح دوڑتا ہوا گیا ہے۔"

"آدمی آدمی کی بات ہوتی ہے لیکن مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ اس وقت غزالہ ڈارلنگ مجھ سے ناراض ہے" وہ بے تکلفانہ انداز میں غزالہ کے بستر پر ہی بیٹھ گئی "بعض اوقات یہ ہلکے پھلکے مذاق کو بھی برداشت نہیں کرپاتی۔ یہ اس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔"

"مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو" غزالہ کسی کٹکھنی بلی کی طرح غرّائی "تم بولنے پر آتی ہو تو تمہیں پتا ہی نہیں چلتا کہ تم کب مذاق کی حدود کو پھلانگ کر دل آزاری پر اتر آئی ہو۔"

"میں شرمندہ ہوں" ویرا دونوں ہاتھوں سے اس کے پاؤں دابنے لگی "مجھے معاف کردو۔ کبھی کبھی میری کھوپڑی واقعی بے قابو ہوجاتی ہے۔ تم کراچی پہنچ کر مجھ سے بدلہ لے لینا لیکن یہاں غصہ تھوک دو۔"

غزالہ بے بسی سے ہنس پڑی "تمہاری ڈھٹائی کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

باہر مٹرگشت کرتے ہوئے ہمیں ایک کمرے میں سے دھواں خارج ہوتا ہوا ضرور نظر آیا تھا لیکن فضا میں گوشت بھننے کی اشتہا انگیز خوشبو مفقود تھی۔ کھانا آیا تو وہ تازہ اور گرم ضرور تھا لیکن دال اور سبزیوں پر مشتمل تھا۔ وہ معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ اشاروں کی زبان میں شنگاریوں سے کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ ہم چاروں بادل ناخواستہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ابھی چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فضا میں کسی انجن کی جانی پہچانی گونج ابھرتی ہوئی سنائی دی۔ اس وقت ایک شنگاری دیوارگیر مشعلیں روشن کرنے میں مصروف تھا۔ اس آواز پر وہ بھی چونکا۔ انجن کی آواز تیزی سے قریب آتی جارہی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ قندوز خان ہماری توقع سے بہت پہلے واپس آرہا تھا۔ اس کی آمد سے فوری طور پر کئی الجھنیں رفع ہوسکتی تھیں۔

ہم آہستہ آہستہ اپنی شکم پری کرنے میں مصروف تھے کہ جیپ کی پرشور آواز ہمارے کمرے کے قریب آکر دم توڑ گئی۔ چند ثانیوں بعد قندوز خان السلام علیکم کا بلند آہنگ نعرہ لگاتا ہوا کمرے میں آگیا۔

"ٹھہرو!" ہمیں کھانے میں مصروف پاکر اس نے دروازے ہی سے ہانک لگائی "خالص دال اور سبزیاں کھاکر تمہارے ایمان کمزور ہوجائیں گے۔ میں رات کے کھانے کے لیے سالم دنبہ لے کر آیا ہوں۔"

ایک شنگاری کاغذوں میں لپٹا ہوا دنبہ لے کر اندر آیا تو فضا بھنے ہوئے گوشت کی بو سے مہک اٹھی۔

"جلدی لے آؤ!" سلطان شاہ نے بے صبری سے کہا "تمہیں اس کارثواب کا اجرعظیم ملے گا۔ اس روکھے پھیکے کھانے نے سردار صبغت اللہ کے انعام واکرام کا لطف غارت کیا ہوا تھا۔ تم بروقت پہنچے ہو۔"

"مجھے معلوم تھا کہ آج یہاں ذبح کرنے کے لیے کوئی جانور

دستیاب ہے نہ پرندے۔ اسی لیے میں جان چھڑا کر جلد لوٹ آیا"
قندوز خان جوتے اتار کر ہمارے ساتھ آبیٹھا اور اس کے آدمی نے سالم دنبہ دسترخوان پر رکھ کر اس پر سے کاغذ اتارنا شروع کردیا۔
مرغوب غذا کی آمد کی نوید پاتے ہی ویرا نے اپنی تحویل میں موجود بوتل کی مہر توڑی اور اسے منہ سے لگالیا۔ اس وقت تک ویرا نے بوتل سے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔
"مرحبا!" قندوز خان نے ویرا کی حرکت پر نعرۂ تحسین بلند کیا "تم شیر کی بچی ہو۔ شراب پی کر دال اور سبزی کھانے سے بہتر ہے کہ آدمی بوتل مار کر اپنا سر کھول لے۔ اب کھانے پینے کا لطف آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ اتنی جلدی کھانا نہیں کھاؤ گے.... لاؤ، ذرا بوتل مجھے بھی دینا۔"
"بڑے بھائی!" سلطان شاہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تمہاری غیر حاضری میں ہم چاروں اداس الوؤں کی طرح ایک دوسرے سے لڑ کر، اس ویرانے میں بھٹک رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ چند روز میں چیغا سرائے کے خوب صورت کیمپ کو کس کی نظر کھاگئی؟ یہ تو بڑی خوب صورت جگہ تھی لیکن اب یہاں سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ ہر طرف دل اڑانے والی ویرانی کا راج نظر آرہا ہے۔"
قندوز خان نے جناتی انداز میں بوتل سے بیک وقت کئی بڑے بڑے گھونٹ لیے پھر اپنی آستین سے دہانہ صاف کرتے ہوئے بولا "پچھلی بار تم چیغا سرائے کے جنوبی حصے میں تھے۔ اس بار ہم شمال میں ہیں۔ وہ مقام یہاں سے کچھ دور ہے اور وہاں ہمارا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ میں تمہیں اس بھیڑ بھاڑ سے بچا کر یہاں لایا ہوں۔ ان دونوں عورتوں کی وجہ سے تم اس لشکر میں تماشا بن جاتے یا تمہارا جھگڑا ہو جاتا۔"
"تم بہت سمجھ دار ہو لیکن ہمیں بے خبر رکھ کر تم نے چکر میں ڈال دیا تھا" ویرا ہنس کر بولی۔
"ایک رات کی بات ہے۔ ذرا سی بے آرامی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل اہمیت ذہنی سکون کی ہوتی ہے۔ ان بے لگام لشکریوں میں تم ایک پل کے لیے بھی سکھ کی نیند نہیں سو سکتے تھے۔ وہ جنگی مورچوں سے نکل کر آتے ہیں تو کبھی کبھی تفریح کے چکر میں بدمعاشیوں پر اتر آتے ہیں۔ کل تم یہاں سے نکل جاؤ گے۔"
"کیا تم ہماری روانگی کا بندوبست کر آئے ہو؟" میں نے مسرت آمیز تجسس کے ساتھ سوال کیا۔
"ادھوری بات ہوئی ہے۔ کل والے کارواں میں دو گورے بھی شامل ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر نفری میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ معاملات طے کرنے کے لیے مجھے دوبارہ شہر جانا ہے" قندوز خان نے بتایا۔
"ہم لوگوں کو بھی ساتھ لے چلو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم گوروں کو آمادہ کرلیں" ویرا بولی۔
"وہ مان جائیں گے" قندوز خان نے پورے اعتماد سے کہا "آج کل یہ علاقے ہر قانون کی عمل داری سے باہر ہیں۔ ادھر کا رخ کرنے والے غیر ملکی اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقامیوں کی کوئی التجا بھی حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ نہیں مانیں گے تو آبادی سے باہر نکلتے ہی کتوں کی طرح بھون ڈالے جائیں گے۔ کھانے کے بعد میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم چاروں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے سے بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"
"ہم تمہاری رضا میں خوش رہنے والوں میں سے ہیں" میں نے بلا حیل وحجت ہتھیار ڈال دیے۔ اس کی غیر متوقع واپسی سے جہاں میرے کئی سوالوں کے جوابات مل گئے تھے وہیں ہمیں خاصی ڈھارس بھی مل گئی تھی۔
غزالہ دوسروں سے نظریں بچا کر مجھے بار بار گھورے جارہی تھی۔ وہ مجھے شراب نوشی سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ میں اس کی نگاہوں کا مطلب خوب سمجھ رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ ویرا یا قندوز خان کو مجھے شریک کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ وہ دونوں ہی ندیدوں کی طرح بوتل نچوڑنے کے چکر میں تھے۔
دنبے پر سے کاغذ کی تہیں اترنے تک قندوز خان نے خالی بوتل قالین پر لڑھکادی تھی۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے اس نے آسودہ انداز میں ایک لمبی ڈکار لی، اپنی گھنی اور بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دنبے پر حملہ آور ہوگیا۔ ہم چاروں نے بھی کھانے کا رکا ہوا سلسلہ دوبارہ جاری کردیا۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قندوز خان جیپ لے کر واپس چلا گیا۔ اس وقت تک باہر گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن مشینی شور شرابے سے محفوظ، اس سکون پرور ویرانے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کافی رات گزر چکی ہو۔
شام ہونے کے ساتھ ہی وہاں موسمی تبدیلی کے آثار رونما ہو چلے تھے۔ رات گہری ہونے کے ساتھ فضا میں خنکی بڑھتی جارہی تھی۔ ہم نے کھڑکیاں بند کردیں تاکہ باہر کا موسم ہم لوگوں پر زیادہ اثر انداز نہ ہوسکے۔ کھانے کے برتنوں کی واپسی کے بعد، سلطان شاہ نے دروازہ بھی بند کردیا۔
ہم چاروں اپنے اپنے بستروں پر دراز تھے۔ پروگرام کے مطابق مجھے بیدار رہ کر چوکیداری کرنی تھی لیکن میرے ساتھ ساتھ وہ تینوں بھی جاگتے رہے۔ کچھ دیر بعد سب نے محسوس کیا کہ کھڑکیاں اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے مشعل کے خام ایندھن کا کثیف دھواں، کمرے میں گھٹن کا ناگوار اثرات مرتب کر رہا تھا۔
میں نے بیس راؤنڈز والا میگزین چیک کر کے اپنی بھری ہوئی کلاشنکوف اپنے اور سلطان شاہ کے گدوں کے درمیان میں اس طرح چھپالی کہ اندھیرے میں ہم دونوں کسی دقت کے بغیر اس تک رسائی حاصل کرسکیں۔ پھر مشعل گل کردی گئی۔ کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔
میں نے اصرار کیا کہ وہ لوگ میری فکر کیے بغیر آرام سے سو جائیں لیکن ان میں سے کسی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے ان کا ذہنی تناؤ دور کرنے کے لیے دھیمی آواز میں وضاحت کی کہ ہم

لوگ کسی حقیقی خطرے سے دوچار نہیں تھے بلکہ غیر یقینی حالات کی وجہ سے خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

”ہمیں شنگاریوں پر بھرپور اعتماد ہوتا تو کسی کو بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی“ اندھیرے میں سلطان شاہ کی آواز ابھری ”باہر تین شنگاری موجود ہیں۔ یہ ان کا علاقہ ہے۔ اصولاً تو ان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی یہاں پر نہیں مار سکتا۔ مشکل یہ ہے کہ تم ان پر اعتماد کھو بیٹھے ہو۔ اسی وجہ سے سب متفکر ہیں۔“

میں خاموش رہا۔ اس وقت کے گمبھیر ماحول میں اپنے اندیشوں کو دہرا کر‘ میں ان لوگوں کی اعصابی کشیدگی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ ویرا کے ذہن پر خورونوش کا گہرا خمار طاری تھا اس لیے سب سے پہلے اسی کو نیند آئی۔ پھر غزالہ کے تبصرے بھی مفقود ہو گئے۔ ان دونوں کی نیند میں خلل پڑنے کے اندیشے سے میں خاموش رہا مگر اندھیرے میں بھی میں دیکھ سکتا تھا‘ سلطان شاہ اپنے بستر پر پڑا پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔

کافی دیر بعد سلطان شاہ بھی سو گیا۔ میں اس کے ہموار اور گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں بخوبی سن رہا تھا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ باہر گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ بس کبھی کبھی کسی جھینگر کی آواز اس سناٹے کو مجروح کر دیتی تھی ورنہ پھر وہی بے کراں خاموشی ماحول پر محیط ہو جاتی تھی۔

پتا نہیں کتنی دیر تک میں اسی طرح خاموش لیٹا رہا۔ کافی وقت گزرنے کے بعد میری پلکیں بھی بوجھل ہونے لگیں۔ میں نے سوچا کہ ذہن پر حاوی ہوتا وہ خمار ذرا گہرا ہو لے تو میں سلطان شاہ کو جگا دوں گا۔

وہی میری اس رات کی سب سے بڑی بھول تھی۔ پتا نہیں کب غنودگی کی لہر اچانک مجھ پر غالب آ گئی اور سلطان شاہ کو بیدار کرنے سے پہلے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سوتا رہا۔ خوف اور سنسنی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ میری آنکھ کھلی تو میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا‘ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ناکام رہا۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنے سرہانے سے ایک موہوم سی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے بوجھ اٹھاتے ہوئے کسی کے منہ سے خفیف سی آواز‘ غیر ارادی طور پر آزاد ہو گئی ہو۔

میں نے آواز کی سمت میں سر گھمانے کی کوشش کی مگر اس وقت میرا سر منوں بوجھل ہو گیا۔ میرے لاشعور میں یہ خوف جما ہوا تھا کہ اس اندھیرے کمرے میں ہمارے علاوہ کوئی پراسرار اجنبی بھی موجود تھا جو کسی بھی طرح ہمارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ غالب گمان یہی تھا کہ مجھے حرکت کرتے دیکھ کر وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے پر تل جاتا۔

گالان سے واپسی پر میرے اور غزالہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد میں ویرا کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ بادرانی فطرتاً عیاش رہے ہوں یا نہ رہے ہوں‘ یہ بات طے تھی کہ وہ بلا کے انا پرست تھے۔ یہ صبغت اللہ بادرانی کی انا پرستی ہی تھی جس نے اسے اپنے محسن اور سردار کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔ پھر اسی انا پرستی کی وجہ سے اس نے بے نسب‘ بدکار اور آزاد خیال جنت گل کو جرگے کے ذریعے پاکیزہ اور آبرومند قرار دلوا کر یکطرفہ طور پر اپنے تایا زاد بھائی‘ ارسلا خان سے منسوب کیا تھا۔ اس نے میرے سامنے کھل کر اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ویرا کو اپنے تصرف میں لینے کا متمنی تھا۔ میں نے ویرا کے بارے میں ایک کہانی تراش کر اسے اپنے ارادے سے دستبردار ہونے پر تو آمادہ کر لیا تھا مگر میرا خیال تھا کہ ویرا کا تصور اس کے دل میں ایک پھانس بن کر پیوست ہو گیا تھا۔ صبغت اللہ نے ویرا کو مستقل طور پر اپنانے کا ارادہ ضرور ترک کر دیا تھا لیکن اس کی قبائلی انا ویرا کو مسخر کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جب تک ہم افغانستان کی سرحدوں میں موجود تھے‘ صبغت اللہ کی طرف سے کسی جبری کارروائی کے خطرے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ خطرے کی وہ گھڑی آخرکار سر پر آ ہی گئی تھی۔

میں نے بہت آہستگی سے اپنا سر گھمایا تو تاریکی میں مجھے ایک دیو قامت انسانی ہیولا نظر آیا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور اس نے کسی کو اپنی کمر پر لادا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں دیوار کی طرف جا رہا تھا جہاں کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اس تاریک خلا کا بیشتر حصہ اس شخص کے وجود کی آڑ میں تھا۔

میں نے اضطراری طور پر بستر پر نگاہ ڈالی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ پر بے خبر سویا ہوا تھا۔ غزالہ کا لحاف بھی پھولا ہوا تھا البتہ ویرا کا بستر خالی تھا۔ اس کا لحاف ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

ویرا نے کتنی ہی الکحل لی ہوئی ہو‘ وہ اتنی غافل نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی اسے اپنی پشت پر لاد کر لے جائے اور اسے ہوش ہی نہ آئے۔ اسے اٹھا کر لے جانے والے نے یقینی طور پر اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے بے ہوش کر دیا تھا‘ جب ہی وہ اسے ا[...] اطمینان سے اٹھائے لیے جا رہا تھا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی پوزیشن تبدیل کی اور گدے [...] نیچے سے لوڈ کی ہوئی کلاشن کوف نکال لی۔

لمحہ بھر کے لیے وہ شخص ایک طرف جھکا اور مجھے کھڑکی [...] باہر کھڑے ہوئے ایک اور شخص کی جھلک بھی نظر آ گئی۔ با[...] اندھیرا ضرور تھا لیکن تاروں بھرے آسمان کے سائے میں مجھے ا[...] کے خدوخال بھی نظر آ گئے۔ میں یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ [...] میرے لیے اجنبی نہیں تھا‘ اسے میں صبغت اللہ کے حواریوں [...] دیکھ چکا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ویرا کو اٹھا لے جانے والا اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھی کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ با[...] مزید آدمی موجود رہے ہوں۔ ویرا کو ایک بار کھڑکی سے باہر پہنچا جاتا تو اسے کسی بھی صورت میں بازیاب نہیں کرایا جا سکتا تھا۔

میری کلاشنکوف میں بیس راؤنڈز والا میگزین چڑھا ہوا تھا مگر باہر کی صورت حال غیر یقینی تھی۔ راؤنڈز کے استعمال میں کفایت ناگزیر تھی۔ میں نے اپنی رائفل کا خودکار بٹن کھسکائے بغیر‘ نال سیدھی کر کے ویرا کو لے جانے والے شخص کی ٹانگوں کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکے کے ساتھ وہ شخص کراہتا ہوا قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے فائر کرتے ہوئے‘ میرا حریف بالکل بے خبر تھا۔ میں چاہتا تو پشت سے اس کے اوپری دھڑ پر گولی چلا سکتا تھا لیکن وہ متحرک تھا اور اندیشہ یہ تھا کہ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں ویرا بری طرح زخمی نہ ہو جائے۔ میں نے لمحوں ہی لمحوں میں فیصلہ کر کے اس کی کوئی ٹانگ بری طرح ادھیڑ ڈالی تھی۔

اس کے گرتے ہی کھلی ہوئی کھڑکی پوری طرح میری نظروں میں آ گئی۔ فائر اور اپنے ساتھی کی دردناک کراہ سن کر باہر والا اضطراری انداز میں کھڑکی کے راستے اندر کودنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اس پر بھی گولی چلا دی۔

اس بار میرا نشانہ خطا ہو گیا مگر ایک فائدہ ہوا کہ وہ اندر آنے کے بجائے خوف زدہ ہو کر باہر کی طرف گر گیا۔ پھر باہر کی فضا کئی پے درپے فائروں سے لرز اٹھی۔ باہر والے نے جھلاہٹ میں شاید اپنے پستول کا پورا میگزین ہوا میں خالی کر دیا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ باہر کا ردِ عمل بہت محدود تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ ہمارے مقابلے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا متنفس نہیں تھا۔

سلطان شاہ پہلے فائر کے ساتھ ہی ہڑبڑا کر بستر سے نکل پڑا تھا اور اندازے سے اس طرف جھپٹا تھا جدھر ہمارے بقیہ بھرے ہوئے ہتھیار رکھے ہوئے تھے لیکن مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ باہر سے جوابی فائرنگ ہونے تک غزالہ نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ نہ ہی وہاں رہنے والے تینوں شنگاریوں کا کوئی ردِ عمل سامنے آیا تھا۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اپنے زخمی حریف کی طرف چھلانگ لگا دی۔

ویرا قالین پر جس طرح گری تھی‘ اسی طرح بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے حریف کے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے اس سے دست بدست مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس کے بائیں پہلو پر فائر کیا مگر وہ خطرہ بھانپ کر اسی لمحے داہنی طرف جھکا اور گولی پتھروں کی دیوار کے کسی جوڑ میں پیوست ہو گئی۔

وہ داہنی طرف جھکتے جھکتے ہی پلٹا اور کسی پھرتیلے چیتے کی طرح جست لگا کر میرے اوپر آ رہا۔

میرے لیے اس کے اڑتے ہوئے وجود کی جھونک کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ میں اس کے ساتھ ہی قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ غراتے ہوئے‘ کسی اجنبی زبان میں کچھ بکے جا رہا تھا اور مجھے بری طرح جھنجوڑ رہا تھا۔

”ہینڈز اپ! میں گولی مار دوں گا“ اندھیرے میں سلطان شاہ کی غراہٹ گونجی۔ اس کی آواز میں نیند کے خمار کا دور دور تک پتا نہیں تھا لیکن مجھے خوف تھا کہ وہ اسی وقت گہری نیند سے بیدار ہوا ہے اور اسے سچویشن کا پورا ادراک نہیں ہے۔ اگر اس نے اندھا دھند گولیاں برسائیں تو میرے علاوہ ویرا کی جان کو بھی سنگین خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے‘ میرا دھیان بٹا ہی تھا کہ میرے حریف نے فائدہ اٹھا لیا۔

”گولی نہ چلانا“ میں نے اپنی کمر کو اس شخص کی گرفت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہاتھ پیر مارتے ہوئے چیخ کر کہا ”ہم بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ تم کھڑکی کا خیال رکھو۔ ایک بدمعاش ادھر بھی موجود ہے۔“

اس اثنا میں میرا حریف میری کمر میں ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا چلا گیا۔ میرے حلق سے خود بخود بے معنی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔

سلطان شاہ کھڑکی کی طرف جانے کے لیے جوں ہی ہمارے قریب سے گزرا‘ میرے حریف نے مجھے بے رحمی سے اس پر اچھال دیا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے الجھ کر قالین پر ڈھیر ہو گئے۔

زخمی حریف لنگڑاتا ہوا کھڑکی کی طرف بھاگ نکلا۔ سخت مزاحمت سے دوچار ہونے کے بعد اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور وہ ویرا کو تقریباً بھول ہی بیٹھا تھا۔

اس مقابلے میں کلاشنکوف میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ باہر والے کو ہم لوگوں کی طرف سے کسی مقابلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں میگزین لوڈ کر کے بار بار ہوائی فائرنگ کیے جا رہا تھا لیکن اس نے دوبارہ کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ فائرنگ کرنے کے ساتھ ہی رہ رہ کر کچھ چیختا جا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے اندر والے ساتھی کا حوصلہ بڑھانے اور اسے ہدایات دینے میں مصروف تھا۔

جب تک میں سنبھل کر اپنے حریف کی طرف لپکا‘ وہ کھڑکی تک پہنچ چکا تھا۔

”رک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا“ میں نے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود‘ چیخ کر اسے دھمکی دی۔ وہ اردو سے ناواقف تھا یا پھر اس پر اپنی جان بچانے کی دھن سوار تھی کہ وہ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا‘ دیوار پر ہاتھ ٹکا کر اچھلا اور پھر کھلی ہوئی کھڑکی کے خلا سے گزرتا ہوا باہر اندھیرے میں کود گیا۔

اچانک کچھ فاصلے سے کسی کی خوابیدہ آواز گونجی۔ الفاظ نامانوس تھے مگر لہجہ استفسار طلب تھا۔ شاید باہر والے تینوں شنگاریوں میں سے کسی کو ہوش آ ہی گیا تھا لیکن وہ مداخلت بے سود تھی۔ اس وقت تک سنگلاخ زمین پر دو افراد کے دوڑتے ہوئے

قدموں کی آوازیں کافی دور جاچکی تھیں۔

"یہ کک..... کیا ہورہا تھا؟" سلطان شاہ میرے عقب میں آکر منمنایا۔ فطری اور غیرارادی ردِّعمل کا جوش فرو ہوتے ہی اس پر فکر اور تشویش غالب آگئی تھی۔ شاید وہ کچھ خوف زدہ بھی ہوگیا تھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے داہنے ہاتھ میں کلاشن کوف دبی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ اپنے قبضے میں لے لی "یہ مجھے دے دو اور تم مشعلیں روشن کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"وہ اندھیرے میں ہیں۔ ہم نے ذرا بھی روشنی کی تو وہ ہمیں باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"چوروں کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ بھاگ چکے ہیں" میں نے سختی سے کہا "میں جیسا کہہ رہا ہوں، تم ویسا ہی کرو۔ ہم خطرے سے نجات حاصل کرچکے ہیں۔"

میں رائفل کو خودکار پوزیشن میں شفٹ کرکے، کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب گیا اور نال موٹی دیوار کے سرے پر ٹکا کر فرش پر بیٹھتے ہوئے، گھوڑا دبادیا۔ میگزین میں موجود دس کی دس گولیاں چند سیکنڈ میں آسمان کی طرف تیرتی چلی گئیں۔ میرے اس برسٹ نے تاریک اور ویران فضا کو لرزا کر رکھ دیا۔

سلطان شاہ نے ایک مشعل روشن کردی۔ میں اس کی طرف پلٹا تو وہ حیرت سے ویرا اور غزالہ کو دیکھے جارہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر اس نے تحیّر زدہ آواز میں پوچھا "ان دونوں کو کیا ہوا؟ اتنی مار دھاڑ سے تو مُردے بھی اپنی قبریں پھاڑ کر باہر نکل آتے۔ یہ دونوں بالکل بے سدھ پڑی ہوئی ہیں۔"

"انہیں کوئی زوداثر دوا سنگھا کر بے ہوش کیا گیا ہے" میں نے کہا "شنگاری اپنے حریفوں کو بے ہوش کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آنے والوں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے صرف عورتوں کو بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا۔ ہم بھی بے ہوش ہوتے تو وہ ویرا کو اٹھالے جانے میں کامیاب ہوجاتے۔"

"عورتیں ہم سے دور مگر ایک دوسرے کے ساتھ دراز تھیں اس لیے آسانی سے شکار ہوگئیں۔ لیکن تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ شنگاریوں کی حرکت تھی؟ کیا ہم ان کے سردار کے مہمان نہیں ہیں؟"

"مہمان ہونا اور بات ہے، صبغت اللہ کی ویرا پر نظر تھی۔ تازہ واقعات اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔"

"ہم گالان سے یہاں تک اسی کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ ویرا کو زبردستی بھی چھین سکتا تھا۔ اسے اتنے ہیر پھیر اور ڈھکوسلے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا کیونکہ وہ تفصیلات سے باخبر نہیں تھا۔

"دوہری شخصیت رکھنے والے لوگ ہیر پھیر کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر ویرا پر ہاتھ ڈالتا تو پوری شنگارا وادی میں بدنام ہوجاتا۔ اس کی نئی نویلی سرداری ایسی بدنامی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ رات کے اندھیرے میں یہاں رونما ہونے والی واردات نامعلوم مجرموں کے سر ڈال دی جاتی۔ جب ویرا سے اس کا دل بھر جاتا تو وہ ویرا کو مروا دیتا یا پھر بے ہوش کرکے کسی دور افتادہ ویرانے میں پھنکوا دیتا۔ اس طرح وہ کوئی بدنامی مول لیے بغیر اپنی انا کو تسکین پہنچا سکتا تھا۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟ اپنے آدمیوں کی ناکامی اسے مشتعل کردے گی۔ ہم پر کوئی اور وار بھی ہوسکتا ہے۔"

"اس کا امکان بہت کم ہے" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہر قسم کے وسائل پر دسترس رکھنے کے باوجود، یہ لوگ لاسلکی مواصلاتی سہولتوں سے بے بہرہ ہیں۔ رات میں یہاں سے گالان کا سفر اختیار کرنا ناممکن ہے۔ صبغت اللہ کو دن چڑھنے سے پہلے اس ناکامی کی اطلاع نہیں مل سکتی۔ ان لوگوں کی، نئی ہدایات کے ساتھ واپسی دوپہر سے پہلے نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک ہم یہاں سے کافی دور نکل چکے ہوں۔"

سلطان شاہ غزالہ کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگیا۔ میں ویرا کے قریب جا بیٹھا۔ میں نے ویرا کی آنکھوں کے پپوٹے الٹ کر دیکھا تو اس کی دونوں پتلیاں اوپر چڑھی ہوئی تھیں اور آنکھوں کی سفیدی بھیانک معلوم ہورہی تھی۔

اس وقت موسم خاصا خنک تھا۔ میں ویرا کو قالین سے کھینچ کر اس کے بستر تک لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ کھلی ہوئی کھڑکی سے ایک آواز سن کر بری طرح بھڑک اٹھا۔

وہ وہیں مقیم شنگاریوں میں سے ایک تھا اور ہم سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ غالباً اس نے بند دروازے پر طبع آزمائی کے بعد روشن کھڑکی کا رخ کیا تھا۔ میں نے ویرا کو چھوڑ کر غصیلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ہوا سے ہولے ہولے بھڑکتی ہوئی مشعل کی روشنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ میں اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے سرخ ڈورے بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور وہ کھڑکی سے گزر کر اندر آگیا۔ اس کے ساتھ ہی بقیہ دونوں شنگاری بھی اندر آگئے۔ تینوں کی آنکھیں گہری نیند کے اثرات سے بوجھل ہورہی تھیں مگر اس وقت وہ سب اسلحہ بند تھے۔

میرے اشارے پر ان میں سے ایک نے کھڑکی کے کھلے ہوئے چوبی پٹ بند کردئے۔

"ان حرام زادوں سے پوچھو کہ جب فائرنگ شروع ہوئی تو یہ کہاں مرے ہوئے تھے؟" سلطان شاہ نے غصّے سے کہا۔

"اگر ہمارے ساتھ کوئی سازش ہوئی ہے تو یہ اس میں شامل نہیں تھے۔ تینوں بے چارے گہری نیند سے اٹھ کر آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اور چہروں پر حیرت کے آثار نمایاں نظر آرہے ہیں۔" میں نے ان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اندھیرے میں ان کو اندازہ ہی نہیں ہوسکا ہوگا کہ یہاں باہر کے لوگ آئے ہوئے ہیں۔"

میرے خاموش ہوتے ہی ان میں سے ایک شخص بولنے لگا۔ اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑسکا۔

اشاروں اور اداکاری کے ذریعے میں بدقت تمام انہیں صورت حال سے آگاہ کرنے میں کامیابی حاصل کرسکا۔ پتا نہیں وہ میرا صحیح مدعا ہی سمجھے یا کسی اور نتیجے پر پہنچے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ان کی متجسس اور خوابیدہ نگاہوں میں تفہیمی آسودگی جھلکنے لگی اور انہوں نے سوالات کرنے کا سلسلہ ختم کردیا۔

ان کی مدد سے میں نے ویرا کو بستر پر منتقل کرکے اس کے بدن پر لحاف ڈال دیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کو ہوش میں لانے کے چکر میں، پانی کے چھینٹے مار مار کر اس کے چہرے کے ساتھ ہی تکیہ بھی بھگو دیا تھا۔

"سب کوششیں بے سود ہیں" میں نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا "اپنی توانائی ضائع مت کرو۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر اترنے سے پہلے انہیں ہوش نہیں آئے گا۔ یہ اتفاقی بے ہوشی نہیں ہے جو امدادی کوششوں سے ختم ہوجاتی ہے" یہ کہہ کر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ ساڑھے تین بجا رہی تھی۔

تینوں شنگاری مجرمانہ احساس کے ساتھ سر جھکائے، خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ شنگاریوں سے اجتماعی طور پر کوئی لگاؤ یا ہمدردی نہ ہونے کے باوجود مجھے ان پر ترس آنے لگا لیکن سلطان شاہ برہمی سے بولا "ان کی ناک کے نیچے اتنا بڑا واقعہ ہوگیا اور یہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے رہے۔ اب میں ان سالوں کی رات خراب کردوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ ان تینوں کو گھورنے لگا پھر "قندوز خان" کہہ کر اپنا ہاتھ فضا میں ہلانے لگا۔

اس کا سوال فوری طور پر سمجھ لیا گیا۔ اشاروں کی مدد سے جو جواب دیا گیا، وہ بھی قابل فہم ثابت ہوا۔ قندوز خان جیپ کے ذریعے گیا ہوا تھا اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ سلطان شاہ نے انہیں قندوز خان کی واپسی تک باہر پہرا دینے کی ہدایات دیں۔ اس بار اسے کافی محنت کرنی پڑی اور پھر تینوں شنگاری دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔ وہ جاتے ہوئے بھی شرمسار نظر آرہے تھے۔

چند منٹ بعد سلطان شاہ ان کا جائزہ لینے کے لیے باہر گیا اور واپس آکر اس نے اطلاع دی کہ ان تینوں میں سے ایک، دروازے کے سامنے جما بیٹھا تھا اور بقیہ دو کھڑکیوں کے نیچے چوکیداری کررہے تھے۔

"اب کچھ نہیں ہوگا۔ آخری پہر کی ٹھنڈ میں وہ اکڑ کر رہ جائیں گے" میں نے کہا۔

"وہ مقامی باشندے ہیں۔ یہاں کی گلابی سردی ان کا کچھ نہیں بگاڑے گی۔ بستر کی گرمی دستیاب ہوئی تو وہ ایک مرتبہ پھر گدھے گھوڑے بیچ کر سوجائیں گے۔ اس بارے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں" یہ کہنے کے بعد وہ دوبارہ غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔

"تم بلاوجہ اس کا منہ گیلا کررہے ہو۔ سردی میں اسے نمونیا ہوجائے گا۔"

"پتا نہیں یہ دونوں کب تک اسی حال میں پڑی رہیں گی؟" وہ پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

"تم فکر نہ کرو۔ قندوز خان روانگی کا بندوبست کرکے واپس آیا تو ہم انہیں اپنے کاندھوں پر لاد کر بھی دوڑ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بے ہوشی ہماری روانگی میں مانع نہیں ہوسکے گی۔"

وہ پتھر کے کسی تشویش زدہ بت کی طرح غزالہ کے سرہانے جما بیٹھا رہا۔ میرے لیے یہ ایک خوش گوار بات تھی کہ سلطان شاہ، غزالہ کی ذرا سی بھی پریشانی پر اس قدر فکرمند ہوجاتا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان خون کا کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ میں اطمینان سے اپنے بستر پر دراز ہوکر لحاف میں دبک گیا۔

"کیا تم سو رہے ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"میں نے اپنی ڈیوٹی پوری سے زیادہ ادا کی ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں ذرا ایک جھپکی لے لوں۔"

خطرے کی وجہ سے میرے ذہن اور عضلات پر طاری ہونے والا دباؤ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے نیند ستانے لگی تھی۔ بستر کی نرم اور آرام دہ حرارت پاکر میں نے آنکھیں موندیں تو ذہن نیند کی دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔

○☆○

ہم چاروں صبح کے معمولات سے فارغ ہوئے تو شنگاریوں نے ناشتا پیش کردیا۔ وہ سخت جان کو ہستانی وقت سے سونے اور وقت پر جاگنے کے عادی تھے۔ سلطان شان نے رات کے آخری حصے میں انہیں شب بیداری میں مبتلا کرکے سخت اذیّت سے دوچار کردیا تھا۔ وہ چل پھر ضرور رہے تھے لیکن ان کی چال بگڑی ہوئی تھی۔

ویرا اور غزالہ کو سورج طلوع ہونے سے پہلے ہوش آگیا تھا۔ سلطان شاہ کی زبانی، رات کی کہانی سن کر دونوں ہی خوف زدہ ہوگئیں لیکن ان میں سے کسی نے میری نیند میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں آٹھ بجے کے قریب اپنی نیند پوری کرکے ہی بیدار ہوا تھا۔

ہم ناشتے سے فارغ ہوکر باہر دھوپ میں آبیٹھے۔ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں دونوں عورتوں کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے جیپ آتی ہوئی نظر آئی۔ انجن کا شور سن کر تینوں شنگاری بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور قریب آتی ہوئی جیپ کا نظارہ کرنے میں مصروف ہوگئے۔

شنگاریوں نے بے تابی سے ہاتھ لہرا کر جیپ کو راستے میں ہی

روک لیا۔ قندوز خان کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا پھر جیپ دوڑا کر ہمارے پاس آپہنچا۔ وہ نیچے اترا تو اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خوب گہری نیند لے کر واپس آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نچلے پپوٹوں پر چھایا ہوا ورم اس کی بسیار نوشی کی کہانی سنا رہا تھا۔

"میں حیران ہوں کہ پچھلی رات کسی بدمعاش نے فرزانہ کو اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی" وہ ہمارے قریب آتے ہی غصیلے لہجے میں بولا "خدا کا شکر ہے کہ تم نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا ورنہ میں سردار صبغت اللہ کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہتا۔ مہمانوں کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرنا ہماری پرانی روایات کا حصہ ہے اور پھر تم چاروں تو ہمارے سردار کے اعزاز یافتہ مہمان ہو۔"

"کیا تمہاری خوشنودی کے بغیر بھی کوئی اِدھر کا رخ کر سکتا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آج تک ایسا نہیں ہوا لیکن پچھلی رات تم نے خود دیکھ لیا۔ بہت برا وقت آلگا ہے۔ نئے زمانے کے لوگ پرانی روایات، عزت اور وضع داری کا ذرا بھی پاس نہیں کرتے۔ ہر قیمت پر اپنی من مانی کر گزرتے ہیں۔"

ہم چاروں کے لیے وہ بہت نازک موقع تھا۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ رات کو آنے والوں میں سے ایک تو میں نے صبغت اللہ کے حواری کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ میرے اس انکشاف سے کوئی فائدہ ہونے کی امید نہیں تھی البتہ قندوز خان برا مان جاتا تو بات بہت تیزی سے بگڑ سکتی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا "جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اسے لوٹایا نہیں جاسکتا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ پائندہ گل کے ہمدردوں کی کارستانی تھی۔"

"ہمکاری دوست ہوں یا دشمن، ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتے" اس نے دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے مربی، صبغت اللہ کا دفاع کرتے ہوئے کہا "یہ حرکت ان لشکریوں میں سے کسی کی ہوسکتی ہے جو جنوبی حصے میں خیمہ زن ہیں۔ شاید انہیں بھنک مل گئی ہوگی کہ اِدھر دو خوبرو غیر ملکی لڑکیاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ لڑائی میں سرگرمی سے حصہ لینے والے اکثر گوریلے لڑکیوں اور پیسے کے بارے میں بہت حریص ہوتے ہیں۔ گھربار اور بال بچوں سے لمبی مدت تک دور رہنے کی وجہ سے ان کے مزاج پر عجیب و غریب حیوانی جذبوں کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ان میں سے جو لوگ نشے کے عادی ہوجاتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوجاتے ہیں۔ یہ خیر ہوئی کہ وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔۔۔"

"اس واقعے کو بھول جاؤ" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ بتاؤ کہ تم کیا بندوبست کر کے آئے ہو؟"

"سودا ذرا مہنگا ہوا ہے۔ سرحد پار کرانے والے عام طور سے پچاس سے سو امریکی ڈالر فی کس لیتے ہیں لیکن آج کل کے برے حالات کی وجہ سے دو سو ڈالر فی کس میں بات طے ہوئی ہے۔ قافلہ گیارہ بجے روانہ ہوگا۔"

"تو انتظار کس بات کا ہے۔ ہم روانگی کے لیے تیار ہیں" میں نے اپنی بے پایاں خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "سردار صبغت اللہ سے ملی ہوئی انعام کی رقم کا اس سے بہتر کیا استعمال ہوسکتا ہے؟"

"شرمندہ نہ کرو۔ یہ رقم ہم ہی کو ادا کرنی تھی مگر میں گالان سے پانچ سو ڈالر لے کر چلا تھا۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ چار سو کی ضرورت پڑے گی لیکن یہاں بات آٹھ سو پر ٹکی ہے، تین سو تم دے دینا۔"

"ہم آٹھ سو بھی خوشی سے دے دیں گے" ویرا بولی "لیکن مجھے حیرت ہے کہ تین سو ڈالر کی حقیر رقم کے لیے تم اتنے مجبور ہو کہ یہاں سے اپنے طور پر بندوبست نہیں کرسکتے۔"

ویرا کے تبصرے پر قندوز خان کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہوگیا مگر وہ اپنا غصہ پیتے ہوئے بولا "میرے ایک اشارے پر مقامی کرنسی میں لاکھوں جمع ہوسکتے ہیں لیکن آج کل اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ مارکیٹ میں ڈالروں کا کال پڑا ہوا ہے۔ بڑے شہروں کے تاجر اور دکان دار منہ مانگے دام پر ڈالر سمیٹ لیتے ہیں۔ مجھے ڈالروں میں ادائیگی کرنی ہے۔ چینغا سرائے جیسی چھوٹی سی آبادی میں ڈالر کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہیں۔"

"تم فرزانہ کی بات کا برا نہ ماننا۔ یہ بہت منہ پھٹ ہے" سلطان شاہ نے بات کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے کہا "سوچے سمجھے بغیر ہونگی بات کہہ جاتی ہے۔ بعد میں کئی کئی دن تک تنہائی میں اپنا منہ پیٹتی رہتی ہے۔"

ویرا نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا مگر منہ سے کچھ نہ بولی کیونکہ وہ اپنی بات پر قندوز خان کا ردِعمل دیکھ چکی تھی۔

"تنہائی میں منہ پیٹنے سے بہتر ہے کہ آدمی سوچ سمجھ کر بات کرے" قندوز خان کا لہجہ قدرے ترش تھا "میں نے اس کی بات کا برا نہیں مانا لیکن یہ بولتی بہت ہے۔ زیادہ بولنے والا عموماً غلط ہی بولتا ہے۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے" سلطان شاہ خوش ہوکر بولا "تم نے لاکھ روپے کی بات کہی ہے۔ اس کا نام دیوانی یا باؤلی ہوتا تب بھی بے تکی باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بدقسمتی سے اس کا نام فرزانہ ہے۔ اسے اپنے نام کی لاج ضرور رکھنی چاہیے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب فرزانہ بسیار گوئی سے پرہیز کرے۔"

قندوز خان زور زور سے ہنسنے لگا "میں تمہاری چال کی سمجھ ہوں۔ میری آڑ لے کر اس بے چاری کا مذاق اڑانے کی کوشش کرو۔ وہ ایسی بھی بے وقوف اور نکمی نہیں ہے۔"

ویرا کی کہی ہوئی بات مذاق میں پڑ کر آئی گئی ہوگئی اور ہم فوری طور پر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"تم یہاں سے جا رہے ہو مگر راستے میں محتاط رہنا" قندوز خان

ہمیں ہمدردانہ لہجے میں سمجھانے لگا "ہر شخص کو اپنی اپنی فکر کرنی پڑتی ہے۔ کسی پر اعتماد کیا تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اپنی تعداد کی وجہ سے ہمیں دوسروں سے گھلنے ملنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی" میں نے کہا "غیر قانونی سفر میں ہر ایک دوسروں کی گردن کٹوا کر، خود بچ نکلنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔"

"ویسے تو دونوں گورے بہت چالاک ہیں لیکن ایلن خان سے ہوشیار رہنا۔ وہ مردود اردو بھی سمجھ اور بول لیتا ہے۔ اس کے سامنے ہم لوگوں کے کاروباری معاملات کا کوئی ذکر نہ کرنا۔ وہ اکثر یہاں سے پشاور آتا جاتا رہتا ہے مگر ہم اس سے کسی قسم کا لین دین پسند نہیں کرتے۔ اتفاق سے تمہاری کوسٹر اسی نے کرائے پر لی ہے۔"

"ایلن خان؟" میں نے متحیر ہو کر پوچھا "یہ کیا نام ہوا؟ کیا وہ کوئی دوغلا ہے؟"

قندوز خان ہنس پڑا "اس کا نام ایلن ہے۔ آگے بھی کچھ لگا ہوا ہے جو خاصا مشکل ہے۔ ہم لوگ عادتاً ہر نام کے آگے خان کا اضافہ کردیتے ہیں۔ یہ ہماری جدت ہے ورنہ وہ خالص گورا ہے۔"

"اور کرائے کی کوسٹر کا کیا چکر ہے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کر ڈالا۔

"چیغا سرائے سے سرحد پار کے لیے جو گاڑیاں چلتی ہیں، انہیں کوئی ایک پارٹی کرائے پر لیتی ہے پھر اپنی مرضی سے مسافر پورے کرتی ہے۔ مسافروں سے کرائے کا مول تول اور نفع نقصان پارٹی کے ذمے ہوتا ہے۔ آج کل لڑائی میں تیزی آگئی ہے اس لیے روسیوں کا مقابلہ کرنے والے مقامیوں اور غیر ملکیوں نے بڑی تعداد میں پرائیوٹ گاڑیاں کرائے پر لی ہوئی ہیں۔ ان غیر فوجی گاڑیوں کے ذریعے گوریلوں کے علاوہ گولہ بارود بھی حفاظت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجاتا ہے۔ اس دباؤ کی وجہ سے گاڑیوں کی قلت ہوگئی ہے۔ ایلن خان کی کوسٹر کے بعد اگلے چار پانچ دن تک کوئی گاڑی میسر نہیں ہے۔ اتفاق سے کوئی گاڑی واپس لوٹ آئے تو اور بات ہے۔"

"یہ اہم معلومات ہمارے کام آئیں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایلن خان اور اس کا ساتھی اس کارواں کا ٹھیکے دار ہے اور دوران سفر ہمارا انہی سے واسطہ رہے گا؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ ڈرائیور اور کلینر گاڑی کے مالک کے تنخواہ دار ہوتے ہیں لیکن سفر شروع ہونے کے بعد وہ صرف ٹھیکے دار کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ راستے میں کھانے پینے کا خرچ مسافروں کے ذمے ہوتا ہے۔"

پہاڑوں سے گھری ہوئی وادیوں سے باہر نکل کر جب جیپ نے آبادی کا رخ کیا تو اپنے گردوپیش میں پھیلے ہوئے بے پایاں قدرتی حسن سے ہم سب ہی مسحور ہو کر رہ گئے۔ آتے ہوئے ہم لوگ ایک باربردار ٹرک کے بند عقبی حصے میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے اس لیے ہمیں راستوں وغیرہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوسکا لیکن اس بار ہم سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکتے تھے۔ ہماری محویت اور دلچسپی دیکھ کر قندوز خان نے ہماری معلومات میں اضافہ کرنا شروع کردیا۔ ہماری دلچسپی سے اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

چیغا سرائے، جلال آباد سے شمال مشرق کی طرف آنے والی پختہ پہاڑی سڑک کا آخری قصبہ تھا۔ شنگارا ویلی سے بھی اوپر، ہزار ہافٹ بلند پہاڑوں سے آنے والے دریائے کنار کے بائیں کنارے پر واقع اس سرسبز قصبے کی آبادی کسی زمانے میں بہت مختصر اور خوش حال تھی لیکن افغان جنگ کی ہولناک تباہ کاریوں نے اس دور افتادہ قصبے کے باسیوں کا سکھ چین نگل لیا تھا۔ منڈیوں کی تباہی اور خوفناک افراط زر نے ہر طرف افلاس کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ جنگ زدہ علاقوں سے بھاگ کر آنے والے افغان پناہ گزینوں نے قصبے کے وسائل پر زبردست دباؤ ڈالا ہوا تھا۔ پختہ سڑک سے منسلک ہونے کی وجہ سے چیغا سرائے کی آبادی بہت تیزی سے بڑھی تھی۔ آمدنی کے محدود وسائل جنگ سے متاثر ہوئے تھے۔ اس لیے وہاں جرائم بہت تیزی کے ساتھ پھل پھول رہے تھے۔ بظاہر عزت وغیرت کے نام پر لڑ مرنے کے لیے آمادہ ہوجانے والے متعدد افغان کوچی چوری، رہزنی، جیب تراشی، فریب دہی اور عصمت فروشی کے گھناؤنے دھندوں میں ملوث ہوتے جارہے تھے۔ خندقوں اور مورچوں میں کئی کئی مہینوں تک موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ڈٹے رہنے والے گوریلے جب چند دنوں کے آرام کے لیے اس علاقے میں آتے تھے تو بکثرت ان جرائم کا شکار ہوتے رہتے تھے۔

آخر کار ہماری جیپ چیغا سرائے کی بستی کے تنگ راستوں سے گزرنے لگی۔ وہاں تاحد نظر کسی کثیر المنزلہ عمارت کا وجود نہیں تھا۔ سارے مکانات کچے یا نیم پختہ تھے۔ خال خال پکے مکان بھی نظر آرہے تھے لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ بے رونق بازاروں اور راستوں پر ڈھیلے ڈھالے لباسوں میں لپٹے ہوئے مردوں اور بچوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ضرورت سے مجبور ہو کر بہت سی عورتیں بھی اپنے گھروں سے نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے سروں پر چادریں سایہ فگن تھیں۔ نوخیز لڑکیوں اور درمیانی عمر کی خوبرو عورتوں نے ان ہی چادروں کے ایک گوشے کو نقاب کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، آنکھوں سے نیچے پورا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر آنکھ میں ایک سوال مجسم تھا، جنگ کب ختم ہوگی؟

کرب والم میں ڈوبے ہوئے اس خاموش سوال کا جواب ان سرفروشوں کے پاس بھی نہیں تھا جو اپنی سرحدوں پر وزنی جوتوں کی اجنبی دھمک اور اپنی فضاؤں میں جنگی مشینوں کی وحشیانہ گونج سن کر اپنے سروں سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے تھے۔ جنگ اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو بے رحمی کے ساتھ اپنا ایندھن بنا جارہی تھی۔ اخلاق تباہ ہو رہا تھا۔ مروتیں مٹ رہی تھیں۔ خوشحالی ایک خواب میں بدلتی جارہی تھی، لہلہاتی اور تیار فصلیں ٹینکوں کی آہنی زنجیروں تلے روندی جارہی تھیں، انسان گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے اور اس وقت کسی کو بھی اس خوں ریزی کے انجام کا علم نہیں تھا۔ وہ خاموش سوال، جواب کے انتظار میں چیغا سرائے کی فضاؤں میں تیرتا پھر رہا تھا۔ وہاں ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ اور توپوں کی گھن گرج نہیں تھی لیکن جنگ کے سائے ہر طرف منڈلا رہے تھے۔

قندوز خان ہمیں قصبے کا بیشتر حصہ دکھاتا ہوا، جیپ کو اس سڑک پر لے آیا جو دریائے کنار کے صاف وشفاف پانی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی، جلال آباد سے گزرنے والی شاہراہ سے جا ملتی تھی۔

کچھ دیر بعد جیپ ایک سرائے نما ہوٹل کے پاس روک دی گئی۔ سائبان کے نیچے، بڑی بڑی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر جیپ کی طرف دیکھا پھر قندوز خان پر نظر پڑتے ہی ایسے بن گئے جیسے انہوں نے ادھر دیکھا ہی نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات خاصی دلچسپ تھی کہ گالان کے ایک نیم وحشی قبائلی سے چیغا سرائے کے لوگ بھی خوف کھاتے تھے۔ ہم چاروں جیپ سے اترے تو ہمیں کسی کی چبھتی ہوئی نظروں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ہوٹل کے ساتھ ہی بائیس نشستوں والی ایک چمک دار کوسٹر تیار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں اسی نیلی کوسٹر میں روانہ ہونا تھا۔ اس کی کشادگی کا مطلب یہ تھا کہ ایلن کے کارواں کی نفری بیس بائیس افراد کے لگ بھگ ہونی چاہیے تھی۔

قندوز خان کسی بگڑے ہوئے شہزادے کی طرح اکڑتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ میرے لیے اس کا وہ انداز نیا تھا۔ شاید چیغا سرائے کے اوباش لوگوں پر اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے اس نے ایسی اداکاری کو ضروری سمجھا تھا۔ وہ جدھر سے گزر رہا تھا، لوگ فضا میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے تعظیم دے رہے تھے۔

ٹین کی ڈھلوان چھت والے اس ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد میں اس کی صفائی ستھرائی سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس وسیع ہال کے تین اطراف میں کیبن نما کمرے بنے ہوئے تھے۔ باقی جگہ میں چوبی بینچیں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہر میز پر سفید میز پوش بہت نمایاں اور ستھرا لگ رہا تھا۔ میز پوش کی حفاظت کے لیے ہر میز پر پورے سائز کا شفاف شیشہ رکھا ہوا تھا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا لحیم شحیم شخص، قندوز کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ قندز خان نخوت سے سر کو جنبش دیتا ہوا ایک بند کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر دستک کے جواب میں اندر سے کسی نے "آجاؤ" کہا اور قندوز خان دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کمرا بہت مختصر ہوگا اور ہم پانچوں اس میں نہیں سما سکیں گے لیکن اندر پہنچنے پر میرے اس خیال کی تردید ہوگئی۔ چوڑائی کے مقابلے میں اس کمرے کی گہرائی تین گنا سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے انتہائی اندرونی سرے پر دو متوازی بستر لگے ہوئے تھے۔ ان سے پہلے، دیواروں کے ساتھ کئی چوبی بینچیں پڑی ہوئی تھیں۔ بستر پر سرخ ٹی شرٹ اور خاکی نیکر میں ملبوس ایک معنک سفید فام بیٹھا ہوا تھا۔

"ہیلو کانڈوز کھان" وہ عینک کے شفاف عدسوں کے پیچھے اپنی نیلی آنکھوں کو نچاتے ہوئے بولا "یہ ٹم لوگ کا پسنجر ہے۔ ویری گڈ!" پھر اس کی نظریں باری باری ہمارا جائزہ لینے لگیں۔

ویرا اور غزالہ کو دیکھتے ہی وہ چونک پڑا اور اپنے سر کو متاسفانہ انداز میں ہلاتے ہوئے بولا "اوہ! یہ تو لیڈیز ہے۔ ٹم نے ام کو یہ نائیں بولا۔ لیڈی لوگ کا چار سو ڈالر ہوگا۔"

اس وقت تک میں اس گورے کی اردو دانی اور بگڑے ہوئے تلفظ سے محظوظ ہو رہا تھا لیکن عورتوں کے بارے میں اس کا تبصرہ سن کر میں چونک پڑا۔ وہ بلا کا لالچی اور مکّار معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں؟" قندوز خان بگڑ کر بولا "عورت اور مرد سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اوہ مائی بوائے!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "لیڈی لوگ کا پریشانی زیادہ ہوتا، کرایہ بھی ڈبل ہوتا۔ ٹم نائیں مانتا، ڈوسرا کوسٹر لے لو، جیپ لے لو....."

قندوز خان نے بپھر کر اس کو بات پوری نہیں کرنے دی اور بولا "دیکھو، ایلن خان! تم حرامی ہے تو میں تم سے بڑا حرامی ہوں۔ عورتوں کو دیکھ کر تم نے پھیلنے کی کوشش کی تو تمہاری کوسٹر قیامت تک جلال آباد نہیں پہنچ سکے گی۔ میں تمہیں کنار کے ٹھنڈے اور شفاف پانی میں غرق کردوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"جانٹا ہائے!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خوف زدہ انداز میں پیچھے سرکتے ہوئے بولا "ام چیگا سرائے بزنس کرنے آیا، لرائی نائیں کرے گا۔ ٹم امارا بلڈ پریشر اپ نائیں کرو۔ ابی ٹم پسٹل نکال کر بولے گا، یہ فری پسنجرز ہے۔ نو، مسٹر کانڈوز کھان۔ ام یہ نائیں ہونے مانگٹا۔"

"میں تم کو دھونس نہیں دے رہا" قندوز خان دانت پیستے ہوئے غرایا "عورتیں بھی ایک سیٹ لیتی ہیں۔ میں تم کو چار سو ڈالر کس بات کے دوں؟ یہاں کا زیادہ سے زیادہ ریٹ سو ڈالر ہے۔ تم نے دو سو مانگے۔ تم کرائے کی بلیک کر رہے ہو۔ میں نے اس پر ایک لفظ نہیں کہا۔ اب تم میری نرمی سے ضرورت سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو یہ نہیں ہوسکے گا۔ تم زبان دے کر نہیں پھر سکتے۔ میں تمہارا بیڑہ غرق کردوں گا۔"

"لرائی نائیں۔ تین سو ڈالر پر کھٹم کرو۔ بزنس از بزنس۔"

"میں دو سو سے ایک پیسہ زیادہ نہیں دوں گا" قندوز خان اڑ گیا۔ "لوگوں کو میرے اور تمہارے جھگڑے کا علم ہوگیا تو تمہاری

کوسٹر کے سارے مسافر جانے سے انکار کردیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس علاقے میں قندوز خان سے جھگڑے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ تم ایک پیسے کا بزنس نہیں کرسکو گے۔ یہاں بیٹھے اپنا انگوٹھا چوستے رہو گے۔"

ایلن نے شہادت کی انگلی سے اپنے سینے پر کراس بنا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ام بلیک کرتا، ٹم بلیک میلنگ کرتا ہے۔ کرائسٹ ٹم کو ڈیکھے گا۔ ٹم اَمارا بزنس نائیں مار سکتا۔ ابی جلدی آٹ سو ڈالر نکالو۔"

قندوز خان نے اپنی جیب سے ربر بینڈ میں لپٹے ہوئے ڈالر نکال کر حقارت سے اس کی گود میں پھینک دیے اور میری طرف مڑ کر بولا "اسے تین سو اور دے دو۔ دماغ درست ہوگیا سالے کا۔"

"لینگو یج پلیز!" ایلن ربر بینڈ ہٹا کر ڈالر گنتے گنتے کراہا "جنٹل مین گالی نائیں ڈیتا۔"

"تم قندوز زان کے منہ نہ لگو۔ یہ پکا کتیا کا پلا ہے۔" اچانک ویرا انگریزی میں بول پڑی۔

ایلن کا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھیں کشادہ ہوگئیں "اوہ گڈ لارڈ! تم تو اپنی ہی طرف کی معلوم ہوتی ہو۔ میں اب تک تمہیں مقامی سمجھ رہا تھا، چلو میرا حساب پورا ہوگیا۔ میں سمجھوں گا کہ تم کو مفت میں لے جا رہا ہوں۔ دوسری لڑکی کے پورے چار سو وصول کئے ہیں۔ یہ کانڈوز بھی کیا یاد کرے گا کہ کس سے پالا پڑا تھا۔" اس نے نہایت مسرت کے ساتھ انگریزی ہی میں کہا اور بقیہ تین سو ڈالروں کے لئے میری طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

"یہ کیا گٹ پٹ ہو رہی ہے؟" قندوز خان نے ویرا کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں، اسے سمجھا رہی تھی کہ بلاوجہ تم سے نہ الجھے ورنہ خسارے میں رہے گا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اور یہ کیا کہہ رہا تھا؟" قندوز خان کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"دل ہی دل میں تم سے ڈر رہا ہے مگر زیادہ سے زیادہ پیسے بٹورنے کے چکر میں الجھ رہا تھا۔"

ایلن ایسا بنا رہا جیسے اس نے ویرا کی بات ہی نہ سنی ہو۔ میرے دیے ہوئے ڈالر گننے کے بعد اس نے پوری رقم اپنے نیکر کی بیلٹ میں اندر کی طرف بنی ہوئی جیب میں اڑس لی۔

"آؤٹ!" ڈالر سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے کمرے کے اکلوتے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر میں دوسرے مسافر آنے لگیں گے اور نشستوں کا جھگڑا چل پڑے گا۔ تم لوگ ابھی سے اپنی جگہیں پسند کرکے ان پر قبضہ کرلو۔ بعد میں، میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکوں گا۔" اس نے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ، ٹوٹی پھوٹی اردو میں اپنا مافی الضمیر پوری طرح واضح کردیا تھا۔ اردو زبان پر اس کی گرفت خاصی معقول تھی۔

قندوز خان دروازے کی طرف جاتے جاتے ایک بار پھر پلٹ پڑا اور ایلن خان کو گھورتے ہوئے تلخی سے بولا "کرائے میں راستے کے سارے اخراجات شامل ہیں۔ تم ٹول ٹیکس یا چیک پوسٹ والوں کو رشوت دینے کے بہانے ان سے ایک پیسہ بھی نہیں اینٹھو گے۔ تم نے ایسی کوئی زیادتی کی تو وہ دو چار دن سے زیادہ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔ میں مار مار کر تمہارا پلیتھن نکال دوں گا۔"

"او کے، او کے!" وہ مفاہمانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "نو ایکسٹراز۔ میں سفر کے لئے ان سے مزید کوئی رقم نہیں لوں گا مگر انہیں یہ سمجھا دینا کہ راستے میں قیام اور کھانے پینے کے اخراجات یہ خود ادا کریں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ میرے اور دوسرے مسافروں کے معاملات میں بالکل دخل نہیں دیں گے۔"

"تمہارے اور دوسرے مسافروں کے معاملات؟" قندوز خان نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

ایلن کے ہونٹوں پر جمی ہوئی مکارانہ مسکراہٹ گہری ہوگئی "ہاں۔ تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ یہاں سے غیر قانونی طور پر سرحد پار جاتے ہیں ان کے کیا مفادات ہوتے ہیں۔ جو شخص برے وقت میں اپنی مدرلینڈ سے وفا نہیں کرتا وہ کسی رعایت یا ہمدردی کا حق دار نہیں ہوتا۔ میں راستے میں بھی ان سے پیسے لوں گا۔ ان چاروں کو ایسے کسی بھی موقع پر غیر جانبدار رہنا ہوگا۔ میں دوسروں پر یہ ظاہر کروں گا کہ میں نے ان سے پیسے لے لئے ہیں۔"

"یہ کھلی کھلی بے ایمانی اور بدعہدی ہے۔" قندوز خان نے کاٹ دار لہجے میں کہا "کسی بھی جنس یا سہولت کا سودا طے ہوجانے کے بعد، ہیر پھیر کرنا جائز نہیں ہوتا۔ تم ایسی حرکتیں کرکے جہنم مول لے رہے ہو۔"

وہ محتاط انداز میں ہنس پڑا اور آہستگی سے بولا "تمہارے پاس وقت ہو تو میں اس بارے میں اپنے نظریے کی وضاحت بھی کرتا چلوں؟ اس ذرا سی بات پر کوئی بھی انصاف پرست مجھے جہنم میں نہیں ڈال سکتا اور پھر ہولی کرائسٹ کا باپ تو سراپا انصاف ہے۔ وہ میری گرفت کیوں کرے گا؟ سودے بازی ہر ایک کا حق ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے پہلی بار گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم نہیں تھے تو ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم کیا ہوں گے۔" اس نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے، فلسفیانہ لہجے میں کہا "تم میری بات اس طرح سمجھ سکتے ہو کہ ہم اپنی ماں کے رحم میں ایک نقطے کی طرح وجود میں آتے ہیں تو ہمیں اس سے پہلے کا کچھ علم ہوتا ہے نہ ہم آنے والی باتوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ پیدا ہونے سے پہلے ہم کن کن مراحل سے گزرے ہیں۔ ہم پر جو بھی دکھ سکھ نازل ہوتا ہے ہم ہنس کھیل کر یا روتے بسورتے ہوئے اسے جھیل لیتے ہیں اور وقت آن پہنچتا ہے جب ہماری مہلت ختم ہوجاتی ہے۔ قزاق اجل

جھپٹتا ہے اور پل بھر میں ہم وجود سے عدم میں چلے جاتے ہیں۔ تیسرے دور میں ہم پر جو کچھ گزرے گی شاید ہم اسے نوشتہ تقدیر سمجھ کر کسی نہ کسی طرح گزار ہی لیں گے۔ ہمیں پیدا کرنے والا اگر قہار ہے تو رحیم و کریم بھی ہے۔ ہمارا پروردگار ہم پر ہماری برداشت سے زیادہ مصائب لاد ہی نہیں سکتا۔ وہ خالق ہے اور ہم مخلوق۔ اسے معلوم ہے کہ اس کی بنائی ہوئی کٹھ پتلیوں میں کتنا دم خم ہے وہ ان پر برداشت سے زیادہ عذاب لاد ہی نہیں سکتا۔ وہ تو خالق اور بہت بڑی شے ہے۔ تم صرف ماں کو دیکھ لو۔ وہ خالق نہیں ہوتی مخلوق کو اس دنیا میں لانے کا بس ایک وسیلہ ہوتی ہے۔ وہ نو ماہ تک نومولود کو اپنے بدن میں پروان چڑھاتی ہے بعض کا پتا ہی نہیں چلتا اور کچھ بچے اپنی ولادت سے پہلے، اپنی ماؤں کو آٹھ آٹھ آنسو رلا دیتے ہیں۔ تم نے آج تک یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی ماں اپنے نومولود بچے کو صرف اس لئے مارتی اور سزا دیتی کہ وہ اس کی کوکھ کو اذیت ناک طریقوں سے کریدتا اور کھنگالتا رہا۔ میں جو کچھ کررہا ہوں وہ میری سرشت میں داخل ہے۔ سرشت کا انتخاب میں نے خود سے نہیں کیا۔ قدرت نے مجھے جیسا اور جو کچھ بنایا میں بن گیا۔ پھر وہ مجھے سزا کیوں دے گا؟ آگ سے مجھے خوف آتا ہے آگ دور کی بات ہے، میں موسم کی سختی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ میرا یقین ہے کہ جو سزا میری برداشت سے باہر ہے وہ مجھے نہیں دی جائے گی۔ اس لئے میں جہنم سے محفوظ رہوں گا۔"

"تم پر خدا کی لعنت ہو۔" قندوز خان اس کی شکستہ اردو سننے کے بعد دانت پیستے ہوئے بولا "میری بات لکھ کر رکھ لو کہ تم جیسے پاپیوں اور منکروں کا ٹھکانا جہنم کے علاوہ کہیں نہیں ہوگا۔ تمہاری سرشت قدرت نے نہیں بنائی ہے۔ یہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور تمہیں ان کی سزا مل کر رہے گی۔"

وہ تلخی سے ہنس پڑا "مشکل یہ ہے کہ ہر آدمی کو ایک ہی زندگی ملتی ہے۔ وہ کسی پر کچھ بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ ڈاکو کے گھر پیدا ہونے والا بچہ ڈاکو، لٹیرا، چور یا پھر بدمعاش ہی ہوگا۔ اس میں اسے قصور وار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اگر اسی بچے کو دوسری بار کسی راہب کے گھر میں پیدا ہونے کا موقع ملے تو وہ عبادت گزار اور پارسا ہو یا نہ ہو، بدمعاش نہیں ہوگا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو دوسری بار پیدا ہونے کی آزادی نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ اور جیسا کچھ ہوتا ہے اسے من و عن ماننا پڑتا ہے۔"

"اپنی کھوپڑی پر دُم اگا کر ہندو بن جاؤ تو تم بھی آواگون کے چکر میں آجاؤ گے۔ مر مر کر جیتے رہو گے اور ہر جنم میں تمہارا ایک نیا روپ ہوگا۔" غزالہ نے اس کی تقریر سے اکتا کر جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"بے سود ہوگا۔" ایلن مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "اس میں بھی موجودہ جنم کے اعمال کی جزا یا سزا کا تصور کارفرما ہے۔ میں یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ میری پیدائش مختلف حالات اور ماحول میں ہوئی ہوتی تو میں ایک الگ ہی انسان ہوتا۔ مجھے اس بات پر اختیار نہیں ہے اسی لئے میں جہنم کے تصور سے بہت زیادہ خوف زدہ یا مرعوب نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو کچھ ہونا ہے اس کی حد مجھے معلوم ہے۔ وہ میری برداشت سے باہر نہیں ہوگا۔"

"اپنی ان باتوں سے تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم ایک گمراہ انسان ہو۔" قندوز خان نے مشتعل ہوکر کہا "تمہارا ٹھکانا صرف اور صرف جہنم میں ہوگا۔ تم دوسروں کے ساتھ اپنی من مانی مکاریاں کرتے رہو لیکن ان چاروں کے ساتھ کوئی بھی زیادتی ہوئی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ تمہیں اتنی بات یاد رکھنی چاہئے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں یا ان کو مجھ سے کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

اس کی پرخلوص یقین دہانی پر ہم سب وہاں سے لوٹ آئے۔ باہر کھڑی ہوئی نیلی کوسٹر کی دیکھ بھال پر مامور عملہ، قندوز خان کو دیکھتے ہی مودب ہوگیا۔ قندوز خان نے پشتو میں ان کی مزاج پرسی کی اس مرتبہ سلطان شاہ نے بھی ہم زبانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے دعا سلام کرنی ضروری سمجھی اور پھر قندوز خان کے پیچھے آرام دہ کوسٹر میں داخل ہوگیا۔

قندوز خان نے عملے کے افراد کو اگلی چار نشستیں روکنے کی ہدایت کی اور ہمیں لے کر نیچے اتر گیا۔

"دس بجے ہیں۔" نیچے آنے کے بعد اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا "گاڑی روانہ ہونے میں کافی دیر ہے۔ تم یہ وقت کس طرح گزارنا پسند کرو گے؟" اس نے مجھ سے تخاطب کیا تھا۔

"چینغا سرائے اور دریائے کنار ہم دیکھ چکے ہیں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا "اس مختصر سے قصبے میں جو قدرتی حُسن پنہاں ہے وہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بجائے ہم یہیں کہیں بیٹھ کر وقت گزار لیں تو مناسب رہے گا۔ ایک بار مسافروں کی آمد شروع ہوگئی تو شاید ہمیں اپنی جگہوں پر بیٹھنا پڑے گا۔"

"جگہوں کی تم فکر نہ کرو۔" وہ پورے اعتماد سے بولا "وہاں کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ان چھچھورے اور بازاری لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اس طرح بھرم جاتا رہتا ہے۔ تم چاہو تو ہم جیپ میں بیٹھ کر ظاہر شاہ پبلک پارک کا رخ کرسکتے ہیں۔ بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ اس وقت وہاں سناٹا ہوگا۔"

میں نے سمجھ لیا کہ اسے وہاں رکے رہنے میں تامل تھا۔ میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا "وقت اتنا کم رہ گیا ہے کہ ہم پبلک پارک سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوسکیں گے۔ تم چاہو تو

واپس چلے جاؤ۔ ہم یہیں بیٹھ کر وقت گزار لیں گے۔ یہاں رک کر ہمیں سفر کے ماحول کا اندازہ کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

"پھر فی امان اللہ" وہ مسکرا کر بولا "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تمہارے آرام کے لئے میں جو کچھ کر سکتا تھا' وہ کر گزرا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اب ایلن تمہارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرے گا۔"

وہ بہت گرم جوشی کے ساتھ ہمیں الوداع کہہ کر اپنی جیپ میں رخصت ہوگیا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے سر سے ٹنوں وزنی بوجھ ہٹ گیا ہو۔" قندوز خان کے کچھ دور نکل جانے کے بعد ویرا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر آہستگی سے کہا۔

"تم ایسی بات کر رہی ہو جیسے قندوز خان تمہارے سر پر سوار رہا ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم اپنی دانست میں میرا مذاق اڑا رہے ہو لیکن حقیقت یہی تھی۔" ویرا نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "کراچی سے اغوا ہونے کے بعد ہم لوگ مسلسل شنگاریوں کے دباؤ میں رہے ہیں۔ صندل خان' پائندہ گل' صبغت اللہ اور قندوز خان ایک ہی زنجیر کی متعدد کڑیاں تھیں۔ قندوز خان کے چلے جانے کے بعد مجھے پہلی بار آزادی اور خود مختاری کا احساس ہوا ہے۔ شنگاریوں کے چنگل میں ہم سب ہی بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔"

"ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مجھے آزادی کا صحیح احساس اس وقت ہوگا جب میں سرحد عبور کر کے پاکستان پہنچ جاؤں گی۔ میرے لئے یہ لوگ آسیب بن کر رہ گئے تھے۔"

ہمیں چائے وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں تھی اس لئے ہم باتیں کرتے ہوئے کوسٹر کی طرف گئے اور اس میں داخل ہو کر اپنی پسندیدہ نشستوں پر براجمان ہو گئے۔ سب سے اگلی سیٹ پر دونوں عورتیں بیٹھ گئیں۔ ہم دونوں نے ان کے پیچھے والی سیٹ سنبھال لی۔

"میرا خیال ہے کہ میں پیچھے چلا جاؤں تو بہتر رہے گا۔" چند ثانیوں کے بعد سلطان شاہ بولا "الگ بیٹھ کر ہم بہتر طور پر ایک دوسرے کا دھیان رکھ سکیں گے۔"

"معرکہ آرائیوں کا ماحول ہم پیچھے چھوڑ آئے۔ یہاں ہمیں کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ ایک ساتھ ہی رہو۔ تمہاری خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی بے ڈھب آدمی آ بیٹھا تو سارا سفر کوفت میں گزرے گا۔"

"ایلن دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے خیال ظاہر کیا "ویرا نے انگریزی میں قندوز خان کی برائی کر کے اس کا دل موہ لیا ہے۔ اس سے گپ شپ شروع ہو گئی تو سفر اچھا گزرے گا۔"

"وہ مجھ سے ضرور قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔" ویرا ہنس کر بولی "وہ باتونی ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کا مکار بھی ہے۔ نہیں اس کا دوسرا ساتھی کون ہے' وہ کہیں نظر نہیں آیا۔"

"اسے ٹٹولنے کی کوشش کرنا کہ وہ کس چکر میں پاکستان جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم تینوں انگریزی سے ناواقف بنے رہو تو وہ مجھ سے زیادہ آزادی کے ساتھ بات کر سکے گا۔ وہ بظاہر آزاد خیال بن رہا تھا لیکن وہ نسلی تعصب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔"

"جیسا چاہو' کہہ دینا۔ اس سے ہماری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

پھر کوسٹر میں مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس وقت تک میں سمجھ رہا تھا کہ جنگ سے متاثرہ یا جرائم پیشہ مقامی ہمارے ہم سفر ہوں گے لیکن ابتدا میں ہی میرے اس خیال کی تردید ہوگئی۔ پہلی کھیپ میں چار متمول افغان آئے تھے۔ ان کی کار کوسٹر کے قریب آکر رکی تھی۔ کار سے اتر کر کوسٹر میں سوار ہونے والوں میں دو مرد' ایک باپردہ عورت اور ایک لڑکا شامل تھا۔ دونوں مرد سر سفید اور صاف ستھرے' قیمتی لباس میں ملبوس تھے۔ ڈھیلے ڈھالے برقع میں لپٹی ہوئی عورت کو دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن برقع کا پھیلاؤ اس عورت کی بھاری جسامت کا اظہار کر رہا تھا۔ ان کے طور طریقوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق چیغا سرائے کے بااثر طبقے سے تھا۔ اگلی نشستوں پر ہمیں قابض دیکھ کر وہ خاموشی سے پیچھے چلے گئے۔

بعد میں آنے والوں میں کوئی بھی گرا پڑا شخص نظر نہیں آیا۔ ایک ظاہری بات جو مجھے پہلے ہی سمجھ لینی چاہئے تھی' یہ تھی کہ اس علاقے سے نکال لے جانے کے لئے ڈالروں کی صورت میں رقم وصول کی جا رہی تھی اس کی ادائیگی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ قندوز خان نے چیغا سرائے میں ڈالروں کے کال کی جو صورت حال بتائی تھی اس میں وہی لوگ زر مبادلہ حاصل کر سکتے تھے جو باحیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ بارسوخ بھی ہوں۔ میرے لئے یہ بات باعث اطمینان تھی کہ اس طویل سفر میں گندے اور گندے لوگوں کے بجائے صاف ستھرے معززین ہمارے ہم سفر ہوں گے لیکن وہی بات ویرا کے لئے قدرے پریشان کن ثابت ہوئی۔ اگر کوسٹر میں عام طبقے کے جاہل لوگ سوار ہوتے تو وہ سب ہی انگریزی سے نابلد ہوتے اور وہ پوری آزادی کے ساتھ ایلن کے ساتھ انگریزی میں گفت و شنید کرتی رہتی۔ کوسٹر میں سوار ہونے والے نستعلیق افغانوں میں کئی ایسے تعلیم یافتہ چہرے بھی نظر آرہے تھے جو انگریزی سے پوری طرح واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک گیارہ بجے کوسٹر کا انجن چلا دیا گیا۔ سرد موسم میں روانگی سے پہلے انجن کو رواں کرنا شاید پیشہ ور افغان ڈرائیوروں کی عادت میں شامل تھا۔ انجن چلنے کے بعد ایلن بھی آگیا۔ اس کے جسم پر وہی بے ہودہ لباس تھا جو ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے البتہ اس کے د...لے اور دراز قامت ساتھی کے بدن پر مقامیوں جیسی قمیص شلوار نظر آرہی تھی۔ وہ استخوانی چہرے اور سرد آنکھوں کی وجہ سے خاصا خطرناک نظر آرہا تھا۔

ایلن نے دروازے کے قریب رک کر مسافروں کی گنتی کی اور مطمئن ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ کلینر نے ان دونوں کے لئے آگے ہی نشستیں روکی ہوئی تھیں ان کے بیٹھتے ہی کوسٹر آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگی۔ بعض مسافروں کو رخصت کرنے کے لئے آئے لوگ باہر سے پرجوش انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر دعائیہ کلمات ادا کرنے لگے۔ یہ بات مجھے سلطان شاہ سے معلوم ہوئی کیونکہ میں پشتو سے ناواقف تھا۔

"گاڑی چل پڑی ہے لیکن اس بار پھر کوئی نقارہ گونج اٹھے تو کیا ہوگا؟" غزالہ نے مژدۂ مسرت اور جوش سے لبریز لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں کیونکہ اب ہم قندوز خان کے رحم و کرم پر نہیں ہیں۔" سلطان شاہ کے پاس جواب تیار تھا۔ سب نے مل کر ایک قہقہہ لگایا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

کوسٹر سڑک پر آنے کے بعد کسی مست خرام شیرنی کی طرح غراتی ہوئی آگے چل دی تھی۔

وہ ہوٹل اور بس اسٹینڈ شاید چیغا سرائے کے آخری سرے پر واقع تھا کیونکہ کوسٹر چند لمحوں میں ہی آبادی سے باہر آگئی۔ ہمارے دونوں طرف سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ بائیں کنارے پر کہیں کہیں نشیب میں دریائے کنار کے پانی کی جھلک نظر آرہی تھی۔

"ہیلو!" ایک بار نگاہیں چار ہوتے ہی ایلن ویرا کو مخاطب کر بیٹھا "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنے تند خو بلکہ خونی میزبان سے نجات مل گئی۔ اس لفنگے سے یہاں کا ہر شریف آدمی گھبراتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے یہ تبصرہ انگریزی میں کیا ہے۔ اردو میں یہی بات کہی ہوتی تو میرے تینوں ساتھی بپھر گئے ہوتے۔ یہ اس جنگلی کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہیں اور اس کی برائی نہیں سن سکیں گے۔"

"تو کیا یہ سب انگریزی سے پیدل ہیں؟" ایلن کا لہجہ تحیر زدہ سا تھا۔

"خوش قسمتی سے ایسا ہی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر کہا "اردو میں قندوز خان کو برا بھلا نہ کہہ بیٹھنا۔"

"ہاؤ سوئیٹ!" وہ والہانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "میں تمہارے اس ہمدردانہ مشورے کو یاد رکھوں گا..... یہ تو بتاؤ کہ تم ان کالوں میں کیسے پھنس گئی ہو؟ تمہاری اردو بھی بہت اچھی ہے۔"

"بزنس کے لئے سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔" ویرا اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولی۔

"بزنس؟" وہ اپنی کہنیاں گھٹنوں پر لگا کر متجسس انداز میں آگے جھک آیا اور دھیمی آواز میں بولا "کیسا بزنس؟ قندوز خان ویسے تو پارسا بنا پھرتا ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ شنگاراویلی افیم اور ہیروئن کی پیداوار کا گڑھ ہے۔ کیا تم اس سے ہیروئن خریدتی ہو؟"

"تم اپنی مرضی کے نتائج اخذ کر سکتے ہو۔ میں اس بارے میں زیادہ لب کشائی نہیں کر سکتی۔ تم یہاں رہ کر کیا کرتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں والوں سے تمہاری پرانی جان پہچان ہے۔" ویرا نے بہت خوب صورتی کے ساتھ اس کا سوال ٹال کر اسے اپنی جوابی گرفت میں لے لیا۔

"میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی سمجھو۔" وہ مکارانہ ہنسی کے ساتھ بولا "کھل کر بات نہیں کر سکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں تمہارے ساتھ والی لڑکی سے سیٹ بدل لوں؟ یہ غضب کی خوب صورت ہے۔ مردانہ کپڑوں نے اس کی زنانہ کشش کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ پیٹر اس کے ساتھ بیٹھ کر خوشی محسوس کرے گا۔"

میں تلملا کر خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔ ویرا بوکھلا کر بولی "تمہیں افغانوں کے عزت اور غیرت کے تصور کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ اپنی عورتوں کی حفاظت کے سلسلے میں پاکستانی ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ کسی نے بھی اس لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو خطرناک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ایسے مواقع پر ہم لوگ مقامی زبان سے اپنی سرسری واقفیت کی آڑ لے کر بچ جاتے ہیں۔ تم اسے میری جگہ بیٹھنے پر آمادہ کر لو۔ میں تم سے مزید باتیں کرنی چاہتا ہوں..... تم نے ابھی تک نام نہیں بتایا اپنا۔" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر کہا "اصولاً تو پہلے ہمارا تعارف ہونا چاہئے تھا۔"

"مجھے تم فرزانہ کہہ سکتے ہو۔" ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مگر یہ تو مقامی نام معلوم ہوتا ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہر علاقے کی ضروریات کے تحت میرا نام بدلتا رہتا ہے۔ آج کل میں فرزانہ کہلاتی ہوں۔"

"لیکن تمہارا اصل نام کیا ہے؟" ویرا نے اسے حد سے زیادہ متجسس کر دیا تھا۔

"بھول چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اب خود کو ایلن سمجھنے لگے ہو گے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ یہ تمہارا اصل نام نہیں ہوگا۔ پراسرار سرگرمیوں میں ملوث رہنے والے لوگ عام طور پر اپنا اصل نام بھولے رہتے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔ میرا نام ایلن سیمفریال ہے۔ تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتی ہو۔ میرے ساتھی کا نام پیٹر کنگ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ معاشی مجبوریوں نے اسے بھنگی بنایا ہوا ہے۔ اسے دنیا میں بس دو ہی چیزیں پسند ہیں' ملک ملک کی حسین عورتیں اور قیمتی شراب۔" اس نے پیٹر کی طرف سر گھمایا اور پیٹر ویرا کی طرف دیکھ کر دعوت انگیز انداز میں مسکرانے لگا۔ وہ مسکراہٹ شاید اس کی

موت کے سوداگر 13

عادت بن کر رہ گئی تھی۔

"ویانا میں میرے فلیٹ میں گیارہ مختلف ناموں کے پاسپورٹ موجود ہیں۔" ویرا نے پسیجتے ہوئے لہجے میں کہا "مجھے ان گھسی پٹی باتوں میں ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں جاننے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ میں یہ جتانا چاہ رہی تھی کہ تمہاری ہی طرح میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں اس لئے مجھے وہی سمجھتے رہو جو میں بتا رہی ہوں۔ زیادہ باریکی میں جانے کی کوشش کی تو کوئی بدمزگی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"دلچسپ، بہت زیادہ دلچسپ" وہ بڑبڑایا "تم بہت کارآمد عورت معلوم ہوتی ہو۔ تمہارے ساتھ تفصیل سے باتیں ہوں گی۔ مجھے اپنی ہم ذوق اور ہم پیشہ عورتیں کم ہی ٹکراتی ہیں۔ تم اپنی لائن کی معلوم ہوتی ہو۔"

"کیا تم کو عورتوں سے باتیں کرنے میں زیادہ مزہ آتا ہے؟" میں نے اچانک ایلن کی طرف مڑ کر خشک لہجے میں کہا "جب سے گاڑی چلی ہے تم مسلسل فرزانہ کے کان کھائے جا رہے ہو۔"

"اوہ! ایلن کی باتوں میں لگ کر میں بھول ہی گئی تھی کہ اس وقت تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔" ویرا چونک کر اردو میں مجھ سے مخاطب ہوگئی "بے چارہ ایلن اپنی یتیمی کی درد بھری داستان سنا رہا تھا۔ تم اس کی دردناک کہانی سنو گے تو رو پڑو گے۔ کار کے حادثے میں باپ کی وفات کے بعد اس کی ماں نے تین برس میں سات شادیاں کرکے اس کی مٹی پلید کر ڈالی تھی اور یہ گھر سے بھاگ نکلا تھا......"

ایلن بوکھلائے ہوئے انداز میں، ویرا کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ میں نے سے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "یہ سب تمہاری ذاتی اور پرانی باتیں ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اپنی مظلومیت کی نقشہ کشی کرکے فرزانہ کی ہمدردیاں حاصل کر سکو گے؟ باتیں کرنے کے لئے تمہیں کوئی اور نظر نہیں آرہا؟"

"بہت مدت کے بعد میں نے ایک یورپین کو دیکھا ہے۔ اس لئے باتوں میں الجھتا چلا گیا۔ اس نے تمہیں بتا ہی دیا ہے کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ تمہیں اعتراض ہے تو آئندہ میں اس سے بات نہیں کروں گا۔" ایلن ہکلاتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا۔ میرے تیور دیکھ کر وہ ہراساں نظر آنے لگا تھا۔

"جب قندوز خان موجود تھا تو تمہیں یہ یورپین لڑکی نظر نہیں آئی تھی؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"تم بلاوجہ برہم ہو رہے ہو۔" اس بار پیٹر نے بھی زیادہ بگڑی ہوئی اردو میں دخل اندازی کی "ایلن باتیں ہی کر رہا تھا اس نے کوئی دست درازی تو نہیں کی۔ اگر تم اتنے ہی گرم مزاج ہو تو تمہیں اپنی ساتھی پر قابو رکھنا چاہئے۔ وہ ایلن کی حوصلہ افزائی کیوں کر رہی ہے؟"

"مجھے باتیں کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پیٹر کے دندان شکن جواب پر میں نے نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا "لیکن یہاں صرف ویرا ہی نہیں، اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

"ویرا؟" ایلن کا منہ کسی بھاڑ کی طرح کھل گیا "تو اس کا نام ویرا ہے؟"

میرا دل چاہا کہ میں اپنا منہ پیٹ لوں۔ گفتگو کی روانی میں مجھ سے ایک بھاری لغزش ہوگئی تھی۔ ویرا کے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے جزبزے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "میری بات مت پکڑو۔ ویرا میری ایک دیسی گرل فرینڈ کا نام ہے۔ اس وقت میں تم سے فرزانہ کی بات کر رہا تھا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم معزز لوگ ہیں۔ مشرقی تہذیب میں یہ بات سخت معیوب سمجھی جاتی ہے کہ کسی مخلوط محفل میں ایک مرد دوسرے مردوں کو نظرانداز کرکے کسی عورت سے باتیں کرتا رہے......"

"تمہیں اندازہ نہیں کہ چیغا سرائے میں اردو بول بول کر میری زبان کا کیا حشر ہوا ہے۔" میری بات ادھوری رہ گئی۔ ایلن اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولا "یہاں کے اجڈ لوگوں کو اردو میں بھی اپنا مطلب سمجھانا محال ہے۔ ویرا یا فرزانہ سے انگریزی میں باتیں کرکے مجھے دلی مسرت حاصل ہو رہی تھی ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں ایک اجنبی عورت کو اپنی ماں اور اس کے آٹھ شوہروں کے بارے میں بتاتا پھروں؟ تم سے مخاطب نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تم تینوں انگریزی میں کورے ہو۔ تم سے بات کرنے کے لئے مجھے زبان، حلق اور جبڑوں پر زور ڈالنا پڑتا ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ تم آٹھ باپوں کے اکلوتے فرزند رہے ہو۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے کہا "تم فرزانہ سے بات کر سکتے ہو لیکن یہ ضرور یاد رکھنا کہ وہ اکیلی سفر نہیں کر رہی، ہم تینوں بھی اس کے ہم سفر ہیں۔ وہ چاہے تب بھی ہم اسے کسی آزاد روی کی اجازت نہیں دیں گے۔"

اس اثنا میں پیٹر بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے نہایت ملائمت سے کہا "اگر تم برا نہ مانو تو میں ایک تضاد کی نشاندہی ضرور کروں گا۔ ایک طرف تم قدامت اور مشرق کی روایات پہ کاربند ہونے کے دعوے دار ہو اور دوسری طرف اپنی گرل فرینڈ کے وجود کا اعتراف کر رہے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ ذرا سکون سے اپنے ذہن کو ٹٹول لو۔ ایسا نہ ہو کہ ویرا تمہارے ذہن کی ایک اختراع ہو۔"

ایلن نے وہیں کھڑے کھڑے، کوسٹر کے مسافروں سے اردو میں خطاب کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں بتا رہا تھا کہ اس نے ان پر بھروسا کرتے ہوئے، ان کا سامان کسی دیکھ بھال کے بغیر کوسٹر کی چھت پر لگے ہوئے آہنی جنگلے میں رکھوا دیا تھا لیکن راستے میں آنے والی متعدد فوجی اور نیم فوجی چوکیوں پر اس سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال ہو سکتی تھی۔ اگر کسی کے سامان میں کوئی ممنوعہ چیز موجود تھی تو ایلن کو پہلے سے اس کا علم ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ چیکنگ کا مرحلہ

نے پر متعلقہ افسران سے بات چیت کرکے ایسے سامان کی تلاشی نوبت نہ آنے دے۔ اس نے خبردار کیا کہ تلاشی کے مراحل کسی مسافر کے سامان سے کچھ برآمد ہوا تو اسے سنگین نتائج ں گے۔ اس میں سامان کی ضبطی اور گرفتاری کے ساتھ ارتے ہوں گے۔ اس میں سامان کی ضبطی اور گرفتاری کے ساتھ ماری غیر سرکاری جرمانہ ہونے کے بھی قوی امکانات تھے۔ اس نے مزید کہا کہ کوئی بھی تنازع ہونے کی صورت میں وہ سفر کو التوا میں نہیں ڈالے گا بلکہ متاثرہ مسافر کو ساز و سامان سمیت حکام کے حوالے کرکے آگے چل پڑے گا۔

مجھے اس کی تقریر کے آغاز ہی سے اندازہ ہوگیا کہ اس نے معزز مگر سادہ لوح افغانوں کو فرضی خطرات سے ڈرا دھمکا کر مزید ڈالر بٹورنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کی مکمل گفتگو نے میرے اندازے کی سو فیصد تصدیق کر دی۔

ایلن کے خاموش ہوتے ہی کوسٹر میں مسافروں کی دبی دبی اور تیز سرگوشیوں نے بھنبھناہٹ کی صورت اختیار کر لی۔ لوگ استعجابیہ انداز میں ایک دوسرے سے مخاطب ہو گئے تھے۔ ایلن اپنی جگہ پر کھڑا گہری اور مستفسرانہ نگاہوں سے مسافروں کا جائزہ لیتا رہا۔

آخر کار سب سے پہلے سوار ہونے والے چار نفری، عیال دار گروپ کے ایک مرد نے ایلن کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ وہ آسودہ انداز میں نشستوں کے درمیان سے گزرتا ہوا، اس شخص سے تقریباً جڑ کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔ میرے لیے وہ تماشا بہت دلچسپ تھا اس لیے میں نے اپنی پوزیشن اس طرح تبدیل کر لی تھی کہ کسی کو اعتراض کا موقع دیے بغیر، میں اس گفت و شنید کا جائزہ لیتا رہوں۔

ایلن کے مختصر خطاب نے کوسٹر کے سرد، پھیکے اور بے کیف ماحول میں سرگرمی کی لہر دوڑا دی تھی۔ کسی بھی استثنیٰ کے بغیر، ہر چہرے پر فکر و تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے اور لوگ دبی دبی آوازوں میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔

ایک دو مسافروں نے مڑ کر ایلن اور معزز افغان کے درمیان ہونے والے سرگوشیانہ مذاکرات کے بارے میں تجسس کا مظاہرہ کیا تو پیٹر کنگ نے سرد لہجے میں انہیں ٹوک دیا۔ "دوسروں کو گھورنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ جو کوئی بھی عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں اعتماد میں لے گا۔ وہ فائدے میں رہے گا۔ ہم کسی کے ساتھ کوئی زبردستی یا زیادتی نہیں کریں گے۔"

اس کی بگڑی ہوئی اردو کو افغان مسافروں نے سانس روک کر گہری توجہ سے سنا اور مجھے اندازہ ہوا کہ اس دور افتادہ علاقے میں بھی اردو زبان اتنی اجنبی نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

ایلن کے مذاکرات بدستور جاری تھے۔ اعتماد اور مفاہمت کی فضا میں شروع ہونے والی گفتگو نے بتدریج تکرار کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ایلن کچھ کہہ رہا تھا اور افغان اس سے متفق نہیں تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اس کی مدد کے لیے گفتگو میں شامل ہو چکا تھا۔ پھر ایک ادھیڑ عمر مسافر نے سخت اضطراب کے عالم میں پیٹر کو اپنے پاس بلا لیا۔ میں دل ہی دل میں ان دونوں گوروں کی مکاری اور افغانوں کی سادہ لوحی کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ انہوں نے سفر کے آغاز پر کوئی اعتراض کیے بغیر، ہر قسم کا سامان لاد لیا تھا اور چیغا سرائے کے بعد نارنگ نامی آبادی سے گزرتے ہی متوقع خطرات کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنی بلیک میلنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

"یہ دونوں اعلیٰ ترین درجے کے ٹھگ معلوم ہوتے ہیں" غزالہ نے ہماری طرف مڑ کر دھیمی آواز میں کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ یہ اس بار کرائے سے بھی زیادہ ڈالر بٹور لیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی دیدہ دلیری پر کوئی بھی معترض نہیں ہے۔ وہ دو پارٹیوں سے بات کر رہے ہیں اور بقیہ مسافر بے چینی سے اپنی باری کے منتظر ہیں۔" "چور پر مور کی مثال ایسے ہی مواقع پر استعمال کی جاتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہاں ہیروئن اور آتشیں ہتھیار ٹکے ٹوکرے کے حساب سے مل جاتے ہوں گے۔ ہر شخص سفر کے اخراجات نکالنے اور نفع کمانے کے چکر میں کچھ نہ کچھ لے جا رہا ہے۔ جب سب ہی کے من میں چور ہو تو ٹھگوں کی ٹھگی پر کون اعتراض کرے گا؟"

کوسٹر کے ڈرائیور اور کلینر نے اس صورت حال سے بالکل لاتعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ ان کی مکمل غیر جانب داری کو دیکھتے ہوئے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ دوران سفر، مسافروں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں ان کا حصہ پہلے ہی مقرر کیا جا چکا تھا۔ وہ سفر ایسا تھا کہ اس پر جانے والے مسافر ہر بار تبدیل ہو جاتے تھے۔ روز یا ہر بار کے آنے جانے والوں سے عملہ مروت بھی برت سکتا تھا لیکن جب ہر مرتبہ نئے مسافر ہم رکاب ہوں تو لحاظ و مروت خود بخود ناپید ہو جاتی ہے اور ہر ایک کی دلچسپی رقم تک مرکوز و محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایلن اور پیٹر کچھ خفیہ لین دین کے بعد دوسروں کے ساتھ مصروف ہو چکے تھے۔ کوسٹر کولتار کی سیاہ اور ہموار سڑک پر تیز رفتاری سے فراٹے بھر رہی تھی۔ فضا میں طاقت ور ڈیزل انجن کی یکساں غراہٹ کے علاوہ کوئی اور آواز نمایاں نہیں تھی۔ نارنگ کے بعد سڑک کی داہنی جانب نور گل نامی آبادی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس مقام پر سڑک اور دریائے کنار کا فاصلہ اتنا کم ہوگیا کہ دریا کا چوڑا پاٹ صاف نظر آنے لگا۔ نور گل کے قصبے سے باہر نکلتے ہی سڑک اور دریا کا درمیانی فاصلہ ایک بار پھر بڑھنے لگا۔

"یہ برا ہوا کہ تم نے ہمیں انگریزی سے نابلد ظاہر کر دیا۔" طویل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے ویرا سے شکوہ کیا۔ "اب وہ انگریزی میں دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالتے رہیں گے اور ہم خون کے گھونٹ پینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ انہیں ہم پر ایک زبردست سبقت حاصل ہوگئی ہے۔"

"وہ کیا بھڑاس نکالیں گے؟" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔ "جو بولتے ہیں، انہیں بولنے دو۔"

"تم ڈھیٹ اور بے شرم ہوگئی ہو" سلطان شاہ تاؤ کھا کر بولا

"تم نے سنا نہیں کہ وہ خبیث غزالہ کے بارے میں کیسی واہیات باتیں کررہا تھا؟ کم از کم میں تو یہ سب برداشت نہیں کرسکتا۔"

"واہیات باتیں؟" ویرا ہنس پڑی۔ "تم بالکل ڈفر اور ذہنی اعتبار سے ایک چوزے کی طرح نابالغ ہو۔ ایلین نے غزالہ کے حُسن کی تعریف کرنے کے علاوہ اور کیا کہا تھا؟ وہ ایسی باتیں ہیں جو ہر جوان' زندہ دل اور صحت مند مرد کسی بھی دوشیزہ کو دیکھ کر سوچتا ہے۔ تم یقین کرو کہ بعض لڑکیاں اس قدر دل کش ہوتی ہیں کہ میرا ان سے والہانہ انداز میں لپٹ پڑنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر ایلین نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو الفاظ کا روپ دے دیا تو اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟ غزالہ سے پوچھ لو' اسے ایلین کے تبصرے سے خوشی ہوئی ہوگی۔"

"ہم لوگ ترقی کی اس منزل سے بہت پیچھے ہیں جہاں آدمی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔" غزالہ مسکرا کر بولی۔ "تم دونوں مجھے اپنی لڑائی سے باہر ہی رکھو تو یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔"

"تمہاری عادات اور حرکتوں کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا شجرہ کہیں نہ کہیں قلوپطرہ سے ضرور ملتا ہوگا۔" سلطان شاہ جل کر بولا۔ "تمہارے ایک ایک لفظ سے عیاشی اور آوارگی کی بو آتی ہے۔"

"بو نہیں' خوشبو کہو۔" ویرا اسے سلگانے پر تل گئی۔ "اگر سب لوگ ہی سیدھے اور سچے راستے پر چلنے لگیں تو یہ دنیا جنّت بن سکتی ہے لیکن جنت الگ ہی بنائی گئی ہے جہاں سارے متقی اور پرہیز گار جمع کیے جائیں گے۔ یہاں کی رونق تو اسی خوشبو سے ہے جو تم کو ہضم نہیں ہوتی۔ میری دانست میں ایلین نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس پر تم کو غصہ آئے۔ غزالہ بے پناہ خوبصورت ہے اور وہ یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم بلاوجہ بحث میں الجھ رہی ہو۔" غزالہ نے گفتگو کو نازک رخ اختیار کرتے دیکھ کر آہستگی سے کہا۔ "میرے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈینی غلطی سے تمہارا اصل نام لے بیٹھا۔ تمہارا نام سن کر وہ جس طرح چونکا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس بارے میں ضرور بات کرے گا۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ باتوں کی روانی میں مجھ سے ایک چوک ہوگئی۔ ایلین کے ذہن میں وہ بات بیٹھ چکی ہے۔ وہ بعد میں بھی اسے ویرا یا فرزانہ کہہ رہا تھا۔" میں نے کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اب اس غلطی کا ازالہ یہی ہے کہ ویرا سختی سے فرزانہ بنی رہے۔ کچھ پتا نہیں کہ یہ دونوں کون ہیں اور کس کیمپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب ہمیں ان دونوں بدمعاشوں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم نے بلاوجہ اپنی گرل فرینڈ کی بات نکالی۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "اصل نام کے ساتھ ساتھ گھریلو نام مغرب میں بھی چلتا ہے۔ میں بیک وقت ویرا اور فرزانہ ہوسکتی ہوں۔ ضروری تو نہیں تھا کہ ویرا کے حوالے سے وہ میری اصلیت ہی جان لیتا۔ یورپ میں ویرا نام کی ہزاروں لڑکیاں ماری ماری پھر رہی ہوں گی۔"

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ایلین اور پیٹر وہ نہیں ہیں جو بن رہے ہیں۔" میں نے سر گھما کر ان دونوں کی مصروفیات کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "پیشہ ور مجرم اپنی لائن کے ہر اہم نام اور آدمی کے بارے میں ضروری معلومات رکھتے ہیں۔ وہ میری زبان سے ویرا کا نام سن کر جس بری طرح چونکا' اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں خاصا کچھ جانتا ہے۔ تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ وہ اس بارے میں تم سے ضرور بات کرے گا۔"

"بات کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔ "میں اسے چٹکیوں میں اڑا کر رکھ دوں گی۔"

"تمہاری یہی خوش فہمی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "بات بات پر ایسا گھمنڈ دکھاتی ہو کہ سننے والے کو تمہاری بے عقلی پر ترس آنے لگتا ہے۔"

"کیا لے ڈوبے گی؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوئی ایلین یا پیٹر مجھے لے اڑے گا۔ ایک نہ ایک دن یہ تو ہونا ہی ہے۔ مجھے بھی اپنے بڑھاپے کے لیے کسی سہارے اور ٹھکانے کی ضرورت ہوگی۔" ویرا اسے سلگانے پر تلی ہوئی تھی۔ "آدمی ہو یا عورت جوانی میں ہر ایک بے اعتدالی کرتا ہے۔ عمر ڈھلتی ہے تو سہاروں کی تلاش شروع ہوجاتی ہے۔ میں اگر وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی اپنا کوئی بندوبست کرلوں تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"اعتراض کرنے والے پر خدا کی لعنت ہو۔ میں کیوں اعتراض کروں گا؟" سلطان شاہ چیخ کر بولا۔ "میری طرف سے تم ابھی اور اسی وقت ایلین کے ساتھ چلی جاؤ۔ تمہارے ساتھ تو ہمدردی کرنا بھی گناہ سے کم نہیں......"

"اعتدال!" میں نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر بہت نیچی آواز میں کہا کیونکہ غصے کی وجہ سے اس کی آواز قدرے اونچی ہوچلی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ایلین یا پیٹر کو ہمارے اس باہمی تنازع کی کوئی بھنک مل سکے۔

"میری طرف سے تم دونوں ایک دوسرے کو پھاڑ کھاؤ۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ جھگڑا ان ہی چار نشستوں تک محدود رہنا چاہیے۔ پانچویں آدمی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ مجھے پھاڑ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔" ویرا دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ' سلطان شاہ کو مزید بھڑکاتے ہوئے بولی۔ "اسے میرے سائے تک سے تھرتھری چڑھ جاتی ہے۔ اب تو مجھے ہی اس کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا تاکہ یہ عورتوں کے بارے میں اپنی نانی کی سنائی ہوئی کہانیوں کے سحر سے نکل سکے......"

"بہت ہوگئی۔ اب اسے روک لو۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں اس کی زبان سے اپنے بڑوں کی بے عزتی ہرگز برداشت نہیں کرسکتا میں اس کی گردن توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ٹوٹی ہوئی گردن کو ذرا احتیاط سے رکھنا۔" ویرا نے کسی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔ "وہ اپنی جگہ سے ہل گئی تو میں تمہیں اپنا خون معاف نہیں کروں گی۔"

ہم پچھلی نشست پر ہونے کی وجہ سے آگے متوجہ تھے۔ ویرا اور غزالہ اگلی نشست سے پیچھے مڑ کر باتیں کررہی تھیں اس لیے غزالہ نے ایلین اور پیٹر کو واپس آتے ہوئے دیکھ کر ہمیں ٹوکا۔ "اب یہ لڑائی ختم کرو۔ وہ دونوں رقم بٹور کر واپس آرہے ہیں۔ انہیں ہمارے اختلافات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کوسٹر کے مسافروں میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی بھی انگریزی سے واقف نہیں ہے۔" ایلین اپنی جگہ پر براجمان ہوتے ہوئے انگریزی میں چہکا۔ "ہم پوری بے فکری اور آزادی کے ساتھ آپس میں باتیں کرسکتے ہیں۔ کوئی الو کا پٹھا ہماری باتوں میں دخل انداز نہیں ہوسکے گا۔"

اس نے واضح طور پر ویرا کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ہنس کر بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مفروضہ تلاشی کا ہوا کھڑا کرکے خاصی رقم جمع کرلی ہے۔ قندوز خان تمہاری ایسی ہی حرکات کے بارے میں برہم تھا۔"

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ ہم نے تم سے ایک سینٹ بھی طلب نہیں کیا۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "اس کوسٹر میں سفر کرنے والے سارے افغان چور ہیں۔ ہم نے صرف اعلان کیا تھا۔ انہوں نے ہمیں بلا بلا کر اپنی کمزوریاں بتائی ہیں۔ اس وقت کوسٹر کی چھت پر پورا اسلحہ خانہ لدا ہوا ہے۔ تیس کلو ہیروئن کی موجودگی کا اعتراف کیا گیا ہے جب کہ مجھے یقین ہے کہ ہیروئن کی مقدار دوگنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ جنگ کی وجہ سے افغانستان میں سارے دھندے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ ہیروئن اور ہتھیاروں کا دھندا عروج پر ہے۔ اس اندھی کمائی نے سیکڑوں مفلوک الحال لوگوں کو باثروت اور عزت دار بنا دیا ہے۔ ان میں سے چند ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔"

"سچ سچ بتانا کہ تم نے ان گدھوں سے کتنی رقم اینٹھی ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

ایلین نے پیٹر کی طرف جھک کر کچھ پوچھا پھر فخریہ لہجے میں بولا۔ "سات ہزار ڈالر۔ ہمارے لیے یہ سفر بہت نفع بخش ثابت ہوگا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں رقم دے کر بھی خوش ہیں کیونکہ سرحد عبور کرتے ہی ان کا مال چھ سے دس گنا دام حاصل کرے گا۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم نے کسی رسک کے بغیر معقول کمائی کرلی ہے۔ چوکیوں پر تھوڑی بہت رقم لے دے کر گاڑی نکلتی چلی جائے گی۔ کہیں کوئی خردماغ افسر ٹکرا گیا تو ہم ان سب کو اس کے حوالے کرکے صاف نکل جائیں گے۔"

"اس بدعہدی کے لیے یہ لوگ تمہیں معاف کردیں گے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"مجبوراً معاف کرنا ہی پڑے گا۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس بار ہمارا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پاکستان میں اپنا کام ختم کرکے ہم یورپ چلے جائیں گے۔"

"پاکستان میں تمہارا کیا کام ہے؟" اس کے جواب نے ویرا کو متجسس کردیا۔

"بہت اہم اور خفیہ کام ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "اس بارے میں زبان کھولنے سے پہلے میں تم سے چند کھلی کھلی باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ مجھ پر اعتماد کرکے تم فائدے میں رہو گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم کھلی کھلی باتیں ہی کررہے ہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تمہاری اصلیت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" وہ بغور ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری اصلیت وہی ہے جو تم جانتے ہو۔ راستے کی مختصر شناسائی میں' میں اپنا شجرہ نہیں بتاسکتی۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی پھر دفعتاً وہ بولا۔ "تمہارے نام کا کیا مسئلہ ہے؟"

"اوہ! میں سمجھ گئی۔" ویرا بے پروایانہ انداز میں بولی۔ "میرے ساتھی نے روانی میں جو دوسرا نام استعمال کیا تھا' تم اس کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئے ہو۔ وہ ایک غیراہم سی بات تھی۔ میرا ساتھی اس کی وضاحت کرچکا ہے۔ تمہیں اس کی وضاحت قبول کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟"

"وہ کوئی معمولی نام نہیں تھا۔ اس علاقے میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔"

"مجھے کھل کر بات کرنے کا مشورہ دے کر تم خود پہیلیوں میں بات کر رہے ہو۔" ویرا نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔ "ویرا کے نام کے بارے میں تمہارے خیالات معلوم ہونے کے بعد ہی میں کچھ کہہ سکوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم میرے کچھ کہے بغیر بھی پوری بات سمجھ رہی ہو۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "اگر تم وہی ہو جو میں سمجھ رہا ہوں تو ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ مجھے پاکستان میں اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کسی کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ میرا یہ کام تم بخوبی سرانجام دے سکو گی۔"

"تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیا جائے کہ میں ویرا ہی ہوں تو مجھے اس بات سے گہری دلچسپی ہوگی کہ چیغا سرائے جیسے دور افتادہ علاقے میں ملنے والا ایک اجنبی میرے بارے میں کیا جانتا ہے۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ویرا ایک عام سا نام ہے لیکن ان اطراف میں پائی جانے والی ویرا ایک ہی ہو سکتی ہے۔ ان علاقوں میں شی ایک مدت سے کام کر رہی ہے۔ پاکستان میں شی کو مستحکم کرنے کے لیے ویرا لائیڈ نے بہت زیادہ کام کیا ہے اور اہم روابط قائم کیے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ ویرا' شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کو تعاون کی راہ پر لانے کے لیے اتنے اشارے کافی ہیں۔ تم یقین کرو کہ تمہارا اعتراف سن کر مجھے دلی مسرت ہوگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زیرِ زمین دنیا کی ایک تہلکہ خیز ہستی مجھے یوں اچانک مل جائے گی۔"

ویرا چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھ کر پُرکشش انداز میں مسکراتی رہی۔ اس موڑ پر میں اسے مشورہ دینا چاہتا تھا کہ وہ حقیقت کا اعتراف کرلے تاکہ ایلن کے عزائم کھل کر سامنے آسکیں۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ شنگاریوں کے چنگل سے نکلتے ہی ایک پراسرار غیر ملکی ہم سے آٹکرایا تھا۔ شی' جمی لائیڈ اور ویرا کے حوالے سے اس نے جو کچھ کہا' وہ یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کافی تھا کہ وہ خود بھی بین الاقوامی زیرِ زمین تنظیموں سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ اگر اس نے کسی خاص مقصد سے پاکستان کا رخ کیا تھا تو ہمارے لیے اس کے عزائم سے واقف ہونا ضروری ہوگیا تھا۔ اس حیران کن اور دلچسپ صورت حال میں' اس کے ارادوں سے واقف ہونے کے بعد' ہم اپنے لیے کوئی موثر لائحہ عمل تیار کرسکتے تھے۔ مگر دشواری یہ آن پڑی تھی کہ ایلن اور پیٹر کی دانست میں ہم تینوں انگریزی زبان سے ناواقف تھے اور وہ دونوں اردو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ اس وجہ سے میں مداخلت کرتے ہوئے' ویرا کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔

میری اور ویرا کی مفاہمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی ہر مسئلہ کا اسی انداز میں تجزیہ کرتی تھی جس طرح میرا ذہن کام کرتا تھا۔ میں لاتعلقانہ انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' اپنی ادھیڑ بن میں لگا رہا اور ویرا نے اپنے طور پر وہی فیصلہ کرڈالا جو میں چاہتا تھا۔

"اگر تم اسی قدر مصر ہو تو میں مانے لیتی ہوں کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔" ویرا نے کہا۔ "اب تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور زیرِ زمین دنیا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

یک بیک ایلن کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ پیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا۔ "میرے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس چار نفری گروپ میں شامل غیر ملکی لڑکی کا کردار پراسرار ہے اور میں اس کا کھوج لگا کر رہوں گا۔ تم نے دیکھ لیا کہ یہ کیا نکلی ہے۔ یورپ میں ہماری برادری کے نامی گرامی لوگ بھی اس کا راستہ کاٹنے سے گریز کرتے ہیں۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ویرا' ان تین کالوں کے ساتھ یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے۔" پیٹر بولا۔

"سفید سفوف کی تجارت میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ علاقہ بہت پرکشش ہے۔" ایلن نے کہا۔ "ویرا یا شی کے کسی اہم آدمی کی یہاں موجودگی میرے لیے ذرا بھی تعجب خیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کو مجھ تک لانے والے قندوز خان کا پورا قبیلہ افیم کی کاشت اور ہیروئن کی تیاری کے لیے دور دور تک شہرت رکھتا ہے لیکن ہمیں ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ویرا کے اپنے مسائل ہیں اور......"

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ طریقہ اب بہت فرسودہ ہوگیا ہے۔ آپس کی اس گفتگو کے ذریعے تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔ میرے معاملات کو مجھ ہی تک رہنے دو اور اب اپنے بارے میں بتاتے چلے جاؤ۔ پورے تعارف کے بغیر' اب بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔"

"تم واقعی چالاک لومڑی ہو۔" ایلن نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہاری حاضر دماغی اور برجستگی کے بارے میں جو کچھ سنا تھا' تم کو ویسا ہی پایا ہے۔ میرے لیے یہ بہت خوشی کا مقام ہے کہ اتفاقاً تم سے مل بیٹھنے کا موقع مل گیا ہے۔"

"اب چرب زبانی کا سلسلہ بند کرو ورنہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گی کہ میرا واسطہ کسی مکار بھیڑیئے سے پڑا ہے' جو صرف اور صرف اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم نے ڈیوڈ اسٹارز کا نام تو سنا ہی ہوگا؟" ایلن کے اس سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا یک بیک اتنی مختصر ہو جائے گی کہ اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی پر پیچ کہانیاں خود بخود بے نقاب ہونے لگیں گی۔

میرا ذہن بے اختیار ان بندروں کی طرف چلا گیا جن کے جسموں میں خود کار کیمروں کے ساتھ آتش گیر مادہ بھی چھپایا جاتا رہا تھا۔ وہ البرٹو ولیسا نامی' رسوائے زمانہ دہشت گرد کی ایک بھیانک سازش تھی۔ وہ خود کرنل جیسی جونز کا دستِ راست تھا اور ایک بڑی منصوبہ بندی کے ذریعے اسپیشل ٹاسک فورس میں ظفر کے روپ میں قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے ان تباہ کن بندروں کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کی تیاریاں کرلی تھیں لیکن میری بروقت مداخلت اور سرکوبی کی وجہ سے وہ منصوبہ ناکام بنا دیا گیا تھا۔ البرٹو ولیسا کی شناخت کے بعد یہ ثابت ہوگیا تھا کہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کی کڑیاں' کولمبیا کے رسوائے زمانہ دہشت گرد' کرنل جیسی جونز نے تیار کی تھیں اور البرٹو ولیسا اسی کے ایما پر پاکستان میں اپنے پنجے گاڑنے کی مذموم کوششوں میں مصروف تھا۔

ملکی سلامتی کے نگراں' مسلح اداروں کی کارروائی کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے دھماکا خیز بندروں میں سے چند کی تباہی کے بعد ہر شخص بقیہ بندروں سے خوف زدہ تھا۔ ان کے جسموں میں پوشیدہ کیمروں اور دھماکا خیز مادّوں کا سراغ لگانے کے لیے جب عالمی پیمانے پر ماہرین سے مدد طلب کی گئی تو صرف امریکا کا جواب مثبت تھا۔ انٹیلی جنس بیورو کی کوششوں سے ڈلاس کی ایک نجی اسلحہ ساز فیکٹری کے دو ماہر پاکستان پہنچے تو مجھے اقوامِ متحدہ کے آب رسانی کے ایک مقامی پراجیکٹ کے سربراہ' اولیانو کے ذریعے یہ سراغ مل چکا تھا کہ وہ کرنل جیسی جونز کے آدمی ہوں گے۔ میں ان دونوں کی راہ پر لگ گیا اور انہیں گھیر کر ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوگیا۔

ان میں سے ایک پال ایتھرٹن تھا اور دوسرا بِل جونز۔ بِل جونز ایک دلیر اور صاف گو نوجوان تھا۔ گھر جانے کے بعد اس نے جس خندہ پیشانی سے موت کو گلے لگایا' اس سے میں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بِل جونز نے میرے ہاتھوں مرنے سے پہلے جو اعترافات کیے' وہ بہت سنسنی خیز اور چونکا دینے والے تھے۔

بِل جونز کولمبیا کے عالمی شہرت یافتہ دہشت گرد' کرنل جیسی جونز کا اکلوتا لڑکا تھا۔ کراچی کے ایک ویرانے میں موت کو سامنے پاکر اس نے کھلے دل کے ساتھ مجھے آگاہ کیا تھا کہ پاکستان کے خلاف کرنل جیسی جونز کی سازشوں کو نیویارک میں بنی ہوئی' ایک طاقت ور اور مالی اعتبار سے مستحکم یہودی تنظیم کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ڈیوڈ اسٹارز نامی وہ نسل پرست اور متعصب تنظیم دنیا بھر میں صیہونی مفادات کی درپردہ نگہبانی کے فرائض انجام دے رہی تھی اور اسی سلسلے میں پاکستان ان کی نظروں میں کھٹک رہا تھا۔

بِل جونز نے مجھے بتایا کہ کرنل جیسی جونز بذاتِ خود یہودی اور ڈیوڈ اسٹارز کا سرگرم کارکن تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز کی داغ بیل ڈالنے اور اس کی عالمی سرگرمیوں کے لیے خطیر سرمایہ فراہم کرنے والوں میں نیویارک کے ارب پتی' یہودی تاجر راس المیڈا کا نام سرِفہرست تھا۔ عملی طور پر اسی کو ڈیوڈ اسٹارز کا بانی تصور کیا جاتا تھا۔

ڈیوڈ اسٹارز اور راس المیڈا کے نام سامنے آنے کے بعد وہ کہانی وہیں دم توڑ گئی تھی۔ میرے ذہن میں ان دونوں ناموں کے

خلاف کینہ پرورش پا رہا تھا مگر پھر حالات کسی اور ہی نہج پر چل نکلے۔ مافیا کی مکمل تباہی کے نتیجے میں سردار پائندہ گل کی بھاری رقم ڈوب گئی تو اس نے اپنا خسارہ پورا کرنے کے لیے میرا پیچھا پکڑ لیا۔ اول خان نے اپنے رسوخ سے اس کی ہیروئن اسے واپس لوٹا کر میری رہائی کا بندوبست کیا تو اس وقت تک میں ایک اور اسکینڈل میں ملوّث ہو چکا تھا۔

سردار پائندہ گل کے بھانجے' عبدالرحیم خان کی قید میں جنّت گُل ایک خوشگوار خواب کی طرح' چپکے سے میری زندگی میں داخل ہوئی اور میری سیج پر اپنے وجود کی خوشبو رچا کر فرار ہو گئی۔ جاتے جاتے اس نے اپنے بزدل محبوب' عبدالرحیم خان کو بھی بزدلی اور بے آبروئی کے طعنے دے کر مار ڈالا تھا۔

جواں سال بھانجے کی لاش وصول کرنے والے سردار پائندہ گُل کی نظروں سے اندر کی کہانی پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے اپنے برسوں کے تجربے اور گہرے مشاہدے کی بنا پر مجھ سے حقائق اگلوا لیے۔ جب تک جنت گل کی زبان بند رہی' سردار پائندہ گل مجھے بھولا رہا لیکن جب جنت گل نے میرے حوالے سے اس کے گلے میں رسوائی کا ہار ڈالنے کی کوششیں شروع کیں تو پائندہ گُل نے اپنے آدمیوں کے ذریعے صرف مجھ ہی کو نہیں' میرے ساتھیوں کو بھی اغوا کرا لیا۔

گالان میں خوف و ہراس اور بے یقینی کے سایوں میں طویل شب و روز گزار کر ہم لوٹ رہے تھے تو ایلن نے اچانک ہی ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلن کو قدرت نے ہماری کہانی کا ٹوٹا ہوا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے چیغا سرائے بھیجا ہو۔

"ڈیوڈ اسٹارز کیا بلا ہے؟" ویرا نے بالکل انجان بن کر بے پروائی سے پوچھا۔

وہ بے اعتباری سے ہنس پڑا۔ "کیوں مجھے رِجھنے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"مجھے رِجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم دونوں پہلے ہی کھِسے کھِسائے لگ رہے ہو۔ تمہارا ساتھی تو رگڑے کھا کھا کر کسی بندر کی طرح سوکھ گیا ہے۔" ایلن نے ویرا کو چالاک لومڑی کہہ کر جس بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا' وہ اسے مہنگی پڑ رہی تھی۔ ویرا نے اسے بھیڑیا قرار دے دیا تھا اور اب پیٹر کو بندر سے تشبیہ دے رہی تھی۔

ایلن چالاک ہی نہیں' موقع شناس بھی تھا۔ وہ فوراً ویرا کی برہمی کا سبب بھانپ گیا اور جلدی سے بولا۔ "معاف کرنا۔ میں نے چالاک لومڑی کا لقب محاورتاً استعمال کیا تھا۔ میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"ذرا ذرا سی باتوں سے میری توہین نہیں ہوتی۔ میں نے کب اس کا شکوہ کیا ہے؟"

"تم نے پیٹر کو سوکھے ہوئے بندر سے مشابہ قرار دے کر اداس کر دیا ہے......"

ویرا نے استہزائیہ انداز میں پیٹر کی طرف دیکھا اور ایک بے ساختہ قہقہے کے ساتھ بولی۔ "اداسی طاری ہونے کے بعد تو یہ بے چارہ بالکل ہی بندر بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی کھوپڑی میں سے مغز نکال کر کیمرا اور پیٹ سے آنتیں نکال کر بارود بھر دی جائے تو اسے نہایت اطمینان سے کہوٹہ کی طرف روانہ کیا جا سکتا ہے۔"

"میرے خدا!" ایلن تحیّر زدہ آواز میں بڑبڑایا۔ "اور تم کہہ رہی ہو کہ تم ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔ ویرا کا استعارہ کارگر رہا تھا۔

"صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ چھ کونوں والا ایک ستارہ ہے جسے یہودی بہت مقدس سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ ان سے زیادہ تو پاکستانی اس ستارے کی پرستش کرتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو سرحد عبور کرنے کے بعد کراچی چلے جاؤ۔ وہاں قومی شاہراہ سے ائرپورٹ جانے والے راستے پر ڈیوڈ اسٹار مدتوں سے سایہ فگن ہے۔ احمقوں نے اس مقام کا نام صرف اسٹار گیٹ رکھا ہوا ہے۔ میں کسی بارسوخ پاکستانی سے ملی تو یہ سفارش ضرور کروں گی کہ اس مقام کا نام ڈیوڈ اسٹار گیٹ رکھ دیں اور پھر دیکھیں کہ دنیا بھر سے مال دار یہودی سیاح کس طرح اس پاکستانی زیارت گاہ کا رخ کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بات دلی مسرّت کا باعث بنے گی کہ پاکستان اپنے باشندوں کی یہود و ہنود دشمنی کے باوجود' ان کی روایات اور نشانیوں کو فروغ دینے کی بساط بھر کوشش کر رہا ہے۔ تمہیں دنیا بھر میں ایسی بے مثال رواداری دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ یہی ستارہ کسی آزاد منش ملک میں ہوتا تو لوگ اب تک اسے منہدم کر کے پیروں تلے روند چکے ہوتے۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" وہ مرعوب ہو کر سہلاتے ہوئے بولا۔ "پاکستان میں داؤدی ستارے کی کسی یادگار کا وجود واقعی حیران کن ہے۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت میں پاکستانی بدترین جنون کا شکار ہیں۔ کچھ عرصے پہلے یہودی کمپنیوں کے مشروبات کو پیشاب کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول اور معاشرے میں داؤدی ستارے کا اپنی جگہ برقرار رہنا اس کی ماورائی قوتوں کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے۔ میں نیویارک کی طاقتور اور مال دار یہودی تنظیم کی بات کر رہا تھا۔ تم یقیناً ان کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو ورنہ خفیہ کیمروں اور بارودی مادّے سے لیس بندروں کا حوالہ ہرگز نہ دیتیں۔"

"میری معلومات کے تجسس میں پڑے بغیر تم اپنی کہانی شروع کر دیا پھر مجھے باہر پھیلے ہوئے قدرتی نظاروں سے محظوظ ہونے دو۔ میں کیا جانتی ہوں اور کیا نہیں جانتی' یہ میرا مسئلہ ہے۔ تمہیں ان فضول باتوں پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔ تم کو مذاکرات سے دلچ

بھی بھول جاؤ کہ میرا نام ویرا ہے۔"

ہو تو پھر یہ تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ میں ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کر رہا ہوں۔" وہ سرعت کے ساتھ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے ان کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔"

"ان بدمعاشوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ویرا نے سفّاکانہ بے رحمی کے ساتھ سوال کیا۔

"پیسے کے علاوہ اور کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ہم میدان میں کام کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ ہمیں منہ مانگا معاوضہ دیتے ہیں اس لیے ہم ان کی خاطر دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز والوں کے دو آدمی پاکستان پہنچنے کے بعد لاپتا ہو گئے ہیں۔ پہلے ہمیں ان کا سراغ لگانا ہے۔"

"وہ دونوں بِل جونز اور پال ایتھرٹن ہوں گے۔" ویرا نے نہایت سرسری لہجے میں کہا۔ "تم میری یقین دہانی پر تصدیق کر دو کہ وہ دونوں مارے جا چکے ہیں۔ بِل جونز' کرنل جیسی جونز کا بیٹا تھا اس لیے اُسے حقائق پر پورا عبور حاصل تھا۔ وہ جو کچھ کہتا رہا تھا وہ حقائق کی دنیا سے بہت دور نہیں تھا۔ میری معلومات کے مطابق وہ پاکستان پہنچنے کے... چند ہی گھنٹوں بعد جہنم واصل ہو گئے تھے۔"

ایلن کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ "تمہاری معلومات واقعی قابلِ رشک ہیں۔ ان کے نام بِل جونز اور پال ایتھرٹن ہی تھے۔ ہمیں کراچی پہنچ کر ان کا کھوج لگانا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وہ دونوں پاکستان پہنچتے ہی مارے گئے ہوں گے۔ بندروں والے منصوبے کی ناکامی کے بعد انہیں ایک متبادل منصوبہ دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ متبادل منصوبہ بھی ناکامی کا شکار ہو چکا ہے۔"

"تم ابھی تک اشاروں کنایوں میں بات کر رہے ہو۔" ویرا برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بِل جونز کس متبادل منصوبے کے ساتھ آیا تھا۔ پرندوں کے ذریعے تباہی نازل کرنے کا معاملہ شروع ہی نہیں ہو سکا۔ وہ خالص بارودی بموں کے کریٹ وصول کرنے سے پہلے ہی موت کا شکار ہو گیا تھا۔"

"یہ خبر بہت تشویش ناک ہے۔ تم نے اپنی معلومات کے سہارے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ تمہیں اتنا کچھ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان دونوں کو ہلاک کرنے میں کون لوگ ملوّث تھے؟"

"ایسے کاموں میں کوئی کھُل کر سامنے نہیں آتا۔ لاشیں ایک ویرانے سے دستیاب ہوئی تھیں۔ ایک اجنبی ملک میں باہر سے آنے والوں کی کسی سے دشمنی نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے' اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ کسی وجہ سے پاکستانی ایجنسیوں کو ان پر شبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے سرکاری سطح پر تحقیق و تفتیش کے بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے ان کا پتّا ہی صاف کر دیا۔"

"جیسی جونز کے لیے یہ خبر اندوہناک ثابت ہو گی۔" ایلن پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا۔ "بِل جونز اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اس سے والہانہ پیار کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خبر اسے اپنے موجودہ پیشے سے ہی دل برداشتہ کر دے۔ اس نے پاکستان کو محفوظ علاقہ تصور کر کے اپنے بیٹے کو وہاں بھیجا تھا۔"

"یہ مسئلہ ہر ایک کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ہم لوگ یورپ اور امریکا میں بیٹھ کر' پاکستانیوں کو بالکل ڈفر سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ لوگ بہت خاموشی اور سفّاکی کے ساتھ اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔" بات کرتے کرتے' اس نے چونک کر پوچھا۔ "پہلے تم نے کہا تھا کہ تم ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کر رہے ہو اور اب تمہیں کرنل جیسی جونز کی فکر لاحق ہو رہی ہے۔ تم ان میں سے کس کو جواب دہ ہو؟"

"دراصل ہم دونوں ہی فری لانسرز ہیں۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "پہلے راس المیڈا نے بذاتِ خود مجھ سے بات کی تھی۔ اس سے معاملات طے ہو جانے کے بعد میں نے جیسی جونز سے رابطہ کیا تھا۔ وہ بِل جونز کے بارے میں بہت متفکر تھا۔ میں نے اس کے بیٹے کی تلاش کے لیے اُس سے بھی بیس ہزار ڈالر میں سودا

کرلیا' اس وقت ہم دونوں ہی کے لیے کام کررہے ہیں۔"

"اگر تمہیں بِل جونز ہی کی تلاش تھی تو اس کی موت کی خبر کے ساتھ تمہارا کام ختم ہوچکا ہے۔ تم پاکستان جاکر کیا کرو گے؟" ویرا نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"دونوں پارٹیوں سے ملنے والا معاوضہ حلال کرنے کے لیے وہاں جانا ہی ہوگا۔" ایلن مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اگر بِل زندہ ہوتا تو مجھے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا۔ اب صورتِ حال بالکل ہی بدل کر رہ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بِل جونز کی موت کی اطلاع دینے کے بعد مجھے کوئی اور کام سونپ دیا جائے۔"

"تم دونوں کی گفتگو ضرورت سے زیادہ طول پکڑتی جارہی ہے۔" میں نے اردو میں مداخلت کرتے ہوئے' خشک لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری ہدایت کو تھوڑی ہی دیر میں بُھلا دیا ہے۔"

"پرانی یادیں ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوتی ہیں۔" ایلن ملائمت سے بولا۔ "کچھ ایسی ہی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مہذّب لوگ ہیں اور شائستہ گفتگو کررہے تھے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اردو میں بات کرو تاکہ ہم بھی تمہاری شائستہ گفتگو سے لطف اندوز ہوسکیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے طنز سے کہا۔ "اچھی باتوں میں دوسروں کو شریک کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

"تلفظ کے اعتبار سے اردو ایک مشکل زبان ہے۔" اُس نے بگڑی ہوئی اور شکستہ اردو میں جواب دیا۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اردو بولنے سے میرے مُنہ کے تمام عضلات تھک جاتے ہیں۔ ویسے اب تم فکر نہ کرو۔ میں نے فرزانہ سے کافی باتیں کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔ اب میں خیال رکھوں گا کہ ہمارے درمیان طویل گفتگو نہ ہو۔"

وہ پشت گاہ سے ٹک کر اپنے ساتھی سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگیا اور میں نے سگریٹ سلگالی۔

اس کی ویرا سے ہونے والی گفتگو نے مجھے بے چین کردیا تھا مگر ان دونوں خبیثوں کی موجودگی کی وجہ سے میں ویرا سے تبادلۂ خیال کرنے سے قاصر تھا۔ میرے لیے فکر مندی کی بات یہ تھی کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات میں عالمی قوتوں کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی کا سلسلہ ختم نہیں ہورہا تھا۔ بلیو کراس ڈیل کے تحت ایران سے آنے والا ساز و سامان تباہی سے بچالیا گیا تھا۔ البرٹو و ملیسا کے' بندروں کے ذریعے تباہی پھیلانے کے منصوبے کو بروقت ناکام بنادیا گیا تھا۔ بِل جونز کو مخصوص پرندوں کے سہارے سب کچھ تباہ کردینے کے پلان پر کام شروع کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا لیکن ان ناکامیوں کے باوجود بیرونی طاقتوں کی سازشوں کا سلسلہ جاری تھا۔

ایلن کو ویرا کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھ[ی]ں۔ ویرا نے جوابی معلومات کا اظہار کرکے اسے مرعوب کرلیا تھا لیکن میں اس بارے میں فکر مند تھا کہ کہیں وہ میرے بارے میں بھی نہ جانتا ہو۔ میرے اور ویرا کے بارے میں اتنی زیادہ باتیں اچھالی گئی تھیں کہ پاکستان کی حد تک ویرا کے ساتھ میرا نام لازم و ملزوم ہو چکا تھا مگر غنیمت یہ تھا کہ ایلن نے اس بارے میں ویرا سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ مگر میں اس بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ ایلن کسی بھی وقت اس بارے میں بات نکال سکتا تھا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ ان لوگوں کو اس بات کی ہوا ہی نہ لگنے دی جائے کہ ہم میں سے کسی کا نام ڈیمی ہے۔

"اب سے میرا نام تنویر ہے۔ یہ بات غزالہ کو بھی بتادینا۔" میں نے اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے سلطان شاہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ چونک کر مجھے گھورنے لگا۔ میں نے پھر کہا۔ "اس طرح دیدے نہ پھاڑو۔ کچھ عرصے کے لیے میرے اصل نام کا استعمال ناگزیر ہوگیا ہے۔" اس وضاحت کے بعد میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

مجھے اٹھتے دیکھ کر دونوں سفید فام پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگئے مگر میں ان کو نظر انداز کرکے اگلی سیٹ پر گیا اور غزالہ کو اپنی جگہ بھیج دیا۔ ویرا کے ساتھ بیٹھ کر میں سرگوشیوں میں کچھ نہ کچھ بات کرسکتا تھا۔

"ان لوگوں کے بارے میں تمہارے اندازے بالکل درست نکلے۔" میرے بیٹھتے ہی ویرا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے ساری باتیں سن ہی لی ہوں گی۔ اب ان کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟"

"یہ طے کرنے کے لیے کافی وقت پڑا ہوا ہے۔ غنیمت ہے کہ ابھی تک انہیں میرا نام جاننے کا خیال نہیں آیا۔ حیرت دور ہونے کے بعد وہ اس بارے میں بھی باز پرس کریں گے۔ تم انہیں میرا اصل نام بتاؤ گی۔"

"تو تمہارا کوئی اصل نام بھی ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"مذاق کی ضرورت نہیں۔" میں نے برا سا منہ بناکر کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا اصل نام تنویر علی ہے۔"

"تمہاری عرفیت کے چکر میں پڑ کر' میں اصل نام بھول ہی گئی تھی۔" وہ ہنس کر بولی۔

"سفر کب تک جاری رہے گا؟" میں نے ایلن کی طرف مڑ کر سوال کیا۔

اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہاں پھیلی ہوئی دھوپ میں زردی آتی جارہی تھی اور سورج مغرب میں کافی نیچے اتر آیا تھا۔ جائزہ لینے کے بعد وہ بولا۔ "اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہم جلال آباد پہنچ جائیں گے اور رات وہیں گزارنے کے بعد' کل آگے چل

پڑیں گے۔ کل رات کا اندھیرا پھیلتے ہی ہم خاموشی سے سرحد پار کر جائیں گے۔"

"جلال آباد میں رات ضائع کرنے کے بجائے سفر جاری رکھا جائے تو کیسا رہے گا؟" پچھلی نشستوں سے ایک افغان نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں وہ بات پوچھی جو میرے ذہن میں بھی آئی تھی۔

"سفر کا پروگرام بہت سوچ سمجھ کر اور تجربے کار لوگوں کے مشورے سے طے کیا گیا ہے۔" ایلن نے کہا۔ "رات کو سفر جاری رکھا گیا تو ہم اجالے میں طورخم پہنچیں گے۔ ہم کو سرحد پار کرنے کے لیے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم جلال آباد میں قیام کرکے آگے روانہ ہوں۔ چینغا سرائے سے وہاں تک کا سفر خاصا تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ جلال آباد پہنچنے تک ہر ایک کو آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔"

"آج کل رات کا سفر بہت خطرناک ہوگیا ہے۔" کسی اور مسافر نے ایلن کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "رات کو' لڑنے والے دونوں فریقوں کے رسد کے قافلے بھی سفر نہیں کرتے کیونکہ اندھیرے میں مسلح ٹولیاں گھات لگائے' مورچا بند رہتی ہیں اور اپنے علاقے میں آنے والی ہر گاڑی کو چھلنی کرکے لوٹ لیتی ہیں۔ جلال آباد میں ٹھہرنا ہی بہتر ہوگا۔"

کوسٹر کی فضا میں چھایا ہوا جمود ٹوٹتے ہی بہت سے مسافروں نے ایک دوسرے سے بولنا شروع کردیا۔ ممنوعہ سامان کے لیے اضافی معاوضے کی بات پر شروع ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بہت دیر پہلے منقطع ہوچکا تھا۔ باتوں کے اس نئے دور کی وجہ سے کوسٹر میں خاصی رونق کا احساس ہونے لگا تھا۔

سفر جاری رہا۔ ڈرائیور نے مسافروں کا دل بہلانے کے لیے پشتو اور ہندوستانی نغموں کا ایک ملا جلا کیسٹ لگادیا تھا۔ ایلن اور پیٹر' قلم کاغذ لے کر کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ مسافروں کے سامان میں موجود ممنوعہ اشیا کی مقدار کا حساب کتاب کررہے تھے تاکہ دریائے کابل کے پل سے پہلے پڑنے والی چوکی پر متعین اہل کاروں سے اسی حساب سے لین دین کے معاملات طے کرسکیں۔

آخر کار وہ چوکی بھی آہی گئی۔ کلینر نے بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ ڈرائیور نے کوسٹر کچے میں اتار کر انجن بند کیا اور نیچے اتر گیا۔ ایلن اور پیٹر بھی اپنے کاغذات سمیٹ کر نیچے اتر گئے۔ نیچے کھڑے ہوئے دو باوردی افغان عقابی نظروں سے کوسٹر اور اس کی چھت پر لدے ہوئے سامان کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈرائیور ان کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا۔ ایلن اور پیٹر کے پہنچنے پر وہ تینوں' انہیں ساتھ لے کر اس بوسیدہ سے کمرے میں داخل ہوگئے جو شاید دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

"یہ دونوں پاکستان پہنچنے کے بعد خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔" ان دونوں سے نجات مل جانے پر ویرا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "کیوں نہ آج رات جلال آباد میں ہی ان کا کام تمام کردیا جائے؟"

"تم بھول رہی ہو کہ ہم ایک بار پھر غیر مسلح ہوچکے ہیں۔ قندوز خان ہمارے ہتھیار اپنی جیپ میں واپس لے جاچکا ہے......"

ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ہاتھ پیروں سے زیادہ خطرناک ہتھیار کوئی نہیں ہوتا۔ گلا گھونٹ کر یا گردن کی ہڈی توڑ کر' انہیں نہایت خاموشی سے ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ دونوں مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ ہمارا وار ذرا بھی اوچھا پڑا تو ہمیں تارے نظر آجائیں گے۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ اس سفر پر نکلے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس سفر کی کامیابی کے لیے ان کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی موت کے بعد ڈرائیور آگے جانے سے انکار کردے۔ ہم یہ خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتے۔"

ایک دو مسافر اپنی ٹانگیں سیدھی کرنے کے لیے کوسٹر سے نیچے اترے ہی تھے کہ ایلن' پیٹر اور ڈرائیور کے ساتھ اس سال خوردہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس چوکی پر ہونے والی سودے بازی سے وہ تینوں ہی مطمئن نظر آرہے تھے۔

چند منٹ بعد کوسٹر ایک بار پھر سڑک پر فرّاٹے بھر رہی تھی۔ جب ہم دریائے کابل عبور کررہے تھے سورج داہنی طرف غروب ہورہا تھا۔ اوپر سے آنے والے' دریا کے نیلگوں پانی میں

ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں نے رنگ ہی رنگ بکھیرے ہوئے تھے۔ ویرا پوری طرح اس منظر کے نظارے میں منہمک تھی۔

دریا عبور کرنے کے بعد تھوڑی ہی مسافت طے کی گئی تھی کہ کابل سے جلال آباد ہوکر طورخم تک جانے والی شاہراہ سامنے آگئی۔ اس مقام سے داہنی طرف کابل کا راستہ تھا اور بائیں طرف جلال آباد۔

"تم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔" ایک بار مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی پیٹر بول پڑا۔ اس کی اردو ایلن سے بھی گئی گزری تھی لیکن کام چلانے کے لیے کافی تھی۔

"میں تنویر ہوں' یہ سلطان اور یہ غزالہ" میں نے ہر ایک کی طرف اشارے کرکے اسے بتایا۔

"تم چاروں نے ایک جیسے مردانے کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہیں؟" اس بار وہ غزالہ سے مخاطب ہوا تھا۔

"یہ ہماری یونیفارم ہے۔" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ہم سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ پیٹر بھی خفت آمیز انداز میں ہنسنے لگا لیکن غزالہ کی سنجیدگی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

"یونیفارم انگریزی کا لفظ ہے لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ تم انگریزی سے ناواقف ہو۔" پیٹر دوبارہ ڈھٹائی سے بولا۔

"اردو میں انگریزی کے بہت سے الفاظ جوں کے توں استعمال ہوتے ہیں۔ یونیفارم بھی ان ہی میں شامل ہے۔" غزالہ نے اتنے خشک لہجے میں جواب دیا کہ وہ خواہش رکھنے کے باوجود بات جاری رکھنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی کوسٹر کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی بتیاں جلادی گئیں پھر جلال آباد کی مضافاتی بستیوں کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ سڑک کے دونوں طرف بنے ہوئے مکانات اور بازاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے' میں نے محسوس کیا کہ اس شہر کے ماحول پر جنگ کے اثرات زیادہ گہرے اور نمایاں تھے۔ کئی جگہ جلی یا گری ہوئی عمارات کے ملبے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ متحارب فریق اس شہر کی حدود میں بھی مرتے مارتے رہتے ہیں۔

ڈرائیور کے لیے وہ سفر نیا تھا اور نہ ہی شہر اجنبی تھا۔ اس وقت سورج غروب ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن سڑکوں پر برائے نام ٹریفک نظر آرہا تھا۔ ڈرائیور نے تیز رفتاری سے جانے بوجھے راستے طے کرتے ہوئے' کوسٹر ایک تین منزلہ ہوٹل کے سامنے لے جاکر روک دی۔

غزنی ہوٹل ایک معقول اور صاف ستھرا رہائشی ہوٹل تھا لیکن اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں کے عملے نے بہت تپاک سے کوسٹر ڈرائیور کا استقبال کیا۔ غیر متوقع طور پر اتنے مہمانوں کو دیکھ کر سب ہی خوش ہوگئے تھے۔

ہوٹل کے اخراجات ہر مسافر کو خود ادا کرنے تھے۔ ہمارے پاس مقامی کرنسی نہیں تھی۔ مجھ سے ڈالر وصول کرتے ہوئے'

کلرک کی نظروں میں حریصانہ چمک پیدا ہوگئی۔ میں نے [illegible] والے دو کمرے بک کرالیے۔

ہم لوگوں کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ اس [illegible] نے دوسری منزل پر واقع کمروں کی طرف جانے کے بجائے [illegible] کے ریستوران کا رخ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ہم لوگ خورد [illegible] سے فارغ ہوکر ایک ہی بار اوپر جائیں اور بستروں پر دراز [illegible] جائیں۔ پیٹر اور ایلن بھی ہمارے ساتھ ہولیے۔ انہیں میری [illegible] پسند آئی تھی۔

ریستوران کا وسیع ہال خالی پڑا ہوا تھا۔ ہم چاروں ایک [illegible] کے گرد بیٹھ گئے۔ ایلن اور پیٹر نے میرے پیچھے والی میز سنبھال [illegible] موؤب بیرے کو آرڈر نوٹ کرانے کے بعد ویرا نے باتھ روم [illegible] بارے میں استفسار کیا۔ بیرے کے نشان دہی کے بعد وہ ا[illegible] غزالہ بھی اس کے ساتھ ہولی۔ سلطان شاہ قدرے مضطرب [illegible] آنے لگا۔

چند ثانیوں کے تردد کے بعد اس سے نہ رہا گیا اور وہ بھی [illegible] کھڑا ہوا۔ "میں ابھی آیا...... اس نئی جگہ پر عورتوں کو یوں [illegible] چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ بھی چلا گیا اور میں اپنی میز پر اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ سگ[illegible] سلگاتے ہوئے' میرے کان ایلن اور پیٹر کی طرف لگے ہوئے [illegible] وہ دونوں انگریزی میں اِدھر اُدھر کی باتیں کررہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ویرا کے ساتھیوں سے آج رات چھٹکارا حاصل کرلینا چاہیے۔" پیٹر کے ان الفاظ پر میرے کان کھڑے ہوگئے اور میں بے اختیار ایک پھریری سی لے کر رہ گیا۔

"آج رات کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت یہ گھامڑ اکیلا [illegible] ہوا ہے۔ اس کی کمر سے پستول لگا کر' میں ابھی اسے اوپر لے [illegible] ہوں۔ اس کے دہانے میں پستول کی نال اڑا کر گولی چلاتے ہی [illegible] تمام ہوجائے گا۔" ایلن کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو[illegible] اس بارے میں پہلے ہی کچھ طے کرچکے تھے۔

میرے لیے اسی طرح بیٹھے رہنا دشوار ہوگیا۔ لحظہ بھر کے [illegible] وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ اگر وہ پستول ہی نکال رہے تھے تو ا[illegible] مزید مہلت نہیں دی جاسکتی تھی۔

میں کرسی سے اٹھ کر تیزی سے ان کی طرف پلٹ پڑا۔ [illegible] کے ہاتھ میں سیاہ پستول چمک رہا تھا۔ اس نے میزپوش کی آڑ [illegible] کر' نال میری طرف اٹھائی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر استہ[illegible] مسکراہٹ تھی اور سفید عدسوں کے پیچھے چمکتی ہوئی آنکھیں [illegible] مرکوز تھیں۔

میرے تیور دیکھ کر پیٹر بھی اپنی کرسی چھ[illegible]ڑا ہوچکا تھا

"تم اپنے ناپاک عزائم میں اتنی آسانی سے کامیاب ہوسکو گے۔" میں نے ایلن کو گھورتے ہوئے' زہریلے لہجے میں

میں اس کے ہاتھ میں موجود پستول کی نال سے غافل نہیں ہوا تھا۔

"ابھی چند منٹ میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ایلن غرّایا۔

"ہم ہوٹل کے اس ہال میں کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا چاہتے۔ خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ تم سے اوپر چل کر بات ہوگی۔"

"تمہاری گفتگو سن لینے کے بعد' اب اوپر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جو کچھ ہونا ہے' یہیں ہوکر رہے گا۔"

"اوہ!" ایلن نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم ہمارے سامنے بلاوجہ ہی انگریزی سے انجان بنے ہوئے تھے۔

یہ بات شروع سے میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق پاکستان کا ہر پڑھا لکھا شخص انگریزی میں کچھ نہ کچھ مہارت ضرور... رکھتا ہے اور تم کسی طرح بھی جاہل نظر نہیں آتے۔"

"تم نے اپنی اسی بے خبری کی وجہ سے مار کھائی ہے ورنہ تم خاموشی سے اپنے منصوبے پر عمل کرگزرتے اور ہمیں آخر تک تمہارے ارادوں کی بھنک نہ مل پاتی۔" میں نے غصے سے کہا۔

"مار ہم نے نہیں تم نے کھائی ہے۔" ایلن نے قہقہہ لگاتے ہوئے' پستول میری طرف اچھال دیا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے' شدید حیرت کے عالم میں پستول کو فضا میں لپکا تو طبیعت صاف ہوگئی۔ جھلاّہٹ کے عالم میں میرا دل چاہا کہ اپنا سر کسی دیوار سے دے ماروں۔ وہ پلاسٹک کا بنا ہوا کھلونا پستول تھا لیکن اس کی بناوٹ اتنی عمدہ تھی کہ دور سے دیکھنے پر وہ اصلی پستول معلوم ہوتا تھا۔

"ہم صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ انگریزی زبان کے بارے میں تمہارا دعویٰ درست ہے یا نہیں۔" ایلن فاتحانہ موڈ میں کہہ رہا تھا۔ "ہماری خطرناک گفتگو نے تم کو کھل کر سامنے آنے پر مجبور کردیا۔ اب تم آرام سے اپنی جگہ بیٹھ کر یہ بتاؤ کہ تم ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے تھے؟"

میرے لیے یہ صورتِ حال اس قدر خفّت آمیز تھی کہ میں فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ ان دونوں نے بہت خوبصورتی کے ساتھ ملی بھگت کرکے مجھے چکما دیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ میرے بارے میں انہوں نے کوئی اندازہ نہیں لگایا تھا

بلکہ میں نے خود ہی' انگریزی زبان سے واقفیت کا اعتراف کیا تھا جب کہ چیغا سرائے سے وہاں تک کے سفر میں ہم تینوں ہی انگریزی زبان سے یکسر لاعلمی کا اظہار کرتے چلے آئے تھے۔

میں احساسِ بے بسی کے ساتھ قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایلن کا دیا ہوا نقلی پستول میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "جو کچھ ہوا' اس میں ہمارے کسی ارادے کا دخل نہیں تھا۔ ویرا نے محض تفریحاً تم سے ایک بات کہہ دی اور ہم تینوں کو اس بات کو نبھانا پڑا۔"

"لیکن بعد میں تم بہت کچھ جان چکے ہو۔" ایلن معنی خیز لہجے میں بولا۔ "ہمیں شبہ بھی ہوتا کہ تم تینوں انگریزی سمجھ لیتے ہو تو میں ویرا سے ہرگز کھل کر بات نہ کرتا۔ ہم دونوں کے لیے نئی صورتِ حال بہت زیادہ مخدوش ہوگئی ہے۔"

"ہمیں تم پر کوئی شبہ تھا اور نہ ہم تمہارے بارے میں کسی تجسس میں مبتلا تھے۔" میں نے سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری غلطی تھی کہ تم باتوں کی روانی میں بہتے چلے گئے لیکن ہمیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ سرحد عبور کرنے تک ہمارا اور تمہارا ساتھ ہوگا۔ اس کے بعد ہم تمہیں بھول جائیں گے۔ البتہ میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تمہارے ذہن میں ہمارے بارے میں شبہ کیوں پیدا ہوا؟"

"ہمیں تم پر شبہ کیوں ہونے لگا؟" اس نے فوراً ہی مدافعانہ

لہجے میں کہا۔ "میں نے اب تک ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے کسی بے اعتمادی یا عناد کا اظہار ہوتا ہو۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "اس وقت تم بھی میری ہی طرح بھڑکے ہوئے ہو۔ میرا مطلب تھا کہ تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا کہ میں انگریزی سمجھ سکتا ہوں؟ تم نے اس وقت یہ ڈراما اسی لیے رچایا تھا کہ میرے بارے میں اپنے شبے کی تردید یا تصدیق حاصل کرسکو اور تم اپنے منصوبے میں کامیاب رہے ہو۔"

"سچ پوچھو تو مجھے تم نے چوکنا کیا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جب میں ویرا سے بات کررہا تھا تو تم ہر اہم موقعے پر کسی نہ کسی طرح اپنے ردعمل کا مظاہرہ کررہے تھے اور ہم دونوں کی گفتگو میں رخنہ انداز ہونے کی کوششیں کررہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ ہماری باتوں پر تم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے ہو۔ حقیقت معلوم کرنے کے لیے ہم دونوں نے ایک مختصر سا ناٹک رچایا اور میرے شبے کی تصدیق ہوگئی۔"

"ایک غلط فہمی دور ہوجانے کے بعد ہمارے درمیان کوئی تلخی نہیں پیدا ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہوگا۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "ایک بات تمہارے حق میں جاتی ہے کہ ویرا نے تم تینوں کو اس وقت انگریزی سے نابلد ظاہر کیا تھا جب سفر کی ابتدا ہوئی تھی اور ہمارے درمیان کسی رازدارانہ گفتگو کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر، اپنی عینک کے شفاف عدسوں کے پیچھے سے میری آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر قدرے دھیمی آواز میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ ویرا کے ساتھ تم لوگ ان اطراف میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم بلاوجہ بازاری انداز میں، اپنی گفتگو کو پراسرار بنانے کی کوشش کررہے ہو۔ اس وقت ہوٹل کے اس ہال میں، ہم تینوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو ہماری باتیں سن سکے....."

"اوہ!" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "تمہارا اعتراض درست ہے۔ غالباً میں اپنے حد سے بڑھے ہوئے تجسس سے مغلوب ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود میرے سوال کی اہمیت اپنی جگہ پر برقرار ہے۔"

"میری نظر میں تمہارے سوال کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "خوفناک گوریلا جنگ کی زد میں آئے ہوئے ان آفت رسیدہ علاقوں میں لوگ تیتر کا شکار کھیلنے نہیں آتے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ جلال آباد کی عمارتوں اور راستوں پر کیسی ہولناک وحشت کا راج ... احول میں کوئی بھی ناگزیر ضر... کے بغیر ادھر کا رخ ... لیکن کون کس رنگ میں ہے، وہ خود ہی جانتا ہے، دوسرو... اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتا۔"

"لیکن میں اپنے بارے میں ویرا کو بہت کچھ بتا چکا ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"وہ تمہاری ضرورت یا مجبوری تھی۔ تم اسے اعتماد میں لے کر اس کی مدد حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس نے آناً فاناً میں تمہارے کئی مسائل حل کردیے لیکن مجھے ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "تم کم از کم اتنا تو بتا سکتے ہو کہ ویرا تمہارے لیے کام کررہی ہے یا تم اس کے لیے کام کررہے ہو؟"

میں نے نقلی پستول میز پر ڈال کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔ "تم بچوں اور اناڑیوں جیسے سوالات کررہے ہو۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز اور کرنل جیسی جونز کے بارے میں تمہاری کہانی بے بنیاد ہے۔ ان لوگوں کے لیے کام کرنے والوں کی ذہنی سطح اتنی پست نہیں ہوسکتی۔"

"کیوں؟ اس میں ذہنی سطح کی پستی ظاہر کرنے والی کون سی بات ہے؟" اس بار پیٹر غرّایا تھا۔

"ہر پارٹی میں ٹیم لیڈر کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ سامنے آجائے تو حریف اسی کی ذات کو ہر قسم کے دباؤ کا نشانہ بنانے لگتے ہیں۔ تمہارے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔"

"اور تمہارا نام؟" اس نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی بات چبھ رہی تھی۔

"تنویر۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں پہلے بھی اپنا نام بتا چکا ہوں۔"

"نام چھپانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" پیٹر نے ایلن سے مخاطب ہوکر قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں تمہارا اندازہ سو فیصد سے بھی زیادہ درست ہے۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ میرے بارے میں ایلن سیمفرپال کی کیا رائے ہے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ایک بار تمہارا داؤ چل گیا۔ اب تم بار بار مجھے جھانسا نہیں دے سکتے۔"

"ایک بار نہیں، دو بار۔" ایلن نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "پہلی بار تم غیر ارادی طور پر ویرا کا اصل نام لے بیٹھے تھے اور ابھی ابھی ہماری مفروضہ سازش پر مضطرب ہوکر اپنی انگریزی دانی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں نے دانستہ ویرا کا نام لیا تھا تو کیا کہوگے؟"

"پھر مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہارے عزائم کیا ہیں۔" وہ یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ "ویرا کا نام سننے کے بعد ہی میں نے کھل کر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تم ویرا کا نام نہ لیتے تو میری زبان ہرگز کھلتی۔"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا

"مغرب میں جرائم کی دنیا سے موہوم سا رابطہ رکھنے والوں کے لیے بھی ویرا لائیڈ کا نام جانا بوجھا ہوتا ہے۔ تم شریف آدمی ہوتے تو ویرا کے نام پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کرتے۔ سفید فاموں میں ویرا' ایک مقبول نسوانی نام ہے۔ یورپ میں ہزاروں ویرائیں گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں۔"

ہماری باتوں کا وہ سلسلہ وہیں موقوف ہوگیا کیونکہ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ دوبارہ ہال میں داخل ہورہا تھا اور دوسرے دروازے سے' ہمارے چند ہم سفر افغان اندر آرہے تھے۔

مجھے ان دونوں کی میز کے گرد بیٹھا ہوا دیکھ کر' وہ تینوں دور ہی سے چونک پڑے۔ غنیمت یہ تھا کہ ہال میں دیگر لوگوں کی آمد شروع ہوتے ہی ایلن نے پلاسٹک کا بنا ہوا نقلی پستول' میز سے اٹھا کر اپنے نیکر کی جیب میں اڑس لیا تھا ورنہ دور سے اس میز کی پچویشن سنگین نظر آسکتی تھی۔

"ہماری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر تم لوگوں نے کیا چکر چلایا ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے اپنی پرانی میز کے قریب رکتے ہوئے' قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارے جانے کے بعد یہاں کئی حیرت ناک واقعات رونما ہوئے۔" ایلن نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "اغوا کی ایک واردات ہوتے ہوتے رہ گئی اور تمہارے ساتھی نے یک بیک انگریزی بولنی اور سمجھنی شروع کردی۔"

ایلن کے آخری فقرے پر وہ تینوں ہی چونک کر' تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں حیرت کے ساتھ ہی مستفسرانہ انداز بھی نمایاں تھا۔ ویرا سب سے زیادہ متعجب نظر آرہی تھی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے مغموم انداز میں اپنا سہلاتے ہوئے' انگریزی میں کہا۔ "ان دونوں نے انگریزی میں' میرے اغوا کی منصوبہ بندی کرنی شروع کی تو مجھے اضطراری طور پر رد عمل کا مظاہرہ کرنا پڑا۔ وہ ان دونوں کی ایک چال تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ ان کی چال کامیاب رہی۔ ویسے بھی ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ ویرا نے ان دونوں سے لطف لینے کے لیے' ہم تینوں کو انگریزی زبان سے لاعلم ظاہر کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ یہ دونوں کچھ زیادہ ہی کھل گئے۔"

میرے جواب نے ان تینوں پر پوری صورت حال واضح کردی۔ ویرا نے کوئی سوال کیے بغیر' سرسری لہجے میں کہا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ شاید یہ دونوں ہم لوگوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ یہ جرائم پیشہ لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ بعض اوقات ان کے خدشات درست بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم کچھ بھی کہتے اور کرتے رہے ہوں' ہمیں ان دونوں سے کوئی عناد نہیں ہے۔"

"عناد یا دشمنی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ ہمارے راستے جدا ہیں۔ سرحد عبور کرنے کے بعد ہم اپنی راہ ہولیں گے۔ یہ اپنے آقاؤں کے لئے جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہماری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" سلطان شاہ نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری گفتگو ایک نازک موڑ پر پہنچی ہوئی تھی۔" ایلن نے ویرا سے مخاطب ہوکر' معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم لوگوں کے آجانے سے ایک اہم بات تشنہ بلکہ ادھوری رہ گئی ہے۔"

اس اثنا میں' میں ان دونوں کی میز سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں میں آبیٹھا تھا۔ میں نے اس کی بات سنتے ہی اپنے ذہن پر زور دیا لیکن اس کے فقروں کا جواز پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بات ویرا کی ذات کے بارے میں ہورہی تھی اور میں نے اپنی بات مکمل کرلی تھی۔ ایلن نہ جانے کس ادھوری بات کا حوالہ دے رہا تھا۔

"اپنی تشنگی فوراً دور کرلو۔" مجھے خاموش پاکر' ویرا نے ایلن کو جواب دیا۔ "اس وقت ہم جلال آباد میں ہیں جہاں موت کسی بھی وقت نازل ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی وقت کوئی میزائل' ہوٹل کی دیوار کو پھاڑتا ہوا اس ہال میں آگرے اور اس کے دھماکے کے ساتھ تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں۔ تم مرنے کے بعد بھی اسی خلش میں مبتلا رہوگے....."

"تم میرے بارے میں بہت بے رحمانہ تبصرہ کررہی ہو" ایلن اس کی بات کاٹ کر بولا "یہ نہ بھولو کہ اس جنگ زدہ اور آسیبی شہر میں ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہمارے ساتھ کچھ ہوا تو تم بھی اسی انجام سے دوچار ہوکر رہوگی۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس سرزمین کے لیے لڑنے والے دونوں فریق بھاری اور تباہ کن ہتھیار استعمال کررہے ہیں۔ گولیاں بعد میں چلتی ہیں۔ پہلے بم پھٹتے ہیں جو پوری پوری عمارتوں کو پلک جھپکتے میں زمین بوس کردیتے ہیں۔"

"دراصل میں' ایلن سے کہہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھی کے بارے میں اس کا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے۔" پیٹر نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "اور یہ شخص جو خود کو تنویر کہتا ہے' میری اس بات کو بھی جھانسا قرار دے رہا تھا۔"

"ایلن کی رائے بتاؤ گے تب ہی فیصلہ ہوسکے گا کہ حقیقت کیا ہے۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔

تنومند اور دراز قامت افغان بیرے' ہمارے لیے کھانوں کی قابیں اور خالی پلیٹیں لے آئے اور انہیں قرینے سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگئے۔ گرم گرم کھانوں سے اٹھنے والی خوشبوئیں بہت بھلی اور اشتہا انگیز تھیں۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایلن بولا۔ "اگر یہ انگریزی سے ناواقف ثابت ہوتا تو میں زبان بھی نہ کھولتا لیکن اب مجھے پورا یقین ہے کہ یہ شخص تنویر نہیں بلکہ ڈینی ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کل تم دونوں میں گاڑھی چھن رہی ہے۔ شی کے بڑے' ڈینی کے خون کے پیاسے ہیں لیکن تم ذاتی طور پر اس کی دوست ہو اور اسے بہت عزیز رکھتی ہو' اسی وجہ سے شنگارا دیلی

کے اہم سفر میں ڈینی تمہارا ہم رکاب ہے۔"

میں نے ایک بے ساختہ قہقہہ لگایا اور کہا۔ "یہ میرے لیے عزت کی بات ہے کہ تم مجھے کسی بھی وجہ سے ڈینی سمجھ رہے ہو۔ وہ ویرا سے واقعی بہت قریب ہے لیکن بدقسمتی سے اس وقت ویرا کا ہم سفر نہیں ہے۔ میرا صحیح نام تنویر ہی ہے۔ اگر تم مجھے ڈینی کے نام سے مخاطب کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں" ویرا نے کہا "میرے حوالے سے ڈینی کا ذکر کرکے تم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تم کوئی معمولی چور اُچکے نہیں ہو۔ اپنے کام کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ ایک اچھے فری لانس ایجنٹ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس علاقے میں کام کرنے جارہا ہو' وہاں کے ممتاز اور طاقتور لوگوں سے باخبر ہو تاکہ نادانستگی میں ان سے ٹکراؤ نہ ہوسکے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ تنویر کی کس خوبی کی بنا پر تم اسے ڈینی سمجھ بیٹھے تھے؟"

"سنا ہے کہ اپنے نسلی پس منظر سے محرومی کی وجہ سے تمہارے ذہن میں کچھ گرہیں موجود ہیں۔" ایلن نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "اور تم اپنی برتری کے گھمنڈ میں مبتلا رہتی ہو۔ رنگ دار نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ تمہارا رویّہ' عام طور پر تحکم آمیز ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ تم جس طرح گھل مل کر رہ رہی ہو' اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی مرد تمہارا پسندیدہ ہے اور وہ ڈینی ہی ہوسکتا ہے۔"

"باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی' کھانا کھاؤ ورنہ یہ ٹھنڈا ہوکر بے مزہ ہوجائے گا۔" غزالہ نے اپنی خالی پلیٹ کو چمچے سے بجا کر ہم سب کو کھانے کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔ شاید میرے اور ویرا کے مراسم کے بارے میں' ایلن کی بے لاگ باتیں اسے گراں گزر رہی تھیں۔ میں خود بھی اس موضوع کو وہیں ختم کردینے کے موقعے کی تلاش میں تھا۔ میں نے ان دونوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"منہ میں پانی آرہا ہے۔" ویرا قابوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "ان مرغن اور لذیذ کھانوں کے ساتھ کوئی عمدہ سی وائن مل جائے تو کھانے کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔"

"اس ہوٹل میں وائن ہی نہیں' بیئر اور وہسکی بھی مل جاتی ہے۔" ویرا کی خواہش سن کر' ایلن ایک بار پھر اپنی ٹانگ اڑا بیٹھا۔ "جنگ کی لپیٹ میں آئے ہوئے تمام علاقوں میں ہر وہ اچھی اور بری چیز بہ آسانی مل جاتی ہے جو روسیوں کو مرغوب ہو۔ روسی شاید دنیا میں الکحل کے سب سے بڑے شیدائی ہیں۔ تم چاہو تو میں ابھی ریڈ وائن کی دو چار بہترین بوتلوں کا بندوبست کرواسکتا ہوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" ویرا نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ "فوراً کسی سے بات کرو۔"

ایلن اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"تم بہت بری طرح شراب کی لت میں مبتلا ہو۔" غزالہ نے نچلی آواز میں ویرا کو پھنکارنا شروع کردیا۔ "ہر وقت اور ہر جگہ شراب کی جستجو میں رہتی ہو اور تمہاری آڑ میں تنویر کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے وائن کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی۔" ویرا مسکرا کر بولی۔

"وائن میں ہوتا ہی کیا ہے؟" میں نے صفائی پیش کی۔ "اس میں الکحل کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ وائن کے بغیر' سفید فام شرفا کے ڈنر کا دسترخوان نامکمل تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اسے پانی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ بوتل معدے میں اترنے کے بعد ہلکا سا سرور آتا ہے جسے بلیک کافی کی ایک پیالی صاف کردیتی ہے۔ بعض....."

"بس!" غزالہ نے مجھ پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے انسائیکلو پیڈیا سنانے کی کوشش مت کرو۔ اس بارے میں' میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں لندن کے ایک پب میں بھی ملازمت کرچکی ہوں۔ پب کے مینیجر نے پہلے دن پورے پانچ گھنٹے تک مجھے یہی سمجھایا تھا کہ مختلف قسم کی شرابوں میں الکحل کی اوسط مقدار کیا ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے مل کر کیا اثرات پیدا کرتی ہیں۔ کاک ٹیل بنانے کے لیے یہ سب جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔"

"پھر کسی دن اپنے ہاتھ سے تیار کی ہوئی کاک ٹیل پلاؤ۔ عمدہ کاک ٹیل پیے ہوئے ایک مدت ہوگئی ہے۔"

"یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لندن اور برطانیہ کے دوسرے شہروں میں سیکھی ہوئی بہت سی باتیں میں وہیں بھول آئی تھی۔"

"ڈینی کی فرمائش پر بھی نہیں؟" ویرا نے سرگوشیانہ لہجے میں اصرار کیا۔

"ہمت ہے تو یہ فرمائش کرکے دیکھیں.... میں اس کے بعد ہی کوئی یقینی جواب دے سکوں گی۔"

ہمیں کھانا شروع کیے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایلن دوبارہ ہال میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے ایک سرخ و سفید' افغان لڑکا' تولیے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز لیے چلا آرہا تھا۔

ہماری میز کے قریب آکر اس نے تولیے سے نکال کر' ریڈ وائن کی دو بوتلیں میز پر رکھ دیں اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ ویرا نے اس غیر متوقع بندوبست پر ایلن کا شکریہ ادا کیا تو اس نے ویرا کو احتیاط کا مشورہ دیا۔

اس کے ایما پر میں نے کن انکھیوں سے ہال کا جائزہ لیا تو وہاں بیٹھے ہوئے افغان مسافروں کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ ان سب کی متجسس نگاہیں ہماری میز پر رکھی ہوئی بوتلوں پر مرکوز تھیں۔

مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں کوئی سر پھرا' کوئی بدمزگی پیدا نہ کردے۔ ویسے تو وائن ہوٹل والوں نے مہیا کی تھی اور اپنے دوسرے گاہکوں کے جذبات یا رد عمل پر قابو رکھنا' ان کا کام تھا لیکن میں اس مرحلے پر کسی بھی تکرار سے بچنا چاہتا تھا۔ میں نے

سختی سے وہ دونوں بوتلیں میز پر لنڈھا دیں۔
ویرا نے ایک بوتل کی سیل توڑ کر اپنا گلاس لبریز کیا اور منہ بند کر کے بوتل دوبارہ میز پر لٹا دی۔ میں نے غزالہ کی طرف دیکھے بغیر اپنا حصہ بھی لے لیا۔

ہمارے فارغ ہونے سے پہلے ایلن اور پیٹر کی میز پر بھی کھانا لگا دیا گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ غزالہ کچھ بے زار اور اکتائی ہوئی سی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے شکم سیر ہونے سے پہلے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا اور ہم تینوں کے اصرار کے باوجود مزید کھانا کھانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جلد وہاں سے اٹھ جانے کے موڈ میں تھی اور گردوپیش سے لاتعلق رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو ایلن نے ایک مرتبہ پھر ہم سے مخاطب ہونے کی کوشش کی لیکن غزالہ نے خشک لہجے میں اسے اپنے کھانے پر دھیان دینے کا مشورہ دے کر خاموش کر دیا۔
ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔

سلطان شاہ نے قہوہ پینے کی خواہش کا اظہار کیا تو غزالہ کرسی چھوڑ کر اٹھ گئی۔ "قہوہ کمرے میں منگوا لینا۔ میں اب بستر پر جانا چاہتی ہوں۔" ہمارے پاس اس کا ساتھ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

ہمیں اٹھتا ہوا دیکھ کر بیرا ہمارے قریب آپہنچا۔ غالباً وہ ہوٹل کے بل سے زیادہ اپنی ٹپ کے لیے فکر مند تھا۔ میں نے اسے بل کے ساتھ قہوہ کمرے میں بھجوانے کی ہدایت کی اور وہاں سے چل دیا۔

ہم نے شب بسری کے لیے اس ہوٹل میں ڈبل بیڈ والے دو کمرے مخصوص کرائے تھے جو ایک دوسرے سے ملحق تھے لیکن پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد ہم چاروں ایک ہی کمرے میں داخل ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ خاموش اور بھری بھری سی نظر آ رہی ہو" کمرے میں پہنچنے کے بعد ویرا نے ٹٹولنے والے انداز میں غزالہ کو چھیڑا "کہیں میری کوئی بات تو تمہیں ناگوار نہیں گزری ہے؟"

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔" غزالہ نے اداس اور مغموم لہجے میں کہا۔ "بلکہ میں تو کسی سے بھی شکوہ نہیں کر سکتی۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ماضی کی کہانیاں وقتاً فوقتاً اپنا رنگ دکھاتی رہیں گی اور میں اس کے سدباب کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔ یہ کسی کا نہیں، میری کم فہمی کا قصور ہے۔"

"تم کیوں آزردہ ہو رہی ہو؟" سلطان شاہ مضطرب ہو کر بولا۔ "اس وقت کس بات نے تمہیں پریشان کیا ہے؟"
غزالہ نے مجروح نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو میں دل ہی دل میں نادم ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"کمال ہے کہ سب کچھ سن لینے کے بعد بھی تم کو مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔" غزالہ اس سے کہہ رہی تھی۔ "اگر تمہاری ذات پر ہر وقت کسی اور کا سایہ چھایا رہے اور تم اسی سائے کو اپنی پہچان سمجھنے پر مجبور کر دیے جاؤ تو کیا تمہیں اپنے وجود اور اپنی ذات کے خالی پن کا احساس نہیں ستائے گا؟"

غزالہ کے اس پُرپیچ سوال پر سلطان شاہ کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ شاید اس نے بجا طور پر ایلن کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا لیکن ویرا کو صورتِ حال کا پورا پورا ادراک تھا۔ وہ فوراً ہی ہنس پڑی۔

"میں تمہارے کرب کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "تم نے اشارے کنائے میں بات کر کے بیچارے سلطان شاہ کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تم نے سائے کا ذکر کیا ہے مگر میں سائے سے بڑھ کر، ایک زندہ اور متحرک وجود کی مالک ہوں۔ اس وقت جو کچھ ہوا ہے، اس میں میری نیت یا ارادے کا ذرا بھی دخل نہیں تھا۔ وہ سب ایلن کی خیال انگیزی تھی۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ دنیا کی کوئی عورت یہ بات برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا مرد کسی دوسری عورت کے حوالے سے پہچانا جائے اور اس وقت تمہارے ساتھ یہی ظلم ہوا ہے۔ ایلن کی تردید کرنے کے باوجود، حقائق اپنی جگہ پر اٹل ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں جھٹلا سکتی۔ مگر میں حیران ہوں کہ میرے اور ڈینی کے بارے میں باتیں اتنی دور تک پھیل چکی ہیں کہ ایلن جیسا ایک اجنبی بھی میرے ساتھ کسی مقامی مرد کو دیکھ کر، اس کا نام ڈینی رکھ سکتا ہے۔"

"یہ ہوتا ہی آیا ہے۔" غزالہ زخمی لہجے میں بولی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم دونوں کے مراسم اتنے گہرے رہے ہیں کہ تم ایک دوسرے کی پہچان بن کر رہ گئے ہو۔ لیلیٰ کا ذکر آتے ہی ذہن میں مجنوں کا نام ابھر آتا ہے۔ جولیٹ کا نام لیا جائے تو فوراً رومیو کی ذات سامنے آجاتی ہے۔ اگر تم دونوں کے مراسم اتنے ہی گہرے تھے تو ڈینی کو میرے ساتھ محبت اور شادی کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں اکیلی رہ کر بھی دوسروں سے اپنا وجود منوا سکتی تھی۔"

"تم بھول رہی ہو کہ تم دونوں کی شادی، مکاؤ کے ڈون کوانگ فو نے زبردستی کرائی تھی۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے، مزاحیہ انداز میں کہا۔ "اور اس کام کے لیے ایک ڈرپوک چینی مولوی درآمد کیا گیا تھا۔"

میں اس موضوع کی سنگینی بھانپ رہا تھا۔ ویرا کا یہ بے تکا تبصرہ غزالہ کو برہم کر سکتا تھا اس لیے میں غیر ارادی طور پر بول پڑا۔ "ڈون کوانگ فو جیسے تلون مزاج اور خوں خوار آدمی کے سامنے بڑے بڑے سورما چوکڑی بھول سکتے ہیں۔ تم چینی مولوی کو ڈرپوک نہیں کہہ سکتیں۔ وہ ایک سلجھا ہوا، شریف آدمی تھا اور ہر شریف آدمی، بدمعاشوں سے ڈرتا ہے۔ ڈون کے حکم پر اس نے ہم دونوں کا نکاح نہ پڑھایا ہوتا تب بھی میں ایک نہ ایک دن غزالہ ہی سے شادی کرتا۔ ماضی کی لغزشوں پر اپنے دل کی گہرائیوں سے شرمندہ ہونے کے باوجود مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ زندگی کے کٹھن راستوں پر طویل سفر طے کرنے کے لیے میں نے پہلے ہی دن سے غزالہ کا تصور اپنے دل و دماغ میں سجایا ہوا تھا۔ ویرا اس بات کی گواہی دے گی کہ میری اس سوچ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔"

"یہ حقیقت ہے۔" ویرا نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ مجنوں والی مثال تم دونوں پر صادق آتی ہے۔ تم ہر بات پر ڈینی کی طرف دیکھتی تھیں اور ڈینی ہر وقت تمہارا دم بھرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم دونوں عام شہری تھے۔ اس لیے تمہاری گہری محبت خاموشی سے پروان چڑھتی رہی، اس کی کوئی تشہیر نہیں ہوئی۔ میں اپنے کردار کی وجہ سے بہت سے حلقوں میں جانی پہچانی جاتی تھی اور پھر میرے شب و روز پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی اس وجہ سے میری اور ڈینی کی دوستی کی غیر ضروری تشہیر ہوتی چلی گئی۔ اس شہرت کو اس وقت اور ہوا ملی جب ڈینی نے بھی شی کی مخالفت میں کمربستہ ہو کر زیرِ زمین دنیا کے سرکردہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔" وہ مسلسل غزالہ ہی سے مخاطب تھی اور کہہ رہی تھی۔ "ایلن جیسے لچے کی باتوں میں آکر تم بلاوجہ اپنا دل چھوٹا کر رہی ہو۔ ڈینی کی زندگی میں تمہاری حیثیت آسمان کی سی ہے جو اپنے ایک ہی روپ میں سدا، ہر جگہ سایہ فگن رہتا ہے۔ میرا کیا ہے؟ میں تو اس کی ایک دوست ہوں۔ آوارہ بادل کی طرح۔ بادلوں کو ہوائیں جدھر لے جاتی ہیں، وہ ادھر ہی چل پڑتے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہوتا۔ آج یہاں برس رہے ہیں تو کل کسی اور سبزے کو سیراب کر رہے ہوں گے۔ ان کی کوئی شناخت ہوتی ہے اور نہ وہ کسی کی پہچان بن سکتے ہیں...."

"بس، یہ فلمی ڈائیلاگ بند کرو۔" سلطان شاہ نے اچانک اس کی بات کاٹ دی۔ "آوارہ بادل اور آسودہ آسمان ہونہہ! معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کے بعد اب تم اپنی ڈفلی پر کوئی نیا راگ چھیڑنے والی ہو۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ ایلن نے ڈینی کو پہچان لیا ہے۔ ان حالات میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیے؟ اس وقت غزالہ نے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کل کے سفر میں اس موضوع پر دوبارہ بات کرے گا۔"

"اس کے بارے میں میرا ذہن صاف ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ جو کچھ سمجھتا ہے، سمجھتا اور کہتا رہے۔ میں اپنی بات پر اڑا رہوں گا کہ میں ڈینی نہیں، تنویر ہوں...."

"اور یہ حقیقت بھی ہے۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر، پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ لقمہ دیا۔ "اپنی بے روزگاری سے تنگ آنے کے بعد، تم نے شی میں شامل ہونے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو آج تم تنویر ہی ہوتے...."

"بدنام لوگوں کی دنیا میں نام کے بجائے عرفیت چلتی ہے لیکن حیرت ہے کہ تم ابھی تک ویرا ہی کہلاتی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج تک تمہاری کوئی عرفیت نہیں چل سکی۔"

"میرے لیے کوئی موزوں عرفیت تلاش کرنا آسان کام نہیں ہے۔" ویرا نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔ "بڑے بڑے برخولوں اور تقرے بازوں سے میرا واسطہ پڑتا رہا ہے لیکن کوئی بھی میرا نام نہیں رکھ سکا۔"

"میری دانست میں یہ دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر بے پروائی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں لوگوں کو اس فن میں مہارت نہیں ہے۔"

"تو اب تم اپنی فن کاری دکھا دو۔" ویرا نے جل کر کہا۔ "تم گورے تو کیا، پوری طرح کالے بھی نہیں ہو۔"

"باپ کا گناہ عرف بلیک کوئین۔" سلطان شاہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "اس عرفیت میں مبالغے کا سرے سے دخل ہی نہیں ہے۔ بس حقائق کو یکجا کر دیا گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ تبصرہ ویرا پر اس بری طرح چپکا کہ اس کا منہ بن گیا اور غزالہ کے لیے اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ سلطان شاہ نے مغربی ظلموں کے ناموں کو اردو قالب میں ڈھالنے والے نیم جاہل، مترجم سیٹھوں کی تقلید کر کے اس وقت ایک دلچسپ صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔

مگر میرا ذہن کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا اس لیے میں اس چویشن سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوسکا۔

ویرا نے میری بے روزگاری کا ذکر کرکے مجھے ان پرانی یادوں کی طرف دھکیل دیا تھا جو ذہن کے نہاں خانوں میں اس طرح جاسوئی تھیں کہ عرصۂ دراز سے ان کی کسک بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ گردشِ دوراں اور حالات کے بھنور میں پھنس کر میں اپنے ماضی کو بڑی حد تک فراموش کرچکا تھا اور ذہن پر یہ خیال سوار رہتا تھا کہ میں ہمیشہ سے ویسا اور وہی کچھ تھا جو اس وقت نظر آتا تھا۔

لیکن حقائق بہت سنگین اور دردناک تھے۔ باپ کی موت کا صدمہ اور سوتیلی ماں کے ستم سہنے کے بعد' جب میں اپنی سگی ماں کے محبت بھرے سائے سے بھی محروم ہوگیا تو مجھ پر اپنی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ مجھے اپنے شہر میں دو وقت کی روٹی میسر نہیں تھی۔ افلاس اور محرومی کے اس عالم میں' میں اپنا شہر چھوڑ کر کراچی پہنچا۔ اس شہر نے مجھے بہت سہارا دیا مگر مجھے ڈھنگ کا کوئی روزگار نہیں مل سکا۔ پھر میرے ساتھ وہی ہوا جو بیشتر مجبور و محروم نوجوانوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی ہورہا ہے۔ شی کے مقامی کارندوں نے مجھے اور میرے تین ساتھیوں کو نہایت پراسرار انداز میں اپنے نرغے میں لے لیا۔ نادر اور داؤد مرچکے تھے۔ بس جہانگیر زندہ تھا۔ وہ ان تمام چکروں سے آزاد ہوکر' قدرے متلاطم خانگی زندگی بسر کررہا تھا لیکن میں بدستور اپنی تقدیر کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ میں پے درپے جن ہوش ربا حالات سے دوچار ہوتا چلا جارہا تھا' ان کا سلسلہ کہیں بھی رکتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میں جرائم اور سازشوں سے لڑنے کے لیے زندہ تھا اور یہی جنگ لڑتے لڑتے' ایک دن مجھے بھی موت کی ان اندھی وادیوں کے سفر پر نکل جانا تھا جہاں میرے پرانے رفیق اور غم گسار مدتوں سے میرے منتظر تھے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے بے زاری سے میرا شانہ جھنجوڑ کر مجھے چونکا دیا۔ "تم نے سنا نہیں کہ تمہارا چہیتا کیا بکواس کررہا ہے؟ میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"

میں نے پُرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر غصّے کی تمتماہٹ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے خود ہی اسے طبع آزمائی کی دعوت دی تھی۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ مجھے گالیاں دینے لگے۔" وہ بپھر کر بولی۔ "میں خود ڈنکے کی چوٹ پر کہتی پھرتی ہوں کہ میرا وجود جمی لائیڈ کے ایک گناہ کا شاہکار ہے۔ وہ میرا باپ ہے مگر ہزاروں شہ زدروں اور خونیوں پر راج کرنے کے باوجود اس مردانہ جرأت سے محروم ہے کہ سرِعام مجھے اپنی بیٹی تسلیم کرلے لیکن میں کسی اور کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اس حوالے سے مجھے گالیاں دیتا رہے۔ میں ایسا کرنے والے کا منہ نوچ لوں گی۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کیا میں اپنی مرضی سے پیدا ہوئی تھی؟ کیا میں اپنی مرضی سے اپنی بن بیاہی ماں کی کوکھ میں جاگھسی تھی؟"

ویرا کے مزاج کی ترشی کو اعتدال پر لانے کے لیے اس بار مجھے دانستہ زور سے ہنسنا پڑا اور میں نے کہا۔ "تم بلاوجہ جذباتی ہورہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایلن نے چیغا سرائے کے ہوٹل میں بے ایمانی اور موقع پرستی کے موضوع پر قندوز خان کے سامنے جو تقریر کی تھی' وہ تمہارے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔ وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اپنے والدین کے انتخاب کے لیے اسے کوئی آزادی حاصل نہیں تھی۔ اس نے ماں کی کوکھ کی بھی کوئی بات کی تھی۔ اس وقت تم لاشعوری طور پر اسی کے جملے اور ترکیبیں استعمال کررہی ہو....."

"بھاڑ میں گیا ایلن اور میرا لاشعور!" اس نے تلملا کر میری بات اڑادی۔ "تم یہ بتاؤ کہ میری شکایت درست ہے یا میں غلطی پر ہوں؟ یہ کب تک مجھے اسی طرح ستاتا رہے گا؟"

اس کے تیور دیکھتے ہوئے' میں کھل کر سچ نہ بول سکا۔ میں نے گول مول الفاظ میں کہا۔ "تمہاری شکایت بالکل ٹھیک ہے لیکن سلطان شاہ بھی زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ کسی کا اصل نام بگاڑنے یا عرفیت دینے کے دو ہی مقاصد ہوتے ہیں۔ تعریف یا تضحیک و تذلیل۔ سلطان شاہ کی غلطی یہ ہے کہ اس نے دونوں کو ملادیا۔ وہ چاہتا تو تمہارے باپ کا ذکر درمیان میں لائے بغیر' صرف بلیک کوئین بھی کہہ سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں کی شادی سے پہلے یہ ذہنی کج روی ختم نہیں ہوسکے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر غرّائی۔ "میں اس بندر سے شادی کروں گی؟ میں کنواری مرجانا پسند کروں گی لیکن اس جیسے جاہل اور اجڈ مرد کو اپنی زندگی نہیں سونپوں گی۔"

"انشاء اللہ!" سلطان شاہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "تمہاری خواہش ضرور پوری ہوگی۔" ویرا کو سنا کر وہ بھی میری طرف متوجہ ہوگیا۔ "کان کھول کر سن لو کہ جو کچھ تم چاہ رہے ہو' قیامت تک نہیں ہوسکے گا۔ میں کسی عورت سے شادی کرلوں گا' اس عورت سے! چڑیلوں سے مجھے شدید نفرت ہے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے' نحیف و نزار آواز میں بولا۔ "جان بخش دو' میرا وہ مطلب نہیں تھا جو بیک وقت تم دونوں سمجھ رہے ہو۔ میں تمہاری آپس کی شادی کی بات نہیں کررہا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ جب تک تم دونوں کی' الگ الگ شادی نہیں ہوجاتی' تمہاری یہ بددماغی ختم نہیں ہوگی۔"

دونوں کے چہروں پر خفّت اور بوکھلاہٹ طاری ہوگئی۔ انہوں نے سٹپٹا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نظریں چار ہوتے ہی ویرا جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔ سلطان شاہ منہ بنا کر کھڑکی کے سامنے جاکھڑا ہوا۔

"اگر ہم لوگ اسی انداز میں' ایک دوسرے سے الجھتے رہے تو یقین رکھو کہ ایلن اور پیٹر کے ہاتھوں ہمیں کوئی بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ وہ دونوں بیک وقت ژیوڈ اسٹارز اور کرنل جیسی جونز کے لیے کام کررہے ہیں' ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔" غزالہ نے دھیمی مگر ملامت آمیز آواز میں کہا۔

"اس وقت وہ ہمارے سامنے بے نقاب ہوچکے ہیں۔ کم وبیش یہی حالت ہماری بھی ہے۔" ویرا نے کہا۔ "ڈیبی لاکھ تنویر ہونے کا دعویٰ کرتا رہے' ان لوگوں کے ذہنوں سے ڈیبی کا نام نہیں کھرچا جاسکتا لیکن سفر کے دوران میں وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ اسی طرح ہم بھی سرحد عبور کرنے کے لیے ان پر انحصار کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب تک ہم لوگ افغانستان میں موجود ہیں' ہمیں ایک دوسرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہاں' سرحد پار کرنے کے بعد ہمیں ہروقت ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ ہمارے قریب آکر' دوبارہ گفتگو میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "یہ فیکس اور تیز ترین مواصلاتی رابطوں کا دور ہے۔ وہ دونوں ہمارے بارے میں اپنے ساتھیوں کو باخبر کرسکتے ہیں۔ راستے بھر وہ ہمارے دوست بنے رہیں گے لیکن ہم اچانک ہی کہیں گھیر لیے جائیں گے۔ ہمیں ان خطرات کا ادراک کرنے کے بعد' ان کے سدباب کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ ہم نے غفلت برتی تو بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

"ویرا سے ہونے والی ہر جھڑپ کے بعد تمہارا ذہن بہت تیزی سے کام کرنا شروع کردیتا ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہاری بات معقول ہے۔ ہمیں ان دونوں کی سرگرمیوں کی نگرانی ضرور کرنی چاہیے۔" بات کرتے کرتے' میں جھلا کر خاموش ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سلطان شاہ میری طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ مسلسل' کمرے کے بند دروازے کی طرف گھورے جارہا تھا جیسے اسے وہاں کوئی عجیب و غریب چیز نظر آگئی ہو۔

اس کی محویت دیکھ کر میں بھی دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوگیا لیکن مجھے وہاں کوئی قابلِ ذکر چیز نظر نہیں آئی تو میں نے تیکھے لہجے میں اس سے پوچھا۔ "دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ میں تم سے بات کررہا ہوں اور تم اِدھر اُدھر متوجہ ہو۔ کیا پھر تمہاری کوئی رگ اپنی جگہ سے سرک گئی ہے؟"

اس نے اضطراری طور پر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کا وہ رویّہ چونکا دینے والا تھا۔ ان چند ثانیوں میں میری متجسس نگاہوں نے فرش اور دروازے کی درمیانی جھری کی روشنی میں وہ تاریک دھبّا دیکھ لیا جو غیر معمولی تھا۔

عام حالات میں وہ دھبّا محسوس ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ سلطان شاہ نے اسے نوٹ کرلیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ باہر کی روشن راہداری میں کوئی شخص ہمارے دروازے پر کھڑا ہوا' اندر کی سن گن لینے کی کوشش کررہا تھا اور اس کے سائے کے ایک حصے نے روشن جھری کے تسلسل کو توڑا ہوا تھا۔

سلطان شاہ نے دروازے کا ہینڈل گھما کر اتنی تیزی سے دروازہ کھولا کہ ہمارے دروازے پر کھڑے ہوئے وردی پوش بیرے کو سنبھلنے یا اپنی جگہ چھوڑنے کا موقع نہیں مل سکا۔ سلطان شاہ سے سامنا ہوتے ہی' اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔ سلطان شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گریبان تھاما اور اسے کمرے میں کھینچ کر' دروازہ دوبارہ بند کردیا۔ دراز قامت اور سرخ وسفید' افغان بیرے کے ہاتھوں میں ٹرے موجود تھی جس میں تین پیالیوں کے ساتھ چائے کے دیگر لوازم سجے ہوئے تھے۔ یوں مشتبہ انداز میں پکڑے جانے پر اس کے ہاتھوں پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوگئی تھی جس کا اثر ٹرے پر بھی پڑ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے اندر لانے کے بعد گریبان چھوڑ دیا تھا۔

"ہمارے دروازے پر تم کیا کررہے تھے؟" سلطان شاہ نے پلٹ کر' اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے' تیز لہجے میں سوال کیا۔ سوال کرتے ہوئے اس نے ٹی کوزی اٹھا کر اپنا اطمینان کیا کہ اس کے نیچے چائے دانی ہی موجود تھی اور ٹی کوزی دوبارہ ٹی پاٹ پر ڈھانک دی۔

اس وقت تک بیرے کا چہرہ خوف سے زرد پڑچکا تھا۔ لمحہ بھر تو وہ اس انداز میں سلطان شاہ کی طرف دیکھتا رہا کہ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں وہ اردو زبان سے نابلد ہی نہ ہو لیکن پھر اس نے اپنی خاموشی توڑ کر میرے خیال کی تردید کردی اور ہکلاتے ہوئے بولا۔ "سس..... صاحب! چائے لے کر آیا تھا۔"

"لیکن ہم نے چائے کا آرڈر نہیں دیا تھا۔" سلطان شاہ غرّایا۔ ویرا اس کے برابر جاکھڑی ہوئی تھی اور تحیرزدہ نظروں سے بیرے کو دیکھے جارہی تھی جیسے وہ انسان نہیں' کوئی عجیب الخلقت وجود ہو۔ غزالہ بھی اس واقعے پر بھونچکا رہ گئی اور اس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیل گئے۔ سلطان شاہ کا تیر کارگر رہا تھا۔ اس نے چائے کے آرڈر کی بالکل صحیح تردید کی تھی کیونکہ ہم نے ہال میں قہوے کا آرڈر دیا تھا۔

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس کمرے میں یہ ٹرے لے جاؤں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی ہے۔" وہ سر جھکا کر گھگیایا۔

"اگر چائے ہی لائے تھے تو خاموشی سے باہر کیوں کھڑے ہوئے تھے؟ دستک دے کر اندر کیوں نہیں آئے؟" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ ورنہ میں ابھی منیجر کو بلاتا ہوں۔"

اس نے فوراً ہی ٹرے ایک تپائی پر رکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لیے منیجر سے میری شکایت نہ کرنا۔ وہ مجھے اسی وقت نوکری سے نکال دے گا۔ میں نے بہت دنوں تک دھکے کھانے کے بعد یہ روزگار حاصل کیا ہے۔ جنگ نے سب کچھ تباہ کردیا ہے۔ دفتر اور کارخانے کھنڈر بنتے جارہے

ہیں۔ نوکریوں کا کال ہے اور دن بہ دن بے روزگاروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ میری نوکری چلی گئی تو میرا خاندان بھوکا مر جائے گا۔"

"خاندان کی اتنی فکر تھی تو دروازے پر کھڑا اپنی ایسی کی تیسی کیوں کرا رہا تھا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کے برہمی سے پوچھا۔ "ہوٹل میں بیرا گیری کر رہا ہے اور باتیں لمبی لمبی بنا رہا ہے۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "میرا تو خیال ہے کہ یہ بیرا ہی نہیں ہے۔ بیرے کی وردی میں باہر کا کوئی آدمی ہے جسے ہمارے لیے بھیجا گیا ہے۔"

"قسم بخدا' میں اسی ہوٹل کا بیرا ہوں۔" وہ تقریباً رو پڑا۔ "تم میری باتوں پر نہ جاؤ۔ میں نے کابل یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا ہوا ہے۔ وقت کی بات ہے کہ اپنے بچوں کو پالنے کے لیے میں یہ نوکری کر رہا ہوں۔ انعام کے لالچ نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میں تمہارے پیر پکڑتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

اس نے واقعی قالین پر گر کر سلطان شاہ کے پیر پکڑ لیے اور اپنا سر ان پر رگڑنے لگا۔

میں نے پیچھے سے اس کا کالر کھینچ کر' اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ "پوری بات بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے تھے؟ تمہیں کس نے بھیجا تھا؟ تمہیں انعام دینے والا کون ہے؟ تم نے اپنی زبان نہ کھولی تو پہلے ہم تمہاری کھال ادھیڑیں گے اور پھر تمہیں منیجر کے حوالے کر دیں گے۔" میں نے کہا۔

"مم... مجھے پچاس روپے دے کر تمہاری جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"کس نے بھیجا تھا؟" اس کے مزید بولنے سے پہلے ہی سلطان شاہ غرّایا۔

"پیخا سرائے سے آنے والی کوسٹر کے ڈرائیور نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ اسی کی تجویز تھی کہ میں چائے کی ٹرے لے کر تمہارے دروازے پر کھڑا رہوں۔ کوئی مجھے دیکھ بھی لیتا تو یہی سمجھتا کہ میں دروازہ کھلنے کے انتظار میں باہر کھڑا ہوا ہوں۔"

"یہاں سے واپس جا کر تم اس کے سامنے ہماری تمام باتیں دُہرا دیتے...؟" سلطان شاہ کا سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے خوف زدہ انداز میں اپنے سر کو نفی میں ہلانا شروع کر دیا۔ "تم وعدہ کرو کہ مجھے نوکری سے نہیں نکلواؤ گے تو میں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا۔" وہ بولا۔

ویرا نے مشتعل ہو کر اس کے پیٹ میں مُکا رسید کر دیا۔ "بدمعاش... چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر یہ حال ہے کہ اب ہم سے اپنی شرط منوانے کی کوشش کر رہا ہے...."

ویرا نے دوبارہ جارحانہ انداز میں اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔ اس کے ایک ہی مُکے نے اس پڑھے لکھے افغان بیرے کو دُہرا کر دیا تھا۔

منیجر تک یہ معاملہ لے جانے یا نہ لے جانے کا انحصار ہم پر ہے۔ تم صرف سچ بولو گے تو بچ سکو گے ورنہ ہم تمہارے بدن سے خون کی ایک بوند بھی بہائے بغیر' تمہیں معذور کر کے رکھ دیں گے۔" میں نے کہا۔

اس نے رحم طلب نظروں سے باری باری ہم سب کی طرف دیکھا پھر نحیف آواز میں بولا۔ "میں باہر رک کر تم لوگوں کی باتیں ریکارڈ کر رہا تھا۔ واپسی پر مجھے مزید پچاس روپے ملنے والے تھے۔"

سلطان شاہ اس کی جامہ تلاشی کے ارادے سے اس کی طرف لپکا لیکن وہ پیچھے سرکتے ہوئے جلدی سے بولا۔ "میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ کیسٹ ریکارڈر ٹرے میں ہے۔"

ہم سب کی توجہ ٹرے کی طرف مبذول ہو گئی لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

ہماری غصیلی نظروں کا سامنا کرنے سے پہلے ہی وہ دوبارہ بول پڑا۔ "ٹی کوزی ہٹا کر' ٹی پاٹ میں دیکھو' ریکارڈر ابھی تک چل رہا ہو گا۔ یہ مجھے واپس اسی کو پہنچانا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"

ہم سب ہی بیک وقت ٹرے پر جھک پڑے۔ ٹی کوزی کے نیچے سے برآمد ہونے والی چائے دانی بالکل ٹھنڈی پڑی ہوئی تھی۔ اس کا ڈھکنا اٹھایا تو وہ اندر سے بھی خشک پڑی ہوئی تھی لیکن اس میں سیاہ رنگ کا ایک مختصر سا ریکارڈر پڑا ہوا تھا جس میں دو ننھے ننھے سرخ نقطے روشن نظر آ رہے تھے۔

ویرا نے نہایت بے تابی سے چائے دانی کو الٹ کر وہ ریکارڈر اپنی ہتھیلی پر نکال لیا۔

جیبی سائز کا وہ کیسٹ ریکارڈر جاپانی ساخت کا تھا اور اس وقت بھی چل رہا تھا۔ ویرا کے لیے ایسے شعبدے نئے نہیں تھے وہ ان کے مصرف اور استعمال سے خوب واقف تھی۔ اس نے چند ننھے ننھے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور دوبارہ بیرے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیسٹ ری وائنڈ ہو لینے دو۔ اسے سننے کے بعد ہی پتا چل سکے گا کہ تم کتنی دیر سے باہر موجود تھے۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ اس وقت تمہاری گردن توڑ کر تمہاری لاش کسی مسہری کے نیچے ڈال دی جائے۔ جب تک تمہاری لاش میں پیدا ہونے والا تعفن لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے گا' ہم سرحد پار کر کے انسانوں کے سمندر میں گم ہو چکے ہوں گے۔"

وہ ایک بار پھر رو پڑا۔ اس بار اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

کیسٹ ری وائنڈ ہونے پر ایک خفیف سا کھٹکا ہوا اور پھر آلہ خود بخود چل پڑا۔

"میں تمہارے کرب کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔" اسپیکر سے ابھرنے والی' ویرا کی آواز دھیمی ہونے کے باوجود بھی صاف اور واضح تھی۔ اس وقت وہ غزالہ سے مخاطب تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم لوگوں کے کمرے میں پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی بیرا باہر آ موجود ہوا تھا۔

ویرا نے آواز بڑھا دی۔ وہ کوئی عام ریکارڈر نہیں تھا بلکہ بہت ہی حساس پرزوں پر مشتمل تھا۔ اس نے ہم لوگوں کے گہرے سانسوں کی ان موہوم آوازوں کو بھی مقناطیسی فیتے پر محفوظ کرلیا تھا جنہیں بیرا بھی نہ سن سکا ہوگا۔

کیسٹ میں محفوظ آوازیں سن لینے کے بعد بیرے کی حرکت کا مقصد واضح ہوچکا تھا اس لیے ویرا نے اسے بند کردیا مگر اسی لمحے ایک عجیب بات ہوئی۔ خوف زدہ بیرے نے اچانک اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور ویرا کے ہاتھ سے کیسٹ ریکارڈر چھینتا ہوا آگے نکل گیا۔ ہم سب ہی ہائیں ہائیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے لیکن اتنی دیر میں اس نے وہ کیسٹ ریکارڈر باتھ روم کی دیوار پروے مارا اور وہ ریزہ ریزہ ہوکر قالین پر بکھر گیا۔ پلاسٹک کے ٹکڑے اور چھوٹے چھوٹے برقی آلات دُور تک پھیل گئے۔ چھوٹے سیل لڑھک کر دور جاگرے۔ ٹیپ کا خول ٹوٹنے کی وجہ سے بادامی رنگ کا فیتہ مکمل کریری طرح الجھ گیا۔

بیرے نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ ہمارے قابو میں آنے سے پہلے، وہ کود کر، بکھرے ہوئے ٹیپ پر چڑھ گیا اور دیوانگی کے عالم میں اسے اپنے جوتوں سے مسلنے لگا۔

سلطان شاہ نے اس کا بازو پکڑ کر، اس کی گردن پر ایک ہاتھ جمایا تو وہ خالی خالی نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے، نیم ہذیانی لہجے میں کہنے لگا۔ ”اب تم مجھے نوکری سے نہیں نکلوا سکتے۔ میں نے یہ ثبوت تباہ کردیا ہے۔ تم اپنی شکایت کے ساتھ منیجر کو کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔ تم نے بات اس تک پہنچائی تو میں ہر بات سے صاف مکر جاؤں گا اور کہہ دوں گا کہ میں باہر سے گزر رہا تھا تو تم لوگوں نے مجھے زبردستی اپنے کمرے میں کھینچ لیا۔“

”بیٹے! تم بھول رہے ہو کہ ٹرے میں خشک اور صاف ستھری چائے دانی بھی موجود ہے۔“ سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”ویسے بھی تمہیں نوکری سے نکلوانے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ منیجر کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ اس کے چار گاہکوں کو تم سے سنگین شکایت ہے۔“

بیرے نے خوف زدہ نظروں سے اپنی لائی ہوئی ٹرے کی طرف دیکھا اور سلطان شاہ سے بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس وقت اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

میں ترحم آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ اضطرار کے عالم میں عجیب و غریب حرکات کرتا رہا اور ایک مرتبہ پھر خوشامدوں پر اتر آیا۔ ”تمہیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ۔ مجھے معاف کردو۔ میرے پیٹ پر لات نہ مارو۔ میں نے سب کچھ ختم کردیا۔ اب میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا پھر تم بھی مجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس بار میری نوکری گئی تو میں اپنے گھر والوں کو منہ نہیں دکھا سکوں گا۔ مجھے اپنے آپ کو ختم کرنا پڑے گا....“

مجھے اس کی ذہنی حالت پر ترس آنے لگا۔ انعام کے لالچ میں اس نے جو کچھ کیا تھا، وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد اس کے ذہن پر صرف ایک ہی خوف سوار ہو کر رہ گیا تھا کہیں وہ بے روزگار نہ ہوجائے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اس وقت وہی ایک خیال غالب تھا۔

”کیسٹ ریکارڈر توڑ کر تم نے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا“ ... نے کچھ دیر کے توقف کے بعد ملامت بھرے لہجے میں کہا ”ہم تم کو چھوڑ بھی دیں تو تم کوسٹر کے ڈرائیور سے نہیں بچ سکو گے ... خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پوری صورتِ حال جاننے کے بعد وہ مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ گولی مار دے۔“

”بس تم مجھے معاف کردو۔ اسے میں چکر دے دوں گا۔ ... وعدہ کرتا ہوں کہ اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔ بات بگڑ بھی گئی تو تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے ...“ گلوخلاصی کی امید پیدا ہوتے ہی اس کے چہرے پر بحالی کی لہر دوڑ ... اور آواز میں بھی تازگی آگئی۔

”تم اسے کیا چکر دوگے؟ ریکارڈر تو ٹوٹ ہی چکا ہے“ غزالہ نے گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

اس نے چند ثانیوں تک خاموش رہ کر اپنے خیالات کو یکجا ... پھر بتانے لگا ”میں اسے بتاؤں گا کہ میں نے اس کی ہدایت ... مطابق بیس منٹ تک تمہارے کمرے سے آنے والی آوازوں ... ریکارڈنگ کی پھر واپس چل دیا۔ واپسی پر ... سروس روم میں ... رکھ کر باتھ روم میں گیا تھا۔ شاید کسی نے اسی وقت چائے دانی ... سے ریکارڈر اڑا لیا۔ ہوٹل میں ایسی چھوٹی موٹی چوریاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکے گا۔“

میں اس کی مفروضہ کہانی سن کر حیران رہ گیا۔ آدمی ... مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو بظاہر پراگندگی میں مبتلا نظر آنے ... باوجود، اس کا ذہن اپنے حق میں مسلسل کام کرتا رہتا ہے۔ اس ... عذر واقعی سیدھا سادا اور بے داغ تھا۔ اسی لمحے میرے ذہن ... ایک نیا خیال آیا اور میں نے کہا ”شاید تمہارا یہ بہانہ چل ہی جائے مگر ہماری ایک شرط ہے۔ تم نے کوسٹر سے آنے والے دونوں گوروں کو دیکھا ہوگا؟“

”ہاں!“ اس نے اپنے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا ... ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔“

”بس، تو تم ڈرائیور سے یہ کہو گے کہ تم نے واپسی پر ... سروس روم میں نہیں بلکہ ان دونوں کے قریب والی ایک خالی ... چھوڑی تھی، ریکارڈر وہیں سے غائب ہوا ہے“ میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی ”اس طرح تو ڈرائیور کو ان گوروں پر شبہ ہوگا۔ وہ بھی اسی کی کوسٹر میں سفر کر رہے ہیں ... وہ ان سے پوچھ بیٹھا تو میرا کیا بنے گا؟“

”کچھ بھی نہیں۔ اوّل تو وہ ان سے نہیں پوچھے گا۔ پوچھ لیا تو وہ انکار کریں گے۔ ڈرائیور تم سے دوبارہ رجوع کرے تو ... سکتے ہو کہ چوری کرنے والے اتنی آسانی سے اپنی حرکت کا اعتراف نہیں کرتے۔ یہ زیادہ سے زیادہ رات بھر کی بات ہے۔ صبح کوسٹر یہاں سے روانہ ہوجائے گی۔ یہ رات تم ٹال مٹول میں گزار سکتے ہو۔“

”شاید تم ڈرائیور کو گوروں سے لڑانا چاہتے ہو!“ وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ پھر اس نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا ”خیر مجھے اس سے کیا؟ یہ تم لوگوں کی اپنی باتیں ہیں۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے مجھے معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تم بہت مہربان اور نرم دل آدمی ہو۔ اب میں جاسکتا ہوں؟“

میں نے سر کی جنبش سے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ سلطان شاہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ تیر کی طرح تپائی کی طرف گیا اور ٹرے اٹھا کر اتنی تیزی کے ساتھ کمرے سے گیا جیسے اسے ڈر رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہم اسے دوبارہ وہیں نہ روک لیں۔

”تم بھی نیچے چلے جاؤ“ میں نے سلطان شاہ سے کہا ”اور ایلین کے قرب و جوار میں منڈلاتے رہو۔ جب تک وہ دونوں اپنے کمرے میں نہ چلے جائیں، تم اوپر نہ آنا۔ ہم اسی کمرے میں رہ کر تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے۔“

”میرے ساتھ تم ویرا کو بھی کسی کام سے روانہ کرتے تو میں کوئی سوال کیے بغیر تمہارا مطلب سمجھ جاتا“ سلطان شاہ نے شوخی سے کہا ”ویرا یہاں رہ کر تمہارے رنگ میں بھنگ ڈالتی رہے گی....“

”تم بہت مردود اور بے لگام ہوتے جارہے ہو“ میں اس کی بات کاٹ کر غرّایا ”تم نے غزالہ کو اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے، اس کے سامنے تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔“

”آتی ہے مگر ذرا کم کم“ سلطان شاہ اچانک ہی موڈ میں آگیا تھا ”رشتے کے اعتبار سے تم میرے منہ بولے بہنوئی بھی ہو۔ مجھے کچھ مذاق کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ ویسے بھی ہر جوڑے کو کسی کسی وقت....“

”اب چپ رہو“ ویرا نے اسے خاموش کردیا ”میں تمہارے ساتھ نیچے چل رہی ہوں۔“

”تم نہیں جاؤ گی“ میں نے غصیلے لہجے میں احتجاج کیا ”سلطان شاہ کو اکیلا جانے دو۔“

”تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو“ وہ مجھے پچکارتے ہوئے بولی ”میں خود بھی تمہیں تخلیہ فراہم نہ کرتی لیکن یہ بے چارہ اکیلا ہوگا تو کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پورے ہوٹل میں چکراتا رہے گا۔ ہم دونوں مل کر ان بدمعاشوں کی بہتر نگرانی کرسکیں گے۔ تم دیکھ لو کہ غزالہ بھی یہی چاہ رہی ہے۔ کسی معصوم گائے کی طرح، سر جھکائے خاموش کھڑی ہوئی ہے۔ اب تم دونوں آرام کرو۔ میں جارہی ہوں، ٹاٹا“ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر آنکھ ماری اور سلطان شاہ کے پیچھے نکاسی کے راستے کی طرف چل دی۔ غزالہ کوشش کے باوجود کچھ کہنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

”خدا کی پناہ!“ ان کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”کبھی یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں اور کبھی مل کر ہماری مٹی پلید کرکے رکھ دیتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کیا خیالات موجزن ہیں۔“

”انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ایک نہ ایک دن یہ گتھی خود بہ خود سلجھ جائے گی۔“

میں نے معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا ”انہوں نے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا ہے تو ہمیں بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑنا پڑے گا۔ ہمیں اس فرصت کو غنیمت جان کر کچھ آرام کرلینا چاہیے۔“

”تمہارے ذہن پر ہمیشہ اور ہر وقت آرام کی دُھن سوار رہتی ہے۔ میں تمہارے آرام کا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں“ غزالہ نے سر جھکا کر ایک ادا سے کہا اور میں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میری گرفت سے بچ نکلنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ میرا ارادہ بھانپتے ہی اس نے مچل کر نکل جانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

”خدا خیر کرے، اب کون آگیا؟“ غزالہ فکرمندانہ لہجے میں ہولے سے بڑبڑائی۔

”تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔“ میں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے استفسار کیا تو پتا چلا کہ اس بار ہال میں ہمیں کھانا فراہم کرنے والا بیرا ہمارے لیے قہوہ لے کر آیا تھا۔ میں نے احتیاط سے دروازہ کھول دیا اور وہ فوراً ہی اندر آگیا۔

”اتنی دیر بعد تمہیں قہوے کا خیال آیا ہے“ میں نے بیرے سے تیزی سے کہا ”ہمارے دو ساتھی طویل انتظار سے اکتا کر باہر جاچکے ہیں۔ اب ہم چار پیالیوں کا کیا کریں گے؟“

”صاحب! میں معافی چاہتا ہوں“ اس نے سر جھکا کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ”کچن میں ہمارے ایک ساتھی پر کھولتے ہوئے دودھ کا برتن گر گیا تھا۔ سب لوگ اس کی دیکھ بھال میں لگ گئے تھے۔“

اس کا وہ عذر مسترد کرنا آسان نہیں تھا مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ کھولتے ہوئے دودھ کا برتن گرنے کا واقعہ اتفاقی نہیں تھا۔ کچن اور ہوٹل کے عملے میں جان بوجھ کر افراتفری پھیلائی گئی تھی تاکہ سب لوگ اپنی جگہیں چھوڑ کر جھلسنے والے کارکن کے گرد جمع ہوجائیں اور ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے والے کو اطمینان سے اپنا کام کرنے کا موقع مل سکے۔

آنے والے بیرے نے ٹرے میز پر رکھ کر، نہایت ادب کے ساتھ وہ پلیٹ میرے سامنے پیش کردی جس میں کھانے کا بل رکھا ہوا تھا۔ اس بل میں قہوے کی رقم بھی شامل تھی۔

ہوٹل میں حاصل کیے جانے والے کمروں کا پیشگی کرایہ ڈالروں کی صورت میں ادا کرنے کے نتیجے میں مجھے خاصی مقامی کرنسی واپس کردی گئی تھی اور وہ بل کی رقم سے کافی زیادہ تھی۔ میں نے جیب سے وہ ساری رقم نکال کر' گننے کے بعد پلیٹ میں ڈالی تو اپنی ٹپ کا حساب لگاتے ہی اس بیرے کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔ وہ مشینی انداز میں بار بار جھک کر مجھے سلام کرنے لگا۔

اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح وہ بھی ہولناک جنگ کی ہمہ جہت تباہ کاریوں کو بہت قریب سے دیکھ اور بھگت رہا تھا اور اسے عسرت و بدحالی کے اس دور میں پیسے کی قدر و قیمت کا خوب اندازہ تھا۔ ٹپ ملنے کے بعد اس نے ناقدانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور اس طرف بڑھ گیا جہاں چھوٹے سے کیسٹ ریکارڈر کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ اس بیرے کی مشرقیت تھی کہ توقع سے زیادہ ٹپ ملنے پر وہ احسان مندی کے جذبے سے زیربار ہو کر' اپنے طے شدہ فرائض کے علاوہ دوسرا کام کرنے پر بھی آمادہ ہوگیا۔ یہی واقعہ کسی آسودہ حال مغربی ویٹر کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو وہ ٹپ لینے کے بعد شکریہ ادا کرکے واپس چل دیتا۔ اس سے صفائی کی فرمائش کی جاتی تو وہ خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگاہ کرتا کہ کمروں کے فرشی قالین وغیرہ کی صفائی اس کے فرائضِ منصبی میں شامل نہیں ہے۔ وہ بہت زیادہ بامروت ہوتا تو بس اتنا وعدہ ضرور کرلیتا کہ فوری طور پر متعلقہ سپروائزر کو کمرے کی صفائی کی ضرورت سے آگاہ کردے گا۔

"میرا نام مرشد خان ہے۔ میں رات کو یہیں سوتا ہوں۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو مجھے بلوالینا۔ روم سروس والے مجھے نیند سے جگادیں گے" صفائی اور باتھ روم کے جائزے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ادب سے کہا۔ اس دوران میں ہم دونوں قہوہ پی چکے تھے۔

"ہماری کوسٹر کے ڈرائیور کی یہاں بہت جان پہچان معلوم ہوتی ہے۔ وہ عملے سے بہت گھل مل کر باتیں کررہا تھا" موقع پاکر میں نے اس سے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی "کیا وہ جلال آباد کا رہنے والا ہے؟"

"روشن خان ہرات کا رہنے والا ہے۔ وہ جب بھی طورخم کی طرف جاتا ہے تو اپنی کوسٹر کے مسافروں کو اسی ہوٹل میں لاتا ہے۔ اسے گرمیوں میں ٹھنڈا اور جاڑوں میں گرم کمرا دیا جاتا ہے۔ مفت کمرے کے علاوہ اس کے سارے اخراجات بھی ہوٹل کے ذمے ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں سے اس کے گہرے دوستانہ مراسم ہیں" مرشد خان نے بتایا۔

"وہ کوسٹر چلانے کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتا ہے؟" میں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

مرشد خان کے چہرے پر تذبذب کی علامات نظر آئیں۔ چند ثانیوں کی ہچکچاہٹ کے بعد وہ بولا "کہانیاں تو بہت سی ہیں لیکن اس کے بارے میں کسی کو زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس یہ سننے میں آیا ہے کہ مرشد خان پیسے لے کر مخبری کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس خراب دور میں بہت خوشحالی کی زندگی بسر کررہا ہے۔"

"مخبری؟" میں نے حیرت سے دُہرایا "وہ کس کے لیے اور کی مخبری کرتا ہوگا؟"

"پتا نہیں" وہ غیرارادی طور پر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں ہیں۔ کیا اس نے تم کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہے؟" آخری سوال اس نے چونک کر کیا تھا۔

"ارے نہیں" میں نے بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ کہا "وہ بے چارہ ہمیں کیوں ستائے گا۔ دراصل میں نے دو افغانوں کو اس کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ اس کی طرف سے پریشان تھے۔ اگر تم کچھ نہیں جانتے تو لعنت بھیجو۔ ہمیں اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنی چال بازیوں سے چار پیسے کماتا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے۔"

"صاحب! ایک بات بتادوں" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا "یہ افغان بہت مکار ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ہر جگہ سب ہی لوگ اچھے یا برے نہیں ہوتے۔ تم جب تک اس سرزمین پر ہو' بھول کر بھی مقامیوں کے کسی جھگڑے میں نہ پڑنا۔ بارہا ہوا ہے کہ مقامیوں کے جھگڑے میں کسی ایک فریق سے ہمدردی جتانے والے غیرملکی اپنی ساری پونجی سے محروم ہوگئے۔ ایسے موقعے پر' لڑنے والے افغان اپنا جھگڑا بھول کر کسی جونک کی طرح اپنے ثالث سے چمٹ جاتے ہیں۔ دھکم پیل اور مار دھاڑ کے بعد جب ثالث کے اوسان بحال ہوتے ہیں تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ لُٹ چکا ہے۔ مسلسل بے روزگاری اور فاقہ کشی سے تنگ آئے ہوئے لوگوں نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرلیے ہیں۔ ایسی دھوکے بازیوں میں وہ اپنی عورتوں تک کو شامل کرنے میں عار نہیں سمجھتے۔"

"تو کیا عورتیں بھی ایسی وارداتوں میں لوٹ مار کرتی ہیں؟" اس انکشاف پر غزالہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"ان کے چکر اور ہوتے ہیں۔" مرشد خان نے ٹالنے کے انداز میں کہا "وہ بری باتیں ہیں۔"

"یہی تو زندگی کے تجربات ہوتے ہیں' تم کھل کر بتاؤ عورتیں کس طرح لوٹتی ہیں؟"

اس نے شکست خوردہ انداز میں میری طرف دیکھا "یہاں جاننے والے کئی آدمی یہ شرمناک کام کررہے ہیں۔ وہ اپنا جہنم بھرنے کے لئے دوزخ کمانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ لوگ ان کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتے ہیں لیکن دل میں برا سمجھتے ہیں۔" اس نے ایک لمبی تمہید کے ساتھ کہنا شروع کیا "یہاں کی عورتیں عام طور پر صحت مند اور سرخ و سفید ہونے کے ساتھ خوبرو بھی ہوتی ہیں۔ ان کی لڑکیاں غیرملکیوں کی گھات میں رہتی ہیں اور جب کوئی شکار پھندے میں پھنس جاتا ہے تو وہ

معصومیت سے اپنے ٹھکانے پر لے آتی ہیں۔ وہاں اچانک اس کا کوئی اسلحہ بردار مرد پہنچ جاتا ہے اور اپنی غیرت و حمیت کے دونوں کو گولی سے اڑا دینے پر تُل جاتا ہے۔ غیرملکی کتنے بھی [...]ر اور زور آور ہوں' اجنبی زمین پر اپنا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں اور [...]ت خاموشی کے ساتھ اپنی جیبیں خالی کرکے بے نیل و مرام [...] جاتے ہیں۔ واردات کے اس نئے طریقے سے یہ لوگ بھاری [...] کما لیتے ہیں اور ان کی عورتوں کی عزت و عصمت بھی محفوظ [...]ی ہے لیکن رہزنی اور لوٹ مار کی ایسی وارداتیں کرنے والے [...] حال نہیں ہیں۔"

"ان کی لوٹی ہوئی لمبی لمبی رقمیں کہاں جاتی ہیں؟" میں نے [...]رے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں روز روز شکار نہیں ملتا۔ ہر طرف پھیلی ہوئی جنگ اور [...]ی کی وجہ سے یہاں خوش حال غیرملکیوں کا آنا جانا بھی ختم ہوگیا [...]ے۔ کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا مسافر آنکلتا ہے تو اس کی درگت [...]ی جاتی ہے۔ یہاں روس سے لڑنے والوں کی صفوں میں بھی [...]ت سے غیرملکی شامل ہیں' ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ کئی بار [...]ری لڑکیوں نے غلط فہمی میں ان نظربازوں کو بھی گھیرنے کی کوشش [...] لیکن آخر میں پتا چلا کہ وہ خود کنگال ہوتے ہیں اور لوٹ کے اس [...]ل پر گزارہ کرتے ہیں جسے وہ مالِ غنیمت قرار دیتے ہیں۔ اب [...]میار بند غیرملکیوں پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔ جب مہینوں میں ایک [...]ہ شکار ملتا ہو تو لڑکیوں کی آڑ میں لوٹ مار کرنے والوں میں خوش [...]الی کیسے آسکتی ہے۔"

روشن خان کی سرگرمیوں سے شروع ہونے والی گفتگو بظاہر [...]ے مقصد ہوچلی تھی مگر میری نگاہ میں اس کی بھی اہمیت تھی۔ مجھے [...]انستان کے جنگ زدہ علاقے اور لوگوں کے بدلے ہوئے کردار [...]ے بارے میں جستہ جستہ معلومات حاصل ہورہی تھیں۔ وہ جنگ کا [...]زہ بلکہ مرکز و محور تھا۔ وہاں رونما ہونے والے واقعات کے منفی [...]رات تو کراچی جیسے دور دراز مقام تک بھی محسوس کئے جارہے [...]ے۔ اس جنگ نے علاقے میں پیسے کی اہمیت کو ضرورت سے زیادہ [...]اگر کیا ہوا تھا۔ بہت سے لڑنے والے اپنے فاضل ہتھیار اور [...]ڑین سستے داموں بیچ کر رقوم حاصل کرنے پر تلے رہتے تھے۔ [...]ملی میں اضافے کے لئے ہر ملک اور خان اپنے علاقے میں افیم [...]ے ہیروئن کی تیاری پر زور دیتا تھا۔ اس طرح ہیروئن اور غیرقانونی [...]ہتھیار بہت تیزی کے ساتھ ملحقہ سرحدیں عبور کرکے کراچی تک [...]پہنچ رہے تھے جہاں کے آسودہ حال معاشرے کے مادیت پرست اور [...]جرائم پیشہ عناصر ان اشیا کے بھاری دام ادا کرنے کی استطاعت [...]رکھتے تھے۔ لڑائی جلال آباد' کابل' قندھار' مزار شریف اور ہرات کے علاقوں میں لڑی جارہی تھی لیکن اس کے سائے بحیرۂ عرب کے ساحل پر آباد' کراچی کی بستی پر پڑ رہے تھے جو میدانِ جنگ سے ہزاروں میل دور بسی ہوئی تھی۔ میں عالمی بساط پر منشیات اور مافیا کو قوت و وسائل فراہم کرنے والے خطے میں بیٹھ کر وہاں کی اجنبی کہانیاں

سن رہا تھا۔ میرے لئے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ جلال آباد کے غزنی ہوٹل کے شاید تمام ہی بیرے تعلیم یافتہ اور شائستہ تھے۔ ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش کرنے والا سیاسیات میں ایم اے تھا اور مرشد خان بھی اپنے لب و لہجے اور معلومات کی بنا پر پڑھا لکھا معلوم ہورہا تھا۔ یہ بھی جنگ کا نتیجہ تھا کہ پڑھے لکھے 'غیور افغان نوجوانوں کو اپنی گزر بسر کے لئے دوسروں کی بخشش کا سہارا لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ میں نے مرشد خان سے اس کے تعلیمی پس منظر کے بارے میں دانستہ کوئی سوال نہیں کیا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مرشد خان سے دیر تک باتیں کرتا رہوں لیکن غزالہ کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار دیکھ کر میں اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ اخلاق و شرافت سے عاری' اس جنگی ماحول میں بھی عزت سے اپنی روزی کما رہے ہو....." میں نے بات ختم کرنے کی نیت سے کہنا شروع کیا لیکن اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔

"میں خوش نصیب ضرور ہوں لیکن صرف اس لئے کہ مجھے یہ نوکری ملی ہوئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں آج بھی بے روزگار ہوتا تو کیا کررہا ہوتا۔ شاید دوسرے لوگ تم کو میری کہانیاں سنا رہے ہوتے۔" وہ فقرے ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ خود بخود تلخ ہوتا چلا گیا "پوری قوم کو جنگ کا ایندھن بنانے والوں نے صرف اپنی فتح کے خواب ہی دیکھے تھے۔ انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ چند ہفتوں میں اپنے ہدف حاصل نہ کرسکے تو انجام کیا ہوگا۔ آج ہم اپنے رہنماؤں کی اسی کور چشمی کا بھیانک عذاب جھیل رہے ہیں۔"

"یہ برے دن بھی جلد ہی گزر جائیں گے۔" میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا "تم لوگوں نے امید کا دامن نہ چھوڑا اور حوصلے سے کام لیتے رہے تو ایک دن تم بھی آزمائش کی اس بھٹی

سے کندن بن کر سرخرو نکلو گے۔ قوموں کی تاریخ میں ایسا کڑا وقت آتا ہی رہتا ہے۔ ایسے حالات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

"کاش ایسا ہو سکے!" اس نے سر جھکا کر کہا اور میرا اشارہ سمجھ کر بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف چل دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ وہ ٹل گیا۔" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی باتوں میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی دیکھ کر مجھے تو خدشہ ہونے لگا تھا کہ تم ساری رات اسی کے ساتھ باتوں میں گزار دو گے۔ ویرا اور سلطان شاہ کو گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی ہے ہمیں ان کی بھی خبر لینی چاہئے۔"

"وہ دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تمہیں ان کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم ویسے ہی بہت نازک سی لگتی ہو۔" میں نے اٹھ کر اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد ڈال دیا "اب فرصت کے باقی لمحات ہم آپس کی باتوں میں گزاریں گے۔ کیا پتا زندگی میں دوبارہ ادھر آنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔"

"دور بیٹھ کر شرافت سے بات کرو۔" غزالہ نے مجھے دھکیلتے ہوئے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

میں اسے ازدواجی شرافت کی حدود کے بارے میں کچھ بتانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک ہولناک دھماکے سے ہمارے کمرے کا فرش لرز اٹھا اور کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ غزالہ سہم کر میرے سینے سے لگ گئی۔

وہ کسی طاقتور بم کا دھاکا تھا جو ہوٹل کے قرب و جوار میں ہوا تھا۔ اگر ہوٹل کی عمارت کو نشانہ بنایا گیا ہوتا تو اس کا ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہونا یقینی تھا۔ دھماکے کے ساتھ ہی باہر سے متعدد خوف زدہ چیخوں کا شور سنائی دیا پھر راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کا شور گونجنے لگا۔ ساتھ ہی شہر کے کسی حصے سے فائرنگ کا شور بھی ابھرنے لگا۔

وہ تمام واقعات تواتر سے ہوتے چلے گئے۔ برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ بدستور منقطع تھا۔ میں غزالہ کو اپنے پیچھے لے کر سنبھلتا ہوا' دروازے کی طرف بڑھا تاکہ باہر نکل کر اس ناگہانی افتاد کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں۔ میں نے دروازہ کھولا تو راہداری گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اِکا دُکا دہشت زدہ مسافر راہداری میں دوڑ رہے تھے۔ بھاگنے والوں کی دہشت زدہ آوازوں میں نسوانی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

خوف و دہشت کے عالم میں وہ سب اپنی مادری زبان میں بول رہے تھے۔ اس لئے میرے پلے نہ پڑ سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ میں نے اپنا دھڑ باہر نکالا ہی تھا کہ دیوار کے ساتھ دوڑتا ہوا ایک بھاری وجود مجھ سے ٹکرایا اور چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ میں گھبرا کر فوراً ہی اندر سمٹ گیا اور پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے ٹکرانے والا لڑنے مرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ چند ثانیے اسی طرح گزر گئے کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہاں نفسا نفسی کا عالم تھا کسی کو اپنے سر پیر تک کا ہوش نہیں تھا تو ٹکرانے والا مجھے یہاں تلاش کرتا۔

میں نے دوبارہ دروازہ کھول دیا لیکن باہر نکلنے کے بجائے اندر ہی رکا رہا۔

"یہاں کیوں اڑ کر کھڑے ہو گئے؟ باہر نکلو نا۔" غزالہ میری پسلیوں میں ٹہوکا دے کر منمنائی۔

"اس وقت باہر نکلے تو کسی بدحواس افغان کی زد میں آ کر ہم اپنا ہاتھ منہ تڑوا بیٹھیں گے۔ اس منزل پر زیادہ لوگ نہیں ہیں' تھوڑی دیر میں راہداری صاف ہو جائے گی تو اطمینان سے باہر نکلیں گے۔" میں نے مڑ کر کہا۔

"تم ان بھیانک لمحات میں بھی اطمینان کی بات کر رہے ہو؟" غزالہ کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ہم جنگ کی زد میں آئے ہوئے ایک شہر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہاں ایسے دھماکے ہوتے رہتے ہوں گے۔ چیغا سرائے سے آنے والے بلاوجہ دہشت زدہ ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چھاپا ماروں نے ہوٹل سے ملحقہ علاقے میں کوئی تخریبی کارروائی کی ہے۔ یہ اندھیرا بھی اسی کارروائی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں راہداری ویران ہو گئی۔ وہاں کسی متنفس یا آواز کا کوئی سراغ باقی نہیں رہا تھا۔ مسافروں کی پھیلائی ہوئی افراتفری میں ہوٹل کا عملہ بھی وہ فلور چھوڑ گیا تھا۔ میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر تاریک راہداری میں رینگ گیا۔

ہم دونوں دیوار کے سہارے ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ کئی جگہ' بھاگنے والوں کے چھوڑے ہوئے جوتے اور دیگر چیزیں ہمارے پیروں سے ٹکرائیں مگر ہم اپنی محتاط روی کی وجہ سے کسی حادثے سے دوچار ہونے سے بچے رہے۔

ہم زینے طے کر کے نیچے پہنچے تو ہوٹل میں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں چند لائٹرز اور دیا سلائیوں کی یرقان زدہ روشنیاں کانپ رہی تھیں۔ ہوٹل کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے باہر بھی مکمل تاریکی کا راج تھا۔ برقی رو کی فراہمی میں پیدا ہونے والے خلل سے کافی بڑا علاقہ متاثر معلوم ہو رہا تھا۔

غزنی ہوٹل میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بیک وقت اتنے آدمی سما سکیں اس لئے وہ بھیڑ ریستوران کے ہال میں جمع ہو گئی تھی۔ لوگ میزوں کے درمیان ٹولیوں کی شکل میں جمع تھے۔ ہمارے پہنچنے تک ہوٹل کے عملے نے چند میزوں پر موم بتیاں روشن کر دیں اور کوئی اونچی آواز میں کچھ بولنے لگا۔ پھر بولنے والا ایک میز پر چڑھ گیا۔ وہ ہوٹل کا منیجر تھا۔ اس کے ہاتھوں کے مسلسل اور خوشامدانہ اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پشتو میں سب لوگوں سے میزوں کے گرد بیٹھ جانے کی اپیل کر رہا تھا لیکن مجمع پر اس کی اپیلوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ باہر سے آنے والی فائرنگ کی آوازوں سے متوحش تھے۔

سی اثنا میں مجھے ایلن کی جھلک نظر آئی اور میں بھیڑ میں راستہ بنا کر دھیرے دھیرے اس کی طرف کھسکنے لگا لیکن اسی وقت غزالہ نے مجھے روک لیا۔ اس کے ایما پر میں نے داہنی طرف دیکھا تو ہوٹل کے دور افتادہ سرے پر ویرا اور سلطان شاہ دیوار سے لگے نظر آئے۔ موم بتیوں کی ناکافی روشنی میں ان کے چہروں سے کسی پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنا رخ بدل لیا اور ان دونوں کی طرف بڑھنے لگا۔

ہمارے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی ہوٹل کے اندرونی حصے میں روشنی نظر آئی جو بتدریج تیز اور واضح ہوتی چلی گئی پھر ہوٹل کے دو ملازمین' اپنے سروں پر پٹرومکس لیمپ لئے نمودار ہوئے اور تاریک ہال کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔ وہ دونوں روشن لیمپ اونچی اور مناسب جگہوں پر رکھ دیے گئے۔ منیجر تھک ہار کر میز پر سے اتر گیا تھا۔ اِکا دُکا افغان مرد اور سہمی ہوئی خواتین کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں لیکن بیشتر مرد کھڑے ہوئے تبادلۂ خیال میں مصروف تھے۔

پٹرومکس لیمپ آتے ہی ویرا نے ہمیں دیکھ لیا اور ہم چاروں اس سمت کی آخری میز کے گرد جم گئے۔

"یہ جلال آباد میں اہم واقعات کی رات معلوم ہوتی ہے۔" بیٹھنے کے بعد ویرا بڑبڑائی۔

"کن واقعات کی بات کر رہی ہو؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"بے چاری میری کہی ہوئی بات اگل رہی تھی۔" اس سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا "منیجر ابھی میز پر چڑھ کر پشتو میں تقریر کر رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ مزاحمت کرنے والوں نے ایریا وار کونسل پر کوئی بڑی کارروائی کی ہے۔ وہ لوگوں سے پُرسکون رہ کر ہوٹل کی حدود میں ٹھہرے رہنے کی اپیل کر رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس وقت جو بھی باہر نظر آیا وہ دونوں میں سے کسی فریق کے ہاتھوں بھون ڈالا جائے گا۔"

"اسے کیسے پتا چلا کہ ایریا وار کونسل پر کارروائی کی گئی ہے؟" میں نے پوچھا "نام سے تو یہ کوئی سرکاری ادارہ معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس پر بھی روسی قابض ہوں۔"

"وہ کیا ہے اور اس پر کون قابض ہے' یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ منیجر کا کہنا ہے کہ ہوٹل کو اس سب اسٹیشن سے بجلی فراہم کی جاتی ہے جو ایریا وار کونسل کی عمارت کے احاطے میں واقع ہے۔ دھماکے کے ساتھ بجلی غائب ہونے کی وجہ سے اسے شبہ ہے کہ اس عمارت کے کسی حصے کو اڑا دیا گیا ہے۔"

"منیجر اس ہڑبونگ سے خاصا بوکھلایا ہوا ہے۔ اسے گھیر کر ادھر لاؤ تاکہ مزید کچھ معلومات مل سکیں۔" میں نے کہا "اس سے ذرا سی ہمدردی جتا کر تم اسے اپنا دوست بنا سکتے ہو۔ پوری بھیڑ میں وہ اکیلا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مقدر آزمائی کئے لیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"بم اسی ہوٹل میں پھٹا ہوتا تو ہمارے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔" میں نے جل کر کہا۔

"بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات پر چڑ جاتے ہو۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ایلن نے تھوڑی دیر پہلے ہوٹل میں فیکس مشین کی موجودگی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں کچھ لکھنے میں منہمک ہو گئے تھے۔ دھماکے کی وجہ سے ان کا کام ادھورا رہ گیا۔ اب جب تک بجلی نہیں آ جاتی وہ فیکس مشین استعمال نہیں کر سکتے۔ باہر نکلنے کے خطرات کے بارے میں منیجر بتا ہی چکا ہے۔ شہر کی سڑکوں پر اس وقت صرف لڑنے والوں کا راج ہے۔ وہ کسی کو بھی دیکھتے ہی باڑھ پر لے لیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر وہ اتنے احمق نہیں ہیں کہ بجلی بحال ہونے کا انتظار کرتے ہوئے وقت گزار دیں۔ وہ فون پر بھی اپنے لوگوں سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ فون کا بجلی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" غزالہ نے جواب دیا۔

ویرا دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "تمہاری عقل کام کر رہی ہے تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ دھماکے سے ٹیلی فون کی لائنوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ غزنی ہوٹل کے تینوں فون بے جان ہو چکے ہیں۔ باہر کی صورتِ حال کے بارے میں منیجر کسی سے کوئی رابطہ نہیں کر سکا۔ اندھیرا چھٹنے سے پہلے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ایریا وار کونسل پر کیا گزری ہے۔"

وہ اطلاع واقعی اہم تھی۔ بجلی بحال ہو بھی جاتی تو فون ناکارہ ہونے کی وجہ سے کسی سے کوئی رابطہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس صورتِ حال سے ہم سراسر فائدے میں تھے۔ اگلی صبح ہم ہوٹل سے روانہ ہو جاتے اور ان دونوں کو ہمارے بارے میں کسی کو باخبر کرنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ اگلی رات کے اندھیرے میں سرحد پار کر لینے کے بعد ہم انہیں جل دے کر غائب ہو جاتے اور وہ محرومی کے عالم میں اپنے سر پیٹتے رہ جاتے۔

روشنی ہو جانے کے بعد لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے لیکن ان کے خوف اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آسکی تھی۔ اس بھیڑ میں کئی چہرے ایسے بھی تھے جو کوسٹر میں ہمارے ہم سفر نہیں تھے' میرا خیال تھا کہ وہ لوگ ہماری آمد سے قبل اس اقامتی ہوٹل میں مقیم رہے ہوں گے۔

آخرکار ہمیں سلطان شاہ اپنی طرف لوٹتا ہوا نظر آیا۔ ہوٹل کا منیجر اس کے ساتھ تھا۔ ایلن اور پیٹر بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ان دونوں بدمعاشوں کو آتا ہوا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

آنے والے خالی کرسیاں لے کر ہماری ہی میز کے گرد آ گئے۔ ہم نے پیچھے سرک کر دائرہ بڑھا لیا۔

"اس بھیانک صورتِ حال کے بارے میں ہم بالکل اندھیرے

میں تھے۔" ایلن نے بیٹھتے ہی وضاحت پیش کر ڈالی "یہاں ساری گفتگو مقامی زبان میں ہو رہی ہے۔ ابھی سلطان نے ہمیں تھوڑی بہت معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم مزید معلومات حاصل کرنے کی امید میں یہاں آئے ہیں۔ ویسے بھی ہم سب ایک ہی کشتی بلکہ کوسٹر کے سوار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم برا نہیں مانو گے۔" اس نے اپنے مدعا کے اظہار کے لئے بگڑی ہوئی اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی استعمال کی تھی۔

"اگر تم امید سے ہو تو یہ کون سا مہینہ ہے؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے خالص اردو میں پوچھا۔

"تواں!" ایلن نے حیرانی سے کہا "لیکن امید کا مہینے سے کیا تعلق ہے؟"

"کوئی امید سے ہو تو اس کی امید نویں مہینے سے پہلے بر نہیں آتی۔" ویرا نے اتنی برجستگی سے جواب دیا کہ ہوٹل کا منیجر مضمحل اور پریشان ہونے کے باوجود بے ساختہ ہنس پڑا۔

"کمال ہے کہ تم لوگ ایسے سنگین ماحول میں بھی ایسا مذاق کر رہے ہو۔" وہ تعریفی لہجے میں بولا۔ پوری بات سمجھ میں آنے کے بعد ایلن بھی کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا اور تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے خوف زدہ افغان یوں چونک کر اسے گھورنے لگے جیسے انہیں اس کے ذہنی توازن پر شبہ ہو رہا ہو۔

ویرا نے فوراً ہی ایلن کو ٹوک دیا "اب دانت بند کر کے بیٹھو تاکہ ہم بات چیت کر کے موجودہ صورتِ حال کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں۔ ہمارے قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ تمہیں حیرت اور غصّے سے گھور رہے ہیں۔"

اس ہال میں پٹرومکس لیمپس کی روشنی پھیل جانے کے بعد باہر پھیلا ہوا اندھیرا کچھ زیادہ ہی گہرا اور ہیبت ناک نظر آنے لگا تھا۔ رات کے مہیب سناٹے میں ابھرنے والی فائرنگ کی آوازیں بدستور فضا میں موت کے آسیبی نغموں کی طرح گونج رہی تھیں۔ ہماری میز کے گرد بیٹھے ہوئے افراد کے علاوہ بقیہ سب لوگ اس صورتِ حال سے فکرمند نظر آ رہے تھے۔

"وہ دھماکا کیسا تھا؟" جمود توڑنے کے لئے میں نے منیجر سے سوال کرنے میں پہل کی۔

"وہ کوئی بہت طاقتور بم تھا۔" منیجر سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد بولا "میرا خیال ہے کہ آج رات ایریا وار کونسل کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ مزاحمت کرنے والے ایک مدت سے اس عمارت کے دشمن ہیں۔"

"میں کسی اور سے بھی یہی بات سن چکا ہوں۔" میں نے گہری دلچسپی کے ساتھ کہا "یہ ایریا وار کونسل کیا بلا ہے؟"

"اس کا اصل نام فرینڈشپ ہاؤس ہے۔" منیجر نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے کہا "وہ کئی ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی عمارات پر مشتمل ہے۔ گڑبڑ شروع ہونے سے پہلے وہاں روسی قونصلیٹ کے دفاتر ہوا کرتے تھے۔ بعد میں وہاں ایریا وار کونسل کا مرکزی دفتر قائم کر دیا گیا۔ یہ کونسل اس علاقے میں جنگی کارروائیوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ وہاں ہر وقت ہزار' آٹھ سو روسی فوجی رہتے ہیں۔ شمال سے آنے والے روسی فوجی دستے چند روز تک وہاں آرام کرنے کے بعد اندرونی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے آج تک کوئی تخریبی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آج مزاحم فوج کا وار کامیاب رہا ہے۔ روسی فوجی کاہل اور آرام طلب ہونے کے باوجود بہت منتقم مزاج ہیں۔ اس وقت وہ اپنے سامنے آنے والے ہر افغان کو بھون ڈالیں گے۔ اگر انہیں زیادہ نقصان پہنچا ہے تو جلال آباد کے باسیوں کے لئے' آنے والے چند روز بہت بھاری ہوں گے۔ محض شبے کی بنا پر ہمارے بے شمار نوجوان مار دیے جائیں گے۔"

"ایریا وار کونسل کو مقامی حکومت کے تابع ہونا چاہئے' اس پر روسی کیوں قابض ہیں؟"

منیجر تلخی سے ہنس پڑا اور کہنیوں کے بل میز پر جھک کر نیچی آواز میں بولا "یہ سوال کسی اور سے نہ پوچھ بیٹھنا۔ ان الفاظ سے بغاوت کی بُو آتی ہے۔ آج کل حکومت اور روسی طاقت کو ایک ہی سکّے کے دو رخ قرار دیا جاتا ہے۔ موجودہ حکمرانوں کو روسی ٹینکوں اور توپوں کی پوری پشت پناہی حاصل ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں پھنس کر رہ جائیں گے؟" پیٹر نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ اس کی بگڑی ہوئی اردو میں انگریزی کے کسی لفظ کی ملاوٹ نہیں تھی "سنا ہے ہوٹل کے فون بھی ناکارہ ہو گئے ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ صرف فون ہی خراب ہوئے ہیں جو دو چار دن میں بحال ہو جائیں گے۔" منیجر نے کہا "بعض علاقوں میں تو مہینوں سے شہری سہولتوں کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہے۔ آب رسانی اور گندے پانی کی نکاسی کے نظام تک تباہ ہو چکے ہیں اور لڑائی ختم ہونے سے پہلے ان کی مرمت کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ روسی کُتّے رات بھر ٹینکوں پر سوار ہو کر شہر میں دندناتے رہیں گے۔ کچھ مکانوں کو روندیں گے' چند لڑکوں کے چیتھڑے اڑائیں گے' بہت سے لوگوں کو پکڑ کر اپنے ٹارچ سیل میں ڈالیں گے۔ صبح تک بہت کچھ معمول پر آ جائے گا۔ کوئی اور غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو صبح تم لوگوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب لوگ کب تک اس ہال میں بیٹھے رہیں گے۔"

"اندھیرے کمروں کے مقابلے میں یہ روشن ہال ڈراونا نہیں لگ رہا۔ اپنے خوف و ہراس پر قابو پانے کے بعد جب ان پر تھکن کا حملہ ہو گا تو یہ خود ہی اپنے بستروں کی راہ لیں گے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

پھر ہال میں یکلخت سناٹا چھا گیا اور فضا میں صرف پٹرومکس لیمپوں کی شوں شوں گونجتی رہ گئی۔ باہر سے بھاری فوجی گاڑیوں کے انجنوں کی دہشت ناک گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ اس مہیب مشینی شور کے ساتھ ہی خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کی آوازیں بھی قریب آنے لگی تھیں۔

"خدا خیر کرے!" منیجر ہولے سے بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں سے گہری تشویش جھلکنے لگی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ روسی بھیڑیے اپنے شکار پر نکل پڑے ہیں۔ وہ اسی طرح بھاری ہوائی فائرنگ کر کے دہشت پھیلاتے ہوئے آتے ہیں۔"

رفتہ رفتہ غضب ناک انجنوں کی غرّاہٹیں اور ٹنوں وزنی آہنی پٹوں کی جھنجھناہٹیں اس قدر قریب آ گئیں کہ ان کی گونج سے ہال کا فرش لرزنے لگا۔ سب متجسس اور خوف زدہ نگاہیں ان کھڑکیوں کی طرف اٹھ گئیں جن سے تاریک سڑک کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس وقت تک سڑک تاریک اور ویران پڑی ہوئی تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ تاریکی میں روشنی کی چادر' دور تک پھیل گئی پھر تاریکی میں ایک تاریک تر ٹینک نمودار ہوا۔ ٹینک کے کسی حصے سے تیز روشنی خارج ہو رہی تھی۔ ہوٹل کی روشن کھڑکیوں کو دیکھ کر کسی فوجی نے فضا میں گولیوں کی باڑھ ماری۔ ٹینک اپنی آہنی زنجیر سے سڑک کو ادھیڑتا اور اچھلتا ہوا' آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے کئی وزنی بکتربند گاڑیاں تھیں۔ ان کی تمام روشنیاں گُل تھیں۔ وہ سب گاڑیاں بس ٹینک کے پیچھے چلی جا رہی تھیں۔ بکتربند گاڑیوں کے پیچھے دو بڑے فوجی ٹرک تھے اور آخر میں ایک جیپ چلی آ رہی تھی۔

اچانک ہی وہ کارواں رک گیا۔ اس وقت آخری جیپ ہوٹل کے سامنے تھی۔ جیپ اور ٹرکوں سے متعدد دیوہیکل فوجی نیچے کودے اور فضا ان کی دھواں دھار فائرنگ سے لرز اٹھی۔ وہ سب گولیاں برساتے ہوئے ہوٹل کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ لوگ سانس روک کر آنے والی بدقسمتی کا انتظار کرنے لگے۔

فائرنگ تھم گئی۔ فضا میں صرف وزنی فوجی جوتوں کی دھمک باقی رہ گئی۔ پھر ہوٹل کے دروازے پر دھماکا ہوا۔ دروازے کو نرمی اور شرافت سے کھولنے کے بجائے' غالباً لات مار کر توڑ دیا گیا تھا۔ پھر روسی فوجی ہوٹل میں گھس آئے۔ ہال میں پھیلی ہوئی روشنی کی وجہ سے ان کو راستہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

آنے والے بیشتر فوجی روسی تھے۔ ان میں افسروں سے عام فوجی تک شامل تھے لیکن دو افسران واضح طور پر افغان نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے پستول موجود تھے جبکہ دوسرے فوجی خودکار رائفلوں اور ہلکی مشین گنوں سے لیس تھے۔ دونوں افغان فوجی افسروں نے ہال کے ابتدائی سرے پر رک کر لمحہ بھر ڈرامائی توقف کیا پھر دونوں نے بیک وقت چھت کی طرف ایک ایک فائر کر دیا۔ فائر کرتے ہی ان میں سے ایک نے کڑک کر کوئی حکم دیا۔

سب لوگ پشتینی غلاموں کی طرح اپنے ہاتھ سروں سے بلند کر کے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ منیجر کے ساتھ سلطان شاہ بھی ان میں شامل تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی ہم لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ فوجیوں نے تیزی کے ساتھ اندر داخل ہو کر میزوں کے درمیان پھیلنا شروع کر دیا۔ ان کی چمکتی ہوئی سفّاک نگاہیں بہت بے رحمی سے ایک ایک فرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

تین روسی فوجیوں کی ایک ٹولی ہماری طرف آئی تو فضا میں ناگوار سی بُو پھیل گئی۔ ان کے شلجم کی طرح سفید مگر پھیکے چہروں سے شقاوت برس رہی تھی۔ ان کی گردنوں اور کانوں پر جما ہوا میل دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب سے نہیں نہائے تھے شاید اسی وجہ سے ان کی وردیوں اور جسم سے متعفن سی بُو آ رہی تھی۔

انہوں نے اپنے سخت اور کھردرے ہاتھوں سے ہمارے جسموں کو اچھی طرح ٹٹول کر تلاشی لی۔ اس عمل سے عورتیں بھی گزریں لیکن یہ غنیمت تھا کہ عورتوں کے ساتھ وہ عمل ایک مشینی انداز میں کیا گیا اور ہم سب کو حالات کے جبر کے سامنے اسے برداشت کرنا پڑا۔ روسیوں کے خطرناک تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جس کسی نے زبان کھولنے کی جرأت کی' وہ بے رحمی سے اسے گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے جائیں گے اور پھر شاید اس کا کوئی سراغ بھی نہ ملتا۔

ایک روسی نے پیٹر کی تلاشی لینے کے بعد غُرّا کر کچھ کہا۔ پیٹر کے خوف زدہ چہرے پر بے بسی لہرا کر رہ گئی۔ ہم سب کی طرح وہ بھی روسی زبان سے ناواقف معلوم ہوتا تھا۔ روسی نے ڈپٹ کر اپنی بات دُہرائی تو پیٹر نے بے ساختہ انگریزی میں ہکلانا شروع کر دیا۔ اس موقع پر ہوٹل کے منیجر نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور رک رک کر کوئی اجنبی بولی بولنے لگا۔

روسی فوجیوں کو اس کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اس قسم کے واقعات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے منیجر نے نظریۂ ضرورت کے تحت کچھ روسی زبان سیکھ لی تھی۔ پیٹر کی گلوخلاصی ہو گئی۔ روسی' منیجر سے بازپرس کرتے رہے۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر' دہشت زدہ انداز میں جواب دیتا رہا۔ پھر اچانک ہی فضا ایک دردناک چیخ سے لرز اٹھی۔

سب لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے اس لئے فوری طور پر ہمیں اصل واقعے کا علم نہیں ہو سکا البتہ تواتر سے ابھرنے والی کرب آلود چیخوں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ کوئی بدنصیب ان وحشیوں کی درندگی کا نشانہ بن گیا تھا۔

چند ہی سیکنڈ میں وہ منظر بھی ہمارے سامنے آ گیا۔ ہوٹل کا ایک لہولہان بیرا پناہ کے لئے میزوں کے درمیان راستہ پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور کئی مسٹنڈے روسی اسے ٹھوکروں سے ادھیڑ رہے تھے۔ بیرے کے چہرے کا داہنا حصہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ شاید اس کے چہرے کو کسی ٹھوس دستے سے زخمی کیا گیا تھا' جس کی وجہ سے اس کی شناخت تک دشوار ہو گئی تھی۔

منیجر نے وہ منظر دیکھ کر سختی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ہمارے قریب کھڑے ہوئے روسی فوجیوں کی آنکھوں میں وحشیانہ مسرت ناچنے لگی اور وہ ہمیں بھول کر اسی بدنصیب بیرے کی طرف

ہو لئے۔

مجبور و مجروح بیرا زیادہ دیر تک مدافعت نہیں کرسکا۔ ایک روسی اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے جانے لگا۔

فوجیوں کی وہ بھیڑ جتنی تیزی کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

میں تھکے ہوئے انداز میں اپنی کرسی پر گر گیا۔ دوسروں نے بھی میری تقلید کی لیکن ہال میں بہتیرے لوگ اسی انداز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے، روسیوں کے چلے جانے کے باوجود وہ ان کے خوف کے طلسم سے نہیں نکل سکے تھے۔

"میں اس لڑکے کی معصومیت کی قسم کھا سکتا ہوں۔" منیجر نے رندھی ہوئی، سرگوشیانہ آواز میں کہا "وہ بے گناہ پکڑا گیا ہے۔ وہ تین یتیم بہنوں اور بیوہ ماں کا اکلوتا سہارا ہے۔ وہ کام کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتا......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ باہر ایک برسٹ فائر ہوا اور فضا ایک دلدوز مگر ادھوری انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ چیخ معدوم ہوگئی لیکن برسٹ چند ثانیوں تک جاری رہا شاید کسی مشتعل وحشی نے اپنا پورا میگزین بدنصیب قیدی کے خستہ و شکستہ جسم میں خالی کردیا تھا۔

"ظالموں نے اسے مار دیا۔" منیجر کرب کے عالم میں کراہا "اب صبح تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہے گی۔"

اس قسم کے بہیمانہ واقعات ان لوگوں کے معمولاتِ زندگی کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ اپنے تمام ترغم و غصے کے باوجود وہ زیادہ دیر تک کسی دکھ کو گلے لگائے رکھنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لئے چند منٹ بعد ہی منیجر کے غم و اندوہ پر اس کے اپنے مسائل غالب آگئے اور وہ حسرت بھری نظروں سے ہال کا جائزہ لیتا ہوا بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں انہیں کس طرح ان کے کمروں میں واپس بھیجوں؟ مجھے اور میرے آدمیوں کو آرام کی ضرورت ہے، ہم لوگ پتھر کے بُتوں کی طرح ساری رات یوں ہی بیٹھے رہے تو کل دن بھر ہم کوئی کام نہیں کرسکیں گے۔" اس نے بے بسی سے اپنا سر ہتھیلیوں پر ٹکالیا۔

"اندھیرے کمروں کے مقابلے میں یہ لوگ یہاں اطمینان محسوس کررہے ہیں تو انہیں بیٹھا رہنے دو۔ تم جاکر آرام کرو۔" ویرا نے اسے مشورہ دیا "کمرے کی تنہائی کے مقابلے میں یہاں ایک دوسرے کو دیکھ کر لوگوں کو ڈھارس رہے گی۔"

"میں انہیں بتاچکا ہوں کہ میں نے ہر کمرے میں موم بتّیوں کی وافر مقدار پہنچا دی ہے لیکن میری کوئی بات اثر نہیں کررہی۔ تم یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو اس لئے ایسا مشورہ دے رہی ہو۔ جب تک اس ہال میں اندھیرا نہیں ہوگا۔ ادھر سے گزرنے والا ہر فوجی دستہ یہاں آتا رہے گا اور ہر بار ایک دو آدمی عتاب میں آتے رہیں گے....." وہ مضطربانہ لہجے میں بولا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہاں کوئی چور، اُچکّا یا دہشت گرد نہیں ہے پھر بلاوجہ پکڑ دھکڑ کیوں ہوگی؟"

"جب انسانوں کے سر پر خون سوار ہوجائے تو انہیں اپنے سایوں پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ فوجی جس عمارت میں بھی گھس جاتے ہیں وہاں سے خالی ہاتھ کبھی نہیں لوٹتے۔ وہاں فرشتے رہ رہے ہوں تو بھی یہ ایک، دو کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور پھر وہ کبھی نظر نہیں آتے۔ میرا یہاں رہنا ضروری ہے کیونکہ میں تھوڑی بہت روسی زبان جانتا ہوں۔ انہیں اپنے کسی بے ہودہ سوال کا جواب نہیں ملا تو وہ مشتعل ہوکر میرے ہوٹل ہی کو تباہ و برباد کرڈالیں گے۔"

اس کی مجبوریاں حقیقی اور قابلِ فہم تھیں۔ میں نے مستفسرانہ نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا لیکن اس کے پاس بھی منیجر کے مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس مرحلے پر غزالہ اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "میرا خیال ہے کمروں کی طرف واپسی کے سلسلے میں ہمیں پہل کرنی چاہئے۔ ہم چھ افراد ہیں، ہوسکتا ہے کہ ہماری تقلید میں دوسروں میں بھی واپسی کی تحریک پیدا ہوجائے۔" پھر وہ منیجر سے مخاطب ہوکر بولی "تم انہیں بتاؤ کہ سڑک کے رخ پر واقع یہ ہال اسی طرح روشن اور آباد رہا تو ہر تھوڑی دیر بعد یہاں چھاپا پڑتا رہے گا۔ ضروری نہیں کہ ہر بار عملے کے ستارے گردش میں آئیں۔ آنے والے فوجی کسی مہمان مرد یا عورت کو بھی اسی طرح پکڑ کر لے جاسکتے ہیں۔"

"کوشش کئے لیتا ہوں۔" منیجر نے نیم دلی سے کہا "شاید عورتوں کی گرفتاری کا ذکر کام کرجائے۔"

ہم چاروں وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔ ایلن اور پیٹر نے بھی غزالہ کے مشورے کو قبول کرلیا تھا۔ ہال میں موجود لوگ گردنیں گھما گھما کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہمارے باہر نکلنے سے پہلے ہی منیجر نے بلند آواز میں اپنی تقریر شروع کردی تھی۔

منیجر کے عملے کو ہنگامی حالات پر قابو پانے میں خاصی مہارت حاصل تھی کیونکہ اس بار زینے بالکل ہی تاریک نہیں تھے بلکہ تیل وغیرہ کے خالی ڈبوں کو مناسب مقامات پر اوندھا کرکے ان کے پیندوں پر بڑی بڑی موم بتّیاں روشن کردی گئی تھیں۔ گھور اندھیرے میں وہ زرد اور ناکافی روشنی بھی بہت غنیمت معلوم ہورہی تھی۔

ہم آخری زینے پر تھے کہ پیچھے کسی کے تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو چونک پڑا۔ وہ ہماری کوسٹر کا ڈرائیور، روشن خان تھا۔ اس کے تیوروں سے برہمی مترشح ہورہی تھی۔ تیزی کے ساتھ درمیانی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ راہداری میں ایلن کے ساتھ ہولیا۔

"کیا بات ہے؟ تم عجلت میں نظر آرہے ہو؟" ایلن نے اپنی شکستہ اردو میں معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کمرے میں چل کر تم سے بات کرنی ہے۔" روشن خان نے بگڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ حالات میری توقع کے مطابق جارہے تھے۔ ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے کی ناکام کوشش کرنے والے بیرے نے غالباً روشن خان سے وہی کچھ کہا تھا جو اسے بتایا گیا تھا۔ روشن خان کو یہ شبہ ہونا یقینی تھا کہ ویٹر کے ٹی پاٹ سے کیسٹ ریکارڈر ان ہی میں سے کسی نے اڑایا ہے۔ شاید روشن خان ان سے اسی معاملے پر بات کرنے آیا تھا۔

ہم لوگ ایک ہی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ وہ تینوں نیم روشن راہداری میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

"روشن خان غصے میں تھا۔ شاید تم ان میں پھوٹ ڈلوانے میں کامیاب ہوگئے ہو۔" کمرے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک موم بتی روشن کرنے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "لیکن اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"ہمیں فائدہ ہو یا نہ ہو، انہیں تو نقصان پہنچے گا نا؟" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ رات کا باقی حصہ یکجا رہ کر ہی بسر کیا جائے تاکہ ہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرسکیں۔ عورتوں کو بستر دے دیا گیا۔ سلطان شاہ فرش پر کمبل بچھا کر دراز ہوگیا۔ وہ اپنی ضرورت کے لئے برابر والے کمرے سے کمبل، تکیے اور بستر کی چادر تک وہیں لے آیا تھا۔ میرے حصے میں کمرے کا واحد صوفہ آیا جو لمبائی میں میرے قد سے چھوٹا ہونے کے باوجود آرام دہ تھا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ باتیں کرتے ہوئے کس وقت میری آنکھ لگی۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کے تسلسل کے بعد فائرنگ ختم گئی تھی۔ بس وقفے وقفے سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبح دس بجے مجھے جھنجوڑ کر بیدار کیا گیا کیونکہ بارہ بجے کوسٹر کو غزنی ہوٹل سے روانہ ہونا تھا۔

میں ہاتھ منہ دھو کر تیار ہوا تو سلطان شاہ نے خوش خبری سنائی کہ ایلن اور پیٹر کے چہروں کا حال بگڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر شدید ضربات کے نمایاں نشان موجود تھے جب کہ ایلن کے چہرے پر ایک زخم بھی موجود تھا۔ اپنی مزاج پُرسی کرنے والوں کو وہ بتاتے پھر رہے تھے کہ رات کے اندھیرے میں وہ غلط فہمی کی بنا پر آپس میں لڑ پڑے تھے۔ ایک دوسرے کی خاصی ٹھکائی کرنے کے بعد نیند کا خمار دور ہوا تو وہ دونوں اس حال کو پہنچ چکے تھے۔ شاید دوسروں نے اس بے سروپا کہانی پر یقین کرلیا ہو لیکن ہم سب کو پورا یقین تھا کہ پچھلی رات روشن خان ان لوگوں سے لڑ پڑا ہوگا اور اسی نے ان دونوں کی مرمت کی ہوگی۔ جسمانی طور پر وہ ان دونوں سے بہت بھاری اور توانا تھا۔

دن کے اجالے میں خوف، دہشت اور تشویش کے اثرات بڑی حد تک معدوم ہوچکے تھے۔ ہوٹل میں معمول کی سرگرمیاں جاری تھیں اور پچھلی رات کے واقعات ایک بھیانک خواب کی صورت میں یاد رہ گئے تھے۔ مجھے بے اختیار وہ کہاوتیں یاد آنے لگیں جن میں سورج کو امید، زندگی اور خوش حالی کا پیغام بر قرار دیا جاتا ہے۔ رات کا اندھیرا جہاں لاکھوں جرائم اور گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے وہیں ڈر، خوف اور دہشت کے ان بھیانک تخیلات کو بھی جنم دیتا ہے جو کمزور انسانوں کی شخصیت کو بری طرح تباہ کرکے مسخ کردیتا ہے اور جب رات کا اندھیرا، اجالے کی بانہوں میں سسک سسک کر دم توڑنے لگتا ہے تو بڑھتے ہوئے اجالے کے ساتھ، رات کے لرزہ خیز تصورات خود بخود معدوم ہونے لگتے ہیں اور کمزور ترین انسانوں میں بھی حالات سے لڑ مرنے اور زندہ رہنے کا کچھ نہ کچھ حوصلہ بیدار ہوجاتا ہے۔

ہمارے پاس کوئی سازوسامان نہیں تھا۔ ہم آخری بار اپنے کمرے کا ناقدانہ جائزہ لے کر باہر نکل آئے۔ اس وقت کوسٹر کے تقریباً سارے ہی مسافر ہال میں موجود تھے۔ ان ہی کے درمیان ایلن اور پیٹر بھی نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر مضحکہ خیز ورم اور نیل کے نشانات نمایاں تھے۔ ایلن کے بائیں رخسار کی ہڈی پر زخم نظر آرہا تھا جس پر خون جما ہوا تھا۔ میں نے دور ہی سے ان کی طرف ہاتھ لہرایا تو ایلن کے متورم ہونٹ عجیب انداز میں پھیل گئے۔ شاید وہ اس کی بدلی ہوئی جوابی مسکراہٹ کا نیا انداز تھا۔

"میں شرط لگاتا ہوں کہ اس مار دھاڑ میں روشن خان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہوگا۔" ناشتا آجانے کے بعد میں نے ویرا سے کہا "مجھے افسوس ہے کہ ہمیں وہ تماشا دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"تم ہر بات اتنے وثوق سے کہہ دیتے ہو جیسے تمہارے پاس کوئی طلسمی آنکھ ہے جو وقت اور ماحول کے دبیز پردوں کے اس پار بھی دیکھ سکتی ہے۔" ویرا نے میرے پُراعتماد لہجے سے چڑ کر کہا "روشن خان لمبا چوڑا اور ان دونوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اسے ہاتھ بھی نہ لگا پائے ہوں۔"

"دیکھتی جاؤ۔" میں نے اسے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم بھول رہی ہو کہ میرے پاس سلور آئی ہے جو کسی طلسمی آنکھ سے کم نہیں ہے۔ روشن خان یہاں نظر نہیں آرہا لیکن کوسٹر میں موجود ہوگا۔ تم دیکھ لینا کہ میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ بعض اوقات تم میری ضد میں آکر سامنے کی باتوں کو ماننے سے انکار کردیتی ہو۔"

"مجھے تمہاری قیاس آرائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "اور اب تم اقرار کررہے ہو کہ سلور آئی تمہارے پاس ہے، جب میں نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا تو تم صاف مکر گئے تھے۔"

"اس وقت کی بات اور تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "تم میری دوست ہونے کے بجائے جی لائیڈ کی نمائندگی کررہی تھیں پھر بھی میں نے دو میں سے ایک سلور آئی تمہیں لوٹا دی تھی۔ میرے حساب سے تم اس وقت دو سلور آئیز پر قابض ہو جبکہ میرے پاس

صرف ایک سلور آئی ہے جو میں نے کسی آڑے وقت کے لئے رکھی ہوئی ہے۔"

"وہ وقت گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔" ویرا نے اردو کے ایک مستند محاورے پر برجستہ تصرف کر کے مجھے حیران کردیا "اب تم سلور آئی استعمال کر کے آئی مین کا روپ نہیں دھار سکتے۔ تمہاری یہ حرکتیں اسی وقت کامیاب تھیں جب تم گمنام تھے۔ اب تم شی میں تم شیطان کی طرح مشہور ہو چکے ہو۔"

"کامیابی اور ناکامی کا دارومدار حالات پر ہے۔ جب تک سلور آئی میرے قبضے میں ہے میں آئی مین بننے کی کوشش ضرور کرسکتا ہوں۔ تم میرا یہ حق نہیں چھین سکتیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"باربار سلور آئی کا ذکر کر کے میرا خون نہ جلاؤ۔" ویرا بگڑ کے بولی "شنگارا دیلی کے سردار صبغت اللہ نے بہت سوچ سمجھ کر تم کو عظیم الشان جھوٹے کا خطاب دیا تھا۔ اگر میں نے اس وقت تمہارے جھوٹ پر یقین نہ کیا ہوتا تو آج تم کو باتیں بنانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔"

"چھوڑو' اب پرانی باتیں یاد کر کے اپنا خون نہ جلاؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "سانپ گزر جانے کے بعد لکیر کو پیٹنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے ہی بازو شل ہونے لگتے ہیں۔"

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد' میں کسی سے کچھ کہے بغیر' اپنی جگہ چھوڑ کر اس میز کی طرف چل دیا جس پر ایلین اور پیٹر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہم لوگوں سے غافل نہیں تھے اس لئے وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی میرے استقبال کے لئے تیار ہو گئے۔ میں وہاں پہنچتے ہی ایک خالی کرسی لے کر پیٹر کے برابر بیٹھ گیا اور متاسفانہ انداز میں اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا داہنا جبڑا کافی ورم زدہ تھا۔ داہنی آنکھ کا نچلا حصہ بھی سوج کر نیلا ہو رہا تھا۔ سوجن کی وجہ سے اس کی داہنی آنکھ تقریباً بند ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "مجھے تمہاری قابلِ رحم حالت دیکھ کر اس مردود پر سخت غصہ آرہا ہے۔"

"تم کس مردود کی بات کر رہے ہو؟" میری بات سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا "ہم دونوں غلط فہمی میں ایک دوسرے سے لڑ پڑے تھے۔ صبح سے یہ بات دُہرا دُہرا کر میرے جبڑوں میں درد ہونے لگا ہے۔"

میں نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "ہونا ہی چاہئے۔۔۔ تمہارے جبڑے پر بھی سخت چوٹیں آئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگوں میں خواہ مخواہ شیخیاں بگھارتا پھر رہا ہے۔۔۔۔"

اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی برس پڑا "تم بار بار کس کا ذکر کر رہے ہو؟ وہ ہمارے بارے میں کیا بکواس کرتا پھر رہا ہے؟"

"پیٹر! کھوپڑی ٹھنڈی رکھو!" ایلین نے سرد لہجے میں اسے انگریزی میں تنبیہہ کی "شور مچا کر بلاوجہ خود کو تماشا نہ بناؤ بلکہ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ ڈینی کیا کہہ رہا ہے۔"

"میرا نام ڈینی نہیں' تنویر ہے۔" میں نے اس بار انگریزی ہی میں احتجاج کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹھو!" پیٹر میرا ہاتھ تھام کر اضطراری لہجے میں بولا "مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس کی بات کر رہے تھے؟"

"روشن خان کہتا پھر رہا ہے کہ اس نے تم دونوں کی ٹھکائی کی ہے۔" میں نے سادگی سے کہہ ڈالا۔

"وہ پکا باسٹرڈ ہے۔" ایلین دانت پیس کر غرّایا "یہ درست ہے کہ اس کے اور ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی لیکن ہم نے اسے اس بات کی تشہیر سے منع کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہرزہ سرائی کے شوق میں وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"اس کتیا کے پلّے نے تم سے اور کیا کہا ہے؟" پیٹر نے غصّے سے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا۔

"اس نے مجھ سے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" میں نے ان سے اعتراف کراتے ہی پھرتی سے بات بدل دی "میں سنی سنائی بات دُہرا رہا تھا۔ دو بیرے تمہارے اور روشن خان کے جھگڑے کی باتیں کر رہے تھے وہ میرے کان میں پڑ گئی تھیں۔"

پیٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا "میں روشن خان کو بتاؤں گا کہ تم اس پر وعدہ خلافی کا الزام لگاتے پھر رہے ہو' وہ خود ہی تم سے نمٹ لے گا۔ وہ بہت غصیل اور دیوانہ آدمی ہے۔ تمہاری ہڈیاں توڑ کر رکھ دے گا۔"

"اس کے غصّے اور طاقت کا اندازہ تو تمہاری بگڑی ہوئی صورتوں سے ہو رہا ہے۔" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "لیکن تم اسے میرے خلاف بھڑکانے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں اس سے کہہ دوں گا کہ کیسٹ ریکارڈر پر ہونے والے جھگڑے کے بارے میں تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا اور اب روشن خان سے بدلہ لینے کے لئے اسے ہم لوگوں سے لڑوانا چاہتے ہو۔۔۔۔"

میری زبان سے کیسٹ ریکارڈر کا نام سنتے ہی وہ یوں اچھل پڑے جیسے انہیں کوئی برقی جھٹکا لگا ہو پھر ایلین نے میری طرف جھک کر خوشامدانہ لہجے میں پوچھا "سچ سچ بتاؤ کہ تمہیں کیسٹ ریکارڈ کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"بے سود ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا "اگر میں کہوں کہ میں نے یہ بات بھی ان بیروں سے سنی تھی تو تم اعتبار نہیں کرو گے۔"

"کیسٹ ریکارڈر کا معاملہ بہت خفیہ تھا۔" وہ بولا "اس کا حوالہ دے کر تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے۔ روشن خان نے یقیناً ہم سے بدعہدی کی ہے۔ کیا تم ان بیروں کو شناخت کرسکتے ہو جو اس بارے میں باتیں کر رہے تھے؟"

"مشکل ہو گا لیکن ناممکن نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم انہیں پہچان بھی لو تو کیا کرلو گے؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا "تم ٹھیک کہہ

رہے ہو۔ کیا تمہیں اس کیسٹ ریکارڈر کی نوعیت کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوئی تھی؟"

میں نے سختی سے انکار میں سر ہلا دیا "میرا اندازہ تھا کہ روشن کا کوئی قیمتی کیسٹ ریکارڈر چوری ہو گیا ہے جس کے بارے میں وہ تم دونوں پر شبہ کر رہا ہے۔ جنگ سے اکتائے ہوئے افغان گانے سننے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔"

میری طرف سے لاعلمی کے اظہار پر ان دونوں کے چہروں سے اطمینان جھلکنے لگا پھر ایلین بولا "رات کو مارکٹائی کے بعد ہم نے اسے اپنے تھیلوں کی تلاشی تک دے ڈالی تھی اور ہمارے درمیان سمجھوتا ہو گیا تھا کہ باہمی اختلاف کی کہانی زبان پر نہیں لائیں گے مگر یہ افغان بالکل ناقابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ دیکھ لو کہ اس نے بات پھیلا ہی دی۔ اب تم اس بات کا چرچا نہ کرنا۔ ہمارے درمیان دوبارہ کوئی بدمزگی پیدا ہوئی تو وہ طورخم کے بجائے چیغا سرائے کی طرف چل دے گا اور ہمیں بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مسافر بھی اپنے وقت کی بربادی پر ہنگامہ کھڑا کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے دوستانہ لہجے میں کہا "ہمیں بھی سرحد پار پہنچنے کی عجلت ہے۔ میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ اس کیسٹ ریکارڈر میں کیا خاص بات تھی کہ اس کے لئے روشن خان لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔"

"رات کو روشن خان کے آنے تک ہمیں اس قصّے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔" چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد ایلین بتانے لگا "بات ریکارڈر کی نہیں' اس کیسٹ کی تھی جو اس میں موجود تھا۔ روشن خان کا دعویٰ تھا کہ اس کیسٹ میں اہم معلومات تھیں جو ہمارے لئے بیش قیمت ثابت ہو سکتی تھیں۔ وہ بھاری معاوضہ لے کر وہ کیسٹ ہمیں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ کیسٹ اپنے ریکارڈر سمیت غائب ہو گیا۔ کسی وجہ سے روشن خان کو وہم ہو گیا کہ ہم نے موقع پا کر وہ کیسٹ چرا لیا ہے اور وہ ہم سے لڑنے کے لئے آپہنچا۔ وہ اپنے مفروضہ نقصان پر آتش زیرپا ہو رہا تھا' ہم نے بھی اس کی خاصی درگت بنائی تھی۔"

اس نے پوری کتھا بتاتے ہوئے یہ بات بہت خوب صورتی سے چھپالی تھی کہ اس کیسٹ میں ہم لوگوں کی آوازیں محفوظ کی گئی تھیں۔ میں نے بھی اس بارے میں کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان سے جھگڑے کے حقائق کا اعتراف کرالوں اور میں اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔ میں اپنی میز پر لوٹ آیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم بس میں سوار ہونے کے لئے اٹھے تو ویرا بدستور یہ جاننے پر مصر تھی کہ ایلین اور پیٹر سے میری کیا گفتگو ہوتی رہی تھی لیکن میں نے مسلسل چپ سادھ رکھی تھی۔ میں اسے نہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ ان دونوں نے مجھ سے کیا اعترافات کئے تھے۔ راستے کی چھیڑ چھاڑ کے لئے وہ موضوع خاصا دلچسپ ثابت ہو سکتا تھا۔

باہر کوسٹر کا انجن اسٹارٹ تھا۔ ہوٹل کے سامنے والی فٹ پاتھ پر جمے ہوئے خون کا ایک بہت بڑا دھبّا دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ شاید رات کو مارے جانے والے بیرے کی لاش وہاں سے اٹھائی گئی تھی اور راہ گیر احتراماً فٹ پاتھ کے اس خون آلود حصے سے بچ کر گزر رہے تھے۔ روشن خان اپنی کوسٹر کی اوٹ میں' اگلے بمپر پر پیر ٹکائے چند مقامیوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ میرے لئے دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر بھی کئی خراشیں نظر آرہی تھیں۔ مار کھانے کے بعد گو اس کے خدوخال بگڑے نہیں تھے مگر وہ بالکل ہی محفوظ و مامون نہیں رہا تھا۔ گوروں نے اپنی جسمانی کمتری کے باوجود اسے چرکے لگائے تھے۔

ویرا نے روشن خان کو کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا لیکن بالکل انجان بنی رہی۔ میں اس کی مکاری پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ چند منٹ بعد سفر کا آغاز ہوتا تو وہ اپنی اداکاری جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔

ہوٹل کے سامنے والی سڑک کی حالت بہت ابتر تھی لیکن اس میں تازہ ادھڑی ہوئی وہ پٹیاں نمایاں تھیں جو پچھلی رات گشت پر نکلنے والے ٹینک کی چوڑی چوڑی آہنی زنجیروں نے بنائی تھیں۔ مسافروں کی گنتی کے بعد ایلین نے ڈرائیور کو آواز دی۔ وہ اپنی نشست پر آیا اور کوسٹر نے رینگتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں تو میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"بلاوجہ اترانے کی ضرورت نہیں۔" وہ کسی تمہید کے بغیر غرّائی "آدمی مسلسل قیاس آرائیاں کرتا رہے تو ہزار میں سے ایک آدھ بات درست نکل ہی آتی ہے۔ اپنی الل ٹپ باتوں پر تم کوئی کریڈٹ نہیں لے سکتے۔"

ایلین نے اپنی عینک کو مجروح ناک کے سرے پر سرکا کر بغور میری طرف دیکھا اور حیرت سے بولا "کمال ہے تم دونوں میں تکرار ہو رہی ہے' میرا خیال تھا کہ تم چاروں آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کی تائید کرنے کے عادی ہو۔"

"تکرار دو طرفہ ہوتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں خاموش ہوں اور ویرا بول رہی ہے۔ اردو میں اسے تکرار نہیں' ڈانٹ پھٹکار کہتے ہیں۔ ہماری طرف کے مرد ایسی باتیں سننے کے عادی ہوتے ہیں۔"

وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔ اسی وقت پیٹر' ڈرائیور سے مخاطب ہوا "ذرا کوسٹر اس طرف سے نکال لو۔ جدھر پچھلی رات بم پھٹا تھا' سب لوگ اپنی آنکھوں سے تباہی کا منظر دیکھ لیں گے۔"

ڈرائیور نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

"ارے' تمہارے چہرے پر چوٹوں کے نشان کیسے ہیں؟" ویرا کو ڈرائیور سے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"معمولی چوٹیں ہیں۔" ڈرائیور بادل ناخواستہ بولا "اندھیرے میں سیڑھیوں پر سے پھسل گیا تھا۔"

"خدا رحم کرے۔ پچھلی رات کے اندھیرے میں عجیب اتفاقات رونما ہوئے ہیں۔" ویرا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی "دو آپس میں لڑ پڑے' تیسرا سیڑھیوں پر سے پھسل گیا۔ چوتھا فوجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب دیکھو کس کی باری آتی ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ کوسٹر چلتی رہی۔ پیٹر کی ہدایت کے بعد اس کا رخ گلیوں اور نسبتاً تنگ سڑکوں کی طرف تھا۔ ان راستوں پر جا بجا مقامیوں کی ٹولیاں جمع تھیں۔ لوگ جنگ و جدل کے سائے میں زندگی گزارنے کے باوجود' اچانک رونما ہونے والی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کے عادی نہیں ہوسکے تھے اور غالباً پچھلی رات کے دھماکے پر اپنے رد عمل کا اظہار کررہے تھے۔

آخر کار کوسٹر ایک چوڑی سڑک پر پہنچی تو آگے راستہ بند تھا۔ وہاں فوجی گاڑیاں کھڑی کردی گئی تھیں اور مسلح فوجیوں کی بھاری نفری پہرے پر مامور تھی۔ اس بند راستے سے آگے متعدد عمارات کے درمیان ایک گری ہوئی عمارت کا ملبہ نظر آرہا تھا جس کے کئی حصوں سے دھوئیں کے گہرے بادل اٹھ رہے تھے۔

کوسٹر تیزی سے داہنی طرف گھوم گئی۔ ہمیں تباہ شدہ عمارت کا گہرا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ کوسٹر کا رخ بدلتے ہی تباہ شدہ عمارت دوسری تعمیرات کی اوٹ میں چھپ گئی۔

"منیجر ٹھیک کہہ رہا تھا۔" ایلن نے انگریزی میں مجھے آگاہ کیا "آج کے کابل ٹائمز نے رات کے دھماکے کی تفصیلی خبر چھاپی ہے۔ بم سے فرینڈ شپ ہاؤس کا مرکزی بلاک مکمل طور پر تباہ ہوا ہے۔ سرکاری طور پر کسی جانی نقصان کا اعتراف نہیں کیا گیا لیکن عینی شاہدین کے مطابق کم از کم دو سو روسی فوجی جو اس بلاک میں مقیم تھے' ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ رات بھر ایمبولینسیں خاموشی سے زخمیوں اور لاشوں کو ڈھوتی رہیں۔ فرینڈ شپ ہاؤس کے احاطے سے ملحق گرڈ اسٹیشن کی تنصیبات تباہ ہوئی ہیں اور اس سے منسلک سات سب اسٹیشن بند ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے آدھا جلال آباد تاریک پڑا ہوا ہے۔"

ایلن کی زبانی وہ تفصیلات سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آیا کہ میں نے خود کسی اخبار کے حصول کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہم اس شہر میں مسافر اور رات بھر کے مہمان تھے اس لئے لاشعوری طور پر ہم مقامی حالات سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے کسی نے اخبارات وغیرہ کے حصول کی کوشش نہیں کی تھی۔ زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ کوسٹر کے کسی بھی مسافر کے پاس کوئی اخبار نظر نہیں آرہا تھا۔ دوسرے مسافروں کا رد عمل بھی ہم سے ملتا جلتا ہی تھا۔

"دھماکے کے بعد روسیوں کی پھیلائی ہوئی دہشت گردی کے بارے میں کابل ٹائمز کی کیا رائے ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اخبار نے چشم دید گواہوں کے حوالے سے دو سو روسی فوجیوں کے ہلاک یا مجروح ہونے کا ذکر کردیا ورنہ میں نے سنا ہے کہ روسی اپنی ناکامیوں کی ہر خبر کو سختی سے دبا دیتے ہیں تاکہ ان کے فوجیوں کا مورال بلند رہے۔ کسی اعلیٰ مقصد کے بغیر لڑنے والوں میں یہی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ ناگہانی موت سے خوف زدہ رہتے ہیں۔" ایلن نے اطمینان سے کہا "مجھے اس سرزمین پر روسیوں کا انجام زیادہ خوشگوار نظر نہیں آتا۔"

"ان کا انجام جو بھی ہو' یہاں رہنے والے برسوں اپنے زخموں کو سہلاتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاتھیوں کی لڑائی میں حصہ لینے والے مینڈک اسی طرح پسا کرتے ہیں۔" ایلن نے بے نیازی سے جواب دیا "افغانوں نے روس کے خلاف' امریکیوں کو اپنی زمین استعمال کرنے کی اجازت دے کر ایک لمبی تباہی کو دعوت دی ہے۔"

"لیکن مجھے تو ابھی تک یہاں کوئی امریکی نظر نہیں آیا۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہاں امریکی فوجی نہیں' ان کا سرمایہ اور ہتھیار لڑ رہے ہیں۔" سیاست پر ایلن کی گہری نظر تھی "امریکی ایجنٹ یہاں امدادی اور رفاہی تنظیموں کی آڑ میں جنگ کو کنٹرول کررہے ہیں۔ جنگی زخمیوں کی دیکھ بھال کے ہر یونٹ میں بظاہر بے ضرر سے دو چار امریکی مشنری نظر آئیں گے لیکن درحقیقت وہ سب پینٹاگون یا سی آئی اے کے تنخواہ دار ہیں۔"

"سیاست کے علاوہ کوئی اور بات کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اپنے زخموں کو کریدنے سے اذیت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دیکھو' ہماری داہنی سمت پر کس قدر حسین اور سرسبز باغ ہے۔ جلال آباد والے خوش نصیب ہیں کہ جنگ نے ابھی تک ان کے خوب صورت باغوں کو نہیں اجاڑا ہے۔ مایوسی کے گھور اندھیرے میں زندہ رہنے کے لئے انسان کو امید کی ہر کرن کی طرف لپکنا چاہئے بالکل اسی طرح جیسے ہم پچھلی رات موم بتیوں پر جھپٹ رہے تھے۔"

"اب امید کا نام لیتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ویرا فوراً نویں مہینے کا حوالہ دے بیٹھے گی۔" ایلن میرے اعتراض پر بے مزہ ہونے کے بجائے' خوش طبعی کے مظاہرے پر مائل ہوگیا۔ پیٹر اپنی جگہ چھوڑ کر ڈرائیور اور کلینر کے قریب انجن کے ڈھکنے پر جا بیٹھا تھا۔

میری معلومات کے مطابق جلال آباد سے طورخم تک کا راستہ بہت خطرناک تھا نہ زیادہ طویل۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ سو میل سے بھی کم مسافت طے کرنے کے لئے ہم بارہ بجے کیوں نکل کھڑے ہوئے تھے جب کہ سرحد عبور کرنے کے لئے ہمیں ہر حال میں اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے یہی سوال کیا تو ایلن نے بتایا کہ طورخم جلال آباد شاہراہ پر جب رسد کے قافلے رواں ہوتے ہیں تو روسیوں سے لڑنے والے گوریلوں کے دستے اس سڑک کو بالکل بند کردیتے ہیں اور اس راستے پر سفر کرنے والی گاڑیوں کو گھنٹوں سڑک سے نیچے رہ کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ایسی کسی ناگہانی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے وقت کی گنجائش ضروری تھی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ شاہراہ بہت دشوار گزار نہیں تھی لیکن پھر بھی پہاڑی راستوں پر متعدد کھائیاں اور خطرناک موڑ ہونے کی وجہ سے سفر کی وہ رفتار رکھنی ممکن نہیں تھی جو ہموار میدانی راستوں پر ہوتی ہے۔

جلال آباد سے نکلتے ہی بھوری پہاڑیاں ہمارے سامنے تھیں۔ اس لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک پر مزید چند میل کے سفر کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس راستے پر بے فکری اور تیز رفتاری سے ڈرائیونگ ممکن نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب جب سڑک پر دور دور تک ہماری کوسٹر کے علاوہ کوئی اور گاڑی نظر نہیں آرہی تھی' اچانک فضا میں سائرن کی آواز سنائی دینے لگی جو تیزی سے قریب آتی جارہی تھی۔

"بس مارے گئے۔ اب مصیبت آنے والی ہے۔" ڈرائیور اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

دیکھتے ہی دیکھتے مخالف سمت سے دو گاڑیاں' ایک دوسرے کے برابر میں آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ چند ہی لمحوں میں ان کی ساخت واضح ہوگئی۔ وہ کھلی ہوئی فوجی جیپیں تھیں جن پر مشین گنیں نصب تھیں۔ دونوں جیپوں پر سرخ رنگ کی روشنی گردش کررہی تھی۔ ان ہی میں سے کسی جیپ کا سائرن بج رہا تھا۔ دونوں جیپوں پر بہت سے مسلح افراد لدے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر گول' چترالی ٹوپیاں تھیں اور ان کی لمبی لمبی قمیصوں کے دامن ہوا میں تیزی سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ ان جیپوں نے سڑک کی پوری چوڑائی کو جس طرح گھیرا ہوا تھا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ سڑک کو خالی کرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ہماری کوسٹر کو دیکھتے ہی جیپ کے مسلح سواروں نے رائفلیں لہرا لہرا کر کوسٹر کو سڑک سے نیچے اتارنے کے اشارے کرنے شروع کردیے۔ اس وقت کوسٹر ایک گہری کھائی کے کنارے سے گزر رہی تھی۔ دوسری طرف ناہموار اور پتھریلا میدان تھا۔ دونوں جیپیں برق رفتاری سے ہمارے سروں پر چلی آرہی تھیں۔ ہمارے ڈرائیور نے کوسٹر کی رفتار کم کرکے اسے پتھریلے میدان میں اتار لیا۔ تیز جھٹکوں سے کوسٹر کے سارے مسافر بری طرح ہل کر رہ گئے۔

ہمارے ڈرائیور نے بریک لگائے ہی تھے کہ وہ دونوں' چنگھاڑتی ہوئی جیپیں زناٹے کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر گئیں۔ جیپ پر سوار مسلح افراد وحشیانہ انداز میں چیخ رہے تھے۔ ان میں سے کسی زیادہ جوشیلے شخص نے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے ایک فائر بھی کیا جس کی سمت کا شاید اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

خاص بات یہ تھی کہ ان جیپوں پر کوئی باوردی شخص سوار نہیں تھا۔ سب لوگ بھانت بھانت کے شہری لباسوں میں تھے مگر ان کے تیور ان کے خطرناک جنگی عزائم کی عکاسی کررہے تھے۔

وہ جیپیں جتنی تیزی سے نمودار ہوئیں' اتنی ہی تیزی سے پیچھے غائب بھی ہوگئیں۔

"وہ لوگ جاچکے ہیں۔ کچھ اور فاصلہ طے کرڈالو۔ شاید انتظار کرنے کے لئے آگے کوئی بہتر جگہ مل جائے۔" میں نے ڈرائیور سے مخاطب ہوکر کہا اور وہ اس انداز میں میری طرف دیکھنے لگا جیسے میں نے کوئی مضحکہ خیز بات کہہ دی ہو۔

"ایمرجنسی اسکواڈ گزرنے کے بعد کوئی گاڑی سڑک پر نہیں آسکتی۔" چند ثانیوں بعد وہ ناصحانہ لہجے میں بتانے لگا "جب تک کانوائے کے آخر میں چلنے والی فیلڈ وین نہیں گزر جاتی ہمیں سڑک سے نیچے رہ کر انتظار کرنا ہوگا۔"

"یہ فیلڈ وین کیا ہوتی ہے؟" یہ سوال ایلن نے کیا تھا۔ اس شاہراہ پر سفر کے ضابطوں سے وہ بھی میری ہی طرح لاعلم معلوم ہورہا تھا "کیا اس کی کوئی خاص نشانی ہوتی ہے؟"

"وہ کوئی بھی وین' جیپ یا گاڑی ہوسکتی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس پر سفید پرچم لہرا رہا ہوتا ہے اور سبز روشنی گھوم رہی ہوتی ہے۔ اس کے گزرتے ہی راستہ کھل جاتا ہے۔" ڈرائیور نے بتایا۔

"اور فیلڈ وین رسد کے قافلے کے پیچھے چلتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ وہ رسد یا کمک ہی ہو۔" ڈرائیور نے بے پروائی سے کہا "فیلڈ وین ہر اس کانوائے کے پیچھے چلتی ہے جس کے لئے راستے بند کرائے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں تو ویسے بھی حکومت کے باغیوں کا زور ہے۔"

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ کوسٹر کے مسافروں میں بے چینی کی لہر سرایت کرتی رہی۔ متعدد مرد نیچے اتر گئے۔ لوگوں نے ہر طرح سے ڈرائیور کو اکسانے کی کوشش کرڈالی لیکن وہ کسی بھی قیمت پر سفر جاری رکھنے پر آمادہ نہیں ہوا۔

کافی دیر گزرنے کے بعد جلال آباد کی سمت سے ایک گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ اس پر کوئی روشنی نصب نہیں تھی' نہ سائرن بج رہا تھا لیکن قریب آنے پر وہ بھی مشین گن سے لیس' کھلی ہوئی جیپ ثابت ہوئی۔ اس پر صرف چار مسلح افراد تھے اور جیپ کے پیچھے کئی گز اونچا ریڈیو انٹینا لہرا رہا تھا۔ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص نے ہیڈ فون پہنا ہوا تھا اور اس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔

"یہ بھی ان ہی کے ساتھی ہیں اور سڑک کا جائزہ لینے کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔" ڈرائیور نے ویرا کے استفسار پر بتایا "اصل کانوائے کے گزرنے تک ایسی گاڑیاں آتی جاتی رہیں گی' اس وقت پوری سڑک پر صرف ان ہی لوگوں کا راج ہے۔ کوئی اور سڑک پر پھٹکنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔"

ہم لوگ باتیں کرہی رہے تھے کہ اچانک لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ پلٹ کر دیکھا تو آگے نکل جانے والی جیپ رکنے کے

بعد واپس گھوم رہی تھی۔ سمت بدلنے کے بعد جیپ نے رفتار پکڑی اور ہمارے قریب آکر سڑک پر ہی تھم گئی۔ اس کا انجن چلتا رہا۔ ڈرائیور کے ساتھ 'ہیڈ فون والا بھی اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ ہیڈ فون سے اپنے دہانے کے سامنے آئے ہوئے ماؤتھ پیس میں وقفے وقفے سے بولتا جارہا تھا۔ بقیہ دو آدمی اپنی رائفلوں سمیت نیچے کود آئے۔
روشن خان ان کی پیشوائی کے لئے سڑک کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں نے روشن خان سے ہاتھ ملائے اور چند ثانیوں تک وہیں رک کر اس سے کچھ پوچھ گچھ کرتے رہے پھر کوسٹر کی طرف بڑھ آئے۔

انہوں نے گہری اور عقابی نظروں سے ایک ایک مسافر کا جائزہ لیا۔ افغان مسافروں نے ان سے کچھ گفتگو بھی کرنی چاہی لیکن وہ خشک لہجے میں مختصر جواب دے کر کوسٹر میں گھس گئے۔ اس وقت کوسٹر میں صرف عورتیں رہ گئی تھیں۔ سارے مرد نیچے اترے ہوئے تھے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ سادہ پوش کسی سے کچھ کہے بغیر جیپ کی طرف لوٹ گئے۔

ان کے سوار ہوتے ہی جیپ نے تیزی سے خطرناک یوٹرن لیا اور دوبارہ طورخم کی سمت میں روانہ ہوگئی۔

میں دل ہی دل میں ان لوگوں کی چالاکی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ مسافروں کے بھیس میں ان کے مخالف کیمپ کے تخریب کار بھی ہوسکتے تھے جو اپنی جانوں پر کھیل کر ان کے کانوائے کو نیست ونابود کر ڈالتے۔ وہ خطرے کے ہر امکان کی دیکھ بھال کرنے کے عادی تھے اور شاید اسی لئے کامیابی سے جنگ کو طول دیتے چلے جارہے تھے۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ متعدد گاڑیاں آئیں اور گزر گئیں لیکن کارواں نہ آیا۔ ڈرائیور نے سب کو تسلی دی کہ نامساعد حالات میں ایسی تاخیر ہوتی ہی رہتی تھی۔ کبھی کبھار پورا پورا دن اسی انتظار میں کٹ جاتا تھا۔ ان دنوں وہ کوئی نئی بات نہیں تھی اس لئے سب کو صبر سے کام لینا چاہئے تھا۔

راہوارِ مشرق اپنے دن بھر کے سفر سے تھک ہار کر آسمان کے مغربی گوشوں کی طرف جھکتا جارہا تھا۔ چمکیلی دھوپ میں زردی کا رچاؤ بڑھنے لگا تھا کہ فضا میں کسی ہیلی کاپٹر کی گونج سنائی دی پھر وہ دیو ہیکل مشینی پرندہ ہماری نظروں میں بھی آگیا۔ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ خاصی کم بلندی پر پرواز کررہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی بلندی صرف اتنی رکھی گئی تھی کہ اسے زمین سے کسی رائفل کا نشانہ نہ بنایا جاسکے۔

وہ ہیلی کاپٹر طورخم کی طرف سے نمودار ہوکر جلال آباد کی سمت میں غائب ہوگیا۔

میں روشن خان کی دوراندیشی کا قائل ہوگیا۔ اتنی کڑی دیکھ بھال میں کوئی فاترالعقل شخص ہی ان مسلح جتھوں کے نافذ کئے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی کی ہمت کرسکتا تھا۔

ہم چاروں دوسرے مسافروں سے الگ ہوکر بڑے بڑے پتھروں پر جابیٹھے۔

"اچھا ہی ہوا کہ ہم بارہ بجے چل پڑے تھے۔" سلطان ش
تھکی ہوئی آواز میں کہا "ہم دن کے اجالے میں تو سے
سفر طے کرچکے ہیں'اب بقیہ سفر طے کرنے کے بعد ہم سرح
کرنے تک کہیں نہیں رکیں گے۔"

"دعا کرو کہ آج کی تاریخ میں سفر کا باقی حصہ پورا کر
نوبت آسکے" ویرا کی آواز سے بھی اضمحلال جھلک رہا تھا "
ہوتا ہے کہ ادھر سے کوئی بہت اہم یا بڑا کانوائے آنے والا ہے"

"تم کدھر کی بات کررہی ہو؟" غزالہ نے سوال کیا۔ وہ
طرح چاق وچوبند نظر آرہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ لڑنے والوں کے لئے ہتھیار اور بیشتر اد
سامان طورخم کے راستے ہی آتا ہے۔" ویرا بولی۔

"یہ تمہارا اندازہ ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ آج جلال آبا
سمت سے کوئی کارواں سرحد کی طرف جارہا ہو۔"

"ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن جلال آباد سے پاک
کے لئے کیا بھیجا جاسکتا ہے؟"

میں خاموشی سے ان دونوں کی بحث سے لطف اندوز ہو
ہوئے،سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

"تم بھول رہی ہو کہ روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں
ذخائر کی پاکستان میں بہت مانگ ہے۔" غزالہ نے معنی خیز لہجے
کہا "روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کے لئے جنگی حا
میگزین حاصل کرنا آسان نہیں ہوگا جب کہ بارودی میگزین
ہر ہتھیار لوہے کے ایک معمولی ٹکڑے کی طرح حقیر ہوتا
تھوڑے بہت میگزین کے ساتھ یہ ہتھیار آسانی سے پاکستان
چوربازاروں میں کھپ جاتے ہیں۔ انہیں اپنے لئے وافر مقدار
امریکی ہتھیار اور میگزین ملتے رہتے ہیں۔"

"تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" ویرا بولی "میں نے سیکڑ
جنگی واقعات پڑھے ہیں جن میں پسپائی کے وقت ہوشیار کمانڈر
توپیں اور ٹینک تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن گولہ بارود اور میگزین
ذخائر کو تباہ کردیتے ہیں۔ اپنے کیلیبر کے گولے کے بغیر دنیا کی
توپ لوہے کا انبار بن کر رہ جاتی ہے۔ تم نے ایک جملے سے م
آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ شراب کے علاوہ کوئی فقر
تمہاری آنکھیں کھول سکتا ہے۔" سلطان شاہ اچانک بول پڑا
نے آج کا پورا دن شراب کے فاقے میں گزارا ہے۔ اصولاً تمہ
اس وقت اتنا غلیل ہونا چاہئے تھا۔"

"یہی میرا کمال ہے کہ میں بلانوش ہونے کے باوجود الکحل
عادی نہیں ہوں۔" ویرا نے فخر سے کہا "ملے تو روز دل کھول کر
ہوں'نہ ملے تو مجھے ہفتوں بھی پروا نہ ہوگی۔ عادی شرابیوں سے
سخت نفرت ہے۔"

"اتفاق سے بڑے بھائی کا بھی یہی حال ہے۔" سلطان شاہ۔

میری طرف اشارہ کرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا "خود ہی دیکھ لو کہ کتنے اطمینان سے سوکھی سگریٹ چوسے جارہے ہیں۔"

ذہن بوجھل ہونے کے باوجود سب ہی بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہوگئے۔

سورج اپنے آخری سانسوں پر تھا کہ فضا میں فوجی ٹرکوں کے انجنوں کی بھاری اور مخصوص گھڑگھڑاہٹ گونجنے لگی۔ میں غیرارادی طور پر اپنے پتھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فضا پر کان لگانے سے اندازہ ہوا کہ متعدد ٹرکوں کی وہ دھیمی آوازیں جلال آباد کی سمت سے ہماری طرف بڑھی چلی آرہی تھیں۔

کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ کارواں قریب آگیا۔ سب سے آگے آنے والی جیپ پر ایک دوربار رائفل نصب تھی۔ جیپ پر ڈرائیور کے علاوہ چار ہتھیار بند سادہ پوش فائرنگ کی پوزیشن لئے کھڑے تھے۔ جیپ کے پیچھے مہیب آہنی باڈیوں والے' چار اونچے فوجی ٹرک قطار میں چلے آرہے تھے۔ آخر میں ایک کھلا ہوا فوجی ٹرک تھا جس کی آہنی باڑھ کے تین اطراف میں متعدد افراد اپنی رائفلیں تانے' تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ اگلی جیپ اور پچھلے ٹرک پر لاسلکی مواصلاتی آلات کے اونچے اونچے اریل لہرا رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ روایتی فیلڈوین کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

میں دوڑ کر روشن خان کے قریب پہنچا تو وہ پیٹر کو بتا رہا تھا "یہ اصل کارواں نہیں تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ موقع دیکھ کر اس کانوائے کو گزار دیا گیا ہے۔ جب تک فیلڈ وین نہیں آئے گی' سڑک بند رہے گی۔"

"تھوڑی ہی دیر میں اندھیرا پھیلنے لگے گا اور پتھریلی زمین سے حشرات الارض ابل پڑیں گے۔ ہمیں مزید کتنا انتظار کرنا ہوگا؟" میں نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا اور پھر اپنی بولی میں ان متردّد افغانوں سے جو اس کے گرد جمع ہونے لگے تھے' مخاطب ہوگیا۔

کھلی فضا میں خنکی بڑھتی جارہی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کو ہانک کر کوسٹر میں لے گیا۔

اندھیرا ہونے کے ساتھ ساتھ اس چٹیل پہاڑی ویرانے میں خنکی نے بڑھ کر ہلکی سی سردی کی صورت اختیار کرلی۔ یکے بعد دیگرے کوسٹر کے شیشے بند کئے جانے لگے پھر باہر ٹہلنے والے مسافر بھی اندر آگئے۔ ڈرائیور نے عقبی حصے کی ایک اندرونی بتی روشن کردی تاکہ مسافروں کو اپنی اشیا اور ساتھیوں کو پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

مزید ایک گھنٹا گزر گیا۔ اس دوران میں سڑک پر پُرہول سناٹا چھایا رہا۔ آخرکار پھر ویسی ہی آوازیں سنائی دینے لگیں جو چار ٹرکوں والے قافلے کے نمودار ہونے سے پہلے سنائی دی تھیں۔ اس بار آوازیں اس طرف سے آرہی تھیں جدھر ہمیں سفر کرنا تھا۔

اس بار آوازیں زیادہ پُرشور تھیں۔ جب بہت سے طاقتور انجن یکساں رفتار سے چل رہے ہوں تو ان کی آواز میں خود بخود ایک ہیبت ناک گونج پیدا ہونے لگتی ہے' اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی۔

جلال آباد کی طرف جانے والے اس کارواں کی ترتیب بھی پچھلے کانوائے کی طرح تھی۔ اندھیرا گہرا ہوچکا تھا اس لئے صرف اگلی جیپ کے ہیڈ لیمپس روشن تھے۔ بقیہ بند ٹرکوں میں مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ شاید ان کی روشنیوں کے تمام فیوز نکال لئے گئے تھے۔ ٹرکوں کے ڈرائیور محض اپنی بینائی کے سہارے ایک مستقل فاصلے سے اگلے ٹرک کے پیچھے چل رہے تھے۔ مجموعی طور پر اس کانوائے کی رفتار بہت تیز تھی۔

جیپ کے پیچھے چلنے والے آہنی ٹرکوں کی تعداد بیس تھی۔

ٹرکوں کی کمانیوں سے پیدا ہونے والی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ ٹرکوں پر ان کی گنجائش سے زیادہ بوجھ لدا ہوا تھا۔ آخر میں آنے والے کھلے ہوئے ٹرک کی داہنی' بائیں اور عقبی سمتوں میں متعدد ہیولے مورچہ بند تھے۔ یہ دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا کہ اس کارواں کے پیچھے بھی فیلڈ وین نہیں تھی مگر پھر کچھ دور ہونے والے جھماکوں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

کھلے ہوئے ٹرک سے تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ دور ایک اور گاڑی چلی آرہی تھی۔ اس کی اگلی ہیڈلائٹس بند تھیں کیونکہ ان کی وجہ سے پورا کانوائے روشنی میں نہا سکتا تھا۔ وہ گاڑی دھیمی پارکنگ لائٹس کی روشنی میں کانوائے کی رفتار سے سفر کررہی تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ اس بند گاڑی کے عقب میں سبز روشنی گردش کررہی تھی۔

بیس ٹرکوں پر مشتمل وہ کانوائے یقیناً بہت زیادہ اہم تھا جبھی اسے مکمل رازداری اور بلیک آؤٹ کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف لے جایا جارہا تھا۔ ان ٹرکوں کو فیلڈ وین کی سبز گردشی روشنی کے انعکاس سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ بندوبست کیا گیا تھا کہ سبز روشنی فیلڈ وین کی چھت کے بجائے عقبی حصے پر نصب کی گئی تھی۔

فیلڈ وین ہمارے سامنے سے گزری تو سبز روشنی کے انعکاس میں اس کے بونٹ پر لہراتا ہوا سفید پرچم بھی نظر آگیا۔

روشن خان نے انجن کے ہیٹر شاید پہلے ہی سے آن کئے ہوئے تھے۔ فیلڈ وین کے گزرتے ہی اس نے ایک مستانہ نعرہ مار کر سیلف لگایا اور کوسٹر کا ڈیزل انجن ایک ہچکی لے کر بیدار ہوگیا۔

کوسٹر پتھریلی زمین پر کسی مست خرام دوشیزہ کی طرح ہچکولے لیتی ہوئی سڑک پر آئی تو روشن خان جوش میں آکر تیزی سے گیئر بدلتا چلا گیا اور جب کوسٹر آخری گیئر کی رفتار پر آئی تو گیئر بدلتے ہی کوسٹر کے ایکسیلریٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔

مسافروں میں سے کسی نے اس کی تیز رفتاری پر اعتراض نہیں کیا۔ شاید سب ہی خوش تھے کہ روشن خان کسی فرمائش کے بغیر ان کے جذبات کو سمجھ رہا تھا۔

چار ٹرکوں پر مشتمل قافلے کو ہم سے آگے گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا لیکن پھر بھی میرے دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش جاگ اٹھی کہ کاش ہم اس قافلے کے پیچھے پہنچ کر یہ جان سکیں کہ وہ کہاں جارہا تھا۔

کوسٹر غرّاتی اور سڑک پر ہلکورے لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں سیاہ سڑک دور تک ویران نظر آرہی تھی۔ لوگ درست ہی کہتے تھے کہ سمجھدار افغان رات کے اندھیرے میں سنسان شاہراہوں پر سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

○☆○

"ہالٹ" کی کرخت آواز سنتے ہی روشن خان نے پوری قوت سے کوسٹر کے بریک لگادیے اور سارے مسافر اپنی نشستوں سے اچھل کر اگلی پشت گاہوں یا دوسروں پر جا پڑے۔ خوف سے کئی عورتوں کی چیخیں بھی نکل گئیں مگر روشن خان کی وہ کارروائی ناگزیر تھی۔ جب طورخم سے پہلے پڑنے والی چیک پوسٹ پر الین لین دین کے معاملات طے کرکے آیا تو روشن خان نے واضح الفاظ میں سب کو آگاہ کردیا تھا کہ وہ ان پُرپیچ اور خطرناک پہاڑی چڑھائیوں میں' طورخم جانے والی پختہ سڑک کو چھوڑ کر ایک خفیہ کچے راستے سے سرحد کی طرف جائے گا۔ اس راستے پر غیرمتوقع واقعات پیش آنے کے امکانات تھے مگر اس کی ہدایت تھی کہ کوئی بھی اہل کار کوئی حکم دے تو بے چون و چرا اس کی تعمیل کی جائے۔ افہام و تفہیم اور سودے بازی کے معاملات وہ خود سنبھالے گا۔

پتھریلی اور ناہموار پہاڑی ڈھلانوں پر کافی دیر تک چڑھنے اور اترنے کے بعد کوسٹر بمشکل ایک مسطح علاقے میں داخل ہوئی تھی کہ ہالٹ کی ایک تحکمانہ آواز نے سفر کا سلسلہ روک دیا۔ روشن خان نے صرف بریک ہی نہیں لگائے بلکہ روشنیاں گُل کرکے انجن بھی بند کردیا اور پھرتی سے نیچے اتر گیا۔

باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں کسی نے لمحہ بھر کے لئے اپنی ٹارچ چمکا کر کچھ کہا۔ جواب میں روشن خان کی آواز سنائی دی۔ سوال جواب کی زبان میری سمجھ سے باہر تھی مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور تھی کہ اس وقت ہم افغان سرزمین پر ہی تھے یا سرحد پار کرچکے تھے۔ قیاس کہتا تھا کہ افغان نگہبان اپنا حصّہ لئے بغیر پوری کوسٹر کو گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے اس لئے وہ پہلا سرحدی لین دین ان ہی کے ساتھ ہوسکتا تھا۔

روشن خان تقریباً آدھے گھنٹے تک باہر اندھیرے میں مذاکرات کرتا رہا۔ کوسٹر میں اضطراب آمیز سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں بھی امید و بیم کے عالم میں تھا۔ پہلے سے سب کچھ طے ہوتا تو سرحد پار کرلینے کا پورا یقین ہوتا لیکن وہاں تو موقع پر ہی معاملات طے کئے جارہے تھے۔ بات بن جانے کی صورت میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بات بگڑنے پر رنگے ہاتھوں گرفتاری کا خطرہ میرے سر پر تلوار کی طرح منڈلا رہا تھا۔

خدا خدا کرکے روشن خان خوش و خُرّم واپس لوٹ آیا۔

اندھیرے میں کسی نے تیز وسل بجا کر کسی کو کوئی اشارہ دیا اور روشن خان نے کوسٹر کا انجن اسٹارٹ کردیا۔ اس بار اس نے ہیڈ لیمپس روشن کئے بغیر گاڑی آگے بڑھائی تھی اس لئے رفتار بہت سست تھی۔ پارکنگ لیمپس کی روشنی زیادہ دور تک کام نہیں کررہی تھی۔

باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں ہمیں سنسناتے ہوئے تاریک تر درختوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن روشن خان کچے راستے پر اسٹیئرنگ وھیل کو دائیں بائیں گھما کر یوں ڈرائیونگ کررہا تھا جیسے اس علاقے کا چپّا چپّا اس کا دیکھا بھالا ہو۔ ڈیش بورڈ کی رنگ برنگی روشنیوں کے مدھم انعکاس میں اس کا چہرہ پُراعتماد لگ رہا تھا۔

"اب ہم افغانستان سے نکل کر آزاد پٹی میں آگئے ہیں۔" چند منٹ بعد روشن خان نے وہ انکشاف کرکے مجھے ایک عجیب سی سنسنی میں مبتلا کردیا۔ شنگرا ویلی میں گزارے ہوئے خوابناک شب و روز کے بعد یہ احساس بہت ہیجان انگیز تھا کہ ہم اپنی سرزمین سے بس چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔

"ساری روشنیاں بجھادو۔" ویرا نے نیم ہذیانی لہجے میں روشن خان سے سرگوشی کی۔

"کیوں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"کہیں پاکستان والے کوسٹر کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر فائر نہ کھول دیں۔"

وہ زور سے ہنس پڑا "دکھ کی بات یہی ہے کہ ہمیں اپنوں کو رشوت دینا پڑتی ہے' دوسری طرف والے کچھ نہیں مانگتے بلکہ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں ہدایت ہے کہ جنگ کے ستائے ہوئے خاندانوں کو سرحد پار کرنے سے نہ روکا جائے۔ اس طرف پہنچتے ہی ہم پکی سڑک پکڑلیں گے۔"

"لیکن اس کوسٹر میں تو کوئی بھی جنگ کا ستایا ہوا نہیں ہے۔" غزالہ حیرت سے بولی۔

"نہ ہو مگر وہ ہر آنے والے کو ستم زدہ مہاجر سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے تم بھی یہی سمجھ لو۔"

"لیکن یہ اصل مہاجروں کی حق تلفی ہے۔" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم کہاں کی باتیں سوچ رہی ہو۔ اس دور میں وہی کامیاب رہتا ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے ہر ایک کو روندتا ہوا آگے نکل جائے۔ اس وقت اصول کی نہیں' بس اپنے فائدے کی بات سوچو۔" ویرا تلخی سے بولی۔

غزالہ خاموش ہوگئی۔ کوسٹر ہچکولے کھاتی ہوئی پاکستانی علاقے میں داخل ہوچکی تھی۔ ادھر پہنچتے ہی روشن خان نے کوسٹر کے ہیڈ لیمپس روشن کرکے اپنی کامیابی کا اعلان کیا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

کچے راستے پر زیادہ دیر سفر نہیں کرنا پڑا۔ روشن خان اس

علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس کس رخ پر مڑنے کے بعد پختہ سڑک تک پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے۔ جوں ہی کوسٹر سڑک پر چڑھی' روشن خان نے اندرونی بتیاں بھی روشن کردیں اور تھکے ہارے مسافروں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

طورخم کی سرحدی چیک پوسٹ پیچھے رہ گئی تھی اور ہمارا قافلہ کوہ سلیمان میں واقع درۂ خیبر کی تاریخی گزر گاہ سے لنڈی کوتل کی طرف جارہا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں صرف سڑک پر ملکی قوانین کا نفاذ ہوتا تھا اور سڑک سے نیچے آزاد قبائل کے اپنے روایتی قوانین کا اطلاق ہوتا تھا۔ آزاد قبائل کے معاشرتی نظام میں دورِ جدید کی عدالتوں اور پُر پیچ قانونی موشگافیوں یا وکالت ورو کالت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ قانون کی سربلندی اور نفاذ کی ذمّے داری معزّز جرگے پر ہوتی ہے اور جرگہ فریقین کے بیان سننے اور سادہ عقلی طریقوں سے جرح کرکے اپنا فیصلہ صادر کردیتا ہے' جسے تسلیم کرنا ہر قبائلی پر فرض ہوتا ہے۔ جرگے کے فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو اس زمین پر کہیں امان نہیں ملتی۔

رات کی تاریکی میں وہ اونچے اونچے پہاڑ' بہ زبانِ خاموشی اپنی عظمت کی کہانیاں سنا رہے تھے۔ ان راستوں سے کتنے ہی فاتح اور سوما گزر کر برصغیر کی طرف آئے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے سموں سے نکلنے والی چنگاریوں نے خیبر کی ان گنت تاریک راتوں میں ہیبت و جبروت کے رنگ بھرے تھے مگر پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی متکبر فاتح ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکا۔ بس تاریخ میں اپنا برا بھلا نام لکھوا کر منوں مٹّی کے نیچے جا سویا۔

وہ قہر اور دبدبے کے لئے شہرت رکھنے والے جنگجو حکمراں تھے جو زمین اور دولت کی ہوس میں اس راستے کو پامال کرتے رہے تھے لیکن ہماری کوسٹر میں نئے عہد کے دو فری لانسر سوار تھے جو اپنے دلوں میں ان سفّاک سورماؤں سے زیادہ خطرناک عزائم لے کر خیبر کے اس راستے پر محوِ سفر تھے۔ افغان علاقے سے اپنی سرحد میں آجانے کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ دوسروں کی طرح ایلن اور پیٹر بھی عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

ڈھلوان اور خمدار پہاڑی سڑک پر سفر کرتے ہوئے' آخر کار ہم لنڈی کوتل پہنچ ہی گئے۔

کسی زمانے میں وہ سرحدی تجارت اور غیر ملکی اشیائے تعیش کی خریدوفروخت کا واحد مرکز ہوا کرتا تھا' جہاں تند خو دکاندار اپنی شرائط پر مال فروخت کیا کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ لنڈی کوتل نے ایک بڑے قصبے کی صورت اختیار کرلی تھی جہاں خاصی آبادی ہونے کے ساتھ روز مرّہ زندگی کی دیگر سہولیات بھی میسر آنے لگی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہاں رہنے والوں کی معاشرت پر بیرونی اثرات کی چھاپ خاصی گہری ہو چلی تھی۔

لنڈی کوتل سے گزرنے والی سڑک کے کنارے ٹرکوں اور گاڑیوں کی مرمت کے متعدد ورکشاپ بند پڑے ہوئے تھے لیکن چند مقامات پر برقی روشنی میں اس وقت بھی کام ہو رہا تھا۔ اپنی گاڑیوں کا کام ختم ہونے کے انتظار میں' ٹرکوں کا عملہ بے فکری سے بان کی چارپائیوں پر لیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ اسی بارونق ٹکڑے میں ایک چائے خانہ بھی کھلا ہوا تھا جہاں اونچے چبوترے پر کوئلوں کا چولہا روشن تھا اور اس پر چائے کھول رہی تھی۔

جلال آباد کے غزنی ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ کولر میں بھرا ہوا پانی کب کا ختم ہو چکا تھا۔ بعض دور اندیش مسافر اپنے ساتھ خوردونوش کا سامان لے آئے تھے مگر راستے میں دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے وہ سامان بھی ساتھ چھوڑ چکا تھا' متعدد مسافروں کی فرمائش پر روشن خان نے کوسٹر کنارے سے لگادی۔ ہوٹل کے عملے میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ چارپائیوں پر ستاتے ہوئے لوگ اشتیاق اور دلچسپی سے اٹھ بیٹھے لیکن ان میں سے کسی نے' کوسٹر سے اترنے والے مسافروں سے بول چال میں پہل نہیں کی۔

ان دنوں پشاور اور صوبۂ سرحد کی تہذیب و معاشرت اور معیشت پر بدحال و ناخواندہ افغان مہاجرین کی بھاری یلغار کے منفی اثرات بہت زیادہ اجاگر نہیں ہو سکے تھے لیکن دونوں طرف سرد مہری اور محتاط میل جول کا رویّہ نمایاں تھا۔

چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے افراد' کوسٹر کی کھڑکیوں میں نظر آنے والے نسوانی چہروں کو انہماک اور ڈھٹائی سے تاک رہے تھے۔ سنگلاخ اور خطرناک راستوں پر سفر اور دوسروں کا بوجھ ڈھونے میں زندگی گزار دینے والے ان جفاکش مردوں کے لئے ہر بے حجاب نسوانی چہرہ نظربازی کی ایک سنسنی خیز دعوت کا عنوان بن جاتا تھا۔ وہ اپنی عورتوں کو سخت اور مکمل پردہ کراتے تھے اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنے والیوں کو دیکھ کر دل خوش کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی بدتمیزی نہیں کی لیکن فرسودہ روایات کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے کسی ذہن کے الٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی اس لئے میں نے ویرا اور غزالہ کو کوسٹر سے نیچے اترنے سے روک دیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے اترا تو ایلن ہماری طرف چلا آیا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اس نے دوستانہ لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔

"پشاور کے کسی اچھے ہوٹل میں عیش کریں گے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"ہمارے لئے کام کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"مشکل ہے' تم خود کسی کے لئے کام کررہے ہو۔ اس سفر میں ہم تمہاری مالی حالت کا اندازہ کر چکے ہیں۔ تم ہمارے اخراجات بھی برداشت نہیں کرسکو گے۔" میں نے ہوٹل والے کو چائے اور کھانے کی چند چیزوں کا آرڈر دینے کے بعد کہا "ویسے تم ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟ تمہیں بل جونز اور پال ایتھرٹن کا سراغ لگانا تھا۔ ویرا تمہیں ان کے انجام سے آگاہ کر چکی ہے۔ اب تم پاکستان میں رہ کر کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"ویرا کے بارے میں' میں بہت کچھ جانتا ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "لیکن تم تینوں کے بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی ویرا کی لائن کے لوگ ہو گے۔ میرے لئے بنیادی طور پر یہ بات بہت اہم ہے کہ تم پاکستان کی زیرِ زمین دنیا کے پڑھے لکھے لوگ ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے کام کرنے میں آسانی ہوگی۔"

"میں نے تمہارے کام کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"سچ پوچھو تو مجھے بھی کام کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ جس کام کے لئے کرنل جیسی جونز اپنے اکلوتے بیٹے کو پاکستان بھیج سکتا ہے' اس کام میں بہت پیسہ ہوگا اور پھر راس الیڈا جیسا ارب پتی اس کام میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس سے ہماری کوئی ڈیل بن گئی تو ہم سب کے وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ تم ہیروئن کو بالکل بھول جاؤ گے۔"

"ہم سے کس نے کہا کہ ہم ہیروئن میں ڈیل کرتے ہیں؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے۔" وہ اطمینان سے بولا "ویرا ہیروئن کی شہزادی ہے۔ تم لوگ اس کے ساتھ ہو۔ قندوز خان تمہارا میزبان تھا۔ اس کا تعلق شنگارا ویلی سے ہے اور وہاں افیم کی سب سے زیادہ فصلیں ہوتی ہیں۔ وہ ساری افیم' ہیروئن بنانے کے کام آتی ہے۔ یہ سارے حقائق ایک خاص سمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تم ڈیپی ہوتے تو مجھے سب کچھ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی کیونکہ ڈیپی شی سے باغی ہونے کے باوجود ویرا کا بہترین دوست بلکہ شاید محبوب بھی ہے مگر تم مصر ہو کہ تم ڈیپی نہیں' تنویر ہو۔ ایسی صورت میں' میں اندازے ہی لگا سکتا ہوں۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ ہم نے شنگارا ویلی کا سفر اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ ہمیں اغوا کرکے وہاں لے جایا گیا تھا۔ اس کی کسی بات کی تردید کئے بغیر' میں نے بس اتنا کہا کہ وہ چاہے تو ہمیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کردے۔ اس کے ساتھ کام کرنے کا موڈ ہوا تو اس سے رابطہ کرلیا جائے گا۔ اس نے اپنے ساتھی سے مشورہ کرکے جواب دینے کا وعدہ کیا اور میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ باتیں کرتا ہوا ٹہل رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک کڑیل پٹھان مجھے زور سے شانہ مارتا ہوا گزر گیا۔ اس کے کندھے پر پڑی ہوئی چادر میں سے کلاشنکوف کی نال واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ اس کے گزرنے کے لئے کافی جگہ موجود تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے دانستہ میرے ساتھ شرارت کی تھی۔ سلطان شاہ نے پلٹ کر اسے خونخوار نظروں سے گھورا مگر میں نے فوراً ہی اسے روک لیا "اس وقت ہم علاقہ غیر میں ہیں۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ یہاں کسی سے الجھنے کی کوشش ہمیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نشے میں ہو اور اپنی جھونک میں مجھ سے آٹکرایا ہو۔ وہ مسلح ہے۔ تلخی بڑھی اور وہ فائرنگ پر تل گیا تو یہ سفر یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"کمال کی بات یہی ہے کہ یہاں کوئی نشہ نہیں کرتا۔" سلطان شاہ بولا "یہاں برسرِ عام چرس اور ہیروئن کا لین دین ہوتا ہے لیکن کوئی ان منشیات کو استعمال نہیں کرتا۔ جرگے نے ان منشیات کے استعمال پر کڑی سزائیں مقرر کی ہوئی ہیں۔"

"لیکن شراب تو پی جاتی ہوگی؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"اس بارے میں مجھے علم نہیں۔ وہ بدمعاش اگر شرابی ہوتا تو اس کے منہ سے الکحل کے بھبکے آرہے ہوتے۔ اس نے بلاوجہ تمہاری تضحیک کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے اڑنے کے موڈ میں ہو۔"

"اپنا ردعمل ظاہر کرکے تم اس کے جال میں پھنس جاتے۔ میں نے اسی وجہ سے تمہیں روکا ہے۔"

کسی سرپھرے مقامی سے تکرار کا اندیشہ اتنا سنگین تھا کہ میں ہوٹل والے کو چائے اور دیگر لوازم کوسٹر میں بھجوانے کی ہدایت کرکے واپس چل دیا۔ واپسی پر وہی نوجوان ایک چارپائی پر براجمان نظر آیا۔ اس کی چیلنج کرتی ہوئی' چمک دار آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔ جوں ہی میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں' اس نے تحقیر آمیز انداز میں ہمارے آگے نسوار زدہ تھوک کی پچکاری ماری مگر میں اسے درگزر کرکے تیزی سے آگے نکل گیا۔ اس وقت میں کسی بھی جھگڑے سے بچنے کے لئے کوشاں تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سارے مسافروں کو چھوڑ کر ہم پر ہی کیوں مہربان ہو رہا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہے تھے' اس کی چمکیلی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ اس وقت وہ نشے میں نہیں ہے۔"

"اور بظاہر اکیلا ہے۔" سلطان شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"اسے اکیلا نہ سمجھو۔ بات بڑھتے ہی اس کے دسیوں حامی سامنے آجائیں گے...... عورتوں کے سامنے اس بدمزگی کا ذکر نہ کرنا۔" اسے ہدایت کرکے میں کوسٹر میں چلا گیا۔ اس وقت وہی جگہ سب سے بہتر تھی۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

اس وقت کوسٹر میں ایک دو مرد موجود تھے۔ عورتوں میں سے کسی نے نیچے قدم رکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ سب دن بھر کی بھوکی پیاسی تھیں اور دل کھول کر اشیائے خوردونوش سے انصاف کررہی تھیں۔ بعد میں غزالہ اور ویرا بھی ان ہی کے ساتھ شریک ہو گئیں۔ شدید طلب کے عالم میں باسی ٹوسٹ اور بھپکے دار مکھن بھی انہیں اندھا دھند خوردونوش سے نہیں روک سکے۔

تقریباً نصف گھنٹے تک وہاں قیام کے بعد کوسٹر لنڈی کوتل سے آگے چل پڑی اور راستہ ...ن ہونے کی وجہ سے چند ہی منٹ میں آبادی سے باہر نکل آئی۔ ...ئیور اپنی دُھن میں گاڑی دوڑائے جارہا تھا۔ خیبر کے سلسلۂ کو... سے گزرنے والی بل دار سڑک کے پیچ و خم اس کے دیکھے بھا... ے اس لئے اسے اپنی رفتار برقرار رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ... آرہی تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ الجھن میں مبتلا نظر آنے لگا۔

راستہ صاف ہونے کے باو... ن نے کوسٹر کی رفتار کم کردی اور اپنے سامنے' ونڈ شیلڈ کے ساتھ نصب متعدد عقب نما آئینوں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہوگیا۔ و... تر کے ساتھ آئینوں کے زاویے تبدیل کررہا تھا اور بار بار اپ... ست میں بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اس کی حرکات سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کوسٹر کے عقب میں کسی نادیدہ شے کو ان آئینوں کی گرفت میں لینے کی ناکام کوششیں کررہا ہو۔

روشن خان کی مضطربانہ حرکات اتنی واضح تھیں کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا اور تجسس کے عالم میں پلٹ کر پیچھے کا جائزہ لینے لگا۔ عقبی گلاس شیلڈ میں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک تاریک اور ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں الجھن کا شکار ہوگیا کہ روشن خان کیا تلاش کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

میرے اضطراب کو دیکھتے ہوئے پیٹر بھی چونک پڑا "تم بار بار پیچھے مڑ کر کیا دیکھ رہے ہو؟"

"میں کچھ نہیں دیکھ رہا۔ مجھے روشن خان کی طرف سے فکر لاحق ہے۔" میں نے کہا "اسے پیچھے کی فکر ہے لیکن مجھے کوسٹر کے پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔ سڑک بالکل ویران اور سنسان پڑی ہوئی ہے۔"

ہم دونوں کی گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی جو شاید روشن خان کے پلے نہ پڑ سکی ہو لیکن میرے خاموش ہوتے ہی ایلن اس سے مخاطب ہوگیا "روشن خان! ڈیٹی تمہارے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ تم پریشان کیوں ہو؟"

"پھر وہی ڈیٹی!" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا "میں بتا چکا ہوں کہ میرا نام تنویر ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ایلن نے انگریزی میں معذرت کرتے ہوئے کہا "تمہاری ذات کے حوالے سے ڈیٹی کا نام میرے ذہن سے کسی بچھو کی طرح چپک کر رہ گیا ہے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا مگر تم میری یہ کمزوری نوٹ کرلو کہ میں ڈیٹی کہوں یا تنویر' مقصد تمہاری ذات سے ہوگا۔"

"پھر تم بھی میری یہ کمزوری نوٹ کرلو کہ میں بچھو کہوں یا ایلن' حوالہ تمہاری ذات کا ہوگا۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

ایلن ہولے سے ہنس پڑا "اوہ! تم تو ناراض ہوگئے۔ میں تمہاری توہین یا تضحیک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اگر تم اس بارے میں اتنے ہی حساس ہو تو میں کوشش کروں گا کہ تمہارا ذکر تنویر کے نام سے کروں۔"

"میں پریشان نہیں ہوں۔" ایلن کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی روشن خان بول پڑا۔

"پھر تم پہلو بدل بدل کر عقب نما آئینے میں کیا دیکھنے کی کوشش کررہے ہو؟" ایلن نے پوچھا۔

"اوہ!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولا "میرا اندازہ ہے کہ کوئی کار اپنے ہیڈ لیمپس روشن کئے بغیر اس خطرناک راستے پر ہمارا پیچھا کررہی ہے۔ اس راستے پر یوں سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"روشنیاں گل ہیں تو تمہیں کیسے پتا چلا کہ پیچھے کوئی کار آرہی ہے؟" ایلن نے پوچھا۔

"ہم بلندی سے نشیب کی طرف جارہے ہیں۔" روشن خان بولا "وہ موڑ پر بریک لگاتے ہیں تو ان کی عقبی سرخ روشنیاں جل اٹھتی ہیں اور ان کا سرخ انعکاس مجھے چونکا دیتا ہے۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں۔"

"اور کیا چاہتے ہیں؟" ایلن نے لقمہ دیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"بظاہر سڑک ویران نظر آرہی ہے۔" ایلن پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا "اس وقت دور دور تک ہماری کوسٹر کے سوا کوئی اور گاڑی نہیں ہے جو یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس کا پیچھا کررہے ہیں....."

"وہ ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔" روشن خان اس کی بات کاٹ کر بولا "انہیں آگے نکل جانے کا موقع دینے کے لئے میں کئی بار اپنی رفتار کم کرچکا ہوں لیکن وہ آگے نکلنے کے بجائے خود بھی رفتار کم کرلیتے ہیں۔ لنڈی کوتل تک میدان بالکل صاف تھا۔ یہ لوگ وہیں سے ہمارے پیچھے لگے ہیں۔ اگر وہ راستے میں ہم سے الجھ بیٹھے تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا پستول ٹول بکس میں پڑا ہوا ہے۔ تم میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

"راستے کی تلاشیوں کے خوف سے سب ہی کو غیر مسلح کرا دیا گیا تھا۔" ایلن نے کہا "ہمارے ہتھیار تھیلے میں ہیں جو کوسٹر کی چھت پر ہے۔ تم دوسرے مسافروں سے پوچھ لو۔ شاید کسی نے کوئی ہتھیار چھپایا ہوا ہو۔"

روشن خان نے کوسٹر کے مسافروں سے کسی آتشیں ہتھیار کے بارے میں دریافت کیا تو پتا چلا کہ ایلن کی ہدایت کی روشنی میں سب نے غیر مسلح ہوکر اپنے ہتھیار سامان میں ڈال دیے تھے اور اس وقت کسی کے پاس کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔ اس سوال کے نتیجے میں مسافروں میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ کئی متردد مسافر اپنی جگہیں چھوڑ کر آگے آ... تاکہ کلینز اور ڈرائیور سے کچھ معلومات حاصل کرسکیں۔

ڈرائیور نے انہیں اپنے ...ب میں آنے والی مشتبہ کار کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد کلـ... چلتی ہوئی گاڑی کی چھت پر بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔ کوسٹر کے روف... تک رسائی کے لئے عقب میں آہنی زینہ موجود تھا۔ کلینز کو دروازے سے وہاں تک پہنچنے کے لئے سنگین خطرہ مول لینا پڑتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والے اس کو دیکھ کر فوری طور پر کسی کارروائی کا آغاز کر بیٹھتے لیکن اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے وہ خطرہ مول لینا ناگزیر ہوچکا تھا۔ مسافروں نے کلینز کو بخوشی اجازت دے دی تھی کہ وہ جس بیگ سے چاہے ہتھیار نکال لائے۔

ڈرائیور نے کلینز کی سہولت کے لئے کوسٹر کی رفتار قدرے کم کرلی اور وہ دروازہ کھول کر کھڑکیوں اور باڈی کے کناروں کا سہارا لیتا ہوا' باہر تاریکی میں رینگ گیا۔

کلینز بمشکل پیچھے پہنچا ہوگا کہ تعاقب کرنے والوں نے اندھیرے کے باوجود اس کی جھلک دیکھ لی اور اچانک ہی اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کردیے اور وہ ویرانہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ اسی لمحے کسی خودکار مگر ہلکی مشین گن سے تین گولیوں کا ایک ہلکا سا برسٹ مارا گیا اور مسافروں میں خوف و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

وہ فائر کلینز کو خوف زدہ کرنے کے لئے کئے گئے تھے کیونکہ ان میں سے کوئی گولی کوسٹر کے کسی حصے میں نہیں لگی تھی۔ فائر ہونے کے بعد پیچھے والی گاڑی کی رفتار اچانک تیز ہوگئی۔ اسی کے ساتھ ہیڈ لیمپس بھی تواتر کے ساتھ دھیمے اور تیز کئے جانے لگے پھر وہ کار سرعت سے کوسٹر کے عقبی حصے کے برابر میں آئی اس میں سے کسی نے وحشیانہ لب و لہجے میں چیخ کر کچھ کہا اور کوسٹر کی آہنی سیڑھی سے لٹکا ہوا کلینز اوپر جانے کے بجائے دروازے کی طرف واپس لوٹنے لگا۔

کلینز کے پیچھے سے لوٹنے تک وہ کار کوسٹر کے عقبی حصے سے تقریباً چپک کر دوڑتی رہی۔ جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ کلینز دروازے کی طرف لوٹ رہا ہے تو انہوں نے یک لخت کار کی رفتار بڑھادی اور پھر داہنی طرف سے کوسٹر کو اس طرح دبانا شروع کیا کہ ہمارے ڈرائیور کو کنارے کی طرف ہوکر' رفتار میں کمی کرنا پڑ گئی۔

روشن خان مہارت اور حاضر دماغی سے کام نہ لیتا تو اس کار اور کوسٹر میں خاصا خطرناک تصادم ہوسکتا تھا۔ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ اس تصادم میں کار کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا۔ شاید اس کے مسافر بھی مجروح ہوجاتے لیکن ایسے تصادم کے نتائج خاصے سنگین ہوسکتے تھے۔ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس تھے اور روشن خان کی کسی بھی ہٹ دھرمی پر برہم ہوکر' کوسٹر کے مسافروں کو خون میں نہلا سکتے تھے۔

وہ نئے ماڈل کی سفید کرولا تھی۔ اس نے سامنے آکر کوسٹر کا راستہ اس طرح مسدود کیا کہ روشن خان کو رفتار کم کرتے کرتے کوسٹر کو بالکل روک لینا پڑا۔ اس اثنا میں اگلی کار سے تین مسلح مقامی پھرتی سے نیچے آچکے تھے۔

ان تینوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں تھیں جن میں بڑے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔ شاید وہ کوسٹر کو روکنے سے پہلے ہی اپنی حکمتِ عملی طے کرچکے تھے کیونکہ انہوں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی کارروائی کا آغاز کردیا۔

ایک شخص' بجلی کی سی سرعت سے روشن خان والے دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھول کر اسے بے رحمی سے نیچے گھسیٹ لیا۔ بقیہ دو افراد سواریوں کے لئے مخصوص دروازے کی طرف لپکے۔ ایک اپنی کلاشنکوف تانے باہر کھڑا رہا۔ دوسرا دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔ اس وقت سب کی توجہ اس طرف مرکوز تھی۔ میں بھی اس سنسنی خیز ڈرامے کی طرف متوجہ تھا۔ اندر آنے والے کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرے وجود میں سنسنی سرایت کرگئی کیونکہ وہ یہی لفنگا تھا جو لنڈی کوتل میں مجھے اشتعال دلانے کی ناکام کوشش کرچکا تھا۔ اس کی کلاشنکوف کی نال کوسٹر کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور سفاکانہ نگاہیں مسافروں پر دوڑ رہی تھیں۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال کا رخ میری طرف پھیر دیا اور زہریلے لہجے میں بولا "اپنے ہاتھ اٹھا کر خاموشی سے نیچے آجاؤ' چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارے بخیے ادھیڑ ڈالوں گا۔"

اس کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے میں نے فی الفور اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھالئے اور نرمی سے کہا "برادر! تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم مجھے نیچے اترنے کا حکم دے رہے ہو؟"

اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال قدرے ترچھی کرکے ٹریگر دبادیا۔ یکے بعد دیگرے کئی گولیاں کوسٹر کی چھت کو پھاڑتی ہوئی آسمان کی طرف نکل گئیں۔ فائر کرنے کے بعد وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا "نیچے اترو اور ہماری گاڑی میں سوار ہوجاؤ ورنہ اگلا برسٹ تمہارے بدن کو چھلنی کردے گا۔ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ میں اپنے شکار کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل کرنے پر بھی قادر تھا۔ لنڈی کوتل میں مجھ سے تضحیک آمیز انداز میں ٹکرا کر وہ اپنی نیت کا عندیہ دے چکا تھا اس لئے میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرے اٹھتے ہی غزالہ نے بھی اضطراری طور پر اپنی نشست چھوڑ دی۔

کلاشنکوف بردار شخص کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ استہزائیہ لہجے میں گویا ہوا "عورت! تم بیٹھ جاؤ۔ ہم عورتوں سے نہیں' صرف مردوں سے لڑتے ہیں۔ ہمارا معاملہ صرف ڈیٹی سے ہے۔"

میں اس کی زبان سے اپنا نام سن کر چونک پڑا۔ میں نے کوسٹر سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں تمہاری غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نام ڈیٹی نہیں' تنویر ہے..... سید تنویر علی!"

وہ بے اعتباری سے ہنس پڑا "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم سید ہو یا قصائی۔ نام دھوکا دے سکتے ہیں لیکن تصویر کبھی جھوٹ

موت کے سوداگر 13

نہیں بولتی۔ میں نے تصویر کی مدد سے تمہیں پہچانا ہے۔ ہم ڈیڑھ ہفتے سے تمہارا انتظار کررہے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم شنگار اولی سے زندہ لوٹو یا مردہ' اسی راستے سے لوٹو گے۔ تم ڈیفی یا سیّد تنویر علی کے بجائے پھولن دیوی کا سسر ہونے کا دعویٰ کرو تب بھی تمہاری گلوخلاصی نہیں ہوسکے گی۔ شرافت سے نیچے اتر جاؤ۔"

وہ چالاک اور باخبر تھا۔ میں مزید کچھ کہے بغیر کوسٹر سے نیچے اتر گیا۔

میرے اترتے ہی باہر والے نے مجھے کور کرلیا اور اپنی کلاشنکوف کے زور پر مجھے سفید کرولا کی طرف ہانکنے لگا۔ بدتمیز نوجوان بدستور کوسٹر میں رکا رہا۔ اس کی غراتی ہوئی تلخ آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ پشتو میں بول رہا تھا اس لئے اس کی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں لیکن مجھے یہ ادراک ہوچکا تھا کہ وہ لوگ بھری کوسٹر میں سے صرف مجھے اغوا کرکے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

مجھے لے جانے والا میرے ساتھ ہی سفید کرولا کی عقبی نشست پر براجمان ہوگیا پھر حیرت ناک سرعت سے بقیہ دو افراد بھی اگلی نشستوں پر آبیٹھے اور وہ گاڑی' کوسٹر کو پیچھے چھوڑ کر' برق رفتاری سے آگے روانہ ہوگئی۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے کہاں لے جارہے ہو؟" گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میں نے احتجاجی لہجے میں پوچھا۔

"قصہ خوانی بازار کے ایک ہوٹل میں اپنے میزبان سے ملنے کے بعد تم کو بہت سی باتیں خود بخود معلوم ہوجائیں گی۔" مجھے کوسٹر سے اتارنے والے شخص نے کہا۔ اس وقت وہ کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ مجھے جواب دینے کے بعد اس نے یک بیک پشتو بولنی شروع کردی جو میری سمجھ سے باہر تھی۔

اس کی پشتو کا مفہوم میری سمجھ میں آیا تو قدرے تاخیر ہوچکی تھی۔ میرے برابر میں بیٹھا ہوا شخص تیزی سے حرکت میں آیا اور اس کی کلاشنکوف کا آہنی دستہ میری کنپٹی پر بج اٹھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر' لہراتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوششیں کیں لیکن ناکام رہا اور غیرارادی طور پر اپنی نشست میں ایک طرف ڈھلکتا چلا گیا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا۔ میری بے ہوشی کے دوران وہ سفید کرولا' جمرود روڈ کے ذریعے اپنا سفر طے کرکے کسی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ مجھے ہوش آیا تو میں اوسط درجے کے ایک کمرے میں نرم اور صاف ستھرے بستر پر دراز تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید مجھے قصہ خوانی بازار کے اس ہوٹل میں پہنچادیا گیا ہے جہاں میرا کوئی پراسرار میزبان میری آمد کا منتظر تھا۔

ہوش میں آجانے کے باوجود میرا سر بھاری ہورہا تھا اور داہنی کنپٹی کا وہ حصہ جہاں ضرب لگائی گئی تھی' بری طرح دکھ رہا تھا مگر اپنی زندگی کو درپیش خطرے کے پیش نظر میں فوراً ہی بستر سے اتر پڑا۔

وہ درمیانے درجے کے کسی ہوٹل کا عام سا کمرا تھا جہاں ڈبل بیڈ کے علاوہ مختصر سا فرنیچر بھی موجود تھا۔ کمرے کے اندرونی حصے میں نظر آنے والے بند دروازے سے اندازہ ہورہا تھا کہ باتھ روم اس کمرے سے ملحق تھا۔ اس وقت میرے لئے اہم ترین بات تھی کہ میں کمرے میں اکیلا تھا۔ وہاں کوئی دوسرا متنفس موجود نہ تھا۔

میرے لئے وہ سنہرا موقع تھا۔ میں تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا تو اپنی جگہ ایک جھٹکا لے کر رہ گیا۔ فوراً ہی میری نظر دروازے کے بولٹ کی طرف گئی جو چڑھا ہوا تھا۔ لحظہ بھر میں پوری صورت حال مجھ پر عیاں ہوگئی۔ وہ میری خوش فہمی تھی کہ اس کمرے میں کوئی اور نہیں تھا۔ وہ جو بھی تھا' کمرے کا بولٹ چڑھا کر غالباً باتھ روم میں گھسا ہوا تھا' اس اعتبار سے میرے پاس بہت کم مہلت تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ سخت بولٹ کو کھٹکے کی آواز کے ساتھ گرادیا۔

کمرے میں پھیلے ہوئے سکوت میں بولٹ گرنے کی پُرشور آواز کا فوری رد عمل ہوا۔ میں دروازے کے پٹ کو ہلا بھی نہ پایا تھا کہ عقب سے ایک زہریلی آواز گونجی "رک جاؤ ورنہ میں گولی ماردوں گا۔"

میں چند ثانیوں کے لئے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ پھر میں آہستہ آہستہ پیچھے گھوما تو مجھے وہی چھو نظر آیا جس نے لنڈی کوتل میں مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا چہرہ خشمناک ہورہا تھا اور اس کے داہنے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دبا ہوا تھا جس کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"دروازہ بولٹ کرکے بستر پر لوٹ آؤ!" اس نے سرد لہجے میں مجھے حکم دیا "یہ یاد رکھنا کہ مجھے تم کو زندہ رکھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میری ذرا بھی حکم عدولی کی تو میرے پستول کی بے آواز گولی تمہارے سینے میں سوراخ کردے گی اور یہ کمرا تمہارا مقبرہ بن جائے گا۔"

اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں تھی۔ اس کے پستول پر چڑھا بے ہنگم سا سائلینسر دور ہی سے نظر آرہا تھا۔

میں احتیاط سے دروازے کا بولٹ چڑھا کر اپنے بستر پر لوٹ آیا اور مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ لنڈی کوتل میں تم ہی نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے گھورتے رہنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں مجھ سے کیا پرخاش ہے۔"

"کوئی تمہیں ہر قیمت پر اپنی تحویل میں دیکھنا چاہتا ہے۔" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "اسے اس بات سے دلچسپی نہیں کہ تم زندہ پکڑے جاتے ہو یا مردہ۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی بدمعاشی کرکے اپنی زندگی کو مختصر کرنے کی کوشش نہیں کروگے۔"

"تم کس کے لئے کام کررہے ہو؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔

"وہ آتا ہی ہوگا۔" اس نے زہرخند کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اور اس کا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔"

"وہ اسی ہوٹل میں آئے گا؟" میں نے دانستہ وہ ذومعنی سوال کیا۔ اس کے جواب سے مجھے یہ پتا چل سکتا تھا کہ میں واقعی کسی ہوٹل میں قید کیا گیا تھا۔

وہ بہت چالاک تھا۔ فوراً ہی میرا مدعا بھانپ گیا اور تیزی سے بولا "اس خیال میں نہ رہنا کہ تم ہوٹل میں اودھم مچا کر میرے لئے پریشانیاں کھڑی کرسکو گے۔ اس عمارت میں میرا راج چلتا ہے۔ میں تمہیں ذبح بھی کردوں تو کوئی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"تمہاری باتوں سے اندازہ ہورہا ہے کہ تم کسی کے لئے کام کررہے ہو۔" چند ثانیوں بعد میں نے ایک اور رخ سے بات چھیڑی "تمہارا اس سے جو بھی معاوضہ طے ہوا ہو' میں تمہیں اس سے زیادہ رقم ادا کرسکتا ہوں۔"

اس نے سختی سے میری پیشکش کو رد کردیا "ہم لوگ عہد شکنی نہیں کرتے۔ کسی سے وعدہ کرلیں تو پھر اسے پورا کرکے دم لیتے ہیں۔ اس لائن میں زیادہ پیسوں کا لالچ کرنے والے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ساکھ کھو بیٹھتے ہیں۔"

"تم نے بتایا تھا کہ تمہیں میری تصویر دی گئی تھی۔" میں اسے باتوں میں الجھا کر یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں اس لئے میں نے اپنی شناخت کا قصہ چھیڑدیا "غالباً تصویر دے کر ہی تمہیں میرا نام بتایا گیا ہوگا۔ اگر ہماری کوسٹر لنڈی کوتل کے مختصر سے بازار میں نہ رکتی تو تم وہیں بیٹھے رہ جاتے اور میں پشاور پہنچ جاتا......"

اس نے تکبر آمیز ہنسی کے ساتھ میری بات کاٹ دی اور بولا "اکبر خان پٹھان ضرور ہے لیکن اتنا بے وقوف نہیں ہے۔ لنڈی کوتل سے اگلی چیک پوسٹ پر ہر گاڑی کے مسافروں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ میرا ایک آدمی وہاں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ تم لنڈی کوتل سے نکل جاتے تو وہاں پہچان لئے جاتے۔ میں کچا کام نہیں کرتا۔ ویسے بھی اس راستے پر سفر کرنے والے چائے پانی کے لئے لنڈی کوتل میں ضرور رکتے ہیں۔ دن کے وقت اس بازار میں پھیری لگانے والے قیمتی چیزیں سستے داموں بیچتے ہیں۔ ان خریداریوں کے لالچ میں ہر شخص یہاں رکنا ضروری سمجھتا ہے۔"

کہانی دھیرے دھیرے مکمل ہورہی تھی۔ کسی کو نہایت شدت سے میری تلاش تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ میں شنگار اولی گیا ہوا تھا۔ اس کو شنگار اولی کی کٹر روایات کا بھی علم رہا ہوگا کیونکہ اس نے شنگار اولی تو درکنار' افغان

موت کے سوداگر 13

علاقے میں بھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے بھی شنگارا دیلی میں ہم لوگوں کی حیثیت بدلتی رہی تھی۔ ابتدا میں صندل خان ہمیں سردار پائندہ گل کا قیدی بنا کر گالان لے گیا تھا اور سردار پائندہ گل نے میرے تینوں ساتھیوں کو یرغمال بنا کر مجھے اپنی ناجائز بیٹی' جنت گل کی تلاش میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا مگر کاتب تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سردار پائندہ گل کے منصوبے کے روبہ کار آنے سے پہلے ہی گالان میں کھنٹیوں والوں نے طبلِ جنگ بجا کر بغاوت کا اعلان کردیا۔ اس خون ریز بغاوت میں اور جو کچھ ہوا' وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن ہم چاروں کے لئے اہم ترین بات یہ ہوئی کہ ہم شنگارا دیلی کی معزول و معتوب قیادت کے قیدیوں سے' سردار صبغت اللہ کے معزز مہمانوں کے درجے پر فائز کردیے گئے۔ گو ہمارا وہ منصب بھی خطرات سے دوچار ہوتا رہا مگر یہ حقیقت تھی کہ جب ہمیں گالان سے رخصت کیا گیا تو ہم پر عنایات خسروانہ کا فیاضانہ نزول جاری تھا۔

ہم گالان میں اپنے شب و روز میں کھوئے رہے اور ہمارا پراسرار دشمن نہایت سکون و اطمینان سے ہماری واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے اکبر خان کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں اور اکبر خان تنہا نہیں تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ہمیں شنگارا دیلی میں ہلاک بھی کردیا گیا تو شنگاری ہماری لاشوں کو واپس ضرور بھیجیں گے۔ ان اکھڑ اور بد مزاج لوگوں کی روایت تھی کہ موت کے ساتھ ہی وہ اپنا ہر حساب بے باق تصور کر بیٹھتے تھے اور اپنے بد ترین دشمن کے مردے کو بھی عزت و تکریم کے ساتھ اس کے ورثا کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ اکبر خان اپنے آقا کے اشارے پر ہماری بلکہ میری زندہ یا مردہ واپسی کا منتظر تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ مجھے جلد یا بدیر' اسی زمینی سرحدی راستے سے گزرنا ہوگا جو لنڈی کوتل سے ہوکر پشاور تک جاتا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ میں زندہ سلامت اس کی نگاہوں میں آگیا اور اس نے کمال ہوشیاری سے مجھے اپنی تحویل میں لے کر قید کرلیا تھا۔

اس سے گفتگو کرنے کے بعد وہ باتیں میری سمجھ میں آچکی تھیں لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ میرا اصل دشمن کون تھا؟

شنگاریوں نے جب ہم لوگوں کو کراچی سے اغوا کرکے' بدرو داوا کے آدمیوں کی مدد سے افغانستان کی طرف روانہ کیا تو کراچی میں مجھے صرف ایک حریف کی طرف سے خطرہ لاحق تھا جس کی تصدیق جمی لائیڈ نے بھی کردی تھی۔ وہ خطرہ مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کی طرف سے تھا۔ جمی لائیڈ نے مزے لے لے کر بتایا تھا کہ مکاؤ میں پے درپے پیش آنے والے پراسرار خونیں واقعات اور پھر ڈون کوانگ فو کی عظیم الشان حویلی کے احاطے میں مافیا کے ڈان نیشی کاؤ کے دلیرانہ قتل کی واردات کے سلسلے میں ڈون کوانگ فو کو مجھ پر شبہ ہوگیا تھا اور اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے اپنے آدمی کراچی بھیج دیے تھے۔ جمی لائیڈ نے مجھ سے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ اس تنازعے میں اسے یاشی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ میرا اور ڈون کوانگ فو کا جھگڑا تھا جس سے مجھے اپنے طور پر نمٹنا تھا۔

اس تمام پس منظر پر غور کرنے کے بعد میں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ ڈون کوانگ فو کے ہرکاروں کو میری افغانستان کی طرف روانگی کی بھنک مل گئی تھی اور انہوں نے اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے اکبر خان کو میری بُو پر لگادیا تھا۔ ان دنوں افغانستان کا علاقہ اس قدر ہولناک بربادی اور بے یقینی کی زد میں آیا ہوا تھا کہ مکا... کے عیش پرست غنڈے میرے تعاقب میں سرحد عبور کرنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔

وہ صورتِ حال کا طویل اور پُرپیچ تجزیہ تھا جو میں نے خاموشی کے چند لمحات میں مکمل کرلیا اور پورے اعتماد سے اکبر خان سے ... "تم نے اچھا کیا کہ اپنا تعارف کرادیا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم انتہائی ظالم شے ہو۔ تم نے جس سرعت ... مجھے پہچان کر اپنی کارروائی کی' اس کی بنا پر مجھے یہ کہنے میں کو... جھجک نہیں کہ تمہیں بے وقوف گرداننے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم سے کام لینے والے نکٹے ... لوگ بھی تمہاری کارکردگی دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔"

میرے توصیفی کلمات نے اس کے چہرے پر سرخی کی لہر دوڑا دی مگر وہ اپنے تاثرات کو چھپانے کی ناکام کوشش کر... ہوئے' منہ بنا کر بڑبڑایا "تم کن نکٹے چپٹے لوگوں کی بات کررہے ہو... میں کسی چھوٹی موٹی پارٹی کے لئے کام نہیں کرتا۔"

"میں نے تحقیر کے لئے یہ بات نہیں کہی تھی۔" میں ... جلدی سے وضاحت کی "میرا اندازہ ہے کہ تم مکاؤ' ہانگ کانگ ... پھر چین سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کے لئے کام کررہے ہو۔ ا... کے خدوخال نکٹے چپٹے ہی ہوتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ!" وہ فرش پر نسوار کی پچکاری مارتے ہوئے ... "ان زرد لوگوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی ... شفاف شیشے پر رینگتی ہوئی کسی ایسی چھپکلی کا زرد پیٹ یاد آجاتا ... جس کی پھیلی ہوئی آنکھیں اپنے کسی مسحور شکار پر مرکوز ہوں۔ ... ایک لمحے کے لئے بھی اس نسل کے لوگوں کے قریب نہیں ... سکتا۔"

"پھر وہ کون ہیں؟" لوہا گرم دیکھ کر میں نے فوراً ہی مختصر سوال داغ دیا۔

"مقامی ہیں۔" وہ اضطراری لہجے میں بول پڑا "میں غیر ملکیوں کے لئے کام کرنے کو غداری سمجھتا ہوں۔"

"اور اگر اپنے ہی لوگ غداری کررہے ہوں تو تمہارا رد... کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" میرے سوال پر وہ بری طرح چونک پڑا ... حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"بات میری یا تمہاری ذات کی نہیں۔" میں نے کہا "فر... کرو کہ وہ مجھے یا تمہیں الجھا کر کسی طرح ملک کو نقصان پہنچا... کوشش کررہے ہوں تو تم کیا کروگے؟" میں نے اس کی کمزوری بھانپتے ہی اپنے سوال کا رخ بدل دیا۔

"میں انہیں فنا کردوں گا۔" اس کا جواب بالکل غیر ارادی بلکہ بے ساختہ تھا۔

"پھر تم ایک کام کرو۔" میں نے نرمی سے اسے مشورہ دیا "اگر تم اتنے ہی محب وطن ہو تو میرے بارے میں فوج یا انٹیلی جنس کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کرو۔ وہ تمہیں بتادے گا کہ میری وفاداریوں کی کیا نوعیت ہے۔"

"کیا تم فوجی ہو؟" اس کے لب و لہجے میں حیرت و احترام کا امتزاج تھا۔

"نہیں" میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "لیکن ان کا معاون ضرور ہوں۔"

"پٹھان فوج میں ہو یا نہ ہو' آدھا فوجی ہوتا ہے۔" وہ اپنی گردن گھما کر غرّایا "ہم لوگ اپنی زمین کے لئے خون دینے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں' اگر یہ ایسا ہی کوئی معاملہ ہوا تو تم مجھے اس سے باہر سمجھو۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ہوتی ہی چلی گئی۔ اکبر خان اضطراری طور پر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے پستول سے مجھے زد میں لئے ہوئے' ہوشیاری سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس مرحلے پر میرا اس سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے کسی غفلت کا مظاہرہ کیا اور بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ باہر سے فوراً ہی دو آدمی کمرے میں گھس آئے۔ دروازہ بند کردیا گیا۔

ان میں سے ایک چہرہ میرا شناسا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چونکنا میرا اضطراری ردعمل تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے تاثرات پر قابو پالیا۔ میں انجان بن کر ان کے عزائم سے بہتر طور پر واقف ہوسکتا تھا۔

مجھے یاد پڑتا تھا کہ جب میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی تو وہ شخص پراسرار انداز میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں آتا جاتا رہتا تھا۔ وہ دفتر میں کسی سے بات چیت کئے بغیر حبیب جیوانی کے دفتر کی طرف جاتا اور تخلیے میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزار کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ مافیا کے اصل کاروبار یعنی ہیروئن کے لین دین سے اس کا کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا' اس لئے میں نے سینڈو اور پھر شیر شاہ سے بھی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن اس وقت اسے کمرے میں موجود پاکر مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ شاید مافیا کے سرکردہ لوگوں کو اپنے مقامی یونٹ کی مکمل تباہی ہضم نہیں ہوسکی تھی۔ وہ لوگ حبیب جیوانی کی موت اور ٹریڈ لائن کے دفاتر پر کامیاب چھاپے کی وجوہ کا سراغ لگانے کے لئے سرگرداں تھے۔

آنے والوں نے گہری اور تنفر آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیا۔ اجنبی شخص نے اکبر خان سے مخاطب ہوکر کہا "تم نے ٹھیک آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اتنی صفائی سے کام کرنے پر تم انعام کے حق دار بن گئے ہو۔"

اس اثنا میں دوسرا شخص براہ راست میری طرف بڑھتا چلا آیا۔ اس کے کتابی چہرے اور بھاری جبڑوں کے علاوہ آنکھوں کی بناوٹ سے اس کی تشدد پسند طبیعت کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ مجھ سے بمشکل دو قدم دور رک گیا اور پھر جھک کر اپنے چہرے کو میرے چہرے کے اتنے قریب لے آیا کہ اس کے گہرے سانسوں سے بچنے کے لئے مجھے اپنا منہ دوسری طرف پھیرنا پڑگیا۔

اس نے فوراً ہی میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اسے ایک جھٹکا دے کر' تنفر آمیز لہجے میں بولا "ہم اپنے دشمنوں کو پاتال میں سے بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں..... مجھے پہچانا تو نے؟"

میرے لئے وہ لمحات کٹھن مگر فیصلہ کن تھے۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام کررہا تھا۔ اگر ان لوگوں کو مجھے مارنا ہی ہوتا تو اکبر خان مجھے اغوا کرنے کے بعد جمرود روڈ کے اطراف میں تاحد نظر پھیلے ہوئے ویرانوں میں بہت آسانی سے ذبح کرکے یا گولی مار کے پھینک سکتا تھا۔ اس نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں پشاور کے ایک بارونق علاقے میں پہنچا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اس سے ایک بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ لوگ فوری طور پر مجھے مارنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

میں نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ اپنے گریبان سے جھٹک دیا اور پھرتی سے کئی قدم پیچھے ہٹ کر کہا "مقابلے کی آرزو ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں مجبوری کی وجہ سے تم لوگوں کی بدتمیزیاں خاموشی سے سہتا رہوں گا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

میرا گریبان پکڑنے والے نے دوبارہ میری طرف لپکنے کا قصد کیا مگر اس کے ساتھی نے اسے بروقت روک لیا "بوبی! اپنے اوپر قابو رکھو۔ میں یہاں کوئی ہنگامہ آرائی پسند نہیں کروں گا۔ اکبر خان کا ماموں بھی اپنے ہوٹل میں کشت و خون برداشت نہیں کرے گا اور بلاوجہ بات بگڑ جائے گی۔"

وہ غالباً بوبی سے سینئر تھا کیونکہ اس کی آواز پر بوبی کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ مجھے یاد آگیا کہ ٹریڈ لائن میں بھی میں نے اس کا نام بوبی ہی سنا تھا مگر میں دانستہ اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔

"تم باس ہو!" بوبی نے اپنا سر جھٹک کر اپنے ساتھی سے کہا "جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا لیکن میں یہ بتادوں کہ ڈیبی لاتوں کا بھوت ہے' باتوں سے راہ راست پر نہیں آئے گا۔ چیف بھی ... سے بہت گھبراتا تھا۔"

"میں تیرے کسی چیف کو نہیں جانتا۔ تُو کس کی بات کررہا ہے؟" میں نے بوبی سے پوچھا۔

میرے طرزِ تخاطب پر بوبی بھڑکنے ہی والا تھا کہ باس نے اشارے سے اسے خاموش کردیا اور خود ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھ سے بولا "ایک طرف بیٹھ جاؤ اور تلخیوں کو ذہن سے جھٹک دو۔

ہمیں تم سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"اہم باتیں گریبان پکڑ کر نہیں کی جاتیں۔" میں نے تلخی سے کہا اور مسہری پر بیٹھ گیا۔

"تم باہر ٹھہرو۔" باس نے اکبر خان سے کہا "ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لیں گے۔"

اکبر خان لمحہ بھر کے لئے متذبذب نظر آیا۔ میں نے اس کے دل میں شبہات کے جو بیج بوئے تھے وہ بار آور ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر اپنا پستول شلوار کے نیفے میں اڑسا اور باہر چلا گیا۔ اس بار ان دونوں نے دروازہ بولٹ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میرے نقطۂ نظر سے ان کی وہ کاہلی سود مند تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اکبر خان باہر جانے کے باوجود اندر کی گفتگو پر کان لگائے رکھتا۔ اگر میں اپنی باتوں سے یہ تاثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ دونوں ملک کے بد خواہ تھے تو اکبر خان کے دل میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ صورت حال زیادہ خراب ہوتی تو وہ کمرے میں گھس کر میری عملی مدد بھی کر سکتا تھا۔

باہر اجالا پھیلنے لگا تھا لیکن اس ملگجے اجالے میں کمرے کو روشن رکھنے کے لئے بلب بدستور جل رہے تھے۔

"اگر باس تم سے نرمی برتنے پر آمادہ ہے تو مجھے بھی تمہارا لحاظ کرنا پڑے گا۔" بوبی نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے' مہذب پیرائے میں کہا "میں یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا ہو گا۔"

"کسی شناسا کے نظر آنے پر کچھ بے ساختہ تاثرات ابھرتے ہیں۔ شاید تم نے اندر آ کر میرے سپاٹ چہرے پر غور نہیں کیا ہو گا۔" میں نے بھی مصالحانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے جواب دیا "اب بہتر یہی ہو گا کہ تم اپنا تعارف کرا دو۔"

"میں چیف کے لئے مال اور رقوم کی باہر ترسیل کے انتظامات کرتا تھا اور اکثر اس کے پاس آتا رہتا تھا۔" اس نے کہا۔

"اوہ!" میں نے بے ساختگی سے کہا "تو یوں کہو کہ تم مافیا کے کارکن ہو اور سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے کام کرتے تھے۔ دراصل ٹریڈ لائن میں ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ وہاں دوسروں کے بارے میں تجسس میں پڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ میرے لئے تم ایک اجنبی تھے اس لئے ہو سکتا ہے کہ میں نے تمہیں دیکھنے کے بعد بھی کوئی اہمیت نہ دی ہو۔"

"باس کو خاص طور پر لندن سے کراچی بھیجا گیا ہے۔ پورے شہر میں میرے سوا کوئی ایسا آدمی آزاد یا زندہ نہیں بچا تھا جو ٹریڈ لائن پر نازل ہونے والی تباہی کے بارے میں تحقیقات کر سکے۔" بوبی ہٹ ملا کر بولنے لگا "اس آپریشن میں جو کچھ ہوا۔ وہ ... یقین ہے' ایسی کارروائی ... بڑی مخبری کے ... ہو ہی نہیں سکے۔"

"اور تمہیں شبہ ہے کہ مخبری میں نے کی ہو گی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ظاہری حالات ایسے ہی ہیں۔" باس کے لقب سے مخاطب کئے جانے والے شخص نے کہا "ٹریڈ لائن پر پولیس اور نیم فوجی دستوں نے پوری تیاریوں کے ساتھ دھاوا بولا تھا۔ وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی بچ کے نہیں نکل سکا۔ کافی لوگ مارے گئے۔ جو زندہ بچے' وہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ حد یہ ہے کہ سیٹھ حبیب جیوانی' جو چھاپے کے وقت دفتر میں نہیں تھا وہ بھی ایک قریبی سڑک ... گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ اس تباہی نے سب بڑوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے ایما پر میں نے کراچی میں تفتیش کی تو پتا چلا کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ تم مافیا میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔ اگر ٹریڈ لائن پر چڑھائی کرنے والے اتنے ہی باخبر تھے تو انہوں نے تمہیں کیوں نظرانداز کر دیا؟ میرے لئے اس سوال کا جواب پانا ضروری ہو گیا۔ اپنی ان ہی کوششوں میں مجھے بوبی تک رسائی حاصل ہوئی۔ ہم دونوں نے اپنی تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا تو معلوم ہوا کہ کراچی میں مافیا کی تباہی کے بعد تم کھلے بندوں اپنے فلیٹ میں رہتے رہے اور کسی نے تمہیں تنگ نہیں کیا پھر تم اپنے ساتھیوں سمیت اچانک لاپتا ہو گئے۔ تمہاری اچانک گمشدگی سے ہمیں شبہ ہوا کہ تم بھی پھنس چکے ہو لیکن پھر بدرو دادا کے آدمیوں کے ذریعے ایک کہانی بوبی تک پہنچی۔ میں خود ولی سے ملا اور اس نے تمہارے اغوا کی پوری کتھا سنا ڈالی۔ ولی کو تمہارے اغوا کا سبب معلوم نہیں تھا لیکن بوبی جانتا تھا کہ ٹریڈ لائن کو ایک سودے کی رقم سردار پائندہ گل کے آدمیوں کو ادا کرنی تھی۔ ان کڑیوں کو یکجا کر لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ شنگاری سردار نے اپنے مال یا اس کے معاوضے کی وصولی کے لئے تمہیں اٹھوایا ہے کیونکہ اس کے مقروض لوگوں میں سے صرف تم زندہ بچے تھے۔ مجھے امید تھی کہ تم اسے مطمئن کر کے یا مہلت حاصل کر کے ضرور واپس لوٹو گے۔ اسی دن ہم نے پشاور پہنچ کر مقامیوں سے رابطہ کیا اور لنڈی کوتل پر نفری لگا دی......"

میں نے اس مرتبہ اسے بھی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "بوبی کے سلوک سے ظاہر ہو رہا ہے جیسے تمہیں میری بد نیتی کا پورا یقین ہو چکا ہے۔ بات صرف شبے کی ہوتی تو پہلے مجھے صفائی کا موقع ملنا چاہئے تھا۔"

میں نے ان دونوں سے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ سردار پائندہ گل سے ہیروئن یا رقم کا تنازع پہلے ہی طے ہو چکا تھا اور اسے اس کا مال لوٹا دیا گیا تھا۔ ہمارے اغوا کا سبب جنت گل کی ذات اور اس کی پھیلائی ہوئی باتیں تھیں۔ یہ بہت اچھا تھا کہ وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ انہیں اصل صورتِ حال کی بھنک بھی مل جاتی تو میرے لئے ... محال ہو ... پشاور میں سردار پائندہ گل کو اس کی حویلی میں محصور کرنے والے مسلح ... کون تھے اور

پھر میں نے اس کی مطلوبہ ہیروئن کہاں سے حاصل کی تھی۔ ان حوالوں سے اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر ناگزیر ہوجاتا اور پھر میں ان دونوں سے کسی طرح اپنی گردن نہیں بچاسکتا تھا۔ وہ مجھے سرکاری ایجنٹ اور مخبر قرار دے کر بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

”خیر وہ بوبی کی جلدبازی تھی۔ اب تمہیں صفائی کا موقع دیا جارہا ہے۔“ باس نے کہا۔

”ٹریڈ لائن پر جو تباہی نازل ہوئی‘ وہ میرے لئے بھی حیران کن تھی۔“ میں نے پُراعتماد انداز میں سگریٹ سلگانے کے بعد کہا ”کچھ عرصے سے کراچی کے حالات گڑبڑ چل رہے تھے۔ چیف کو کئی بار شبہ ہوا کہ کچھ نامعلوم لوگ گاڑیاں بدل بدل کر اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی بیوی کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اس کی روپوشی راز نہ رہی ہو۔ سرکاری طور پر اسے جرمنی کی ایک جیل میں مردہ قرار دیا جاچکا تھا۔ ایسی صورت میں اس کی یہاں موجودگی کی خبریں خفیہ اداروں کو چوکنا کرسکتی تھیں۔ یہ ہم سب کی بدقسمتی ہے کہ چیف نے ان مذموم خطرات کی اہمیت کا ادراک نہیں کیا اور سب کچھ ڈوب گیا۔ اس واقعے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں کھلے بندوں اپنے فلیٹ میں رہتا رہا۔ میں کسی چور کی طرح وہاں روپوش تھا۔ کئی بار مجھے وہاں سے غائب بھی رہنا پڑا۔ میں اسے صرف اپنی خوش قسمتی قرار دوں گا کہ کوئی سرکاری اہل کار مجھ تک نہیں پہنچ سکا مگر مجھے یقین ہے کہ میری تلاش جاری ہوگی۔ سردار پائندہ گل نے مجھے اغوا کرکے ان لوگوں کو بھی چکر میں ڈال دیا ہوگا۔ میں کراچی میں کافی مدت تک منظرِ عام پر نہیں آسکوں گا۔“

باس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میرے چہرے سے میری باتوں کی صداقت کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ آخرکار وہ سپاٹ لہجے میں بولا ”تو میں یہ سمجھ لوں کہ تم سچ بول رہے ہو؟“

”تم کراچی چل کر خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہاں میرے لئے کتنے خطرات موجود ہیں......“

”مجھے اندازہ ہے۔“ وہ سرہلاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ”تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے تمہارے بارے میں باقاعدہ تحقیقات کی ہیں۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ کسی سرکاری ادارے کو تمہاری تلاش نہیں ہے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ تم ان کے آدمی ہو۔ البتہ شہر میں کچھ اور لوگ ضرور تمہاری تلاش میں ہیں۔“

”وہ کون لوگ ہیں؟“ میں نے اس کے اخذ کئے ہوئے نتیجے کو کوئی اہمیت دیے بغیر پوچھا۔

”وہ دو غیر ملکی بدمعاش ہیں اور اپنے کام کے آدمیوں کی تلاش میں کراچی کے جرائم پیشہ افراد کی بستیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ”تمہیں اپنے دشمنوں کے بارے میں خاصا باخبر ہونا چاہئے۔“

”وہ بھی سردار پائندہ گل کی طرح‘ ٹریڈ لائن کے قرض خواہ ہوسکتے ہیں....“

”میں تمہاری سہولت کے لئے بات واضح کئے دیتا ہوں۔“ وہ میری قطع کلامی کرکے بولا ”وہ مکاؤ سے آئے ہوئے ہیں۔“

مکاؤ کا ذکر آتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر سرایت کرگئی مگر میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”مکاؤ کے بدمعاش؟ انہیں مجھ سے کیا پرخاش ہوسکتی ہے؟ مشرقِ بعید کے کسی بھی علاقے سے ہمارا لین دین نہیں تھا۔“

”بکو مت!“ اس بار وہ برہم ہوکے غرّایا ”ان لوگوں کا مافیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مکاؤ گئے تھے یا نہیں؟ وہاں تمہارا کیا کام تھا؟ اس بارے میں چیف کو کیوں لاعلم رکھا گیا؟“

میرا ارادہ تھا کہ مکاؤ جانے کے واقعے سے انکار کردوں گا لیکن اس کے سوالات بہت کاٹ دار تھے۔ ان سے ظاہر ہورہا تھ[ا] کہ اسے میرے مکاؤ جانے کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ میں نے دل ہی دل میں‘ پہلی بار گھبراہٹ محسوس کی او[ر] آہستگی سے بولا ”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ٹریڈ لائن کی تباہی کے بع[د] میں نے سارا وقت کراچی میں نہیں گزارا تھا بلکہ خطرات کو بھانپ[تے] ہوئے باہر نکل گیا تھا۔ وہ صرف وقت گزارنے کا ایک بہانہ تھا[۔] اس وقت چیف اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس لئے اسے باخبر رکھنے [کا] سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں کے کسی بدمعاش [کو] میری کوئی بات ناگوار گزری ہو۔ میں نے وہاں کے کئی جوئے خانو[ں] میں خاصی لمبی رقمیں جیتی تھیں۔ وہ دونوں ان جوئے خانوں [کے] پالتو غنڈے بھی ہوسکتے ہیں۔“

میں نے اندھیرے میں ایک تیر چلایا تھا جو ناکام بھی ہو [سکتا] تھا۔ میرے بیان میں سب سے بڑا جھول یہ تھا کہ میں حبیب جیو[انی] کی موت کے بعد نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے مکاؤ گیا تھا۔ ا[س] وقت میں نے حبیب جیوانی سے اسلام آباد جانے کا بہانہ کیا [تھا۔] اگر وہ دونوں پوری معلومات کے ساتھ آئے تھے تو اسی ایک با[ت پر] میری گرفت کرسکتے تھے لیکن بات ٹل گئی۔ وہ دانت پیستے ہو[ئے بولا] ”دونوں چینی حرام زادے بہت گھنے ہیں۔ کھل کر بات ہی [نہیں] کرتے۔ بس انہیں ہر قیمت پر تمہاری تلاش ہے۔ تمہیں [وہاں] لے جاکر ان سے سودے بازی کی جائے گی تو وہ تمہارے لا[لچ میں] کھلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت پتا چل جائے گا کہ تمہ[اری] کہانی میں کتنی حقیقت پائی جاتی ہے۔“

وہ خاموش ہوگیا۔ میں نے بھی اس بوجھل سکوت کو تو[ڑنے] میں پہل نہیں کی۔ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کررہا تھا ک[ہ اس] وقت گولی میرے کان پر سے گزر گئی تھی۔ مکاؤ سے آئے [ہوئے] بدمعاش یقیناً ڈون کوانگ فو کے آدمی تھے۔ اگر وہ میرے [...]

[...]ہربات کی تشہیر کرچکے ہوتے تو اس وقت میرا بچ نکلنا ناممکن [...] لندن سے آئے ہوئے پاکستانی نژاد باس کے آئندہ عزائم بہت [...]ناک تھے لیکن میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ مجھے عارضی مہلت [مل گ]ئی تھی۔ باس کی گفتگو کا اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر [...]کراچی لے جانے یعنی مزید کئی دن زندہ رکھنے کے لیے تیار ہوچکا [...] میں اس مدت میں اپنی گلوخلاصی کے لیے کچھ ہاتھ پیر مار سکتا [...] اس وقت اس سے زیادہ کی امید عبث تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد باس پھر بولنے لگا ”تم سمجھ گئے [ہوگ]ے کہ ہمارے لیے مکاؤ کی کیا اہمیت ہے۔ وہاں ہمارا ایک اہم [...]زہین آدمی‘ بھرے مجمع میں قتل کردیا گیا تھا اور قاتل کا سراغ [...] مل سکا تھا...“

”ہاں۔ میں زندگی بھر ڈان نیشی کاؤ کو نہیں بھول سکتا“ میں [...] اداسی اختیار کرکے کہا ”مجھے کئی دن بعد چیف نے اس کے [...]وس ناک قتل کے بارے میں بتایا تھا۔ ڈان مجھ سے بہت محبت [...] نرمی سے پیش آیا تھا۔ اس نے مجھے تخلئے میں گفتگو کرنے کی [...]ت بھی دی تھی۔ اگر موت نے اسے رپورٹ بھیجنے کی مہلت دی [ہوتی] تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ مجھے چیف سے زیادہ بااختیار [...]نے کا آرزومند تھا مگر موت نے سب کچھ ملیامیٹ کردیا۔ ڈان [...]ی کاؤ مکاؤ میں مارا گیا۔ یہاں مافیا تہس نہس کردی گئی اور چیف [...]نے ایک ماتحت کی ماتحتی کرنے سے پہلے ملکِ عدم کو سدھار [گ]یا۔“

”ڈان نیشی کاؤ کی رپورٹ مدر مافیا کے ریکارڈ پر ہے“ باس نے [ا]یک گہرا سانس لے کر کہا ”یہی وجہ ہے کہ تمہیں زندہ پکڑا گیا ہے [او]ر الزام ثابت ہونے تک زندہ رکھا جائے گا ورنہ غداروں کے [بار]ے میں مافیا کی روایات بہت سفّاکانہ ہیں۔ جس کسی پر مافیا سے [غد]اری کا شبہ بھی ہوجائے‘ اسے پہلی فرصت میں دوسروں کے لیے [عب]رت کا نمونہ بنادیا جاتا ہے۔ تمہارا دامن صاف ہوا تو پاکستان میں [ماف]یا کی تنظیمِ نو کا کام شاید تم ہی کو سونپ دیا جائے۔“

”تم اپنی بات کہہ چکے ہو‘ میں نے اپنی صفائی پیش کردی ہے۔ [میر]ی بے گناہی کا فیصلہ کب ہوگا؟“

”تمہیں مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کے سامنے پیش کرکے [ا]ن کی زبانیں کھلوائی جائیں گی“ باس کے ہونٹوں پر خفیف سی طنزیہ [مس]کراہٹ پھیل گئی ”مجھے شبہ ہے کہ کہیں وہ ڈون کوانگ فو کے [آ]دمی نہ ہوں۔“

”یہ ڈون کوانگ فو کون ہے؟“ میں نے اپنے اضطراب پر قابو [پ]اتے ہوئے پوچھا۔

”وہ مکاؤ میں شی کا آئی مین ہے“ باس کے ہونٹوں کے گوشے [مز]ید پھیل گئے۔ ”وہ اس خطے میں اس قدر طاقت ور اور بارسوخ [...]ہے کہ اسے مکاؤ کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حصہ ادا [...]کئے بغیر کوئی شخص کوئی جائز یا ناجائز دھندا نہیں کرسکتا پھر بھی لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ ڈان نیشی کاؤ اسی کی حویلی میں مارا گیا تھا۔“

”اوہ!“ میں نے تحیرزدہ آواز میں کہا ”یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ پھر تو یہ سامنے کی بات ہے کہ شی کے ایک بڑے نے مافیا کے ایک بڑے کو گھیر کر مروادیا۔ اس سازش پر کوانگ فو کے چیتھڑے اڑادئے جانے چاہییے تھے۔“

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ”وہ دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی اور بچپن کے گہرے دوست تھے۔ وہاں شی اور مافیا کا کوئی قصہ نہیں تھا۔ ایک دوست اپنے پرانے دوست سے ملنے گیا تھا۔ چینی بہت روایات پرست ہوتے ہیں۔ وہ دشمن کو بھی ایسی مکاری سے نہیں مارتے۔ ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے بعد ڈون کوانگ فو کے آدمیوں نے مکاؤ کے ہر مشتبہ آدمی کے گھر اور کاروبار کو جلاکر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔ شاید کسی نے کوانگ فو کے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ نہ دیکھی ہو لیکن مکاؤ میں بھڑکتے ہوئے فلک بوس شعلوں کو میلوں دور تک دیکھا گیا تھا۔ ڈون کوانگ فو نے اپنے معزز ترین مہمان کے قتل کو اپنی سخت بے عزتی تصور کیا تھا۔ وہ آج تک مافیا کے بڑوں سے شرمسار ہے لیکن ڈون کوانگ فو کی حویلی میں پیش آنے والے واقعات سختی سے دبادئے گئے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اندر کیا ہوا؟ وہاں کون کون مشتبہ تھا؟ ڈون کوانگ فو کس کی بو پر لگا ہوا ہے؟ پرانے دوستوں کی ملاقات کے جشن میں شرکت کرنے والے اس بارے میں ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ بس ڈون یہ کہتا رہتا ہے کہ جس دن وہ اپنے عزیز ترین دوست کے قاتل کو پکڑلے گا‘ اسے اسی دن نیشی کاؤ کے ورثا کے حوالے کردے گا۔“

اس کی وہ باتیں آنکھیں کھول دینے والی تھیں۔ ان سے میری کئی الجھنیں دور ہوگئیں۔

مجھے ہر دم یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ جب ڈون کوانگ فو کو مجھ پر شبہ ہوچکا ہے تو کسی وقت یہ بات مافیا والوں کو بھی معلوم ہوجائے گی اور وہ مجھے فنا کردینے پر تل جائیں گے لیکن باس نے اپنی روانی میں اندر کی باتیں اگل دی تھیں۔ ڈون جو کچھ کررہا تھا‘ سخت رازداری کے ساتھ کررہا تھا۔ مافیا والے سرتوڑ کوششوں کے باوجود حقائق یا ڈون کی سوچ کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے لیکن باس مجھے مکاؤ والوں کے سامنے ڈالتے ہی سب کچھ جان لیتا تو میں دو طرفہ عذاب میں مبتلا ہوجاتا۔

”ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو“ میں نے سر جھکا کر کہا ”اگر ڈون کوانگ فو مجرم ہونے کے باوجود اتنا کٹر روایات پرست ہے تو بہت عظیم آدمی ہے۔ حیرت ہے کہ میں مکاؤ جانے کے باوجود اس کا ذکر تک سننے سے محروم رہا۔“

”اس بارے میں زیادہ نہ بولو“ اس نے ناگواری سے کہا ”اگر صرف ایک بات معلوم ہوجائے کہ مکاؤ سے آئے ہوئے بدمعاش‘

ڈون کوانگ فو کے نمک خوار ہیں تو میں اپنے ناخنوں سے تمہارا نرخرہ چیر ڈالوں گا۔ اس کا مطلب ہوگا کہ تم جھوٹے ہو۔ تم حبیب جیوانی کی زندگی میں' اسے بتائے بغیر مکاؤ گئے اور دھوکے سے ڈان نیشی کاؤ کو موت کے گھاٹ اتار کے واپس لوٹ آئے۔ اب ڈون کوانگ فو کو شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

"تم تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھ رہے ہو" میں نے احتجاج کیا "اگر وہ ڈون کے آدمی نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "میں بتا ہی چکا ہوں کہ ایسی صورت میں' پاکستان میں مافیا کے نئے چیف تم ہوگے" گندمی چہرے پر اس کے چمکتے ہوئے دانتوں کی نمایاں قطاریں مجھے اس خونی بھیڑیے کی یاد دلا رہی تھیں جو اپنے شکار کو کسی بند گوشے میں بے بس پاکر دانت نکوس رہا ہو۔

"کراچی پہنچتے ہی تمہاری تقدیر کا فیصلہ ہو جائے گا" بوبی نے اپنی دانست میں باس کی گفتگو کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ڈان نیشی کاؤ کی آخری رپورٹ تمہارے حق میں نہ ہوتی تو پشاور ہی میں تمہارا فیصلہ ہو جاتا۔"

باس ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بوبی سے مخاطب ہو کر بولا "اکبر خان کو اندر بلاؤ۔"

بوبی دروازے کی طرف گیا تو میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باس سے سوال کر ڈالا "اب ہم کراچی کے لیے کب روانہ ہوں گے؟" اس وقت تک کافی اجالا پھیل چکا تھا لیکن ضرورت نہ ہونے کے باوجود کمرے کے بلب روشن تھے۔

"بندوبست ہوتے ہی ہم چل پڑیں گے۔ میں وقت برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"کیا اس دوران میں مجھے اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی اجازت ہوگی؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں" وہ غرایا "یہ یاد رکھنا کہ فیصلہ ہونے تک تم ایک قیدی کی حیثیت سے رہو گے۔"

اسی اثنا میں اکبر خان اندر آگیا اور باس اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تمہیں چند گھنٹوں کے لیے قیدی کی نگرانی کرنی ہوگی۔ یہ دھیان رکھنا کہ ڈیبی بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہم آج ہی کسی وقت اسے یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ تم چاہو تو اپنی مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا سکتے ہو۔"

اکبر خان نے اپنے نیفے میں اڑسا ہوا پستول نکال کر اس کی نال کو بوسہ دیا اور فخریہ لہجے میں کہا "میرا بس یہی ایک ساتھی کافی ہے۔ اس کے سامنے دس ڈیبیوں کی چالاکی اور مکاری بھی کام نہیں آسکے گی۔"

"گڈ!" باس اس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد اکبر خان نے ہوشیاری سے دروازہ بولٹ کیا اور کرسی پر جم کر بیٹھ گیا۔

"تم نے سن لیا ہوگا کہ وہ دونوں کون ہیں؟" میں نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم لوگوں کی کافی باتیں سنی ہیں۔ وہ ضرور برے آدمی ہیں مگر میں بھی نیک نام نہیں ہوں۔ انہیں تم پر غداری کا شبہ ہے۔ مخبری کوئی بھی کرسکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مخبر بہت بڑا محبِ وطن ہو۔ ذاتی پرخاش نکالنے کے لیے بھی لوگ ایسے کام کر گزرتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے تمہارے لیے صورتِ حال جوں کی توں رہی ہے۔"

"میں نے تم سے غلط بیانی نہیں کی تھی" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ لوگ ہیروئن کی تجارت سے کہیں زیادہ خطرناک عزائم رکھتے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں کس طرح تمہاری تسلی کرا سکتا ہوں؟"

"مجھے تسلی کی ضرورت ہی نہیں۔ میں ان دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گا" وہ بے فکری سے بولا۔

چند ثانیوں تک غور و فکر کرنے کے بعد میں نے تجویز پیش کی "تم پشاور میں کسی فوجی افسر سے فون پر میری بات کرا دو۔ تم دیکھ لینا کہ وہ مجھے پہچان لے گا۔ اس کی گواہی تمہیں میرے دعوے کا یقین دلا دے گی۔"

"میں احمق نہیں ہوں" وہ تلخی سے بولا "فون مل جانے کے بعد تم کوئی بھی چال بازی کرسکتے ہو۔"

"میں تم سے حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں فون پر اپنی شناخت کے سوا کوئی اور بات نہیں کروں گا۔ میں چاہوں بھی تو اس مقام کی نشاندہی نہیں کرسکتا کیونکہ تم مجھے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے تھے" میں نے التجائیہ انداز میں کہا "میں بس ایک موقع چاہتا ہوں۔ وہ افسر مجھے پہچان گیا تو تم اس سے بات کرلینا ورنہ میں تن بہ تقدیر ہو کر حالات کا مقابلہ کروں گا۔ اس کے بعد مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔"

"اگر تمہارے دعوے میں ذرا بھی سچائی ہوئی اور تم مار ڈالے گئے تو مجھے زندگی بھر قلق رہے گا" وہ سوچتے ہوئے بولا "میرے گاؤں کا ایک آدمی ایک فوجی افسر کا اردلی ہے۔ میں اسی سے بات کرسکتا ہوں۔ وہ تمہیں نہیں پہچانے تو پھر نہ تلملانا۔ میں تمہارے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔"

"یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "اس کے بعد میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ میرے مقدر نے یاوری کی تو یہی ایک موقع میری زندگی کا بہانہ بن جائے گا۔"

"تم بستر سے اٹھ کر ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں اپنا کام کرسکوں" اس نے پستول کی نال سے باتھ روم کی سپاٹ دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں بے چون و چرا اس

طرف بڑھ گیا۔

میری طرف سے مطمئن ہو کر اس نے مسہری کے نیچے ٹٹولنے کے بعد ایک سالخوردہ سا فون نکال لیا۔ کمرے میں انسٹرومنٹ کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہوٹل بالکل ہی گیا گزرا نہیں تھا۔ فون کے تار الگ کر کے ریسیور سے باندھ دیئے گئے تھے۔ اکبر خان نے تاروں کے سرے پر لگا ہوا ننھا سا پلگ فون کے عقبی حصے میں بنی ہوئی مخصوص جگہ پر لگا دیا اور فون کی گھنٹی ٹن ٹن کر کے رہ گئی۔ اکبر خان کے ایک ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر، اپنے شانے اور گردن کے درمیان میں دبایا اور اسی ہاتھ سے ایک ہندسہ ڈائل کر کے دوسری طرف سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

وہ غالباً آپریٹر کا نمبر تھا۔ سلسلہ ملنے پر اکبر خان نے پشتو میں گفتگو شروع کر دی۔ چند فقروں کا تبادلہ ہونے کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند لمحوں بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اکبر خان نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

اس بار اس نے پُرتپاک سلام سے گفتگو کی ابتدا کی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے مطلوبہ آدمی سے بات کر رہا تھا۔ وہ خاصی دیر تک زور و شور سے گفتگو میں مصروف رہا۔ اس دوران میں وہ بار بار میری طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دو تین مرتبہ اس نے میرا نام بھی لیا لیکن میں اس کی مجموعی گفتگو سے کوئی مفہوم اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

آخر کار وہ سنسنی خیز لمحہ بھی آ گیا جب اکبر خان ریسیور بستر پر رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا "آ کر کپتان صاحب سے بات کرو۔ تم نے کوئی فالتو بات کی تو میں لائن کاٹ دوں گا" میں نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں انٹر فیلڈ سے کیپٹن بابر بول رہا ہوں" میرے اضطراری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک شائستہ اور نکھری ہوئی آواز ابھری "فرمایئے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" اس کے لب و لہجے میں پنجاب کا رنگ نمایاں تھا۔

"میرا نام ڈینی ہے اور اسپیشل ٹاسک فورس کا اول خان....!" میں نے بات شروع ہی کی تھی کہ تحیر زدہ لہجے میں کاٹ دی گئی۔

"اوہ! تو تم وہ ڈینی ہو" کیپٹن بابر فرطِ حیرت سے آپ کے بجائے تم پر اتر آیا "البرٹو و یلیسا کی کہانی ابھی تک ہم لوگوں کو حیران کر رہی ہے۔ کہو! میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

اس نے البرٹو و یلیسا کا حوالہ دے کر میرے بدن میں ایک نیا ولولہ بیدار کر دیا۔ وہ میرے نام ہی سے نہیں، کام سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ میں نے دوبارہ بات شروع کی تو فرطِ جذبات سے میری آواز بھرّائی ہوئی تھی۔ "مجھے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں فون اپنے میزبان کو دے رہا ہوں، اسے میرے بارے میں بتا دیں۔ شاید اس طرح مجھے اپنی مشکلات سے نجات مل سکے" یہ کہہ کر میں نے ریسیور اکبر خان کو دے دیا۔ مجھے پورا [illegible] تھا کہ کیپٹن بابر اسے ہر اعتبار سے مطمئن کرنے میں کامیا[illegible] ہو جائے گا۔

اکبر خان نے اس سے بھی پشتو میں بات کرنی چاہی مگر فور[illegible] اردو پر آ گیا۔ شاید کیپٹن بابر پشتو سے واقف نہیں تھا۔ ابتدا میں [illegible] خان ہوں، ہاں کر کے دوسری جانب سے کی جانے والی تقریر سن[illegible] پھر مدافعانہ لہجے میں بولا "سر! میں ڈینی صاحب کو پوری عزت [illegible] گا۔ اس معاملے میں مجھ سے دھوکا کیا گیا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ [illegible] نے یہ فون کر لیا ورنہ ڈینی صاحب خطرناک لوگوں میں [illegible] جاتے۔ میں بس ابھی انہیں روانہ کر دیتا ہوں۔ ان کے بدخوا[illegible] سے میں خود نمٹ لوں گا۔"

وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا پھر بہت بہتر کہہ کر [illegible] دوبارہ مجھے دے دیا۔

"خطرے کی بات ہے تو تم وہیں ٹھہرو" کیپٹن بابر پُرجوش [illegible] میں کہہ رہا تھا "میں ابھی ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کو [illegible] ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ فوراً تمہاری طرف چل پڑیں گے۔ یہ [illegible] کہ تم اس وقت کہاں ہو؟"

اکبر خان حیران و نادم سا، میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ [illegible] کے بھرے ہوئے پستول کی نال خود بخود فرش کی طرف جھک [illegible] تھی۔ میں نے ہوٹل کے نام کے بارے میں اس سے سوال کر[illegible] ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازے پر تیز دستک ہونے لگی۔

اکبر خان نیند سے بھڑکے ہوئے کسی معمول کی طرح درواز[illegible] کی طرف دوڑ پڑا۔

"یہ قصّہ خوانی بازار کا کوئی ہوٹل ہے۔ مجھے اس کا نام [illegible] معلوم" میں نے فون پر کہا۔

"اکبر سے نام پوچھ کر بتاؤ۔ وقت برباد نہ کرو۔ وہ لوگ کس[illegible] وقت واپس آ سکتے ہیں۔"

"وہ ابھی آتا ہے" میں نے مڑ کر دیکھا تو کمرے کا دروازہ [illegible] چکا تھا۔ باس اور بوبی نے کھلے ہوئے دروازے میں سے مجھے فو[illegible] مصروف دیکھا تو حیرت اور غصّے سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔ با[illegible] اکبر خان کو ایک طرف دھکیل دیا۔ بوبی نے میری طرف چھل[illegible] لگائی۔ اس کے ایک ہاتھ میں وزنی تھیلا جھول رہا تھا۔

"وہ آ گئے..." میں نے ماؤتھ پیس میں تیزی سے کہا اُ[illegible] لمحے بوبی نے بستر پر سے فون اٹھا کر کھینچ لیا۔ ریسیور میرے ہاتھ[illegible] نکل گیا اور فون کے تار ٹوٹ کر الگ ہو گئے۔ میری بات ادھو[illegible] گئی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" باس، اکبر خان پر آنکھیں نکال کر[illegible] "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے مل گئے ہو۔"

"تم بلا وجہ گرم ہو رہے ہو" اکبر خان نے حیرت ناک ا[illegible] کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "میں پشاور سے کراچی جانے والے جہازوں کا وقت معلوم کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں ریسیور ڈینی کو تھما کر ادھر آ گیا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وفاداریوں میں تبدیلی رونما ہوتے ہی اکبر خان کی جبلی مکّاری پوری طرح عود کر آئی تھی۔

"تم نے وہ آ گئے کے الفاظ کس سے کہے تھے؟" بوبی نے غُرّا کر مجھ سے پوچھا۔ اس نے میرا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

"کسی سے بھی نہیں" میں نے سادگی سے کہا "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ اضطراری طور پر میرے منہ سے کیا نکلا تھا؟"

"تم کراچی کی پروازوں کا وقت کیوں معلوم کر رہے تھے؟"

باس پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

"تمہاری واپسی کے وقت کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم آ ہی گئے۔" اس وقت اکبر خان کا جھوٹا اعتماد قابلِ دید تھا۔

"ہاں! یہ اچھا ہوا کہ ہم بروقت لوٹ آئے" باس بھنّا کر بولا "اب ہمیں مزید وقت ضائع کئے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ہم ایک لمحے کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"لیکن روانگی کی تیاری کے لیے ہمیں تھوڑی دیر تک یہاں رکنا ہی ہوگا" بوبی نے معنی خیز لہجے میں کہا اور اپنا تھیلا بستر پر رکھ کر، اس میں سے متعدد چرمی تسمے وغیرہ باہر نکالنے لگا۔

"اس کے کپڑے اترواؤ!" تھوڑی دیر بعد جب بوبی اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو باس نے غُرّا کر اکبر خان کو حکم دیا۔ اکبر خان متردّد انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ باس نے برہمی سے اپنی ہدایت دہرائی اور اکبر خان میری طرف بڑھ آیا۔

میرے لیے وہ ہدایت ناقابلِ فہم تھی۔ بوبی کے تھیلے سے برآمد ہونے والے چرمی تسموں کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شاید مجھے بے دست و پا کر کے، بے ہوشی کے عالم میں ہوٹل سے نکال لے جانا چاہتے تھے لیکن لباس اتروانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے احتجاج کیا۔ مزاحمت بھی کی لیکن انہوں نے میرے بدن سے شنگاریوں کی دی ہوئی قمیص کے ساتھ ہی بنیان بھی اتار دیا۔ باس نے اکبر خان کو غیر مسلح کر کے مجھے اس کے پستول کی زد میں لے لیا تھا۔

بوبی ایک چوڑی اور کئی جگہ سے پھولی ہوئی چرمی بیلٹ لے کر میرے پیچھے آیا اور پھر اس نے وہ بیلٹ میری کمر اور پیٹ کے گرد کس دی اور پشت پر اس کے پیچیدہ تسمے باندھنے لگا۔ میں اپنے ننگے دھڑ کے ساتھ احمقانہ انداز میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے بیلٹ کی پشت سے منسلک دو مضبوط تسمے میرے شانوں پر سے گزار کر پیٹ پر کسی ہوئی بیلٹ سے باندھنے شروع کر دیئے۔ اس طرح وہ بیلٹ میری کمر کے گرد ایک ہی جگہ جم کر رہ گئی۔ میں گیلس نما چرمی تسمے کاٹے بغیر، بیلٹ کو نیچے نہیں سرکا سکتا تھا۔ دوسرے مرحلے میں اس بیلٹ کے مزید دو تسمے میرے دھڑ کے آخری سروں پر ٹانگوں کے گرد باندھ دیئے گئے۔ اس عمل کے بعد بیلٹ کو اوپر سرکانا بھی ناممکن ہو گیا تھا اور میں عملاً اس چرمی جال میں جکڑ کر رہ گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ان بندشوں میں میرے ہاتھ پیروں کو مقید نہیں کیا گیا تھا۔

"اب کپڑے پہن لو" بوبی نے میرے برہنہ شانے پر ہاتھ مار کے حقارت سے کہا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بنیان اور پھر قمیص پہن لی۔ میں گریبان کے بٹن لگا رہا تھا تو بوبی پلاسٹک کی ایک ڈبیا لے کر میرے سامنے آ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا "تمہاری کمر کے گرد بندھی ہوئی بیلٹ میں اتنا طاقت ور بارودی مادہ محفوظ ہے کہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسے چلا دیا جائے تو تمہارے بدن کے چیتھڑے بھی دریافت نہیں ہو سکیں گے۔"

پوری بات سمجھ میں آتے ہی میرے بدن کے مسامات سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول بوبی کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اس کی انگلی کی خفیف سی جنبش لمحہ بھر میں میرا کام تمام کر سکتی تھی۔

"اب تم ہماری ہدایات پر عمل کرو گے" باس نے سرد لہجے میں کہا "یہ یاد رکھنا کہ اس انفراریڈ، ریموٹ کنٹرول سسٹم کی رینج بہت زیادہ ہے۔ لباس کے نیچے ہونے کی وجہ سے تم بیلٹ اور تسموں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکو گے۔"

اکبر خان بظاہر غیر جانبدار نظر آنے کی کوششوں کے باوجود متفکر نظر آنے لگا تھا۔

بوبی نے اپنی جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈّی نکال کر اکبر خان کی طرف اچھال دی "یہ رقم طے شدہ معاوضے سے بہت زیادہ ہے۔ اس میں تمہارا انعام بھی شامل ہے۔ اب تم ڈینی کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گے۔"

"تو کیا تم اسے لے جا رہے ہو؟" اس نے گڈّی لپکنے کے بعد مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... اب یہ ہوٹل بھروسے کے قابل نہیں رہا" باس نے سرد لہجے میں کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا "تم میرے اور بوبی کے درمیان میں چلو گے۔ تم نے کسی جگہ رکنے یا کسی سے بات کرنے کی کوشش کی تو اپنے برے انجام کے خود ذمے دار ہو گے۔"

وہ فاتحانہ انداز میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ بوبی میرے پیچھے آ رہا تھا۔ آخر میں اکبر خان بھی چلا آ رہا تھا۔ اس بے چارے کی ساری محنت رائگاں گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس بار کیپٹن بابر کی یقین دہانی کے باوجود میں بھیانک ترین خطرات سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا۔

اس ہوٹل کے رہائشی کمرے میں، میں فون بھی دیکھ چکا تھا لیکن مجموعی طور پر وہ کوئی اعلیٰ ہوٹل نہیں تھا بلکہ ہر اعتبار سے جلال آباد کے غزنی ہوٹل سے بہت کم تر تھا۔ کنکریٹ کی راہداری

اور پھر زینوں پر ہمارے قدموں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ باس سب سے آگے تھا اور میرے پیچھے دو افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے ایک بوبی اور دوسرا شاید اکبر خان تھا جو میرے اس انجام سے خاصا ناخوش تھا۔

یک منزلہ زینے کے اختتام پر تنگ سی داخلی گزرگاہ میں ایک چوبی کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک سرخ وسفید اور ادھیڑ عمر مقامی بیٹھا ہوا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ قدموں کی آواز سن کر اس نے اخبار کاؤنٹر پر رکھ دیا اور گہری نظروں سے باس کو گھورنے لگا کیونکہ اس وقت وہی ہماری پیشوائی کر رہا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں" باس اس کی تیز نظروں سے گڑبڑا کر بولا۔ "تمہارا کوئی حساب ہو تو مجھے بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ ادھر آنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"تم سے میرا کوئی حساب نہیں ہے" اس نے بے پروائی سے کہا پھر اس کی عقابی نظریں باس کے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی میرے وجود پر جم کر رہ گئیں۔ وہ معنی خیز انداز میں سہلاتے ہوئے بولا "تو یہ کہو کہ تم مریض کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہو! اکبر خان کہاں ہے؟" اس نے بالکل غیر متوقع انداز میں آخری سوال کیا تھا۔

"میں یہاں ہوں، ماما!" اکبر خان نے فوراً ہی جواب دیا۔ وہ اس وقت راستہ صاف ہونے کے انتظار میں آخری سیڑھی پر کھڑا ہوا تھا جہاں وہ اپنے ماموں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

"تو نے تو دو چار دن کی بات کی تھی۔ یہ لوگ چند گھنٹوں بعد ہی مریض کو لے جا رہے ہیں۔ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟" وہ شخص گہری نظروں سے باری باری ہم تینوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہے" اکبر خان، بوبی کو دھکیل کر اپنے ماموں کے سامنے پہنچ گیا اور دھیمی مگر پُرجوش آواز میں بولنے لگا۔ "مجھے رقم مل چکی ہے۔ یہ لوگ جانا چاہتے ہیں تو ہم انہیں کیوں روکیں؟"

"اچھا" وہ اپنے سر پر جمی ہوئی چترالی ٹوپی کو ماتھے پر جھکاتے ہوئے بولا "تو راضی ہے تو مجھے انہیں روکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں سمجھا دے کہ اب یہ میرے ہوٹل کو بالکل بھول جائیں گے، اس طرح جیسے کبھی ادھر آئے ہی نہ ہوں۔ انہوں نے میرے لیے کوئی پریشانی پیدا کرنے کی کوشش کی تو یہ سب عتاب میں آجائیں گے۔"

باس کا بایاں ہاتھ جیب میں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا وہ ہاتھ پستول کے آہنی دستے پر جما ہوا ہوگا۔ وہ اکبر خان کے بولنے سے پہلے کاؤنٹر کی طرف جھکا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہم پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ جو پیچھے رہ جاتا ہے، اسے بھول جاتے ہیں۔ ہماری نگاہ ہمیشہ آگے ہی رہتی ہے۔ اب اجازت ہو تو ہم یہاں سے باہر چلے جائیں؟ ہمیں ایک لمبے سفر کی تیاری کرنی ہے۔"

"جاؤ!" کاؤنٹر والے نے اپنے شانے اچکا کر استہزا[ئیہ انداز] میں کہا "مجھے تم سے کیا لینا ہے؟"

اسی لمحے اکبر خان کے ساتھ کھڑے ہوئے بوبی نے [ریموٹ] کنٹرول والی ڈبیا کو لہرا کر مجھے دروازے کی طرف بڑھنے کا [اشارہ کیا] اور میں مشینی انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہو؟" میرے کانوں [میں اکبر] خان کی دبی دبی آواز آئی۔ شاید وہ بوبی سے کچھ معلومات [حاصل] کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیپٹن بابر سے فون پر بات کر[نے کے بعد] اسے میری ذات سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ یہ اور بات تھی [کہ] بابر کی طرف سے کسی امدادی کارروائی کی نوبت آنے سے [پہلے] ان دونوں نے مجھے قصہ خوانی بازار کے اس ہوٹل سے نک[ال لے] جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ ہمارا قیدی ہے۔ ہم ا[سے اپنی] مرضی کے مقام پر لے جائیں گے" مجھے بوبی کی کھردری آو[از سنائی] دی لیکن میں مڑ کر دیکھے بغیر ہوٹل سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت تک وہ دونوں میرے پیچھے تھے۔ باہر میر[ے] راستے ہی راستے تھے۔ میرے دونوں پہلوؤں پر پشاور ک[ا قدیم] و معروف قصہ خوانی بازار کی لہراتی ہوئی سڑک پھیلی ہوئی [تھی۔ اس] وقت صبح کے آٹھ بھی نہیں بجے تھے اسی لیے بازار کی [دکانیں] بند تھیں لیکن پشاور کے رہنے والے سحر خیزی کے عاد[ی] ہوتے تھے کیونکہ بازار بند ہونے کے باوجود وہاں پیدل چ[لنے والوں] اور سواریوں کی خاصی بہتات تھی۔ برقعوں اور بڑی بڑی [چادروں] میں لپٹی ہوئی، نوجوان طالبات کی متعدد ٹولیاں تیز قدموں [سے] تعلیمی اداروں کی طرف رواں تھیں۔ گالان، چیغا سرا[ی اور] جلال آباد کے پُرہول تجربات سے گزرنے کے بعد چہل [پہل اور] سرگرم زندگی کے وہ معمولات مجھے مسحور کرنے لگے۔ [یقین] نہیں آرہا تھا کہ میں سنگلاخ پہاڑوں میں بسنے والے شکاریوں کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنے لوگوں میں واپس [آچکا ہوں۔]

میرے ذہن پر سحر زدگی کی وہ کیفیت زیادہ دیر تک قا[ئم نہ رہ] سکی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ میں اپنی سرزمین پر، اپنے ہم و[طنوں کے] درمیان ضرور آچکا تھا لیکن بدقسمتی سے باس اور اس [کے ساتھیوں کا] قیدی بن چکا تھا۔

میں متذبذب انداز میں اسی جگہ جم کر رہ گیا۔ اپنی [کمر پر] کسی ہوئی بارودی بیلٹ کی دہشت نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور [کر دیا کہ] میں کس سمت میں پیش قدمی کروں کہ میرے صیاد ناراض [نہ ہونے] پائیں؟

باس نے میرے اس تذبذب کو فوراً ہی بھانپ لیا [اور] پھرتی کے ساتھ میرے آگے آکر داہنی طرف چل دیا۔ [میں ایک] معصوم بھیڑ کی طرح سر جھکا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ بوبی۔۔۔

[۔۔۔] نکلنے کی کوشش نہیں کی البتہ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے [بعد] اپنی رفتار بڑھا کر میرے برابر میں آگیا۔

[پ]شاور کی وہ صبح قدرے خنک اور بہت خوش گوار تھی۔ بازار [کا ہ]ر راہ گیر قمیص شلوار میں نظر آرہا تھا۔ بعض لوگوں نے اس [پ]ر کوٹ ضرور پہنے ہوئے تھے مگر خالص مغربی لباس یعنی سوٹ [ا]ن میں اکا دکا افراد ہی ملبوس تھے۔

"یہ قصہ خوانی بازار ہے" بوبی نے اپنی دانست میں مجھے آگاہ [کیا۔]

"مجھے معلوم ہے" میں نے بوجھل آواز میں کہا اور اسی لمحے [میرے] دل میں ایک ہوک سی اٹھی کہ کاش تمو چن کہیں سے ادھر [آجائے] اور مجھے پہچان لے۔ وہ میرے مخلص دوست، عبدالرحمٰن کا [بیٹا] تھا۔ میں برسوں پہلے جب پہلی بار ادھر آیا تو میں نے پشاور کے [کوچے] چے اور بازار عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی دیکھے تھے۔ وہ یاروں [کا یار] اور غضب کا مہمان نواز تھا۔ جنوری کی یخ بستہ راتوں میں [اس] نے راجہ بازار کے قہوہ خانوں میں، پیال کی بیٹھک پر مجھے دل [بھر کر ق]ہوہ پلایا تھا۔ میں خالی پیالی کو تھالی میں رکھتا اور وہ اسے بار بار [بھرتا چ]لا جاتا تھا۔ اس نے کافی دیر بعد میری بے بسی اور لاعلمی کا [اندازہ ل]گایا تو ایک گونجیلے قہقہے کے ساتھ آگاہ کیا تھا کہ پشاور میں [جب ت]ک مہمان اپنی خالی پیالی الٹ کر نہ رکھے، میزبان اسے مزید [قہوہ دی]ے چلا جاتا ہے اور میں نے اسی لمحے اپنی پیالی کو الٹ دیا تھا۔ [پشاو]ر کے ایک معزز اور مہذب پٹھان کی مہمان داری کی روایت [تھی لی]کن حیرت کی بات تھی کہ شنگار اولی کے نیم مہذب قبائلیوں [میں بھی] خورد و نوش کے برتنوں کے الٹ پھیر سے مفہوم اخذ کرنے [کی رو]ایات زندہ تھیں۔ ہم نے کھانے کی بڑی قاب الٹ کر ہی [۔۔۔] اللہ بادرانی کو اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ ہم نے کھانے [کی] مخصوص قاب نہ الٹی ہوتی تو جنگ کا نقارہ بجتے ہی، گھنٹیوں [میں] ہمیں بھی پائندہ گل کے حامیوں کے ساتھ خاک و خون میں [لوٹ]تے۔

[ب]ادرانیوں کی طرف سے میرا ذہن ایک بار پھر پشاور کے [عبدالر]حمٰن خان کی طرف لوٹ آیا۔ وہ مجھے ایک ہوٹل میں کھانا [کھلا]نے لے گیا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو میں بل [ادا کر] چکا تھا اور بیرا بقایا رقم لیے میز پر موجود تھا۔ عبدالرحمٰن خان [کی آ]نکھیں سلگنے لگیں، چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی ڈیڑھ کلو [کی] پشاوری چپل اتار کر میری طرف سرکا دی اور مُصر ہو گیا کہ میں [ا]س کے سر پر برساؤں۔ حیرت اور خجالت کے عالم میں، میں [کچھ] نہ سمجھ سکا۔ پھر مجھ پر عقدہ کھلا کہ میں نے بل ادا کر کے اپنے [میزبا]ن کی بدترین توہین کی تھی۔ میری رقم واپس دلوانے کے باوجود [وہ کئ]ی گھنٹوں روٹھا رہا تھا۔ وہ اس دنیا ہی سے روٹھ چکا تھا لیکن [مجھے یق]ین تھا کہ اس کا بیٹا کڑیل جوان کا روپ دھار چکا ہوگا۔ میں

نے اسے بچپن میں دیکھا تھا۔ اس وقت میری عمر بھی واجبی سی تھی۔ اگر تموچن کی نظریں وقت کی اس خلیج کو پاٹنے میں کامیاب ہوجاتیں تو مجھے اس بھرے بازار میں اپنا ایک مضبوط حمایتی مل سکتا تھا لیکن وہ میرا دن نہیں تھا۔ آنے جانے والوں میں بے شمار کڑیل جوان تھے لیکن کسی کی آنکھوں میں میرے لیے شناسائی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ اجنبی چہرے سرسری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے یا بغیر دیکھے گزرے چلے جارہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے خاموش پاکر بوبی نے طنز سے کہا۔ "یہاں کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ کوئی آبھی جائے تو تم اسے اپنے آپ سے دور رکھوگے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت تم ایک زندہ بارودی سرنگ بنے ہوئے ہو۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم مجھے پیدل کہاں لے جارہے ہو؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہوٹل کے سامنے ہی ہر قسم کی سواریاں موجود تھیں۔ مجھے اس طرح پیدل چلانے کا کیا مطلب ہے؟" "تیزی اور پھرتی برقرار رکھنے کے لیے پیدل چلنا بہت سودمند رہتا ہے" اس نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش رہا۔ اس وقت میں پوری طرح ان دونوں کے رحم وکرم پر تھا اور ان کی باتوں پر مشتعل ہوکر مجھے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے دوران میں، میں نے اپنے خون کے ابال پر قابو پالیا پھر نرمی سے بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حالت میں تم مجھے کراچی کب لے جاؤگے؟"

"فکر نہ کرو۔ ہم کراچی تک پیدل جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔" اس نے اپنی دانست میں عمدہ مذاق کیا۔

"مجھے معلوم ہے" میں نے گہری سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن بارودی بیلٹ کے ساتھ تم مجھے جہاز میں بھی نہیں لے جاسکوگے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم نے یہ سارا کھیل کس مقصد سے رچایا ہے؟"

بظاہر باس ہم دونوں سے لاتعلقانہ انداز اختیار کیے، ہمارے آگے چل رہا تھا لیکن وہ بولا تو اندازہ ہوا کہ وہ ہماری گفتگو سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے، مڑکر کہا۔ "اول تو ہم فضائی سفر کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اور اگر ایسی ضرورت پیش آبھی گئی تو تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی شرارت کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ ائرپورٹ سیکورٹی والوں کے حساس آلات ہر دھات اور بارود کا سراغ لگالیتے ہیں اور وہ تمہیں روک لیں گے۔ تمہاری بیلٹ بنانے والوں نے ایسے ہر خطرے کا توڑ کرلیا ہے؟ طاقت ور بارودی مادے کو ایسے مصنوعی فائبر میں محفوظ کیا گیا ہے کہ سیکورٹی فورس والوں کے جدید ترین آلات بھی اس کا سراغ نہیں لگاسکتے۔"

اس کا جواب مسکت تھا۔ اس نے میرا ذہن پڑھ کر بخوبی یہ بات جتادی تھی کہ مجھے بارودی بیلٹ سے ایک لمحے کے لیے بھی نجات نہیں مل سکتی تھی۔ میں ایسے پلاسٹک بموں کے بارے میں سن چکا تھا جو اپنی مخصوص بناوٹ کی وجہ سے کسی آلے کی گرفت میں نہیں آتے تھے اور عالمی ہوا بازی کی تاریخ میں ان سے کئی بار تخریبی کام لیا گیا تھا۔

باس ہمارے ساتھ آملا تھا۔ اس سے باتیں کرکے میں اپنی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرسکتا تھا۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کرنے کے بجائے ڈھٹائی کے ساتھ ہنس کر کہا "تم بلاوجہ میری طرف سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہورہے ہو۔ میرے ذہن میں دور دور تک کسی شرارت کا منصوبہ نہیں ہے۔ میری نیت بالکل صاف ہے۔ تم کراچی پہنچنے کے بعد مجھے مکاؤ والوں کے سامنے پیش کروگے تو میری پوزیشن خود بخود صاف ہوجائے گی۔ میں مکاؤ ضرور گیا تھا لیکن وہاں ڈون کوانگ فو یا اس کے کسی آدمی سے نہیں ملا تھا۔ وہ دونوں غیر ملکی بدمعاش اس کے آدمی ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر انہیں شدت سے میری تلاش ہے تو وہ مکاؤ کے کسی کاسینو کے پالتو غنڈے ہوں گے۔"

"بس، اسی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے تمہیں زندہ رکھا گیا ہے۔ مدرمافیا کے ریکارڈ پر موجود سفارشات تمہارے حق میں نہ ہوتیں تو تم اب تک ملکِ عدم کے راہی ہوچکے ہوتے" باس کا لب ولہجہ سپاٹ تھا۔

ہمارے درمیان خاموشی چھاگئی اور میرا ذہن ایک بار پھر بری طرح الجھنے لگا۔

جب تک ہم جدید شہری تہذیب سے بہت دور، شنگارا دیلی میں محصور تھے، حالات اتنے دگرگوں نہیں تھے۔ وہاں ہمیں معلوم تھا کہ ہم کن حریفوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہماری کون سی چال ہمیں کیا نقصان پہنچاسکتی ہے، ہمیں پائندہ گل اور صبغت اللہ کی خوبیوں اور خامیوں کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ ان دونوں کے ساتھ چال بازیاں کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نتیجے میں ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے یا ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس اجنبی ماحول میں بے یارومددگار ہونے کے باوجود ہم شنگارا دیلی سے بخیروعافیت نکل آنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن وادی سے باہر کے مانوس ماحول میں قدم رکھتے ہی متعدد خطرات نے اس تیزی سے سر ابھارا تھا کہ سرمنڈاتے ہی اولے پڑنے کی بے مثال کہاوت یاد آنے لگی تھی۔

سب سے پہلے ہمارا ٹکراؤ ایلن اور پیٹر سے ہوا۔ وہ دونوں فری لانسر مجرم تھے اور معقول معاوضے پر کسی بھی وقت کوئی بھی کام کرسکتے تھے۔ ان سے ملاقات کی ابتدا دلچسپ انداز میں ہوئی لیکن پھر ان کے کردار پراسرار ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی معلومات اور جرائم کی دنیا میں اپنے وسیع تجربے کی بنا پر مجھے اور ویرا کو پہچان لیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت کولمبیا کے کرنل جیسی جونز اور ڈیوڈ اسٹارز کے راس المیڈا کے لئے کام کررہے تھے۔ راس المیڈا کو یہ فکر تھی کہ پاکستان کے ایٹمی منصوبوں میں تباہی پھیلانے کے لئے جو دو نفری مشن بھیجا گیا تھا وہ پاکستان پہنچنے کے بعد یک بیک لاپتا ہوگیا تھا۔ اسے ان دونوں کی سلامتی یا ہلاکت سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ شاید یہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ مارے یا پکڑے گئے ہوں تو ایلن ان کے مشن کو سنبھالے اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف کوئی ٹھوس منصوبہ بروئے کار لائے۔ ایلن کو بل جونز کے قتل کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا لیکن وہ راس المیڈا کو مرعوب کرنے یا اپنی اعلیٰ کارکردگی کا چکما دینے کے لئے پاکستان جانا ضروری سمجھ رہا تھا تاکہ اسے اس ارب پتی اور متعصب یہودی سے مزید کام مل سکے۔ دوسری طرف کولمبیا کا رسوائے زمانہ دہشت گرد، کرنل جیسی جونز بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی سلامتی کی طرف سے فکرمند تھا۔ اس نے بیس ہزار امریکی ڈالروں کے عوض ایلن کی خدمات حاصل کی تھیں۔ ایلن پاکستانی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے ہی ویرا کی زبانی اپنے سوال کا جواب پاچکا تھا لیکن وہ پھر بھی پاکستان میں ہم سے روابط برقرار رکھنے کا متمنی تھا۔ غزالہ ان معاملات میں زیادہ ملوث نہیں تھی لیکن ویرا ہربات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس کی نپی تلی رائے تھی کہ پاکستان میں وہ دونوں ہمارے مضبوط حریف ثابت ہوسکتے تھے۔ وہ تو انہیں جلال آباد ہی میں ختم کردینے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔ اگر ہمیں غیر قانونی طور پر سرحد عبور کرنے کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو شاید میں اس کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیتا لیکن مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ ہمارے اس سفر کے اختتام سے پہلے ہی اکبر خان نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے مجھے اغوا کرلیا تھا۔ میرے تینوں ساتھی چیغا سرائے سے آنے والی کوسٹر میں رہ گئے تھے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے بعد ایلن کا سلوک کیا رہا ہوگا یا ان پر کیا گزری ہوگی۔ وقت کی ٹھوس ترین حقیقت یہ تھی کہ میری کمر میں بارودی پٹا پڑا ہوا تھا جو بوبی کی انگلی کی خفیف سی جنبش سے میرے بدن کو ناقابلِ شناخت چیتھڑوں میں بدل سکتا تھا اور اسی پٹے کی وجہ سے ان دونوں نے مجھے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا۔

وہ مافیا کے کارندے تھے۔ باس پاکستانی نژاد ضرور نظر آتا تھا لیکن وہ انگلینڈ سے خاص طور پر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ اسے مافیا کی تباہی کے اسباب اور اس ڈرامے میں میرے کردار کے تعین کے فرائض سونپے گئے تھے۔ ان دوطرفہ مصائب کے علاوہ ایک تیسرا اور خطرناک ترین محاذ بھی میرا منتظر تھا اور مافیا والے مجھے آخرکار اسی محاذ کا ایندھن بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

تیسرے خطرے کا تعلق ڈون کوانگ فو کے ان آدمیوں سے تھا جو مکاؤ سے کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ ایلن اور پیٹر کی تعداد دو تھی۔ باس کے ساتھ بوبی کی جوڑی بنی ہوئی تھی۔ اسی طرح مکاؤ سے آنے والوں کی تعداد بھی دو ہی تھی۔ باس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ مکاؤ کے بدمعاش ہیں۔ وہ دونوں رازدارانہ انداز میں کراچی کے جرائم پیشہ افراد سے رابطے کرتے پھر رہے تھے اور انہیں میری تلاش تھی۔

مکاؤ کے بدمعاشوں نے اپنی وفاداریوں کے سلسلے میں سخت رازداری کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے میں نے باس کو تو چکر دے دیا تھا کہ وہ مکاؤ کے کسی جوئے خانے کے پالتو غنڈے ہوسکتے ہیں جو میری جیتی ہوئی بھاری رقوم لوٹنے کے ارادے سے میرا کھوج لگاتے ہوئے کراچی پہنچے ہیں مگر میں اس موقعے کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ رہا تھا۔ مکاؤ کے جوئے خانے بلاشبہ پوری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ عادی اور شوقین جواری دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کر وہاں پہنچتے ہیں۔ پائپ، سگار اور سگریٹوں کے مرغولے اور مہک دار دھوئیں کے بادلوں میں اٹھلاتی ہوئی ہوش ربا میزبان لڑکیوں کی رہنمائی میں رات دن جوا کھیلتے ہیں۔ ان میں سے بعض کاسینو ایسے پُرفریب ہوتے ہیں کہ ان میں داخل ہونے کے بعد وقت ایک جگہ تھم کر رہ جاتا ہے۔ دن اور رات کے فرق سے بے نیاز، وہاں کا ماحول وہی کا وہی رہتا ہے۔ کچھ کھلاڑی جیت کر اور بیشتر قلاش ہوکر وہاں سے نکلتے ہیں کیونکہ ان جوئے خانوں میں دنیا بھر کے شاطر ترین شاطر بھی شوقینوں کے روپ میں موجود رہتے ہیں اور موٹی اسامیوں کو منصوبہ بندی کے تحت گھیر کر کنگال کردیتے ہیں لیکن میں نے مکاؤ میں اپنے قیام کے دوران جوئے میں قطعی شرکت نہیں کی تھی۔ کچھ دنوں پہلے جمی لائیڈ مجھے بتاچکا تھا کہ ڈون کوانگ فو کو نیشی کاؤ کے قتل کی کڑیاں مل گئی تھیں اور وہ اس بات پر بری طرح بھنایا ہوا تھا کہ میں نے اس کا مہمان بن کر نہایت صفائی سے نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جمی لائیڈ شی کا سربراہ یا سرآئی مین تھا اس لئے اپنے آئی مین کی سوچ سے واقف تھا ورنہ ڈون کوانگ فو نے ساکھ بگڑنے اور ہوا خیزی کے خوف سے اصل بات اپنی حویلی کی حدود سے باہر نہیں نکلنے دی تھی۔ اس نے خاموشی کے ساتھ میری

تلاش شروع کرادی تھی اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ جس دن بھی وہ مجھے پکڑوانے میں کامیاب ہوگیا' وہ میری زندگی کا آخری اور بدترین دن ثابت ہوگا۔ اپنے حریفوں اور حاسدوں کو عبرت دلانے کے لئے وہ میرے ساتھ انتہا درجے کی کمینگی اور سفاکی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

"آؤ! اب پشاور میں پکڑے ہی گئے ہو تو قصہ خوانی بازار کا قہوہ بھی پی لو!" طویل خاموشی کے بعد باس نے اچانک وہ دعوت دے کر مجھے حیران کردیا۔ اس وقت ہم ایک گنجان چوک سے گزر رہے تھے جہاں پشاور کے متعدد روایتی قہوہ خانوں کے ساتھ ہی حلوائیوں کے چولہے بھی روشن تھے۔

"یہ تمہاری خوش ذوقی کی علامت ہے۔" میں نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے کہا "جو لوگ کھانے پینے کے شوقین ہوتے ہیں' وہ عموماً رحم دل بھی ہوتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے درمیان کسی غلط فہمی نے جنم لیا تو مجھے کسی قسم کے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔"

"ہم دشمن کو سسکا کر انتظار کی کوفت سے گزرنے کے عادی نہیں ہیں۔" باس نے ایسے گمبھیر لہجے میں کہا جیسے وہ زندگی کا کوئی اٹل فلسفہ بیان کررہا ہو "تم حبیب جیوانی کے ساتھ رہ چکے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگ سرعت سے فیصلے کرنے کے عادی ہیں اور اپنے فیصلوں پر اسی تیزی کے ساتھ عمل بھی کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ بیلٹ سلامت رہے یا چل پڑے۔ اپنے مقدر کے انتخاب کا اختیار تم کو ہے۔ ہم تمہیں ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔ اپنی ذہنی اور جسمانی توانائیاں ہم زیادہ اہم کاموں کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔"

اس وقت مجھے فضا میں خنکی کا احساس ہورہا تھا لیکن مقامیوں کے لئے وہ خوشگوار موسم تھا اس لئے لوگ قہوہ خانوں سے باہر بینچوں' چارپائیوں اور سالخوردہ چوبی کرسیوں پر بیٹھے قہوہ پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔ انہیں قہوہ خانوں میں لگی ہوئی پیال کی فرشی نشستوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

باس چوکھٹ سے باہر جوتے اتار کر ایک قہوہ خانے کے تنگ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ ہم دونوں نے اس کی تقلید کی۔ باہر کے چبوترے پر روشن چولھوں پر ابلتے ہوئے دودھ اور قہوے کی اشتہا انگیز خوشبو نے کمرے کی فضا کو مہکایا ہوا تھا۔

ہم پیال کے نرم اور آرام دہ فرش پر پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک سرخ و سفید اور نوخیز لڑکا قہوے دانی کے ساتھ تین خالی پیالیاں لے آیا۔ ہمارے بارے میں اس کا رویہ بالکل سپاٹ تھا کیونکہ پشاور والے ہمیشہ سے اپنے شہر میں سفید فاموں اور ملک کے جنوبی اور وسطی حصوں سے آئے ہوئے سیاحوں کو دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔ اپنی اعلیٰ روایات' سخت گیری' مشروط شخصی آزادی اور سرحد پار سے آنے والی سستی منشیات کے پراسرار بکھیڑوں کی وجہ سے پشاور ہمیشہ غیرملکیوں کے لئے پرکشش رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کھٹمنڈو کی طرح پشاور کے گلی کوچوں میں بھی ہر نسل کے بے شمار سفید فام لڑکے لڑکیاں مارے مارے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔

لڑکے کے چلے جانے کے بعد باس کے اشارے پر بوبی نے کھولتا ہوا قہوہ پیالیوں میں انڈیلا۔ ہم تینوں نے اپنی اپنی پیالیوں سے پہلا گھونٹ لے کر پیالیاں رکھ دیں۔

"اجازت ہو تو سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے باس سے سوال کیا۔

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ لغزش ہوتے ہی بٹن دبا دیا جائے گا۔" باس نے اپنی جیب سے غیرملکی برانڈ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے کہا۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے بوبی کی طرف دیکھا۔ وہ بارودی بیلٹ کا ننھا سا ریموٹ کنٹرول یونٹ اپنے بائیں ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ بیلٹ پھٹتی تو میرے ساتھ ان دونوں کے بھی چیتھڑے اڑ جاتے۔ وہ مجھے اسی وقت اڑا سکتے تھے جب میں ان سے دور ہوتا یا بالفاظِ دیگر فرار ہونے کی کوشش کرتا۔ اس باریکی کا دھیان آتے ہی شاید میرے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیل گئی۔

مجھے اپنی مسکراہٹ کا ادراک بھی نہ ہوتا اگر باس بری طرح چونک نہ پڑا ہوتا "کیا بات ہے' تم کس بات پر خود ہی خود مسکرا رہے ہو؟"

"وقت کی ستم ظریفی پر مسکرا رہا ہوں۔" میں نے کہا "کل میں تم میں سے تھا۔ آج تمہارا قیدی ہوں۔ کل جب مکاؤ والے حقائق بیان کریں گے تو تم ... مجھے دوبارہ اپنی صفوں میں قبول کرلو گے۔ برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھ لوں؟"

"جب تک ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' تم ایک نہیں' دس سوال پوچھ سکتے ہو۔"

"مافیا میں باس کا لقب رائج نہیں ہے پھر بوبی تمہیں باس کیوں کہہ رہا ہے؟"

"تمہیں بہت دیر میں خیال آیا۔"

"میرے ذہن میں یہ لفظ شروع ہی سے بری طرح چبھ رہا ہے۔"

"بوبی باہر کا آدمی ہے۔ مجھے ایک مددگار کی ضرورت تھی۔ میں نے معاوضے پر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ یہ پہلے بھی معاوضہ لے کر حبیب جیوانی کے لئے مال اور رقوم کی ترسیل کا کام کرتا تھا۔ یہ ہر اُس شخص کو باس کہنے کا عادی ہے جو اِسے اس کی خدمات کا معقول معاوضہ ادا کرتا ہے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ڈان تھری یا اسی رتبے کے آدمی ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس نے ہولے سے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی "اس سے کم درجے کا آدمی مقامی بے قاعدگیوں کے خلاف تحقیقات کر ہی نہیں سکتا۔ تم جانتے ہو کہ ڈان تھری کے کیا اختیارات ہوتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اپنے ڈان تھری کے ساتھ ایک قہوہ خانے میں اتنی بے تکلفی سے بیٹھا ہوا ہوں۔ نیشی کاؤ سے بات کرتے وقت میری روح فنا ہونے لگتی تھی۔ اس کی آواز ہی بلا کی قہر بار تھی۔"

اسے نیشی کاؤ کی وہ تعریف پسند نہ آئی۔ وہ تلخی سے بولا "ہر شخص کا اپنا مزاج اور انداز ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کو عذاب بنائے رکھتا تھا۔ میں خود خوش و خرّم رہ کر اپنے حریفوں کی زندگیاں عذاب بنانے کا عادی ہوں۔ جو لوگ مجھے قریب سے جانتے ہیں وہ میری خوش مزاجی سے بری طرح تھرّاتے ہیں۔"

"تم یہاں سے ترقی کرکے ڈان تھری جیسے بڑے مقام پر پہنچ گئے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس دوران میں' مجھے ایک بار بھی تم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔ میرے لئے یہ بات......"

اس نے پرغرور انداز میں میری بات کاٹ دی "یہاں سے میرا کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ میری تربیت بمبئی میں ہوئی۔ جب وہاں سماج سدھار کی مہم چلی تو مطلوبہ لوگوں کی فہرست میں میرا نام سب سے اوپر تھا۔ ہمارے سرمائے سے الیکشن جیت کر اسمبلیوں میں جانے والے ہمارے سروں کے طلب گار بن چکے تھے۔ میں اس برے دور میں خاموشی سے باہر نکل گیا اور وہ اچھا ہی ہوا ورنہ آج میں وہ نہ ہوتا جو ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملکوں میں سیاست کاروں اور بدمعاشوں کے بیچ بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ بدمعاش ووٹ نہیں لے سکتا' سیاست کار نوٹ نہیں لُٹا سکتا۔ ووٹ لینے والوں کو نوٹ ہم دیتے ہیں۔ انہیں سب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مال کہاں سے لاتے ہیں لیکن جب اپنے ہی جوش میں اندھے ہوکر غداری پر تُل جائیں تو کون کس پر اعتبار کرسکتا ہے؟"

اس کا وہ انکشاف سن کر میں اندر سے سن ہوکر رہ گیا۔ مدر مافیا والوں نے پاکستان میں اپنی تباہی کے اسباب دریافت کرنے کے لئے اگر ایک بھارتی ڈان کو بھیجا تھا تو اس میں کوئی اور راز بھی پوشیدہ ہوسکتا تھا مگر میں اس وقت وطن کے حوالے سے کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' مجھے مافیا کے عہد نامے کی روح یاد تھی۔ اس کی رو سے مافیا کا ہر رکن وطن' مذہب اور خون کے رشتوں سے بے نیاز ہوکر صرف اور صرف جرائم کو پروان چڑھانے کے مشن پر کام کرتا رہتا ہے۔ ہر جگہ قانون کی دھجیاں اڑانا اس کا فرض ہوتا ہے۔ انتہا یہ تھی کہ حریفوں سے تصادم کی صورت میں بھی مافیا والے قانون سے کوئی مدد نہ لینے کے پابند تھے کیونکہ دو متصادم فریقوں کے درمیان قانون کی قوتیں بروئے کار آنے سے جرم کمزور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مافیا والے جہاں بھی تھے' اپنی طاقت اور دہشت گردی کے بل بوتے پر زندہ تھے۔ وہ جہاں بھی اپنے کسی ابھرتے ہوئے حریف کے مقابلے میں کمزور پڑتے تھے' خاموشی سے میدان چھوڑ کر پسپائی اختیار کرلیتے تھے۔ میں زمین کے حوالے سے کوئی بات کرتا تو وہ اسی لمحے مشتعل ہوسکتا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اوپری دل سے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "جب کٹھ پتلیاں اپنی من مانی کرنے لگیں تو کھیل بگڑ جاتا ہے اور پتلیوں کی ڈوریاں کاٹ کر انہیں کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا جاتا ہے۔"

"میں فخر سے دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مجھے اشتہاری مجرم قرار دلوانے والے سیاسی ٹھگوں میں سے آج ایک بھی غدار زندہ نہیں ہے۔" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر بولا "میں نے ہر غدار سے بدلہ لیا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے اس قدر کھل کر باتیں کررہے ہو۔" میں نے اچانک ہی پینترا بدل کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "میں پوری طرح تمہارے قبضے میں ہوں۔ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ مجھے صرف اتنا بتادو کہ میرے باقی ساتھی کہاں اور کس حال میں ہیں؟"

میرے سوال پر اس کے چہرے پر معنی خیز لکیریں نمودار ہوگئیں پھر وہ آہستگی سے بولا "سچ پوچھو تو میں خود بھی ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بلاوجہ اس قہوہ خانے میں نہیں لایا ہوں۔"

اس بار میرے حیران ہونے کی باری تھی "ان کے بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"وہ کون ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہے؟ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جما کر دھیرے دھیرے کہا "تم میری تسلی کرادو' میں تمہارے سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے قدرے رک رک کر کہا "اب تم مجھے حیران کررہے ہو.... ان میں سے ایک میرا بہت پرانا دوست اور مددگار ہے.... دوسری میری بیوی ہے۔"

"اور؟" اس نے مجھے خاموش پاکر لقمہ دینے کی کوشش کی۔

"بس' ہم تین ہی تھے۔" میں نے یک لخت فیصلہ کیا کہ اس موقعے پر مجھے ویرا کا ذکر سرے سے گول کردینا چاہئے۔ اس وقت مجھے باس یا ڈان تھری کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"گڈ!" اس نے ایک لمبا گھونٹ لے کر قہوے کی پیالی خالی کردی۔ بوبی نے فوراً ہی کسی مستعد خادم کی طرح اسے دوبارہ لبریز کردیا۔ ڈان تھری بولتا رہا "تمہارے اس بیان کی تصدیق اکبر خان کی کہانی سے بھی ہوتی ہے۔ لنڈی کوتل کے بازار میں تم اپنے دوست کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ تمہاری بیوی وہی لڑکی ہوسکتی ہے جس نے تمہارے ہمراہ کوسٹر سے اترنے

کی کوشش کی تھی لیکن اکبر خان نے سختی سے اسے روک دیا تھا۔ تم ذہن پر زور دو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی اور عورت بھی رہی ہو۔"

اس کے اعتماد کی وجہ سے میرا حلق خشک ہونے لگا۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی پیالی سے قہوے کا ایک گھونٹ لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے پچھلے بیان پر اڑا رہا "میں نے کہا نا کہ ہم تین تھے.... تم اکبر خان کے بیان کا حوالہ دے رہے ہو اور دوسری عورت کی بات بھی کررہے ہو۔"

"اکبر خان کو صرف تمہاری تصویر دی گئی تھی۔ اس نے تمہارا شکار کرلیا۔ تمہارے حوالے سے جو کچھ سامنے آیا اس نے وہ بھی نوٹ کرلیا۔ اس نے مزید کچھ جاننے کا تجسّس نہیں کیا۔ مگر میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنی کسی اہم ساتھی کو بھول رہے ہو۔"

وہ بہت ہوشیاری اور مکّاری کے ساتھ مجھے باتوں میں الجھا کر ایک ایسے موڑ پر لے آیا تھا جہاں میرے لئے اپنی بات سے ہٹنا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اسے ویرا کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ ابتدا سے اس بات کو چھپاتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے گھیرنا چاہ رہا تھا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ تمہیں کوئی بات معلوم ہے تو کھل کر بتاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں کوئی مناسب جواب دے کر مطمئن کرسکوں۔ تم سے غلط بیانی کرکے مجھے کیا حاصل ہوگا؟"

"بدرودادا کے آدمیوں کی کہانی میں دو آدمیوں اور دو عورتوں کا ذکر تھا۔ ولی انہیں اپنے ٹرک میں چیغا سرائے تک پہنچا کر آیا تھا۔ اب بتاؤ کہ تم فرزانہ نامی سفید فام عورت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"اوہ!" میں نے بے ساختہ قسم کی اداکاری کرتے ہوئے اپنا سر تھام لیا "تم بلاوجہ خود بھی الجھ رہے ہو اور مجھے بھی الجھا رہے ہو۔ وہ باہر سے آئی ہوئی ایک ریسرچ اسکالر ہے۔ اغوا والی رات میرے فلیٹ میں موجود ہونے کی وجہ سے وہ مفت میں ماری گئی۔ تم چاہو تو گالان جاکر اس سے ملاقات کرسکتے ہو۔"

"گالان؟ یہ کیا بلا ہے؟" اس نے حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔

"شتاراولی کا دارالخلافہ سمجھ لو۔ وادی کے حکمراں اسی پلیٹو پر رہتے ہیں۔"

"وہ وہاں کیوں رہ گئی؟" ڈان تھری میرے چکر میں آتا ہوا معلوم ہورہا تھا۔

"سفید فاموں کی روایتی رومان پسندی یا مہم جوئی کہہ لو۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ شتاری کیسے عورت خور ہوتے ہیں۔ وہاں کے سردار نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مہمان داری کی پیشکش کی تھی اور وہ وہیں رہ گئی۔ ہم تینوں واپس لوٹ آئے۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک کوئی شتاری اس سے زبردستی شادی کر بیٹھا ہو۔"

"خیر، جلد ہی تمہارے اس بیان کی بھی تصدیق ہوجائے گی۔ میرا ایک آدمی ان دونوں گوروں کی تلاش میں لگا ہوا ہے جو تمہاری کوسٹر کے ٹھیکے دار تھے۔ میں ان سے سچ اگلوالوں گا۔"

وہ بہت پہلو دار باتیں کررہا تھا۔ پہلے اپنی تنہائی کا رونا رو رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے بوبی کی خدمات حاصل کی تھیں مگر اس وقت وہ اپنے کسی اور ساتھی کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اگر ایلین اور پیٹریا ان میں سے کوئی ڈان تھری کے ہاتھ لگ جاتا تو میرا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ دونوں تو ویرا کو پہچان بھی چکے تھے۔ وہ آتے ہی ڈان تھری کو بتادیتے کہ چوتھی عورت فرزانہ نہیں، ویرا تھی اور اس نے میرے ساتھ ہی چیغا سرائے سے سفر کیا تھا۔ قوی امکان تھا کہ وہ ویرا کی مقامی قیام گاہ سے بھی باخبر ہوتے۔ لیکن وہ آنے والے وقت کے مسائل تھے۔ اس وقت میری اور ڈان تھری کی اعصابی جنگ چل رہی تھی اور مجھے کسی کرتب سے اس پر برتری حاصل کرنی تھی تاکہ برا وقت آنے سے پہلے میں اپنی گلوخلاصی کی کوئی راہ نکال سکوں۔

"پھر ہم یہاں وقت کیوں برباد کررہے ہیں، ہمیں اس آدمی کی طرف چلنا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"یہیں بیٹھے تماشا دیکھتے رہو۔" وہ استہزائیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "خرابی یہ ہے کہ افغانستان کی نمبرپلیٹ والی گاڑیوں کو پشاور میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ طورخم سے جمرود روڈ پر آتے ہوئے، یونیورسٹی ٹاؤن سے پہلے ایک بہت بڑی افغان مہاجر بستی ہے۔ کوسٹر کو وہیں روک لیا گیا ہوگا۔ وہاں سے سب لوگ بسوں یا کرائے کی دوسری سواریوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اتنے بڑے شہر میں ایک دو آدمیوں کا سراغ لگانا آسان کام نہیں ہے۔"

اس کی مایوسی میرے لئے امید افزا تھی۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا "تو یوں کہو کہ تمہیں میرے ساتھیوں کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ تمہاری ساری توجہ میری ذات پر مرکوز تھی۔"

"اس وقت بھی تم خود فرزانہ کا ذکر کردیتے تو میں اسے ذرا بھی اہمیت نہ دیتا۔ تم نے اس کا ذکر گول کرنا چاہا اس لئے وہ اہم ہوگئی ہے۔ اب میں ان بدمعاش گوروں سے اس کے بارے میں ضرور پوچھوں گا۔"

"ان گوروں سے تمہاری کیا پرخاش ہے؟" میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"بزنس!" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "تم بھول رہے ہو کہ ہم مافیا والے ہیں۔ اس کوسٹر میں اعلیٰ درجے کی ہیروئن کی بھاری مقدار لائی گئی ہوگی۔ ٹھیکے دار کو اندر کی سب باتیں معلوم

ہوتی ہیں۔ وہ اپنا مال بھی لاتے ہیں۔ مجھے پوری کھیپ مل گئی تو کام کے ساتھ بزنس بھی ہوجائے گا۔"

"باس!" اچانک بوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پہلی بار زبان کھولی "تمہارے آدمی کو کیسے معلوم ہوگا کہ ہم اکبر خان کے ماموں کا ہوٹل چھوڑ کر اس بے نام و نشان قہوہ خانے میں آبیٹھے ہیں۔"

"دیکھتے جاؤ۔ وہ سیدھا یہیں آئے گا۔ ڈینی کو فون پر باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر میری کھوپڑی گھوم گئی ورنہ ہم اس وقت بھی وہیں ہوتے۔ میرا آدمی ساڑھے آٹھ بجے سے پہلے وہاں پہنچے گا۔"

"میں کوئی شرارت نہیں کروں گا۔ چلو وہیں چلتے ہیں۔" میں نے فوراً ہی لقمہ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک کیپٹن بابریا مقامی ایس ٹی ایف یونٹ کی جانب سے کوئی نہ کوئی پارٹی ہوٹل پر پہنچ ہی جائے گی اور ڈان تھری کے فرار کی ساری راہیں مسدود ہوکر رہ جائیں گی۔

"قہوہ پیو اور انتظار کرو۔ یہاں کا قہوہ بہت مزے دار ہے۔" اس نے سلگانے والے انداز میں کہا اور قہوے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ اس کی آنکھیں پرخیال انداز میں قدرے سکڑ گئی تھیں۔

قہوہ دانی کو خالی ہونے کے بعد دوبارہ بھروالیا گیا۔ ڈان تھری سگریٹیں پھونک پھونک کر اس انداز میں قہوہ پئے جارہا تھا جیسے اس کی پیدائش یا کم از کم پشاور آمد کا مقصد ہی قہوہ نوشی رہا ہو۔ میں خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا اپنی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ ابتدا میں قہوے کی دو تین پیالیوں نے بہت لطف دیا، لیکن پھر قہوے سے میری طبیعت اکتا گئی اور میں نے ہاتھ روک لیا۔

اس دوران میں قہوہ خانے کے عملے کے اکا دکا افراد اس کمرے میں ضرور آتے جاتے رہے لیکن کسی گاہک نے وہاں باقاعدہ بیٹھک جمانے کا ارادہ نہیں کیا اور ہم تینوں وہاں تخلیے میں بیٹھے رہے۔

وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا۔ مجھے بے چینی کے ساتھ ساڑھے آٹھ بجنے کا انتظار تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈان تھری کا آدمی اس سے کس طرح رابطہ رکھتا ہے۔

آٹھ بج کر چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ کمرے میں گونجنے والی بیپ کی دھیمی سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

وہ آواز ڈان تھری کے جسم کے کسی حصے میں سے آرہی تھی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ شاید اس کا باہر سنا جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ آواز پیدا ہوتے ہی ڈان تھری نے عجلت میں اپنی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب وہ باہر آیا تو اس میں ایک مختصر سا سیاہ آلہ دبا ہوا تھا اور وہی بیپ کی آواز کا مخرج تھا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ وہ کوئی لاسلکی مواصلاتی آلہ تھا جو کوئی سگنل وصول کررہا تھا۔

ڈان تھری نے چٹکی سے اس کا نازک سا انٹینا باہر کھینچا اور ایک بٹن دبانے کے بعد اس آلے کو اپنے کان کے قریب لے جاکر ہولے سے بولا "بلیک فاکس ریڈی.... اوور!" اس کے الفاظ نے مجھے پھر چونکا دیا۔

دوسری طرف سے فوراً ہی ایک انسانی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ آواز دھیمی ہونے کے باوجود بہت واضح اور قابلِ شناخت تھی لیکن اس کا کہا ہوا ہر لفظ نامانوس تھا۔ غالباً وہ کوئی خفیہ زبان استعمال کررہا تھا۔

دوسرے سرے سے آنے والا پورا پیغام سن لینے کے بعد ڈان تھری نے بولنا شروع کیا تو اس کے الفاظ بھی مہمل تھے۔ اس حیرت انگیز مظاہرے پر بوبی کی آنکھوں تک میں تحیّر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

اس لاسلکی آلے کا مائیکروفون بہت طاقتور تھا جو ڈان تھری کے دہانے سے کافی دور ہونے کے باوجود اس کی ہر بات کہیں اور پہنچا رہا تھا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ڈان تھری نے سوئچ آف کرکے وہ آلہ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا اور فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "میرا آدمی کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا ہے۔"

ڈان تھری کے اس انکشاف سے میرے بدن میں سنسنی سی سرایت کرگئی اور میں نے بے اعتباری سے پوچھا "کیا وہ ان گوروں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوگیا؟"

ڈان تھری سفاکانہ انداز میں ہنسا اور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "ایلین اس کے ساتھ ہے۔ وہ ہیروئن کے سودے کا جھانسا دے کر اسے اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں یہاں موجود ہوں گے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ ایلین کی آمد کا مطلب تھا کہ ویرا کے بارے میں میرے جھوٹ کی پول کھلنے ہی والی تھی۔ ایک بار بے اعتمادی کا آغاز ہوجاتا تو ڈان تھری میری کسی بھی بات پر اعتبار نہ کرتا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کراچی پہنچنے سے پہلے ہی میرے ساتھ بدسلوکیوں کا سلسلہ شروع کردیتا۔

"تمہارا آدمی کہاں سے بول رہا تھا؟ کیا اس کے پاس بھی وائرلیس موجود ہے؟" بوبی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"تم بالکل ہی گاؤدی ہو۔ اس کے پاس ٹرانسمیٹر نہ ہوتا تو وہ مجھ سے کیسے بات کرتا؟ وہ اکبر خان کے ماموں کے ہوٹل کے باتھ روم سے بول رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو اسی قہوہ خانے میں بلالیا ہے۔"

"یہاں؟" اس نے حیرت سے کہا "وہ آکر کوئی گڑبڑ نہ کردے۔ یہاں بہت زیادہ چہل پہل ہے، ہم ذرا سی دیر میں سیکڑوں مقامیوں میں گھر کر رہ جائیں۔ تم اسے کہیں اور بھی بلاسکتے تھے۔"

"یہ باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔" ڈان تھری کا لہجہ برتری کے احساس سے بوجھل تھا "اس وقت بھیڑ بھاڑ ہی ہمارے لئے

سودمند ثابت ہوگی۔ بس مجھے قہوہ خانے کے مالک سے ذرا سی بات کرنی ہوگی تاکہ وہ ہم لوگوں کی موجودگی کے دوران میں کسی اور گاہک کو اندر نہ آنے دے۔"

وہ اٹھ کر دروازے پر جاکر کھڑا ہوا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ میری پوری توجہ بوبی پر مرکوز تھی مگر وہ غافل نہیں تھا۔ میرے لئے گلو خلاصی کی بس ایک ہی راہ تھی کہ کسی طرح ریموٹ کنٹرول یونٹ میرے قبضے میں آجاتا۔ ایسی صورت میں وہ دونوں بارودی بیلٹ کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہیں کرسکتے تھے۔

جب سے میں نے ڈان تھری کی زبان سے بلیک فاکس کے الفاظ سنے تھے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے رہ رہ کر بھارتی ایجنٹ 'ملا سرکار یاد آرہا تھا جس نے اپنی طویل المدّت منصوبہ بندی کے سہارے پاکستان میں ایسا مربوط جال پھیلایا ہوا تھا کہ اس کے سادہ لوح' دیہاتی معتقد ہروقت اس کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔ ایک طرف وہ مسلمان روحانی رہنما بنا ہوا تھا اور دوسری طرف اندرون سندھ میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کو تخریب کاری اور دہشت گردی بلکہ کھلی بغاوت کے لئے اکسا رہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں اباسین نامی دریائی جہاز سے کی جانے والی ہمہ گیر کارروائی میں اس خبیث کے چیتھڑے اڑانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

ملا سرکار نے پاکستان میں برسہا برس سے جو روپ بھی دھارا ہوا ہو' اس کی اصل یہ تھی کہ وہ بھارت کے ریسرچ اینڈ انالسس ---- ونگ کا پرانا ایجنٹ تھا اور را کی ذیلی تنظیم' بلیک کیٹس میں بہت اہم عہدے پر فائز تھا۔ وہ اپنے نمک خواروں میں بلیک کیٹ ٹی کے نام سے معروف تھا اور ڈان تھری نے خفیہ زبان میں گفتگو کرتے ہوئے بلیک فاکس کا کوڈ استعمال کیا تھا۔ ڈان تھری کچھ ہی دیر پہلے اعتراف کرچکا تھا کہ وہ بمبئی کا شہری تھا۔ یہ نکات کسی خاص سمت کی نشاندہی کررہے تھے۔

میری معلومات کے مطابق مافیا سے وفاداری کا حلف اٹھانے والوں کے لئے کسی اور کے ساتھ کام کرنا جرم تھا۔ پھر کسی بھی درجے کے ڈان کے منصب پر فائز کسی شخص کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ اپنے حلف سے غداری کرکے کسی اور تنظیم کے لئے کام کررہا ہوگا مگر ڈان تھری کے بارے میں کچھ ایسی ہی گڑبڑ معلوم ہورہی تھی۔

میرا قیاس تھا کہ مافیا کے ڈان کی حیثیت سے وہ واقعی تنہا تھا اسی لئے اس نے بوبی کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن وہ اتنا اکیلا بھی نہیں تھا۔ اس کے کچھ منظم سیکرٹ ایجنٹوں سے گہرے روابط تھے۔ وہ ان کی خفیہ زبان بخوبی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ اس کے پاس اسی ساخت کا ٹرانسمیٹر موجود تھا جو ان سیکرٹ ایجنٹوں کے استعمال میں رہتا تھا۔ جب اسے پشاور میں ایلین کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے ایسے ہی کسی سیکرٹ ایجنٹ سے رابطہ قائم کرلیا اور اب وہی شخص ایلین کو لے کر اس قہوہ خانے میں پہنچنے والا تھا۔

شاید ڈان تھری مافیا سے مخلص نہیں تھا۔ اس نے بھی کسی طرح دُہری وفاداریوں کا سوانگ رچایا ہوا تھا۔ ایک طرف اسے مافیا کی بھیانک طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی تو دوسری طرف بھارتی سیکرٹ سروس کے وسائل بھی اس کی دسترس میں تھے۔ ایسی باتیں تھیں جو بوبی جیسے' تیسرے درجے کے بدمعاش کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھیں۔ ڈان تھری کو اس کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ کھل کر اپنا کھیل کھیل رہا تھا مگر میں فیصلہ کرچکا تھا کہ مناسب موقع ملتے ہی میں اپنے تمام شبہات بیان کرگزروں گا۔

وہ قہوہ خانے کے مالک سے بات کرکے پرسکون انداز میں واپس لوٹا تو میں نے نہایت سرسری انداز میں اپنی بات چھیڑ دی "مجھے حیرت ہے کہ بوبی کے علاوہ بھی تمہارے مددگار موجود ہیں جو ٹرانسمیٹرز استعمال کرنے پر قادر ہیں اور تمہیں بلیک فاکس کے نام سے پہچانتے ہیں۔"

"مافیا کے ڈان کہیں بھی اکیلے یا بے سروسامان نہیں ہوتے۔" وہ نخوت آمیز لہجے میں بولا "میں طاقت و اختیار کے غیر ضروری مظاہرے پر یقین نہیں رکھتا۔ گرمیوں میں چند ہفتوں کے آرام کے لئے وینس جاتا ہوں تو وہاں سیاحوں کے ہجوم میں ایک مسکین سے عام آدمی کی طرح دھکے کھاتا پھرتا ہوں اور خوشی محسوس کرتا ہوں لیکن جب علاقائی بڑوں کے اجلاس میں شریک ہوتا ہوں تو پانچ بلٹ پروف گاڑیوں کے قافلے میں' دس محافظوں کے درمیان سفر کرتا ہوں۔ اس وقت پرندہ بھی میرے قریب پر نہیں مار سکتا۔ تمہیں یہ سب بتانا ضروری ہے۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ پیال کے فرش پر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اس درویش کو آسانی سے زیر کرلوگے۔ مجھ پر جب قہر و غضب کی لہر سوار ہوتی ہے تو مجھے انسان' کیڑوں سے زیادہ حقیر اور بے وقعت نظر آنے لگتے ہیں......"

"میں یہ باتیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی "میں نے مافیا میں شامل ہونے سے پہلے شی والوں کا جاہ و جلال بھی دیکھا ہوا ہے۔ میں تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اپنی کینچلی بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ مجھے بس ایک بات پر حیرت ہے' میں مافیا میں اکادکا کوڈ ورڈز کے استعمال کے بارے میں جانتا ہوں۔ ایسے پاس ورڈز ہر شخص کی ضرورت بنتے رہتے ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہمارے یہاں کوئی باقاعدہ خفیہ زبان بھی استعمال کی جاتی ہے۔ تم بہت روانی سے وہ زبان بول رہے تھے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "بس تمہاری زبان سے بلیک فاکس کا پاس ورڈ سن کر میرا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ میں تمہاری خفیہ زبان پہلے بھی کہیں سن چکا ہوں۔"

میرا اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور وہ یک لخت بگڑ کر بولا "چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ صاف صاف بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ یہ زبان تم نے کہاں سنی تھی؟"

"شاید تم نے ملا سرکار کا نام سنا ہو۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا اور ڈان تھری کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ ملا سرکار کا نام سنتے ہی اس کے دیدے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لئے پھیل کر معمول پر آگئے تھے۔

"یہ کون ہے؟" اس نے منہ بگاڑ کر سوال کیا مگر اس کی آواز کھوکھلی تھی۔

"وہ بلیک کیٹس کا ایجنٹ تھا۔" میں نے اس کی دکھتی رگ کو مزید دباتے ہوئے کہا "میں نے اسے کئی بار ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے سنا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں بھارتی سیکرٹ سروس والوں کی زبان پر اتنا عبور ہے۔"

"بلیک کیٹس اور ملا سرکار سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس نے تیکھے لہجے میں جوابی کارروائی شروع کردی۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے ٹی سے اپنا تعلق ختم کرنے اور مافیا میں شریک ہونے کے درمیان' خاصے دنوں تک آزادانہ کام کیا ہے۔ یہ سب باتیں ان ہی دنوں میرے علم میں آئی تھیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کی خفیہ زبان رہی ہو۔" وہ یکلخت ہی نرم پڑگیا "میں نے کریٹو گرافی کی صورت میں یہ زبان بمبئی میں قیام کے دنوں میں سیکھی تھی جو اب میرے کام آرہی ہے۔"

"یہ بہت حیرت ناک بات ہے۔ خفیہ زبانیں انتہائی محدود حلقوں میں مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان سے باہر یہ بالکل مہمل ثابت ہوتی ہیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں اس زبان کو جاننے والے کارکن مل گئے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ یہی دعویٰ تمہارے بجائے کسی اور نے کیا ہوتا تو میں اسے ماننے سے انکار کردیتا۔"

"تم مجھ سے بھی انکار کرسکتے ہو۔ اس سے میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔

میں خاموش ہوگیا۔ میرے لئے یہ بات باعثِ تشویش تھی کہ مجھے کیپٹن بابر سے بات کئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ ہوٹل سے میری روانگی کے بعد اکبر خان نے یقیناً اسے مزید تفصیلات سے باخبر کردیا ہوگا لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے کوئی آپریشن شروع نہیں کیا تھا۔ اگر فوج یا اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی یونٹ نے اکبر خان کے ماموں کے ہوٹل کا رخ کیا ہوتا تو ڈان تھری کا آدمی ٹرانسمیٹر پر اس کے بارے میں ضرور ذکر کرتا اور ڈان تھری اس بارے میں مجھ سے بازپرس کرتا۔ اس کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ ہوٹل کے حالات میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ ایلن کی متوقع آمد کے پس منظر میں وہ صورتِ حال میرے لئے مایوس کن تھی۔

تھوڑی دیر بعد قہوہ خانے کے دروازے پر ایلن آموجود ہوا۔ اس کے پیچھے ایک دراز قامت' درشت چہرے اور دُہرے جسم والا شخص بھی نظر آرہا تھا۔ ڈان تھری نے ان دونوں کو دیکھتے ہی اندر آنے کی ہدایت کی اور وہ اپنے جوتے باہر چھوڑ کر اندر آگئے۔ میرا دل اچھل کر گویا حلق میں دھڑکنے لگا۔

وہ باہر چمکتے ہوئے سورج کی تیز روشنی میں رہ کر اس نیم روشن اور تنگ کمرے میں آئے تھے اس لئے چند ثانیوں تک ان کی بصارت پوری طرح کام نہیں کرسکی لیکن آپس میں ہاتھ ملاتے ہوئے جوں ہی ایلن نے مجھے پہچانا' اس کے دہانے سے بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "اوہ ڈینی! تم یہاں ہو؟"

"تم پھر بھول رہے ہو۔ میرا نام ڈینی نہیں' تنویر ہے۔" میں نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے احتجاج کیا۔

"سوری!" اس نے خوش دلی سے کہا "نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں ڈینی کہوں یا تنویر' ایک ہی بات ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم آزاد اور زندہ ہو۔"

"زندہ ضرور ہوں لیکن آزاد نہیں ہوں۔" میں جلدی سے بول پڑا تاکہ ڈان تھری کی زہرفشانی سے پہلے ہی اسے صحیح صورتِ حال کا احساس دلا سکوں۔

"میرا اندازہ تھا کہ اب تک تمہیں مارا جاچکا ہوگا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "مجھے حیرت ہے کہ تم اس کھلے کمرے میں آزادی کے ساتھ بیٹھے ہونے کے باوجود خود کو قیدی سمجھ رہے ہو۔"

"یہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔" ڈان تھری نے سخت اور کھردری آواز میں کہا "تم اس کی باتوں پر دھیان دیے بغیر یہ بتاؤ کہ تمہاری کوسٹر میں اس کے ساتھ اور کتنے لوگ سفر کررہے تھے؟"

لمحہ بھر کے لئے میری اور ایلن کی نظریں چار ہوئیں۔ اس وقت وہ تینوں پوری طرح اسی کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے ان کی نظریں بچا کر ایلن کو آنکھ ماری اور وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "کوسٹر میں ڈینی سمیت کل پندرہ مسافر تھے۔ کیا تمہیں اس کے علاوہ کسی اور کی بھی تلاش ہے؟"

اس کے جواب نے میرا دل خوش کردیا۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں مجھ سے مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مجھے اسلحے کے زور پر چلتی گاڑی سے اغوا کیا گیا تھا۔ میں جن لوگوں کے رحم و کرم پر تھا وہ میرے دوست ہرگز نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ کائیاں آدمی تھا۔ میری آنکھ کے اشارے سے بھانپ چکا تھا کہ اسے اس ڈرامے میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے مبہم جواب پر ڈان تھری بھنّا کر رہ گیا۔

"میں دوسروں کی نہیں' ڈینی کے ساتھیوں کی بات کررہا ہوں۔" وہ غرایا۔

"یہ تو اکیلا ہی تھا۔" ایلن نے معصومیت سے جواب دیا "چینا سرائے سے اس نے صرف اپنا کرایہ ادا کیا تھا۔"

"اور وہ کون تھا جو لنڈی کوتل میں اس کے ساتھ ٹہلتا پھر رہا تھا؟"

"پتا نہیں۔" ایلن اس کی غراہٹ سے مرعوب ہوئے بغیر بولا "لمبے سفر میں بہت سے اجنبی ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کوئی مسافر ہو۔ اس بارے میں تنویر ہی کچھ بتا سکے گا' میں نے لنڈی کوتل میں اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔"

ایلن کے جواب نے میرا دل مزید خوش کردیا۔ وہ بہت سمجھ داری سے ڈان تھری کو چکر دے رہا تھا۔ اس کے مفاہمانہ رویے نے میرے سر پر سے ایک بہت بڑا فوری خطرہ ٹال دیا تھا۔

"اور وہ عورت کون تھی جو اس کے ساتھ ہی کوسٹر سے نیچے اترنے کے لئے تیار ہوگئی تھی؟" ڈان تھری کی آواز پر جھلاہٹ اور مایوسی غالب آنے لگی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ قدرے ترشی کے ساتھ بولا "تم مجھ سے کس لہجے میں بات کررہے ہو؟ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟" اچانک ہی وہ اپنے ساتھ آنے والے کی طرف مڑ گیا "تم نے کہا تھا کہ تم لوگ بزنس کی بات کرنی چاہتے ہو لیکن یہاں تو اس طرح پوچھ گچھ ہورہی ہے جیسے میں تمہارا مجرم ہوں۔"

اس کو ہتھے سے اکھڑتے دیکھ کر ڈان تھری فوراً ہی ہوش میں آگیا اور سنبھل کر بولا "تمہیں بزنس ہی کے لئے یہاں بلایا گیا ہے لیکن یہ اتفاق ہے کہ تم ڈینی کو جانتے ہو......"

"نہیں!" ایلن نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ تم نے اسی پوچھ گچھ کے لئے مجھے تلاش کرکے یہاں بلوایا ہے اب تم مجھے زیادہ دیر تک بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔" اسے لانے والے نے حلق کے بل کہا "چلو' ڈینی پر لعنت بھیجو۔ اب ہم کام کی باتیں کریں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم قہوہ پینا پسند کروگے؟"

"اخلاقاً یہ سوال سب سے پہلے کیا جانا چاہئے تھا۔" ایلن نے تلخی سے کہا "قہوہ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

قہوہ موجود تھا' ڈان تھری نے مزید دو خالی پیالیاں طلب کیں اور پھر ہیروئن کے بارے میں گفتگو شروع کردی۔ ایلن نے اسے بتایا کہ کوسٹر کے ذریعے آنے والے مسافر اپنے سامان میں چھپا کر تقریباً سات کلو ہیروئن لائے تھے لیکن جمرود روڈ کے مہاجر کیمپ پر سفر ختم ہونے کے بعد وہ سب نامعلوم ٹھکانوں کی طرف رخصت ہوگئے تھے۔ انہیں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ اس کی اپنی تحویل میں پانچ کلو مال موجود تھا۔ وہ اسے مناسب داموں پر فروخت کرنے پر آمادہ تھا اور خود بھی کسی معقول خریدار کی تلاش میں تھا۔

اس موقعے پر درشت رو شخص نے اچانک وہی بولی بولنی شروع کردی جو میں ڈان تھری کو ٹرانسمیٹر پر بولتے ہوئے سن چکا تھا۔ ایلن حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔

وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھے تو ایلن نے مجھ سے مخاطب ہوکر اپنی الجھن کا اظہار کیا۔ وہ مقامی زبانوں سے واقف نہیں تھا لیکن ان کے صوتی آہنگ سے مانوس تھا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ دونوں کوئی اور ہی بولی بول رہے تھے۔ مجھ سے پہلے بولی نے اس کے خیال کی تائید کردی۔

اس دوران میں ڈان تھری اپنی گفتگو ختم کرچکا تھا۔ بات ہوجانے کے بعد ایلن کو لانے والا شخص ہال سے اٹھ کر باہر چل دیا تھا۔ اس کی روانگی پراسرار ضرور تھی لیکن اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔

ڈان تھری دوبارہ ایلن کے ساتھ مذاکرات میں مصروف ہوگیا۔

ایلن ہیروئن کی مقامی اور بین الاقوامی مارکیٹ کے تھوک نرخوں کے بارے میں پوری طرح باخبر تھا اس لئے اپنے مال کے بارے میں غیرضروری خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں تھا۔ اس نے جن داموں کا مطالبہ کیا ان پر تھوڑے سے مول تول کے بعد ان دونوں میں سودا طے ہوگیا۔ ڈان تھری نے اسے بتایا کہ اس کا آدمی شام کو رقم پہنچا کر اس کے ہوٹل سے مال اٹھالے گا۔

ڈان تھری نے جس سرعت سے وہ سودا طے کیا' وہ میرے لئے حیران کن تھی۔ اس نے ایلن کی تسلی کے لئے بزنس کی بات طے کرتے ہی ایک بار پھر میرا ذکر چھیڑ دیا۔

"تم ڈینی کو کس طرح جانتے ہو؟ یہ تنویر والا کیا چکر ہے؟" اس نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

ایلن ہنس پڑا "تمہارے ریکارڈ کی سوئی بس ڈینی پر ہی پھنسی ہوئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہاری اور اس کی کیا لڑائی چل رہی ہے جو تم نے اسے پاکستان پہنچتے ہی پکڑ لیا ہے۔"

"میرا اور اس کا پرانا حساب چل رہا ہے اور میں تم سے صرف دو باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ تم اسے کیسے جانتے ہو' دوئم یہ کہ ڈینی کے ساتھ مزید کتنے افراد تھے؟"

"اگر میں تمہارے دونوں سوالات کے جواب نہ دینا چاہوں تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تم بدمزگی کے عالم میں رخصت ہوجاؤ گے۔ تمہارے انکار سے ہمارے سودے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میرا آدمی ہر حال میں شام کو رقم پہنچا کر تم سے ڈلیوری لے لے گا۔"

"ڈینی ہماری لائن کا پرانا اور بدنام آدمی ہے۔" ایلن ایک گہرا سانس لے کر بولا "یہ مجھ سے واقف نہیں تھا مگر میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ سفر کے آغاز میں' میں نے اسے شناخت کیا تو یہ

بگڑ گیا اور دعویٰ کرنے لگا کہ اس کا نام ڈینی نہیں' تنویر ہے اور میں نے نیم دلی سے اس کا دعویٰ تسلیم کرلیا۔ تمہارے دوسرے سوال کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں کہ ڈینی اکیلا تھا۔ راستے میں اس نے دوسرے مسافروں سے دوستی کرلی ہو تو وہ اور بات ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان تنہا سفر کرنے والی خوب صورت لڑکیاں مال دار اسامیوں کو پھانسنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ڈینی کے ساتھ کوسٹر چھوڑنے پر آمادہ ہونے والی لڑکی بھی عورتوں کے اسی بدنام قبیلے سے تعلق رکھتی ہو۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

"ڈینی کا کہنا ہے کہ وہ دونوں اس کے ساتھی تھے۔" ڈان تھری نے اسے مجھ سے بھڑانا چاہا۔

"یہ جو چاہے کہتا رہے۔ اسے اپنی کھال بچانے کا حق حاصل ہے۔" ایلین نے بے پروائی سے کہا "میں اتنا جانتا ہوں کہ ان تینوں نے مجھ سے الگ الگ رابطہ کیا تھا اور اپنے اپنے کرائے خود ادا کئے تھے۔"

"تم مجھے مشکل میں ڈال رہے ہو۔" ڈان تھری کی آواز سے بے بسی مترشح ہونے لگی "مجھے فرزانہ نامی ایک سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ وہ افغانستان میں ڈینی کے ساتھ دیکھی جاتی رہی تھی۔"

"اس کے بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہوگا۔" وہ شانے اچکا کر بولا "ہوسکتا ہے کہ ڈینی اسے قتل کرکے کھا گیا ہو۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود سے لاعلم ہوں۔"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ ڈینی کے بقیہ دو ساتھی کس ہوٹل میں گئے تھے؟"

"کوسٹر کا سفر ختم ہوتے ہی مسافروں میں افراتفری پھیل گئی تھی۔ ڈینی کے اغوا کے واقعے کے بعد وہ سب ہی خوف زدہ تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا' وہ ادھر نکل گیا۔ اس بارے میں' میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ ناصر باغ کے مہاجر کیمپ پر سفر ختم ہونے کے بعد مجھے کسی کی منزل کا علم نہیں ہوسکا۔"

"پھر تم چاہو تو واپس جاسکتے ہو۔" ڈان نے روکھے لہجے میں کہا اور ایلین فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

ایلین نے اس وقت جس خوب صورتی کے ساتھ ڈان تھری کو چکر دیا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کے لئے جگہ پیدا ہوچکی تھی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آہی جاتا ہے۔

ایلین کو ہمارے پاس سے گئے ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اسے لانے والا شخص واپس آپہنچا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

اس نے اندر آتے ہی اپنی خفیہ بولی میں کچھ سرگوشیاں شروع کردیں۔ اس کے چڑھے ہوئے سانسوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ خاصی دور سے دوڑتا ہوا آرہا تھا۔

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈان تھری پھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے گھورنے لگا "اس بازار میں پیرا ملٹری فورسز کیا کرتی پھر رہی ہیں؟"

پیرا ملٹری فورسز کا ذکر سنتے ہی مجھے خوشی ہوئی۔ میرا دھیان اسپیشل ٹاسک فورس کی طرف گیا تھا مگر میں نے انجان بن کر کہا "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ تمہارا آدمی کیا خبر لایا ہے؟"

"وہ تم تینوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" نووارد حلق کے بل غرایا۔ "انہوں نے کئی راستوں سے نمودار ہوکر پورے بازار کی ناکابندی کرلی ہے۔"

"میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو وہ مجھے تلاش کریں گے؟ یہ ڈان ہی کا کوئی معاملہ نظر آتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" ڈان بھڑک اٹھا "یہ اکبر خان کی نمک حرامی معلوم ہوتی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم دونوں فون پر کس سے بات کررہے تھے؟ میں فلائٹ انفارمیشن والی بودی کہانی کو نہیں مانتا۔"

"اگر تم اپنے الفاظ میرے منہ میں ڈال کر اپنی مرضی کی بات کہلوانا چاہتے ہو تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اکبر خان نے اُنتر فیلڈ رجمنٹ کے کیپٹن بابر کو فون پر میرے اور تمہارے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا۔"

ڈان تھری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ فوری طور پر ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا۔ لحظہ بھر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تو اس کی آواز سے اعتماد رخصت ہوچکا تھا "یہ کیپٹن بابر کون ہے؟ اس سے اکبر خان کا کیا رشتہ ہے؟ اس نے بابر کو میرے بارے میں کیا بتایا تھا؟"

"ایک ساتھ اتنے سوال؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ سب تمہارا وہم ہے۔ میں نے وہی کچھ کہہ ڈالا ہے جو تم سننا چاہ رہے تھے ورنہ ان باتوں کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اکبر خان میری نگرانی کے کام سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ پشاور سے کراچی جانے والی پروازوں کا وقت معلوم کررہا تھا۔"

ڈان تھری چند ثانیوں تک اندر ہی اندر بل کھانے کے بعد نووارد پر برس پڑا "باہر کچھ ہورہا تھا تو تمہیں یہاں تک دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں سے اریٹس کے ذریعے بھی مجھے باخبر کرسکتے تھے۔ بار بار کی غیر ضروری آمدورفت سے اس قہوہ خانے کا مالک شبے میں پڑ گیا تو ہم یہاں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ادھر بھی آجائیں۔" اس نے اپنی بھاری آواز میں خدشہ ظاہر کیا "وہ بہت تیزی کے ساتھ پورے بازار میں پھیل رہے تھے۔ وہ دکانداروں وغیرہ سے تین مشتبہ آدمیوں کے بارے میں پوچھ گچھ بھی کررہے ہیں۔"

"اس وقت میں باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔" ڈان تھری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اب تم جاؤ اور باہر کے حالات پہ نظر رکھو۔ میدان صاف ہوجائے تو مجھے خبر دے دینا۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ اریٹس استعمال کرلینا۔ یہاں سے روانہ ہوکر میں نیر ہوٹل جاؤں گا۔"

وہ سر جھکا کر تیزی کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ ڈان کے چہرے تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ڈینی جھوٹ نہیں بول رہا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بوبی نے کہا۔

"بڑا نادر خیال ہے۔" ڈان تھری نے جلے بھنے انداز میں کہا "کیا میں اس کا سبب جان سکتا ہوں؟"

"کسی کے ایک فون پر فوجی دستے اس طرح حرکت میں نہیں آتے۔" بوبی اپنے باس کے طنز سے کھسیانا ہورہا تھا "ڈینی افغانستان میں تھا۔ وہاں سے آتے ہی ہمارے قابو میں آگیا۔ اسے کسی سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نیم فوجی افسروں میں اکبر خان کا اتنا رسوخ نہیں ہوسکتا کہ اس کے ایک فون پر گھنٹا بھر میں پورا بازار مسلح دستوں سے بھر جائے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم بلاوجہ پریشان ہورہے ہوں۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ ڈان تھری چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔ میں خاموشی سے اس کے ردِعمل کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کھڑا ہوا "تم ڈینی کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ میں باہر سے کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ کوئی اور چکر ہوتا تو ان لوگوں کو سہ نفری ٹولی کی تلاش نہیں ہوتی۔"

"ہمیں اکبر خان کے ماموں کا ہوٹل چھوڑے ہوئے بہت دیر ہوچکی ہے۔" بوبی کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا "کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم ابھی تک اسی بازار میں موجود ہوں گے۔"

"اکبر خان مقامی ہے۔ اگر وہ مجھ سے غداری کرہی بیٹھا ہے تو اسے لوگوں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم کن راستوں سے گزرے تھے۔ اگر کسی نے ہمیں بازار سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تو ہماری یہاں موجودگی کی نشان دہی ہوسکتی ہے۔"

وہ چوکھٹ سے اپنے جوتے پہن کر باہر نکل گیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ اس طرح رک کر کھڑا ہوگیا کہ اس کی پشت کا ایک حصہ مجھے نظر آرہا تھا۔ میں نے پہلے بھی اکبر خان پر کامیابی سے ڈورے ڈالے تھے۔ اس بار پھر مجھے ایک موقع مل گیا تھا۔ اگر بوبی محبِ وطن پاکستانی تھا تو میں تھوڑی سی محنت کے بعد اسے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ ڈان تھری کی واپسی کے بعد وہ موقع سرے سے ضائع ہوجاتا۔

"تم غلط آدمی کے لئے کام کررہے ہو۔" فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں بوبی سے کہا "تم شروع سے اب تک ہونے والی تمام باتیں سنتے رہے ہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ شخص مافیا کا ڈان تھری نہیں بلکہ انڈین سیکرٹ سروس کا کوئی خرانٹ ایجنٹ ہے۔ اس کے لئے کام کرکے تم اپنی زمین سے غداری کے مرتکب ہورہے ہو۔"

اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور لہجے میں تلخی اتر آئی "ان ڈھکوسلوں سے تم مجھے اپنی حمایت پر آمادہ نہیں کرسکتے۔ زمین نے مجھے بھوک اور بے روزگاری کے سوا کیا دیا ہے جو میں اس سے وفاداری کے گیت گاتا رہوں؟ حبیب جیوانی کے لئے کام شروع کرنے سے پہلے میں مسلسل تین سال راندہ درگاہ رہا تھا۔ یہ ڈان کے بجائے جہنم کا داروغہ ہو' تب بھی میرے لئے بہت اچھا ہے کیونکہ یہ مجھے معقول پیسے دے گا۔"

"صرف پیسے دے گا لیکن تمہاری انا کو بار بار کچلتا رہے گا۔ ذرا سی دیر میں وہ کئی بار تمہارا مضحکہ اڑا چکا ہے۔ اسے غصہ آجائے تو وہ شاید تمہارے منہ پر تھپڑ بھی مار بیٹھے گا۔ یہ بات......"

"میرے لئے یہ تمام باتیں غیر ضروری ہیں۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا "آسان روزی کمانے کے لئے انسان کو ایسے سمجھوتے کرنے ہی پڑتے ہیں۔ تم مجھے نہیں بہکا سکتے۔ خاموشی سے بیٹھے رہو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔"

"اگر تمہیں پیسے کی اتنی ہی ہوس ہے تو میں تمہیں اس سے زیادہ رقم دے سکتا ہوں۔" میں نے اکبر خان کو کی جانے والی پیشکش اس کے سامنے بھی رکھ دی۔

"رقم سامنے ہوتی تو میں غور کرسکتا تھا۔ سوکھے وعدے مجھے نہیں بہلا سکتے۔ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک قیدی کے وعدوں پر میں ذرا بھی اعتبار نہیں کرسکتا۔ اب زیادہ بک بک کروگے تو میں تمہاری یہ تمام ہرزہ سرائیاں ڈان کے سامنے دُہرادوں گا۔ اگر تم بے قصور ہو تو یقین رکھو کہ مکاؤ والے بدمعاشوں کی گواہی کے بعد ڈان تمہیں چھوڑ دے گا اور تم سیٹھ حبیب جیوانی کی جگہ سنبھال لوگے۔"

"تم بات ہی نہیں سمجھ رہے۔ یہ ڈان ہوتا تو مجھے پریشانی نہ ہوتی۔ کراچی پہنچنے کے بعد مجھے آزادی مل ہی جاتی لیکن یہ شخص ڈان نہیں' را کا ایجنٹ ہے۔ یہ ہر حال میں مجھے قتل کرکے رہے گا۔"

"میں مقدر کے لکھے کو نہیں ٹال سکتا۔" اس نے مغموم انداز میں سرہلا کر کہا "اگر تمہاری موت اسی طرح آنی ہے تو وہ آکر رہے گی۔ تمہیں ہر حال میں انتظار کے جہنم سے گزرنا ہوگا۔"

اسی وقت ڈان لوٹ آیا۔ وہ بہت زیادہ متفکر نظر آرہا تھا۔

"اسی چوک میں تلاشی کا زیادہ زور ہے۔" اس نے کہا "قہوہ خانے کے مالک کو بھی شبہ ہوگیا ہے۔ ہم یہاں بیٹھے رہے تو بہت آسانی کے ساتھ پکڑے جائیں گے' ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا چاہئے۔ ریموٹ کنٹرول مجھے دے دو۔ میں ڈینی کو ساتھ لے کر آگے چلوں گا۔ تم کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے آؤگے۔ میری کوشش ہوگی کہ میں من و سلویٰ ہوٹل کی طرف سے ساؤتھ سٹی روڈ پر نکلوں لیکن باہر کے حالات کی روشنی میں راستہ بدل بھی سکتا ہے۔ باہر سے ٹیکسی لے کر ہمیں ہوٹل پہنچنا ہے۔ ہم یہاں سے نکلنے میں

کامیاب ہوگئے تو پھر کوئی ہماری راہ نہیں روک سکے گا۔"
"اور تم کان کھول کر سن لو!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "تم نے زبان یا عمل سے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں ریموٹ کنٹرول کا پش بٹن دبانے میں تاخیر نہیں کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ اونچی نیچی عمارتوں اور ہر قسم کے خلل کے باوجود یہ ریموٹ کنٹرول دو کلومیٹر کے دائرے میں کام کرتا رہتا ہے۔ اس رینج میں تم ہر لمحے میری زد میں رہو گے۔ تم اسی وقت تک محفوظ رہو گے جب تک ہم خطرے سے باہر ہیں۔"

"میں یہ سب باتیں سمجھ رہا ہوں' وقت خراب کرنے کے بجائے باہر نکلو۔" میں نے کہا۔

بوبی باہر نکلتے ہی ایک طرف چل دیا۔ اس نے جانے سے پہلے ریموٹ کنٹرول یونٹ ڈان تھری کے حوالے کردیا تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں باہر آگئے۔ ڈان تھری نے کاؤنٹر پر رقم ادا کی تو کیش پر بیٹھا ہوا شخص بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔ میں اس وقت ہر چیز کا سہارا لینے پر تُلا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری وہ حرکت کاؤنٹر والے کے شبہات کو تقویت پہنچائے گی اور وہ ہماری تلاش میں آنے والوں سے پورا پورا تعاون کرے گا۔

چوک کے ایک کنارے پر فوجی وضع کی دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں ملیشیا جیسی مقامی یونیفارم میں کئی مسلح جوان پہرے پر مامور تھے۔ بقیہ لوگ سامنے والی گلیوں اور دکانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

بوبی ہم لوگوں کے آگے نکلنے کے انتظار میں سگریٹ کے ایک کیبن پر رک گیا تھا۔ قہوہ خانے کا حساب بے باق کرنے کے بعد ڈان تھری تیزی سے مڑا اور داہنی طرف چل دیا۔ میں پہلے ہی جائزہ لے چکا تھا کہ اس سمت میں ملیشیا والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

"تیزی سے نکل چلو۔ ادھر میدان صاف ہے۔" اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

میں نے اپنی رفتار بڑھادی۔ بوبی کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ڈان کے اس آدمی پر پڑی جو خفیہ زبان میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر منڈلا رہا تھا۔

ہم تیزی سے بڑھے جارہے تھے کہ اچانک ایک دکان سے نکلنے والا نیم فوجی ڈان تھری سے آٹکرایا۔ اس کے پیچھے مزید تین مسلح افراد موجود تھے۔ ڈان بے خیالی میں اس سے ٹکرایا تھا۔ جوں ہی اس نے ان لوگوں کی وردیاں دیکھیں وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ میں خود بھی اس عجیب اتفاق پر ششدر رہ گیا تھا۔

ڈان تھری اس سے معذرت کرکے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ان میں سے ایک نے اسے روک لیا "ٹھہرو! تم کون ہو اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"مم.... ہم سیاح ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح یہاں کی سیر کررہے ہیں۔" ڈان نے جلدی سے کہا۔

"ہمارے ساتھ آؤ!" اس افسر نے کہا اور کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف چل دیا۔ بقیہ تین مسلح افراد نے ہم دونوں کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ واقعہ اتنے غیر متوقع انداز میں پیش آیا کہ ڈان کو ایک لمحے کے لئے بھی کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میری بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ ڈان کی داہنی ہتھیلی میں دبا ہوا تھا۔

گاڑیوں کے قریب پہنچتے ہی میں نے اکبر خان کو دیکھا۔ وہ مسلح افراد کی ایک ٹولی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ دوسروں کو ہماری طرف متوجہ پاکر وہ بھی مڑا اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بے ساختہ چلّا اٹھا "اوئے' ڈینی خان! خدا کا شکر ہے کہ ہم سب کی محنت برباد نہیں ہوئی۔ مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم لوگ چوک پر کہیں غائب ہوگئے تھے لیکن مجھے یہ امید نہیں تھی کہ یہ لوگ ابھی تک تمہیں یہیں لئے بیٹھے ہوں گے۔ اس وقت بازار میں ساٹھ آدمی تمہیں تلاش کررہے ہیں۔"

وہ بڑھ کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا اور ایک ہی سانس میں پوری روداد بیان کرتا چلا گیا۔

وہ کارروائی اکبر خان کی مخبری پر عمل میں لائی گئی تھی۔ اس کے رویّے نے وہاں موجود لوگوں پر دوست اور دشمن کی پوزیشن واضح کردی۔ اسی کے ساتھ ڈان تھری قہرباز نگاہوں کا مرکز بن گیا۔

"خبردار!" مسلح جوانوں کے تیور بھانپتے ہی ڈان تھری غضب ناک آواز میں غُرّایا "کسی نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں ڈینی کے بدن کے چیتھڑے اڑادوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کی طرف پھیلالیا۔ اس کی ہتھیلی میں سیاہ رنگ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ دبا ہوا تھا اور اس کا انگوٹھا اس یونٹ کے بٹن پر رکھا ہوا تھا۔

ڈان تھری کے الفاظ پر وہ سب ہی چونک پڑے پھر وہاں موجود افراد میں سے ایک مسلح شخص میرے سامنے آگیا "سر! میں ایس ٹی ایف کا محراب خان ہوں' لوکل یونٹ کمانڈر" اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ میں نے اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک نئی خود اعتمادی محسوس کی۔

کیپٹن بابر کا تعلق باقاعدہ فوج سے تھا۔ وہ فوج کے ڈسپلن کا پابند تھا اور کسی بڑی سے بڑی اطلاع پر بھی شہری معاملات میں مداخلت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔ وہ جب تک اپنے مجاز افسران کو اعتماد میں لے کر ان سے کسی پیش رفت کی اجازت لیتا' معاملات کہیں سے کہیں پہنچ سکتے تھے جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران اپنی صوابدید پر کہیں بھی کوئی کارروائی کرسکتے تھے۔ ان کا کمانڈر مقامی سطح پر بڑے سے بڑا فیصلہ بھی خود ہی کرلیتا تھا۔

عام طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کی کارروائیوں کو مقامی انتظامیہ کی پشت پناہی حاصل نہیں ہوتی تھی مگر میرا تجربہ تھا کہ مقامی حکام چشم پوشی سے کام لے کر ان سے دور ہی دور رہتے تھے۔ اسلحہ لانے والی لانچ الحدید پر چھاپے اور ٹریڈ لائن کی تباہی کے معاملات حساس نوعیت کے تھے اس لئے ان کارروائیوں میں ایس ٹی ایف کے ساتھ دوسرے اداروں نے بھی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ ان تمام پہلوؤں سے گہری واقفیت کی بنا پر مجھے امید ہوچلی تھی کہ میرا معاملہ صحیح ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔

"یہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے سر؟" محراب خان نے حقارت سے ڈان تھری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بلیک فاکس ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے درست ہے۔ یہ اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبائے گا اور میری کمر کے گرد بندھی ہوئی بارودی بیلٹ میرے چیتھڑے اڑادے گی۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

ڈان تھری کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی "مجھے پکڑلینے کے باوجود تم بالکل بے بس ہو' زمین پر رینگنے والے کسی حقیر کیچوے کی طرح۔ میں جب چاہوں تمہیں اپنی ایڑی سے مسل سکتا ہوں۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکو گے۔ مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ ڈینی پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں سے ملا ہوا ہے۔ اس وقت میں نے تم لوگوں کے رویّے سے مکمل ثبوت پالیے ہیں۔ ہمیں ڈبل کراس کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ میں یہاں سے جارہا ہوں۔ کسی نے بھی میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں ڈینی کو اڑادوں گا۔ اگر مجھے تم لوگوں کے ہاتھوں مرنا ہی پڑا تو میں اس سے پہلے ڈینی کو اس طرح جہنم واصل کروں گا کہ اسے قبر تک نصیب نہیں ہوسکے گی۔"

اپنی بات مکمل کرکے وہ الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ اس کے گرد کھڑے ہوئے مسلح جوان کائی کی طرح اس سے دور سرکنے لگے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں بے خیالی میں ڈان ان سے ٹکرا گیا تو خود ہی بھڑک کر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبادے گا اور اس المناک سانحے کی ذمے داری ان پر آجائے گی۔

میں اس خبیث کا ارادہ بھانپ گیا "تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔ میں کسی آسیبی سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگا رہوں گا۔" میں نے اسی کی رفتار سے آگے بڑھنا شروع کردیا۔

محراب خان نے اضطراری طور پر میرا بازو پکڑلیا اور جوشیلے لہجے میں بولا "جذباتی نہ بنیں سر! خود کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ یہ جدھر جارہا ہے' اسے جانے دیں۔ یہ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔" اکبر خان اس کے ساتھ تھا۔

بس لحہ بھر کے لئے میرا اور ڈان کا درمیانی فاصلہ قدرے بڑھا مگر میں نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو محراب خان سے چھڑایا اور دوبارہ ڈان کے قریب پہنچ گیا۔ میری اس حرکت پر ڈان کے قدم سڑک پر جم کر رہ گئے۔

اس تماشے کی وجہ سے قصّہ خوانی بازار کے اس حصے میں لوگوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔ ایس ٹی ایف کے چند اہل کاران تماشائیوں کو ہٹانے میں مصروف ہوگئے لیکن دوسروں کے چہرے دھواں ہورہے تھے۔

"میں ایک پل کے لئے بھی اس خبیث سے دور نہیں رہوں گا۔" میں نے ڈان کو گھورتے ہوئے کہا۔ محراب خان بے بسی سے میرے ایک پہلو پر آکھڑا ہوا تھا اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ہم دونوں کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "میری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک میں اس کے ساتھ ہوں۔ یہ بٹن دبائے گا تو میرے ساتھ خود بھی مارا جائے گا۔ یہ چالاکی کے ساتھ مجھے یہاں چھوڑ کر نکلنا چاہ رہا ہے۔ میری صورت میں ایک متحرک بم اس بھرے بازار میں موجود رہے گا اور یہ مجھ سے محفوظ فاصلے پر پہنچتے ہی بٹن دبادے گا۔ بیلٹ پھٹتے ہی میرے اردگرد تباہی پھیل جائے گی۔ تم سب کے ساتھ ہی متعدد بے گناہ شہری بھی مارے جائیں گے۔ زخمیوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ میرے ساتھ بہت کچھ تباہ ہوجائے گا اور اس کو خراش تک نہیں آئے گی۔ میں اس کا گھناؤنا منصوبہ کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ ریموٹ کنٹرول میکانزم کے باوجود یہ بارودی بیلٹ بہت بھاری ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس میں پانچ سے سات پونڈ تک خالص بارودی قوت کا مواد چھپایا گیا ہے۔ اس کے دھماکے سے یہاں کی متعدد بوسیدہ عمارتیں تک ملبے کے ڈھیر میں بدل جائیں گی۔"

ڈان تھری پہلی بار فراخ دلی سے مسکرایا اور بولا "تم بہت چالاک ہو لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے ساتھ رہ کر تم زیادہ دیر تک زندہ رہ سکو گے۔ اعصابی جنگ میں کوئی مجھے شکست نہیں دے سکتا۔ میں فولادی ارادوں کا مالک ہوں۔ تمہاری غفلت کا بس ایک لحہ تمہارے مقدر کا فیصلہ کردے گا۔"

"مجھے بھی یہی خوش فہمی ہے۔" میں بالکل اس کے مقابل پہنچ گیا "میری خوش قسمتی ہے کہ میرے تمام ساتھی میرے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تم بھاری معاوضہ دے کر بھی اکبر خان اور بوبی کو پوری طرح اپنا وفادار نہیں رکھ سکے۔ اس زمین پر تمہیں ہزاروں مجرم مل جائیں گے لیکن غدار کم ہی ملیں گے۔ اکبر خان کی کارروائی کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ جب تم قہوہ خانے کے مالک سے فوجیوں کی موجودگی کے بارے میں معلومات حاصل کررہے تھے تو بوبی نے مجھے کچھ ایسی باتیں بتائی تھیں جو تمہارے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوں گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے مجھے زیر کرتے ہو!"

"بوبی!" وہ دانت پیس کر غُرّایا "کیا کہا تھا اس حرام زادے نے؟"

میرا وہ تیر بھی کارگر ثابت ہوا۔ میں نے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "تمہیں خود اندازہ ہونا چاہئے کہ تمہاری کون کون سی کمزوریاں اس کے علم میں ہیں۔ اس نے مجھے من گھڑت باتیں تو نہیں بتائی ہوں گی۔"

"میں اس سؤر کے بچے کو بھی دیکھ لوں گا۔" وہ آپے سے باہر ہو کر غرّایا۔

میرے ہائیں ہائیں کرنے کے باوجود اکبر خان نے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا اور فضا چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس وقت صرف اکبر خان غصّے میں دہاڑ رہا تھا۔ بقیہ لوگوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے اور زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ ہر شخص دہشت زدہ تھا کہ ڈان تھری اپنی توہین پر مشتعل ہو کر موت کا بٹن نہ دبا دے۔

"تجھے شرم نہیں آتی؟ اتنے لوگوں میں ناپاک جانور کا نام لیتا ہے۔" اکبر خان دہاڑ رہا تھا۔

خلافِ توقع کچھ بھی نہیں ہوا۔ بات وہی تھی کہ ڈان تھری بٹن دباتا تو دوسروں کے ساتھ خود بھی دھماکے سے اڑ جاتا۔ وہ اپنا رخسار سہلاتے ہوئے زہریلے لہجے میں اکبر خان سے مخاطب ہو کر بولا "نمک حرام! میں تجھے دیکھ لوں گا۔ یہ تھپڑ اب تجھے قبر ہی میں لے جائے گا۔ میں زیادہ سے زیادہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں ڈینی سے نجات حاصل کرلوں گا پھر تجھے اور ربوبی کو دیکھ لوں گا۔"

میں اکبر خان کو سمجھانے کے بہانے چند قدم دور لے گیا اور ڈان تھری پر نظر رکھتے ہوئے اس کے کان میں کہا "تم تھوڑی دور جاؤ گے تو بوبی مل جائے گا۔ اسے پکڑلو۔ اس کے علاوہ سامنے کی فٹ پاتھ پر سرخ چیک کی قمیص میں ایک دراز قامت اور درشت رو شخص بھی منڈلا رہا ہے۔ وہ بھی اس کا ساتھی ہے' تم اسے دور ہی سے پہچان لو گے۔ اپنی شوخ قمیص کی وجہ سے وہ تمہاری نظروں سے نہیں بچ سکتا۔ دونوں کو ادھر لائے بغیر محراب خان کے آدمیوں کے حوالے کردو۔"

اکبر خان اپنا سر جھٹکتا ہوا بھیڑ سے نکل گیا۔ میں دوبارہ ڈان تھری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مجھے حیرت ہے کہ پیسے کی خاطر چوری' قتل اور اغوا کرنے والا اکبر خان میری ایک گالی پر اتنا مشتعل ہو گیا۔" وہ طنز سے بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگ مذہب کو کب بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور کب اس پر کاربند ہو جاتے ہیں۔"

"تمہاری دشمنی اپنی جگہ پر ہے لیکن اس وقت اکبر خان زیادہ ہی جوش میں آگیا تھا۔" میں نے اس کی تسلی کے لئے کہا "میری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے اسی لئے وہ یہاں سے ٹل گیا ہے۔"

"خاموشی سے ریموٹ کنٹرول ہمارے حوالے کردو۔" محراب خان نے خشک لہجے میں کہا "اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردینے کے بعد تم فائدے میں رہو گے۔ ہم نے اپنے کسی گوریلا ایکشن سے تمہیں زیر کیا تو تمہاری زندگی دردناک ہو جائے گی۔"

"میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی۔ اس بار بھی جیت میری ہی ہو گی۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا "میں زیادہ دیر تک یہاں تماشا بنائے رکھنا پسند نہیں کرتا۔ میرے لئے فوراً ایک خالی جیپ کا بندوبست کرو۔ میں یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ ڈینی میرے ساتھ چلنے پر مصر ہے تو جیپ اسی کو چلانی ہو گی۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ ڈان کے پاس میری بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول ہی نہیں تھا بلکہ اس کی بائیں جیب میں وہ بھرا ہوا پستول بھی موجود تھا جو اس نے ہوٹل کے کمرے میں اکبر خان سے لیا تھا۔ اس کے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی یہی وجہ تھی کہ ہم سب کے ذہن بارودی بیلٹ میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ ڈان کے پاس موجود کسی اور ہتھیار کے بارے میں کوئی نہیں سوچ رہا تھا۔

جسمانی طور پر ڈان کو مجھ پر کوئی برتری حاصل نہیں تھی۔ اس وقت اصل فرق ایک بھرے ہوئے پستول کا تھا۔ وہ مسلح تھا اور میں نہتا۔ وہ مجھے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بھیڑ سے نکال لے جانے کے بعد راستے میں کہیں بھی گولی مار کر ختم کرسکتا تھا۔ میرے بے جان وجود کے گرد بارودی بیلٹ اسی طرح بندھی رہتی اور جب بہت سے سوگوار لوگ میری لاش کے گرد جمع ہو جاتے تو ڈان اپنی محفوظ پناہ گاہ سے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر میری لاش کے ساتھ ان سب کو بھی اڑا دیتا۔ میں نے اس نکتے پر جتنا غور کیا اسی قدر میرا یہ خیال پختہ ہوتا رہا کہ وہ بیک وقت مجھ سے نجات حاصل کرنے اور فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس وقت میں محراب خان یا اس کے ساتھیوں سے ڈان کے پستول کا ذکر کرتا تو وہ چوکنا ہو جاتا۔ ردعمل میں وہ کوئی بھی کارروائی کرسکتا تھا۔ میرے نزدیک اس مسئلے کا بہترین حل یہی تھا کہ میں اپنے طور پر اسے پستول سے محروم کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے اس کی طرف پیش قدمی کی تو وہ قدرے پیچھے سرک کر قدرے ناگواری سے بولا "میرے سینے سے چپکنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے دور رہو۔ تم تو میرے سر پر چڑھے چلے آرہے ہو۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے کھڑے کھڑے ایک بار پھر گزرے ہوئے واقعات کا جائزہ لیا۔ اگر ڈان کے پاس پہلے سے کوئی ہتھیار موجود ہوتا تو آخری مرتبہ وہ اکبر خان سے پستول لینے کے بجائے اپنا ہتھیار استعمال کرتا۔ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ڈان کی بائیں جیب میں صرف ایک پستول موجود تھا جسے چھین لینے کے بعد وہ بھی نہتا ہو جاتا۔ دوسرے ہتھیار کی موجودگی میں میری کارروائی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی۔

"گاڑی کا بندوبست کراؤ!" میں نے محراب خان کو ہدایت دی۔ اس کے مؤدب انداز سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ میرے بارے میں پوری طرح باخبر تھا۔ کچھ ہی روز پہلے اوّل خان نے پشاور میں سردار پائندہ گل کا گھیراؤ کرایا تھا۔ وہ کارروائی غالباً محراب خان ہی کے ذریعے انجام دی گئی تھی اس لئے میں اسے ہدایت جاری کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کررہا تھا۔

اکبر خان پہلے ہی وہاں سے جاچکا تھا۔ محراب خان بھی کچھ دور ہٹ کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا اور میں مکارانہ انداز میں ڈان تھری کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے داہنے ہاتھ پر مرکوز رکھی تھیں کیونکہ ریموٹ کنٹرول یونٹ اس کے اسی ہاتھ میں موجود تھا۔

میری وہ حرکت اس قدر مسلسل اور جارحانہ تھی کہ ڈان تھری بولے بغیر نہ رہ سکا "اس خیال میں نہ رہنا کہ تم مجھ سے ریموٹ چھین لینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ سیدھی سی بات ہے مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"اچھا!" میں نے اسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا اور ایک ہی جست میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے الٹے قدموں سرکتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے۔ وہ اپنی دانست میں ریموٹ کنٹرول کو میری دسترس سے بچانے کی کوشش کررہا تھا۔ میری بھی یہ کوشش تھی کہ اس کی ساری توجہ اسی طرف مبذول رہے۔ میری حکمتِ عملی پوری طرح کامیاب رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کوٹ کی بغلی جیبوں کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے اس کی پھولی ہوئی بائیں جیب میں ہاتھ ڈال کر چشمِ زدن میں پستول نکالا اور فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ میں نے ڈان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو نیچے گرانے تو کیا چھونے تک کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنا پستول میرے ہاتھ میں دیکھ کر وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ وہ ایسی بے اعتباری سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے اچانک ہی میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم پستول کے بل بوتے پر لمبے لمبے دعوے کررہے ہو۔" میں نے پستول کا سیفٹی کیچ چیک کرکے اسے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا "اب برابر کا مقابلہ ہو گا۔ تمہارے پاس ریموٹ کنٹرول اور میرے پاس پستول ہو گا۔ ہم میں سے کوئی بھی وار کرنے میں پہل نہیں کرے گا' بس اعصابی لڑائی باقی رہ جائے گی۔" اس نے جھلا کر ایک گندی سی گالی دی اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی متعدد گاڑیاں اس علاقے میں موجود تھیں۔ بس ان میں سے کسی ایک گاڑی میں سے سارا سازوسامان کسی دوسری گاڑی میں منتقل کرنا تھا۔ وہ کام دیکھتے ہی دیکھتے مکمل ہو گیا اور محراب خان نے بند آہنی باڈی والی جیپ کی چابی میرے حوالے کردی۔

"ٹھہرو!" مجھے جیپ کی طرف جاتے دیکھ کر ڈان تھری غرّایا "پہلے میں اپنا اطمینان کروں گا۔"

میں رک گیا اور ڈان تھری' محراب خان کے اشارے پر ایک جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے کھلی ہوئی کھڑکیوں میں سے سر اندر ڈال کر اچھی طرح جیپ کا جائزہ لیا پھر پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ ہی رہا تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا "جیپ کے نیچے بھی جھانک لو۔ ایسا نہ ہو کہ باڈی سے کوئی کمانڈو چپکا ہوا ہو۔"

وہ مجھے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا اور میں چابی لہراتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں' سر!" محراب خان نے شاید ڈان کو سنانے کے لئے مجھ سے کہا "ہماری دو گاڑیاں آپ کا پیچھا کریں گی اور ہر وقت ایک مسلح دستہ آپ کے آس پاس موجود رہے گا۔ میرا ہر آدمی آپ کے اشاروں کی تعمیل کرے گا۔ میں اس وقت کے حالات سے ذرا بھی دل برداشتہ نہیں ہوں۔"

"تم جو چاہو کرتے رہو لیکن کوئی بھی میرے قریب نہ آئے۔" میری توقع کے عین مطابق ڈان بول پڑا۔ اس وقت تک میں نئے ماڈل کی ہارڈ ٹاپ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ ڈان کے اشارے پر میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ کسی مست خرام مورنی کی طرح لہراتی ہوئی آگے چل پڑی۔

ایس ٹی ایف والوں کی سختی کی وجہ سے قصّہ خوانی بازار کی سڑک پر کسی بھی قسم کا ٹریفک موجود نہیں تھا لیکن وہاں ہونے والی فوجی کارروائی کی افواہوں کی وجہ سے قرب و جوار سے لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا "یہاں سے ساؤتھ سٹی روڈ پر لے لینا۔" ڈان نے مجھے ہدایت دی "تم جلد یا بدیر میرے ہاتھوں مرنے ہی والے ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ میں مافیا کے ساتھ ساتھ انڈین سیکرٹ سروس کے لئے بھی کام کررہا ہوں۔ یہاں سیکڑوں افراد کی بھیڑ دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ اسی وقت یہاں دھماکا کروں اور ان سب کو خون میں نہلا دوں لیکن مجھے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ ویسے بھی میں تم جیسے قابلِ نفرت آدمی کے ساتھ مرنے کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ تم اکیلے اور زیادہ بے عزتی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ یہ اچھا کیا کہ تم نے مرنے سے پہلے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا اب تو تم مافیا کے قانون کے مطابق بھی موت کے حق دار ہو گئے ہو....."

"اوہ! کہاں جارہے ہو؟" وہ اچانک ہی غرّایا اور میں نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ ہماری جیپ کے پیچھے آنے والی ایس ٹی ایف کی دونوں گاڑیاں بھی کچھ فاصلے پر رک گئیں۔

"یہاں سے موڑ لو۔" اس نے مختصر سے توقف کے بعد ہدایت کی "اب ہمیں کافی دور تک سیدھے ہی جانا ہو گا۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور چند ثانیوں کی مسافت کے بعد ہی ساؤتھ سٹی روڈ کا سائن بورڈ نظر آنے لگا۔ اس سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ میں نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

"سچ سچ بتانا کہ اس بار تم کس حوالے سے پاکستان آئے ہو؟" کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔

"ڈان بھی مافیا کا تنخواہ دار ملازم ہوتا ہے۔ میں تعطیلات کے سوا اپنی مرضی سے لمبے لمبے سفر نہیں کر سکتا۔ اپنے اسٹیشن پر رہ کر اپنوں کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہوں۔ تمہارا نام اس وقت سے میری ہٹ لسٹ پر ہے جب تم شی میں بہت زیادہ سرگرم ہوا کرتے تھے۔ جب مُلّا سرکار کے سلسلے میں تمہاری بدمعاشیاں میرے علم میں آئیں تو یہ نفرت اور گہری ہوگئی لیکن مجھے کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس بار مجھے کراچی بھیجا گیا تو میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ تمہارا کام تمام کردوں گا اور دیکھ لو کہ میں تم پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے علاوہ مجھے مُلّا سرکار کی بھی فکر ہے۔ تم میں اتنی شرافت ضرور ہونی چاہئے کہ مجھے اپنے اس دشمن کی موجودہ حالت سے آگاہ کردو۔ آج کل وہ کہاں قید ہے؟"

"وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ دریائے سندھ میں اس کی بوٹ ایک پُل کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرا گئی تھی اور اس کی لاش کے چیتھڑے دریا کی تیز لہریں اپنے ساتھ بہا لے گئی تھیں۔ میں اس کے خلاف ویسے ہی جذبات رکھتا تھا جو تمہارے دل میں میرے لئے موجود ہیں۔ میں نے بہت دیر تک اس کا ہانکا کیا لیکن جب اس کا آخری وقت آیا تو میں اسے ہاتھ تک نہ لگا سکا۔ قدرت کے اصولوں کے سامنے انسان کے ارادے ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔"

"یہ بہت بری خبر ہے۔ ہر ایک کا خیال ہے کہ وہ کسی خطرناک جیل میں سزا کاٹ رہا ہے۔ یہاں کام کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کے انجام کا علم نہیں ہوسکا۔ وہ قربانی اور بے خوفی کی ایک مثال بن کر جیا اور اسی طرح مرگیا۔ تم دیکھنا کہ اس کا چلایا ہوا مشن بہت جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا۔"

"جنگ اور محاذ آرائی میں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک فریق کا ہیرو' دوسرے کے لئے گھناؤنا جہنمی ہوتا ہے۔ مُلّا سرکار کے لئے تمہاری عقیدت قابلِ فہم ہے لیکن میرے نزدیک وہ اس دور کا عیار ترین مجرم تھا۔"

اس نے احتیاط سے ریموٹ کنٹرول کو اپنے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور پھر جیب سے اپرٹس نکال کر آن کرلیا۔

وہ وقفے وقفے سے اپنا کوڈ دہراتا رہا۔ خاصی دیر بعد اس کے اپرٹس سے کراہتی ہوئی آواز ابھری "یس باس! میں ساون بول رہا ہوں۔ مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ سالوں نے مار مار کر حُلیہ بگاڑ دیا ہے۔"

جوابی کوڈ اور خفیہ زبان کے بجائے اپنے آدمی کی براہِ راست گفتگو سن کر ڈان کا چہرہ بگڑ گیا "تم کب اور کہاں پکڑے گئے؟ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ تم اتنی سرعت سے بے قابو کرلئے جاؤ گے۔"

"ستارے گردش میں آتے ہیں تو سب کچھ ہوجاتا ہے باس!" اس کی آواز تکلیف کی شدت سے رندھی ہوئی تھی "چار مسٹنڈوں نے مجھے بے خبری میں چھاپ لیا۔ میرے ساتھ بوبی بھی پکڑا گیا ہے۔ اس کے سامنے کے کئی دانت ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟"

"اوہ.... تو وہ بھی پکڑا گیا۔" ڈان دانت پیستے ہوئے بولا "فکر نہ کرو۔ ڈینی ابھی تک میرے قبضے میں ہے۔ ان کی گاڑیاں میرا پیچھا کررہی ہیں لیکن وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ان کی بازی ان ہی پر الٹ دوں گا۔ تمہیں پکڑنے والے میری آواز سن رہے ہوں گے۔ ان کے کسی بڑے سے میری بات کراؤ!"

"بولو وجے دادا!" دوسری طرف سے فوراً ہی ایک تروتازہ اور طنزیہ آواز ابھری "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں میرا نام کس مردود نے بتایا؟" ڈان نے بھڑک کر سوال کیا۔

"نام ہی نہیں' تمہارے آدمیوں نے بہت کچھ بتایا ہے۔ ہمارے سامنے مردے بھی بولنے پر مجبور ہیں تمہارے آدمی تو بس دو چار اسٹیپل بھی نہیں سہہ سکے۔ ہم نے یہ حربہ پہلے آزمالیا ہوتا تو تمہارے سورما خاصی ٹوٹ پھوٹ سے بچ گئے ہوتے۔ تم آؤ گے تو ہم تمہیں نیا کھیل دکھائیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ ابھی ڈینی میرے قبضے میں ہے اور ہاں' یہ اسٹیپل کیا بلا ہے؟"

"یو کی شکل میں مڑے ہوئے فولادی تار جو ایک اسپرنگ گن سے فائر ہوتے ہیں اور اپنے ہی زور میں ٹھوس لکڑی میں ڈیڑھ انچ اندر تک پیوست ہوجاتے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کے جسم اتنے بودے ہیں کہ ڈیڑھ انچ کے بعد اسٹیپل کا باہر کا حصہ جلد پر رکنے کے بجائے اندر تک اتر گیا اور یہ بیچارے بلبلا رہے ہیں۔ اب کوئی سرجن ہی نشتر لگا کر انہیں اس عذاب سے نجات دلا سکے گا ورنہ فولادی تاروں میں آنے والا زنگ ان کے زخموں میں زہر پھیلا دے

گا۔" دوسری طرف سے مزے لے لے کرتا یا گیا۔ شاید اس طرح وہ ساون اور بوبی کو بھی دہشت زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہ مت بھولو کہ ڈینی کو اس سے بدتر تشدد کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ میں اس کے ٹخنے اور گھٹنے توڑ کر زندگی بھر کے لئے معذور کردوں گا۔ بڑے سے بڑا سرجن بھی اس معذوری کو دور نہ کرسکے گا..... اوور۔" گفتگو میں ابتدا ہی سے دونوں فریق ایک دوسرے کو باری باری بولنے کا موقع دے رہے تھے۔

"چیف آئے گا تو اب وہی تم سے بات کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔" گفتگو کے اس نازک موڑ پر دوسری طرف سے کال کا سلسلہ منقطع کردیا گیا اور وجے نے اپنا ٹرانسیٹر بند کرکے جیب میں ڈال لیا۔

"بمبئی کا وجے داوا۔" میں نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا "پہلے مجھے غلط فہمی ہوئی تھی کہ تم کوئی پاکستانی تارکِ وطن ہو جو لندن میں جا بسے ہو۔ تمہارے اور ساون کے ناموں سے تمہارے اندر بھرے ہوئے زہر کا سبب سمجھ میں آرہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بے چارہ بوبی ناسمجھی میں تم لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہے۔"

"چار پیسے کمانے والا کوئی بھی آدمی ناسمجھ نہیں ہوتا۔" اس بار وہ مشتعل ہونے کے بجائے سکون سے بولا "یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو کہ تمہاری سرزمین پر غدار نہیں پائے جاتے۔ یوپی اور راجستھان میں ہمارے تین کیمپوں میں جاکر دیکھو کہ کتنے مجبور اور محروم پاکستانی نوجوان ایک انقلاب کی آرزو میں ہمارے یہاں جنگی تربیت لے رہے ہیں۔ جب تک تم اپنے نوجوانوں کو انصاف نہیں دو گے وہ تم سے وفا نہیں کریں گے۔ ان میں آئے دن بوبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ تم دیکھ لینا کہ آخری تجزیے میں وہ ساون سے زیادہ ثابت قدم نکلے گا۔ ساون جو کچھ کررہا ہے وہ اس کے خون اور خمیر میں شامل ہے۔ وہ اس ملک کی خدمت کررہا ہے جس میں وہ پروان چڑھا ہے لیکن بوبی نے سوچ سمجھ کر اپنی راہ منتخب کی ہے' وہ آسانی سے کوئی سمجھوتا نہیں کرے گا۔ دراصل ایسے ہی فعال اور آزاد خیال لڑکے جاسوسی کے عالمی جال کے لئے مضبوط پھندے فراہم کرتے ہیں۔"

"تم سنجیدہ گفتگو بھی اچھی خاصی کرلیتے ہو۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ را اور مافیا کے ساتھ تم کسی یونیورسٹی میں بھی نوکری کرتے رہے ہو۔ اس وقت بالکل بھی اندازہ نہیں ہورہا کہ تم اپنے انگوٹھے کے ہلکے سے دباؤ سے میرے بدن کے چیتھڑے اڑا دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"تم چاہو تو تمہاری کمر سے یہ بارودی طوق اتر بھی سکتا ہے۔" اس نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"وہ کیسے؟" میں نے اس کی پیشکش میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھارت چلو اور ہمارے سمجھ دار لوگوں سے بحث کرکے دیکھ لو کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض کاغذ کی لکیریں کھینچ دینے سے ملک تقسیم ہوگئے ہوں۔ مجبوریوں کے تحت ایسا ہوتا ہے لیکن مجبوری ختم ہوتے ہی قلم مٹ گیا' کاغذی لکیریں بھی مٹ گئیں اور پرانے نقشے دوبارہ بحال ہوگئے۔ یہ کام تم نہیں کرو گے' تمہارے بعد آنے والے کریں گے۔ تم بنگلہ دیش بنوا ہی چکے ہو، انہوں نے تقسیم کی لکیروں کو اپنے خون سے سیراب کرکے دوام بخشا ہے۔ ان کی سلطنت قائم رہے گی۔ ان کا وجود تمہارے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ ہے۔ انہوں نے تمہارے وجود کا جواز ختم کردیا ہے....."

"میرا سیاسی حافظہ بہت کمزور ہے۔" میں نے اس کی تقریر سے مخل ہو کر کہا "نقشے' لکیریں' تقسیم' قلم اور جواز..... یہ سب میرے لئے بے معنی ہے۔ میرے لئے اہمیت اس بات کی ہے کہ تم ایک باعزت سمجھوتے کی پیشکش کررہے ہو۔ میں خود بھی بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہوں اور اب کہیں سکھ چین سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں مگر یہاں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ مجھے بھارت جاکر کیا کرنا ہے تو میں تمہاری تجویز پر غور کر سکتا ہوں۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور آہستگی سے بولا "یہ تمہاری کوئی نئی چال تو نہیں ہے؟"

"شبہ کررہے ہو تو اس بات کو یہیں ختم کردو۔" میں نے بیزاری سے کہا "میں نے تم سے کوئی رعایت نہیں مانگی۔ تم نے ایک تجویز پیش کی ہے۔ میری رضامندی کے بعد بھی تم اسے واپس لے سکتے ہو۔"

"تمہارے بھارت چلے جانے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تم پاکستان کے لئے کچھ نہیں کرسکو گے۔" وہ پُرخیال انداز میں کہنے لگا "تمہارے خطرناک ماضی کے پیشِ نظر اسی ایک فائدے کے عوض تمہیں عمر بھر کے لئے وظیفہ دیا جاسکتا ہے۔ وقت گزاری کے لئے تم چاہو تو کہیں پڑھا سکتے ہو' لوگوں کو تربیت دے سکتے ہو' اپنا کوئی فارم کھول سکتے ہو۔ بھارت بہت بڑا ہے۔ وہاں کام کے ہزاروں مواقع ہیں۔ دو چار برس تو تم شمال سے جنوب کی سیر میں گزار سکتے ہو۔"

ہم سادتھ سٹی روڈ سے ریلوے روڈ پر آچکے تھے جو ایک طویل خم کے بعد داہنی جانب مڑ گئی تھی۔ وجے نے فوراً ہی کہا "اب بائیں طرف والی پہلی سڑک پر مڑ جانا۔ اس پر سنہری مسجد روڈ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔"

"ہم شہر سے بہت دور تو نہیں آگئے؟" میں نے عقب نما آئینے میں ایس بی ایف کی گاڑیوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"اب ہم شہر سے چھاؤنی کے علاقے میں داخل ہونے والے ہیں۔" اس نے مجھے مطلع کیا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں پہلی بار پشاور آئے ہو؟"

...ایسا ہی سمجھ لو۔ پہلے آیا تو بس پرانے شہر کی رنگینیوں میں ...رہا۔ یہ علاقہ میرے لیے نیا ہے۔" مجھے خوشی تھی کہ وجے نے ...ی گفتگو کا موضوع تبدیل کردیا تھا۔

"تم نے میری پیش کش کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا" ...دیر کے سکوت کے بعد وجے نے مجھے ٹوکا۔

"میں سوچنے کے بعد ہی کوئی جواب دے سکوں گا" میں نے ...ں موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جواب نہیں' میں تمہارا تبصرہ سننا چاہ رہا تھا" اس نے میری ...ح کی۔

"دلچسپ پیشکش ہے۔ بظاہر مجھے اس میں کوئی خرابی نظر نہیں ...ے۔ ایک جھول ہے اور اس کا تعلق تمہاری نیت سے ہے" میں ...ے اپنی حقیقی دلچسپی کا مظاہرہ کرنے کے لیے جھول کا ذکر ضروری ...سمجھا تھا۔

"وہ کیا؟ میں تمہارے شبہات دور کرنے کی پوری کوشش ...کروں گا۔"

"یہاں تم میرے سامنے بے بس ہو چکے ہو۔ مجھے بہلا پھسلا کر بھارت لے گئے اور وہاں مجھے سولی پر لٹکا دیا تو کیا ہوگا؟ یہ اس ...معاملے کا سب سے کمزور پہلو ہے۔ آج تک میں تمہارے نکتہ نظر ...سے ایک بڑا مجرم ہوں۔ کل یکایک ہی بھارت کا معزز شہری کس ...طرح بن جاؤں گا؟" میں نے اپنی وضاحت پیش کردی۔

"یہ نیت کا معاملہ ہے۔ میں تمہیں اپنا دل چیر کر نہیں دکھا سکتا ...لیکن تم جس طرح چاہو' میں اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میرے ملک ...میں تم سے کوئی بدعہدی نہیں ہوگی" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہی سب سوچنے کے لیے وقت درکار ہے... ...یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"اگر تم میری تجویز قبول کرلیتے ہو تو ہم خاموشی سے یہاں سے ...نکل چلیں گے ورنہ اعصابی جنگ جاری رہے گی؟" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ ہنسا تو اس کی آواز سے درندگی مترشح تھی۔

"جب تک میں کوئی فیصلہ نہیں کرلیتا' جنگ جاری رہنی چاہیے.... جہاں مڑنا ہو' مجھے پہلے سے بتا دینا۔"

"فی الحال سیدھے چلتے رہو.... جنگ جاری رہنے کا مطلب ہے تمہارے ذہن پر فرار کا خبط سوار رہے گا اور میں خود کو بچا کر تمہیں اڑانے کی فکر میں لگا رہوں گا۔ ایسے ذہنی دباؤ کے عالم میں تم صحیح فیصلہ نہیں کرسکو گے۔"

"مجبوری ہے" میں نے اپنے شانے اچکا کر کہا "میرے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔"

○☆○

خیبر ہوٹل کی دوسری منزل پر ایک ڈبل بیڈ روم اس کے تصرف میں تھا۔ کمرا بہت نفیس اور خوشنما چوبی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ پورے فرش پر نرم قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک دیوار میں ائرکنڈیشنر بھی نصب تھا لیکن خوشگوار موسم کی وجہ سے اسے چلانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

دیکھا جائے تو چغا سرائے سے شروع ہونے والے میرے سفر کا تسلسل ہی چل رہا تھا۔ راستے میں ہم رات بھر کے لیے جلال آباد کے غزنی ہوٹل میں رکے تھے۔ وہ رات بھی آرام کے بجائے دھماکوں' بجلی کی نایابی اور پھر روسی فوجیوں کی بربریت کا مشاہدہ کرنے میں گزر گئی۔ وہاں سے چلے تو لنڈی کوتل سے مجھے اغوا کرلیا گیا۔ وہ سارا وقت بھاگ دوڑ' ذہنی تناؤ' جسمانی صعوبتوں اور بے آرامی میں ہی گزرا تھا۔ آرام ان لمحات میں میسر آیا تھا جب اغوا کرنے والوں نے مجھے بے ہوش کرنے کے بعد اکبر خان کے ماموں کے ہوٹل میں لا ڈالا تھا۔

وجے کے کمرے میں صاف ستھرا اور آرام دہ بستر دیکھتے ہی میرے دل میں آرام کرنے کی شدید ترین خواہش انگڑائیاں لینے لگی اور سر کے اس حصے میں' جہاں اکبر خان کے کسی ساتھی نے اپنے آہنی ہتھیار کے دستے سے ضرب لگائی تھی' شدید تکلیف کا احساس بھی بیدار ہوگیا۔

میں غیرارادی طور پر کمرے کی تعریف کرتا ہوا' جوتوں سمیت بستر پر گر گیا۔

میری کیفیت دیکھ کر وجے نے ہلکا سا فاتحانہ قہقہہ لگایا اور بولا "تم ابھی سے اندرونی ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا ہو رہے ہو۔ یہ تھکان جلد ہی نیند بن کر تمہاری آنکھوں اتر جائے گی اور میں تمہیں یہیں چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔ محفوظ فاصلے پر پہنچنے کے بعد میں ریموٹ کنٹرول کا بٹن دباؤں گا اور تمہارے جسم کے ریشے ہمیشہ کے لیے اس عمارت کے ملبے کا ایک حصہ بن جائیں گے شکست ابھی سے تمہارا مقدر بنتی نظر آرہی ہے۔"

"میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ یہ تمہارا حق ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ بوبی اور ساون کے پکڑے جانے کے بعد تم بے یارومددگار رہ گئے ہو جب کہ میرے ساتھ تازہ دم لوگوں کی ایک فوج ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والے اب تک اس ہوٹل کے چپے چپے پر پھیل چکے ہوں گے۔ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہوسکو گے۔ وہ تم کو بے بس کرکے پکڑلیں گے۔"

"میں ان سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جدید خودکار ہتھیاروں اور لاسلکی مواصلاتی آلات سے لیس افراد دو گاڑیوں میں ہمارا پیچھا کررہے تھے لیکن میں نے ایک بار بھی مڑ کر ان کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو چکما دینے کے لیے میری جیب میں ہر وقت بے شمار شعبدے موجود رہتے ہیں۔"

"تم دیکھ لینا کہ تمہاری یہ خوداعتمادی ہی تمہیں لے ڈوبے گی" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی سے میری پیش کش قبول

نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"اس بارے میں سوچا ہی نہیں تو فیصلہ کیسے کروں گا؟" میں اچانک ہی بستر سے اٹھ گیا "سوچنے کے لیے میں کچھ دیر کا تخلیہ چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"یہ ناممکن ہے" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا "میں ایک منٹ کے لیے بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو کیا تم باتھ روم میں بھی میرے ساتھ ہی جاؤ گے؟ غور و فکر کے لیے وہی بہترین جگہ ہوتی ہے۔"

"تم دروازہ کھلا رکھو گے اور جلد ہی واپس آؤ گے" وہ کھسیائے ہوئے، اشتباہ آمیز لہجے میں بولا۔

"دروازہ کھلا رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تمہاری زیادتی ہے" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تم اندر جاکر بارودی بیلٹ کے تسمے کاٹ کر اسے اتار سکتے ہو، بیلٹ کو کھڑکی سے باہر پھینک سکتے ہو، کچھ بھی کرسکتے ہو۔ میں تمہیں ایسا موقع نہیں دوں گا۔"

"گڈ۔ اب تم خود مجھے ترکیبیں بتا رہے ہو۔ لیکن کیا دوسری منزل سے پھینکے جانے پر بیلٹ خود بخود نہیں پھٹے گی؟"

"یہ شاک پروف بیلٹ ہے جو ریموٹ کنٹرول کے بغیر نہیں پھٹے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں زیادہ دیر تک نہیں رک سکتا۔ دروازہ کھلا رہے گا۔ تمہارا دل چاہے تو اندر ہی آکر لیٹ جانا" یہ کہہ کر میں باتھ روم کی طرف چل دیا۔

کشادہ باتھ روم کمرے کے ایک گوشے میں بنا ہوا تھا۔ اس کے برابر والی جگہ کو ایک دیوار کے ذریعے کمرے سے الگ کرکے ڈریسنگ روم کی شکل دے دی گئی تھی۔ میں پردہ ہٹا کر ڈریسنگ روم میں داخل ہوا اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ وجے نے بڑھ کر درمیانی پردہ سمیٹ دیا اور کرسی لے کر کمرے کے وسط میں ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے مجھ پر نظر رکھ سکے۔ وہ واقعی بہت چالاک تھا اور مجھے کوئی موقع دینے کو تیار نہیں تھا۔

میں فلش چلانے کے بعد منہ ہاتھ دھونے کے لیے کھڑا ہوا تو میرے اور وجے کے درمیان دیوار حائل ہوگئی۔ وہ فوراً ہی ڈریسنگ روم میں گھس آیا اور چوبی وارڈروب کا دروازہ کھول کر اس میں رکھا ہوا سامان باہر نکالنے لگا۔

"یہ سب کہاں لے جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے قالین پر تکیوں اور کمبلوں کا ڈھیر دیکھ کر باتھ روم میں سے ہانک لگائی۔

"تم فارغ ہولو تو پتا چل جائے گا" یہ کہتے ہوئے اس نے ہینگر راڈ بھی وارڈروب سے باہر نکال پھینکی۔

میں نے تر و تازہ ہونے کے بعد اپنے بال سنوارے اور دل ہی دل میں وجے پر لعنت بھیجتا ہوا باہر آگیا۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ کسی اتفاقی صدمے یا جھٹکے سے بارودی بیلٹ کے پھٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا ورنہ اس وقت تک میں پوری احتیاط کر رہا تھا کہ میری نقل و حرکت کے دوران بیلٹ کو کوئی رگڑ یا ٹھیس نہ لگنے پائے۔

"تم فارغ ہوگئے، اب میری باری ہے" وجے نے مجھے ڈریسنگ روم ہی میں روک لیا۔

"مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں دست بستہ باتھ روم کے سامنے کھڑا رہوں گا" میں نے بھنّا کر کہا "تمہیں دروازہ بند کرکے اندر بیٹھنا ہوگا۔ میں بے ہودگی اور گندگی بالکل برداشت نہیں کرسکتا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری نازک طبیعت پر کوئی ناگوار بوجھ نہیں ڈالوں گا" وہ مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "اب خاموشی سے اس خالی وارڈروب میں کھڑے ہوجاؤ۔"

"کیوں؟ کیا اب مجھے اس میں بند کرنے کا ارادہ ہے؟ تم بچوں جیسی حرکتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"یہ بچوں جیسی حرکتیں نہیں ہیں۔ اکیلے کمرے میں تم کچھ بھی کرسکتے ہو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔"

وہ خاصی مضحکہ خیز صورتِ حال تھی۔ میری ساری بحث و تکرار کے باوجود وہ اپنے مطالبے پر اڑا رہا۔ تنگ آکر میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا "تم باتھ روم میں جاؤ یا نہ جاؤ۔ میں وارڈروب میں نہیں گھسوں گا۔"

"اگر تم میرے ساتھ تعاون نہیں کروگے تو میں بھی تمہاری زندگی عذاب بنادوں گا۔ یہ نہ بھولو کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے باوجود، آخری فیصلہ ہونے تک ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔"

میں نے اس کے الفاظ کی گہرائی پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اسے اپنی رضامندی سے آگاہ کرتا، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وجے نے دوڑ کر ریسیور اٹھالیا۔

"ڈینی فون پر بات نہیں کرے گا" دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ درشت لہجے میں بولا "جو کچھ کہنا ہے، مجھ سے کہو۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں.... تم جہنم میں جاؤ" قدرے توقف کے بعد اس نے غرّا کر ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

"کون تھا؟" میں نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"میں تمہیں ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہوں" وہ ریموٹ کنٹرول والا ہاتھ لہرا کے غصیلے لہجے میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے معدے کے بخارات اب کھوپڑی میں چڑھ رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے وارڈروب میں چلا جاتا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم مجھے اس بودی الماری میں بند کرکے بھاگ نہیں سکو گے۔ میں جتنی دیر وارڈروب میں بند رہوں گا، تم

لسل گنگناتے رہو گے۔ تمہاری آواز تھمتے ہی میں دروازہ توڑ کر ر نکل جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے" وہ خشک لہجے میں بولا "میں معقول بات مان سکتا ہے۔"

وارڈروب میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اندازہ لگالیا کہ آسانی سے اس میں کھڑا ہوسکتا تھا۔ اس کا قفل اور دروازہ بی سا تھا جسے توڑنا مشکل کام نہیں تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی جے نے تالا لگایا اور فوراً ہی ایک ہندی گانا گنگنانا شروع کردیا۔ بھر بعد اس کی آواز باتھ روم کی طرف منتقل ہوگئی۔

وارڈروب کی اونچائی میرے قد سے ذرا نکلتی ہوئی تھی، اس چوڑائی کافی تھی لیکن گہرائی نقل و حرکت کے لیے ناکافی تھی۔ وقت تک میرے بدن پر وہی شکاری لباس تھا جو مجھے گالان راہم کیا گیا تھا۔ میں نے اپنی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر پہلی بار ٹ کو ٹٹولا لیکن میری انگلیاں پشت پر کسے ہوئے تسموں کے سرے اش نہیں کرسکیں۔ وہ بیلٹ میرے بدن کے ساتھ اس بری طرح ڑی ہوئی تھی کہ شانوں، ٹانگوں اور پشت کے تمام تسموں کو یڑے بغیر اس کو جسم سے الگ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وارڈروب کی ب جگہ میں محدود سی مدت میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا سان نہیں تھا مگر میں پھر بھی اپنی پشت کے تسمے کھولنے کی ششوں میں لگا رہا تاکہ کسی اگلے موقعے کے لیے کام کم کیا سکے۔

وجے اپنے وعدے کے مطابق گنگنائے جا رہا تھا۔ شاید اسے ں اندازہ تھا کہ میرا زیادہ دیر تک وارڈروب میں بند رہنا اس کے یے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اس لیے وہ میری توقع کے برعکس دی فارغ ہوگیا اور اس نے ایک کھٹکے کے ساتھ قفل میں چابی ما کر وارڈروب کا دروازہ کھول دیا۔

"تم نے اندر ہاتھ پیر مار کر اندازہ لگالیا ہوگا کہ بیلٹ کو کھولنا سان کام نہیں ہے" مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا "ہر جوڑ کو ایک صوص ریزن سے اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ پوری بیلٹ ایک نگ کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ اسے احتیاط سے کاٹے بغیر ہاری کمر سے الگ نہیں کیا جاسکے گا۔"

"بیلٹ پر وقت برباد کرنے کے بجائے میں تمہارے گانوں سے لف اندوز ہو رہا تھا۔"

میں کمرے میں آکر اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ وجے کرسی پر ا بیٹھا۔ اس وقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف سے بے یدا نظر آنے کی اداکاری کر رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ وجے ی مجھ سے کم پریشان نہیں تھا۔ اس نے میری کمر میں جو بارودی یلٹ باندھی تھی وہ اس کے حلق کی چھچھوندر بن چکی تھی۔

"میرے لیے کس کا فون آیا تھا؟" کچھ دیر کا وقفہ دینے کے بعد یں نے بوجھل آواز میں پوچھا۔

میری آواز میں نیند کے اثرات محسوس کرکے وجے اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا "نیچے سے محراب خان تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ان حالات میں وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔ پھر تم نے مجھے بات کیوں نہیں کرنے دی؟"

"تاکہ تم ایک دوسرے کی ہمت نہ بڑھاسکو۔ ہمیں آپس ہی میں کسی فیصلے تک پہنچنا ہوگا۔ اس میں باہر والوں کی مداخلت غیر ضروری ہے۔ میں زیادہ دیر تک ان صبر آزما حالات کو برداشت نہیں کرسکتا۔"

"میں چند منٹ کے لیے اس سے بات کرنی چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"کیا کوئی مشورہ لینا ہے؟ تم میری بات مان لو کہ وہ تمہیں بے موت مروادے گا۔"

"میں اپنے یا تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ مجھے اپنی بیوی اور ساتھی کی فکر ہے۔ محراب خان آسانی سے ان کا سراغ لگا کر انہیں ضروری مدد اور تحفظ فراہم کرسکتا ہے۔ تم اسے میری آخری خواہش بھی سمجھ سکتے ہو؟"

اپنی انا کو خوراک ملتے ہی وہ پھول گیا "بات کرلو لیکن بہت مختصر۔ تم نے کوئی کہانی شروع کی تو میں لائن کاٹ دوں گا۔"

شاید اس وقت ہمارا کمرا ہوٹل والوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا کیونکہ پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی آپریٹر نے فون اٹھالیا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں حیران رہ گیا کیونکہ ادھر محراب خان خود موجود تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے وجے کی طرف دیکھا اور ریسیور میں کہا "میں ڈینی بول رہا ہوں۔ محراب خان سے کہہ دینا کہ مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے فکر لاحق ہے۔ ان کی تلاش بہت ضروری ہے۔"

"انہیں ڈھونڈ لیا گیا ہے سر!" محراب خان کی آواز ابھری "ہم نے آپ کی رہائی کا بے داغ پلان بھی بنالیا ہے۔"

"میں ہولڈ کر رہا ہوں۔ تم محراب خان کو تلاش کرو" میں نے وجے کو سنانے کے لیے کہا۔

"گڈ.... میں بول رہا ہوں۔ آپ خاموشی سے سنتے رہیں" محراب خان فوراً ہی میرا مدعا سمجھ گیا اور کہنے لگا "ہم ایک پائپ آپ کے کمرے تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شام کو سات بجے اس پائپ سے بے ہوش کرنے والی گیس خارج کی جائے گی بغیر بو والی اس گیس کے تین سلینڈر آنے والے ہیں۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر کمرے میں اتنی گیس بھر جائے گی کہ آپ کے ساتھ ہی دشمن بھی خاموشی سے بے ہوش ہوجائے گا اور ہم ماسٹر کی سے دروازہ کھول کر اندر آجائیں گے۔ ہوسکے تو اس دوران میں آپ سانس وقفے وقفے سے اور ہلکے لیں۔ پھیپھڑوں میں جتنی کم گیس جائے گی اتنا ہی اچھا ہوگا۔"

"وعلیکم السلام" اس کے خاموش ہوتے ہی میں بول پڑا "میرے ساتھیوں کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ تینوں ڈنیز ہوٹل میں ہیں سر! آپ کے بارے میں انہیں بتا دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں آسکتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم ان کی پوری دیکھ بھال کریں گے۔ اوّل خان سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے ان کے بارے میں پوری طرح بریف کردیا ہے۔"

"جیسے ہی ان کا سراغ ملے' مجھے اطلاع دے دینا۔ میں ان کی طرف سے بہت فکرمند ہوں" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ پھر غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی رسٹ واچ پر پڑگئی۔ وہاں دونوں سوئیاں بارہ کے ہندسے پر یک جا ہونے والی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وجے کی گردن کے گرد شکنجہ لگنے میں پورے سات گھنٹے کی مہلت باقی تھی۔

"اب میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر وجے سے کہا "اب مجھے تمہارے ہاتھوں مرنا بھی پڑا تو میں سکون سے مرسکوں گا۔ ایس ٹی ایف والے ان دونوں کی پوری دیکھ بھال کریں گے۔"

"تم تو اس طرح بات کررہے ہو جیسے ایس ٹی ایف کوئی عالمی یتیم خانہ ہو جو یتیموں اور لاوارثوں کی دیکھ بھال کرتا ہو۔ میں اکثر ان کا ذکر سنتا رہتا ہوں لیکن ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔"

"یہ ریکارڈ کا نہیں کیسٹ بلکہ کمپیکٹ ڈسک یا سی ڈی کا دور ہے" میں نے اس کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا "تمہارے یہاں خفیہ اداروں کے بارے میں کون سا ریکارڈ میسر ہے؟"

"ان کا وجود بہرحال تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس تو کاغذوں پر وجود ہی نہیں رکھتی۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں' کس قانون کے تحت کام کررہے ہیں اور کس کو جواب دہ ہیں؟"

میں اس کے حد سے بڑھے ہوئے تجسّس پر زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

وجے نے دو بجے کے قریب انٹر کام پر ہدایت دے کر روم سروس کے ذریعے کھانا طلب کیا۔ میری دانست میں وہ اس کی غلطی تھی۔ جو لوگ کمرے میں خواب آور گیس بھرنے کا منصوبہ بنا سکتے تھے وہ کھانے کے ذریعے بے ہوشی کا زیادہ مؤثر انتظام کرسکتے تھے' وہ میرے فائدے کی بات تھی اس لیے میں چپ رہا اور ہاتھ دھو کر اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔

میرے ساتھ وجے کو بھی پورا یقین تھا کہ کھانا لانے والا مسکین سا باوردی بیرا ہوٹل کے عملے کے بجائے ایس ٹی ایف ۔ [illegible] آدمی تھا۔ وہ سر جھکائے آیا اور میز پر برتن سجا کر [illegible] لیکن وہ ان چند منٹ میں ماحول کا پورا جائزہ لے [illegible]

کھانے میں بے ہوشی کی دوا کی آمیزش کا نکتہ میرے سر میں سمایا ہوا تھا اس لیے شکم سیر ہونے کے بعد مجھے بھاری پن کا احساس ستانے لگا۔ وہ خمارِ گندم بھی ہوسکتا تھا لیکن میرا ذہن بے ہوشی کی دوا میں ہی الجھا رہا۔

"کھانا بہت لذیذ اور مرغن تھا" وجے ڈکار لے کر بولا "اب میں بھی آرام کرلوں" وہ دوسری مسہری پر دراز ہوگیا۔

میں نے اس کی طرف کروٹ لی تو وہ بھی میری طرف نگران تھا۔ ہم دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

ہنسی مذاق اپنی جگہ پر تھا لیکن میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ حالات بہت سنگین بلکہ ہولناک تھے۔ وہ ہلکا پھلکا ماحول کسی بھی لمحے خون آشام رنگ اختیار کرسکتا تھا۔

میں نے بستر پر لیٹے لیٹے ایک سگریٹ ختم کی پھر کھانے کے گہرے خمار سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کردی۔ میں تھوڑی دیر تک اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وجے کی طرف دیکھتا رہتا جیسے نیند بھگانے کی کوشش کررہا ہوں پھر چند ثانیوں کے لیے آنکھیں موند لیتا' جب میں ہڑبڑا کر دوبارہ آنکھیں کھولتا تو وجے گہری دلچسپی کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا ہوتا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس بار وجے نے میری مصنوعی غنودگی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ شاید وہ یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ اس بار مجھ پر واقعی نیند حملہ آور ہورہی تھی۔

میں نے بار بار کی کوششوں سے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ آنکھیں موندتے ہوئے اتنی جھری برقرار رہے کہ وجے مجھے نظر آتا رہے۔ میں مسہری پر ایسی پوزیشن میں لیٹا ہوا تھا کہ کمرے سے نکاسی کا دروازہ اور کمرے کا کچھ حصہ میری نظروں سے اوجھل تھا ورنہ وجے کی مسہری سے باتھ روم اور ملحقہ ڈریسنگ روم سمیت بیشتر کمرا میرے سامنے تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وجے پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی جارہی تھی۔ غالباً وہ میرے سو جانے کی امید میں اپنے فرار کی منصوبہ بندی میں الجھا ہوا تھا۔ اسے میری غفلت کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچنا تھا کہ وہ ہوٹل میں پھیلے ہوئے' ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی بھاری نفری کو کس طرح دھوکا دے سکے گا۔

میری دانست میں وہ اپنے حُلیے اور لباس میں نمایاں تبدیلیوں کے بارے میں متفکر تھا کیونکہ ایس ٹی ایف والوں نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ کیا تھا اور وہ کسی سرسری تبدیلی کے فریب میں آنے والے نہیں تھے۔

آخر میں نے اپنے اوپر نیند طاری کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ کئی لمحے اور پھر کئی منٹ گزر گئے۔ وجے ایک ٹک میری [illegible] دیکھے جارہا تھا۔ جب اسے پختہ [illegible] ہوگیا [illegible] نیند سے غافل ہوچکا [illegible] تو وہ آہستگی سے دوسری طرف کروٹ لے کر بستر [illegible] گیا۔ وہ دہاڑ [illegible]

[illegible] کھڑا ہو کر بھی میری طرف دیکھتا رہا لیکن میں بدستور بے حس و حرکت پڑا رہا۔

اس وقت بھی بارودی بیلٹ کے ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا اس کے داہنے ہاتھ میں موجود تھی۔ اس نے اپنے سرہانے کی میز پر رکھے ہوئے فون پر سے ریسیور اتار کر احتیاط سے اسی میز پر رکھ دیا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ کہیں انٹر کام کی بے وقت گھنٹی میری بیداری کا سبب نہ بن جائے۔

وہ اسی جگہ سے ٹہلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا پھر دروازے کی طرف جا کر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میرے لیے وہ لمحات بہت سنسنی خیز اور صبر آزما تھے۔ میرے جسم کے روئیں روئیں میں پھریریاں آرہی تھیں' وہ عقب سے میرے خلاف کوئی بھی سفاکانہ قدم اٹھا سکتا تھا مگر میں سانس روکے اسی حالت میں پڑا رہا۔ مجھے اطمینان تھا کہ وجے کے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں تھا۔ وہ جسمانی طاقت کے بل پر مجھے زیادہ سے زیادہ زخمی کرسکتا تھا لیکن مجھے مکمل طور پر بے بس یا مفلوج نہیں کرسکتا تھا۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ میری لاعلمی میں دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ بڑی تبدیلیوں کے بغیر وہ پہچان لیا جاتا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دروازے کا ہینڈل گھومنے کا کھٹکا مجھے ہوشیار کردیتا اور میں اچھل کر اس کی راہ میں حائل ہوجاتا۔

کچھ دیر تک میری نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد وہ دوبارہ ایسی جگہ آگیا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔

اس نے اپنی جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگائی تب بھی ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے پے درپے سگریٹ کے کئی گہرے گہرے کش لیے پھر اضطراری انداز میں ادھ جلی سگریٹ قالین ہی پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور سر جھٹک کر ڈریسنگ روم کی طرف چل دیا۔ ڈریسنگ روم اور کمرے کے درمیان حائل پردہ بدستور اسی طرح سمٹا ہوا تھا جس طرح وجے نے اسے میری نگرانی کے لیے سمیٹا تھا۔

اس نے ڈریسنگ روم کے بند حصے میں غائب ہو کر چند لمحے گزارے۔ وہ دوبارہ پردے والے خلا کے سامنے نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں نیا لباس موجود تھا۔ اس نے وہ جوڑا ایک طرف ڈال کر پھرتی کے ساتھ اپنے سارے بٹن وغیرہ کھولے اور چند ہی ثانیوں میں کوٹ' پتلون اور قمیص سے نجات حاصل کرلی۔ اس وقت اس کے مضبوط جسم پر صرف بنیان اور انڈرویئر باقی رہ گیا تھا۔

اس نے نئے جوڑے کی قمیص اٹھائی تو وہ خاصی لمبی تھی۔ غالباً وہ قمیص شلوار میں ملبوس ہونے کا ارادہ کررہا تھا۔

جوں ہی اس نے قمیص کی آستینوں میں دونوں ہاتھ ڈالے' وہ [illegible] تھا جس نے مجھے [illegible] ترک کرکے بستر چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

ڈریسنگ روم میں کوئی چیز وجے کے ہاتھ سے چھوٹ کر باتھ روم کی دیوار سے ٹکرائی اور مدھم سی ٹھک کے ساتھ قالین پر گر گئی۔ آخری لمحات تک وجے کے ہاتھ میں صرف ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا تھی۔ دیوار سے ٹکراؤ کی آواز بھی ہلکی اور قدرے کھوکھلی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ آخر کار وہ ہولناک طلسماتی ڈبیا اس کی تحویل سے نکل ہی گئی تھی۔

وجے نے فوراً اپنی قمیص کی آستینوں سے ہاتھ نکال کر وہ ڈبیا اٹھانے کا ارادہ کیا مگر اسے تاخیر ہوچکی تھی۔ اپنی بالادستی کا موقع نظر آتے ہی میں نے ناقابلِ یقین سرعت سے پستول نکال کر بستر چھوڑ دیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے پستول تان کر گرج دار آواز میں کہا اور وجے نیچے جھکتے جھکتے اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ہی موت کی دہشت سمٹ آئی تھی۔ قمیص اس کے قدموں میں جاگری تھی اور وہ بنیان اور انڈرویئر میں بہت مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ گری ہوئی قمیص نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کو چھپا لیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" اسے منجمد دیکھ کر میں پستول کی نال لہرا کر اعصاب زدہ آواز میں غرّایا۔

"شور مت مچاؤ" وہ ہاتھ اٹھائے بغیر سرد آواز میں بولا "آگے بڑھے تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہیں فنا کردوں گا۔ قمیص کے نیچے میرا پیر ریموٹ کنٹرول پر ہے۔ پستول گرالو ورنہ میں بٹن دبا دوں گا۔"

لمحہ بھر کے لیے میرے سامنے اندھیرا چھا گیا مگر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

میں نے اپنی بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ قریب سے نہیں دیکھا تھا لیکن اپنی معلومات کی بنا پر میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ہر قسم کے الیکٹرونک اور برقی آلات میں اہم نوعیت کے بٹن ایسے حفاظتی کھانچوں میں نصب کیے جاتے ہیں کہ انہیں ارادی طور پر واضح کوشش کے بعد ہی دبایا جاسکے۔ یہ احتیاط صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ ایسے بٹن حادثاتی طور پر دبنے کا کوئی امکان نہ رہے۔

جب تک میری بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول وجے کے ہاتھ میں تھا' وہ اپنی انگلی کے ذریعے اس سے کام لے سکتا تھا لیکن زمین پر گرے ہوئے یونٹ کے بٹن کو پیر سے دبانا یقیناً ناممکن تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب پیر کا انگوٹھا بٹن پر جا پڑتا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بستر چھوڑنے کے بعد ریموٹ کنٹرول کو وجے کے پیروں سے دور پڑے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی گری ہوئی قمیص نے ریموٹ کنٹرول کو میری نظروں سے چھپا لیا تھا۔

میں نے نہایت سرعت کے ساتھ وہ سب سوچتے ہوئے فیصلہ کیا کہ وجے اپنی جان کی بازی ہارنے کے خوف سے جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے خود پتا نہیں تھا کہ قمیص کے نیچے ریموٹ کنٹرول کہاں پڑا

ہوا تھا۔
میں نے پستول کی نال قدرے جھکا کر اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لینا چاہا۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا' دہشت سے آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور وہ ہذیان بکتا ہوا میرے اوپر چڑھ دوڑا۔
میں نے نال سیدھی کرکے پے در پے تین گولیاں اس کے جسم میں اُتار دیں۔
پہلی گولی اس کے داہنے رخسار سے گھُس کر شاید بھیجے میں اتر گئی تھی اور وہی سب سے زیادہ مہلک تھی۔ بقیہ دو گولیاں اس کے گرتے ہوئے وجود کے وسطی حصّے میں پیوست ہوگئی تھیں۔
وہ ایک تیز ہچکی کے ساتھ مُنہ کے بل قالین پر گرا تو اس کی کھوپڑی کا عقبی حصّہ کھُلا ہوا تھا۔ اس میں سے خون کے ساتھ ہی دماغ کا خون میں لتھڑا ہوا گودا بھی جھانک رہا تھا۔
میں نے اس کی لاش پر سے گزر کر اس کی قمیص اُٹھائی تو ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا قالین پر اُلٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس کا بٹن والا رُخ فرش کی جانب تھا۔ میں نے اُسے اُٹھا کر دیکھا تو میرے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ سرخ بٹن کے گرد مضبوط سیاہ کنارے اس طرح اُبھرے ہوئے تھے کہ پشت سے زور ڈال کر بٹن کو دبانا ناممکن تھا۔
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس وقت تک کوئی بھیانک خواب دیکھتا رہا ہوں لیکن اس خواب کی زندہ تعبیر' وجے کی عبرت انگیز لاش کی صورت میں میرے سامنے موجود تھی۔
میں نے فون کا کریڈل دبا کر لائن بحال کی پھر آپریٹر سے سلسلہ ملالیا۔ دوسری طرف محراب خان ہی جما بیٹھا تھا۔
"کیا ہوا سر؟" اس کی متجسس آواز اُبھری "بہت دیر سے لائن انگیج تھی۔"
"کھیل ختم ہوگیا' اوپر آجاؤ" ریسیور کریڈل پر ڈال کر میں بستر پر گر گیا۔
چند ہی ثانیوں میں ہوٹل کی راہداری متعدد وزنی قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔ دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کو اپنے سامنے پاکر ششدر رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں متورّم ہورہی تھیں اور چہرہ سوگوار تھا۔ وہ فرطِ جذبات سے اتنی مغلوب ہورہی تھی کہ بھیڑ کی پروا کیے بغیر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس کا نرم و نازک وجود بیدِ مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ بے اختیار میری آنکھوں کے گوشے بھی نم ہوتے چلے گئے۔
میں اسی طرح اسے کمرے میں لے آیا۔ اس کے پیچھے ویرا اور سلطان شاہ بھی اندر آگئے۔ آخر میں محراب خان نے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ بند کردیا۔ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش مسلح جوانوں کی بھیڑ باہر ہی رہ گئی تھی۔

غزالہ کے وجود میں جذبات کا ایک لاوا تھا جو اُبل پڑا تھا۔ وہ مجھ سے اس بُری طرح لپٹی ہوئی تھی جیسے مجھے زمانے کی دسترس سے بچا کر اپنے وجود میں سمولینا چاہتی ہو۔ ویرا نے ...آمیز سختی کے ساتھ اُسے سمجھا بُجھا کر مجھ سے الگ کیا اور ...لٹادیا۔
میں محراب خان کی طرف چلا گیا۔ وہ سخت حیرت کے عالم میں وجے کی نیم برہنہ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔
جب میں قمیص اُتارنے لگا تو سلطان شاہ بُری طرح بوکھلا... "کک .... کیا کررہے ہو۔ یہ ایک نیم برہنہ لاش ہی کیا کم ہے کہ تم بھی کپڑے اتار رہے ہو۔ کچھ عورتوں کی موجودگی کا تو ... کرو۔"
"ٹھیک ہے۔" محراب خان نے اسے سمجھایا "ڈپٹی صاحب کے لباس کے نیچے خوفناک بارودی بیلٹ بندھی ہوئی ہے۔ جلد از جلد اُتار لینا چاہیے" پھر وہ میری طرف مڑ گیا "... ریموٹ کنٹرول کہاں ہے' سر؟"
میرے اشارے پر اس نے سائڈ ٹیبل پر سے ریموٹ کنٹرول یونٹ اُٹھالیا اور احتیاط سے اس کا جائزہ لینے لگا۔
میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا کہ بارودی بیلٹ ... سے زیادہ مہلک ہونے کے باوجود بہت خوب صورت تھی۔ ... نے اسے نہایت حیرت سے دیکھا۔ پھر سلطان شاہ اس کے تسمے کھولنے میں مصروف ہوگیا۔
"یہ ڈان تھری تمہارے پیچھے کیسے لگ گیا؟" ویرا نے ... ادھوری معلومات کے سہارے مجھ سے پوچھا۔
"مقدر کی گردش کہہ لو۔" میں نے ہنس کر کہا "تمہیں ... کر حیرت ہوگی کہ اس کا نام وجے ہے اور یہ مافیا کا ڈان ہی ... انڈین سیکرٹ سروس کا اہم افسر بھی تھا۔"
"میں محراب خان سے سادن کے اعترافات سن چکی ہوں ... سات برس سے اسی علاقے میں کام کررہا ہے۔ اس کا تعلق "را" والے بلیک کیٹس سے ہے جو مُلّا سرکار کی تنظیم تھی ... نے بتایا۔
میں اُن لوگوں کو اُن واقعات سے آگاہ کرتا رہا جو میرے ... کے بعد پیش آئے تھے۔ اس وقت میں بولی یا سادن کے بارے میں کچھ سوچنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وجے کی موت تک میں ... مضبوط قوّتِ ارادی کے سہارے خود کو سنبھالے رکھا تھا لیکن معرکہ نمٹ جانے کے بعد میں خود کو یک بیک تھکا ہارا محسوس کرنے لگا تھا۔
سلطان شاہ میرے بدن سے بارودی بیلٹ الگ کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ بعد میں غزالہ بھی اس کے ساتھ ... ہوگئی۔ محراب خان نے باہر جا کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دیں ... فوراً ہی ایک اسٹریچر کمرے میں آگیا۔

محراب خان نے بتایا کہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے اس نے ایمبولینس اور فائر انجن کے علاوہ بم ڈسپوزل اسکواڈ کے ماہرین کو بھی ہوٹل میں طلب کیا ہوا تھا۔
"پھر اُن ہی کو بلاؤ۔" میں نے ویرا کے اشارے پر کہا "وہی اس ...ٹ کو ناکارہ بنا سکیں گے۔"
ایس ٹی ایف کا طریقۂ کار ہمیشہ پولیس سے بہت مختلف اور ...ہوا کرتا تھا۔ وہاں ضابطے کی کوئی کارروائی ہوئی' نہ لاش کی ...لی گئیں۔ یہ بات طے تھی کہ وجے ایک خطرناک مجرم تھا۔ ...مارا جاچکا تھا اس لیے وہ لوگ خاموشی کے ساتھ اُس کی لاش ...لے گئے۔ قالین کے خون آلود حصّے پر پلاسٹک کے ٹکڑے ڈال ...ے گئے۔
اسٹریچر کے روانہ ہونے کے بعد بم ڈسپوزل والے آگئے۔ ...امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو ہر قسم کی ڈیوائسز اور ...رودی آلات کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے لیکن عملی زندگی ...ان کا واسطہ چند گنی چُنی اقسام کے روایتی بموں ہی سے پڑتا رہتا ...ہے اس لیے وہ دونوں میری کمر کے گرد بندھی ہوئی بیلٹ کو دیکھ کر ...گھبرا گئے۔
جب میں نے بیلٹ کے بارے میں وجے سے سُنی ہوئی باتیں ...ان کے سامنے دُہرائیں تو وہ ریموٹ کنٹرول کو ناکارہ کرنے پر زور ...دینے لگے اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ مجھے ڈر تھا کہ ریموٹ کنٹرول سے چھیڑ چھاڑ کے دوران میں وہ غلط تاروں میں اُلجھ گئے تو ...سب لوگ باجماعت وجے کے پیچھے روانہ ہوجائیں گے۔
"ٹھیک ہے۔" میرے اعتراض پر محراب خان نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا "فی الحال احتیاط سے بیلٹ الگ کرکے لے جاؤ۔ ریموٹ کنٹرول کو لیبارٹری میں ناکارہ کردینا۔ یہ کام یہاں مناسب نہیں رہے گا۔"
سلطان شاہ اِن معاملات میں بالکل اناڑی تھا اس لیے کسی باریکی میں اُلجھے بغیر بیلٹ کے پیچیدہ اور جڑے ہوئے تسموں کو الگ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن بم ڈسپوزل اسکواڈ والے بہت سے امکانات سے خائف تھے۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں تسموں میں نادیدہ تاروں کا جال موجود نہ ہو جو تسمے کاٹنے کی صورت میں شارٹ ہوجائے اور بیلٹ کو پھاڑ ڈالے۔ میں کسی بے بس مریض کی طرح مسہری پر پڑا رہا۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ محراب خان بھی میرے قریب کھڑا رہا۔ آپریشن جاری رہا۔ دونوں ماہرین کے چہرے پسینوں میں نہائے ہوئے تھے۔ وہ بیلٹ پر چسپاں لیبل کی تحریر سے اندازہ لگا چکے تھے کہ بیلٹ کے پھٹنے کی صورت میں کیسی بھیانک تباہی نازل ہوسکتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے مرّوجہ اصولوں کے مطابق مجھے کسی غیر آباد اور محفوظ مقام پر لے جاکر بیلٹ الگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن محراب خان کے اصرار پر وہ مجبور ہوگئے۔ میں اُس سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں بیلٹ سے نجات حاصل کیے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا۔
تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی عرق ریزی کے بعد وہ دونوں میرے وجود کو اس عذاب سے نجات دلانے میں کامیاب ہوگئے اور میں بستر سے اُچھل کر نیچے آگیا۔ وہ دونوں ماہرین بیلٹ کے ساتھ ہی اس کا ریموٹ کنٹرول بھی لے گئے۔
"اوہ! میں نے دیکھا ہی نہیں۔" ذہن پر سے وہ بوجھ اُتر جانے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیتے ہوئے مسرت سے کہا۔ "تم لوگوں نے شناریوں کے لباس سے چھٹکارا حاصل کرلیا ہے اور اپنی اصلی جون میں آگئے ہو۔"
"یہ تبصرے بعد میں ہوتے رہیں گے۔ پہلے یہاں سے روانگی کی فکر کرو۔" ویرا نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ صبح سے ایس ٹی ایف والے کیسے شدید ذہنی دباؤ سے گزر رہے ہیں۔ اب انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔"
"نہیں میڈم۔ ہم آپ کے خادم ہیں۔" محراب خان نے خوش خلقی سے سر جھکا کر کہا "ہم اپنے فرائض کی انجام دہی میں اس سے بھی بدتر حالات سے گزرتے رہتے ہیں۔"
ہوٹل میں ڈراپ سین ہوچکا تھا۔ وجے کے بارے میں جو کچھ کرنا تھا' ایس ٹی ایف والوں کو کرنا تھا۔ محراب خان کی رہنمائی میں ہم چاروں وہاں سے روانہ ہوگئے۔ راہداری میں مسلح جوان بھرے ہوئے تھے۔ نیچے بھی اُن ہی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ایس ٹی ایف والوں نے عارضی طور پر ہوٹل کے شہری عملے کو معزول کرکے سارا انتظام خود سنبھال لیا ہو۔
ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو وہ رونق مفقود تھی جو میں نے وجے کے ساتھ آتے ہوئے دیکھی تھی۔ ہوٹل کے قرب و جوار میں کرفیو کا سا سماں تھا اور ہر طرف ملیشیا کی وردی میں ملبوس مسلح افراد پھیلے ہوئے تھے۔
ویرا ہوٹل لوٹنے پر مصر تھی۔ محراب خان ہمیں اپنے مہمان خانے بھیجنا چاہتا تھا۔ میں نے دونوں تجاویز کا موازنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ فوری طور پر ہمارا محتاط رہنا ضروری تھا۔ کسی بڑے ہوٹل میں بھی ہمیں خطرات لاحق ہوسکتے تھے۔ اگر شہر میں سادن کے علاوہ "را" کا کوئی اور ایجنٹ تھا تو وہ ہم پر جوابی وار بھی کرسکتا تھا۔
ہم چاروں اسپیشل ٹاسک فورس کی ایک جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ محراب خان دیگر معاملات نمٹانے کے لیے ہوٹل پر ہی رُک گیا تھا۔
اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا گیسٹ ہاؤس چھاؤنی کے ایک صاف ستھرے اور پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ وہاں کے عملے کو شاید ہماری آمد کی پیشگی اطلاع دے دی گئی تھی اس لیے جیپ کے انجن کا مخصوص شور سنتے ہی وہ سب برآمدے میں جمع ہوگئے اور ہمیں گرم جوشی کے ساتھ وہ چاروں کمرے دکھا ڈالے جو ہمارے

لیے تیار کیے گئے تھے۔

اُن لوگوں کا شکریہ ادا کر کے ہم آخری کمرے میں مُڑ گئے۔ اشارہ سمجھ کر خدمت گار واپس لوٹ گئے۔

"لوٹ کے بُدّھو گھر کو آئے!" غزالہ مجھے عجیب سی والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ تمھیں اتنی صفائی سے کیسے اغوا کیا گیا۔ اس راستے پر روزانہ سیکڑوں مسافر سفر کرتے ہیں۔ ان میں سے تمھیں کیسے پہچان لیا گیا؟" ویرا ایک نرم صوفے میں دَھنس کر بولی۔

"منصوبہ بندی اور مسلسل نگرانی" میں نے سگریٹ سُلگا کر کہا۔ "کراچی میں بدرو دادا کے آدمیوں کے ذریعے وجے کو سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ وہ تم پر بھی ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اس نے ایلن کو بھی پکڑوا لیا تھا۔ اگر وہ شریف آدمی پے درپے جھوٹ نہ بولتا تو اب تک تم بھی اغوا ہو چکی ہوتیں۔"

"تمھیں بیلٹ باندھنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ تم ویسے ہی بارود کا چلتا پھرتا ڈھیر ہو" سلطان شاہ نے مُنہ بنا کر ویرا سے کہا "ڈینی اغوا ہو گیا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟ تم بات بات پر مجھ پر یوں برس رہی تھیں، جیسے میں نے ہی ڈینی کو اغوا کرایا ہو۔"

"وہ ہم چاروں کے سامنے اسے بھری بس سے نکال کر لے گئے اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔ کیا تمھیں اس بات پر اب تک شرم نہیں آئی؟" ویرا اُس پر آنکھیں نکال کر بولی "ہم تھوڑی بہت مزاحمت تو کر ہی سکتے تھے۔"

"یہ سوال ڈینی سے کرو جو کسی سعادت مند بچّے کی طرح اس کے ساتھ چلا گیا۔ اِس نے ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کی ہوتی تو دوسرے بھی ضرور ساتھ دیتے" سلطان شاہ لڑاکا لہجے میں بولا۔ "شاید تمھیں معلوم نہیں کہ مُکّوں سے کلاشنکوف کا مقابلہ کرنے والے چھلنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس وقت کی مصلحت آمیز خاموشی میں شرم کی کوئی بات نہیں تھی۔ شرم کا مقام یہ ہے کہ ڈینی نے اپنے دشمن کو شرمناک حالت میں مارا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس کے بدن پر بنیان اور انڈرویئر موجود تھا، وہ بھی نہ ہوتا تو ہم اس کا مُنہ تک نہیں دیکھ سکتے تھے۔"

"پہلے سر جُھکا کر ڈانٹ پھٹکار سن رہا تھا، اب اسے زبان لگ گئی ہے" ویرا غرائی۔

"میں ڈینی کی فاتحہ کے اخراجات کے بارے میں فکر مند تھا۔ ہماری طرف فاتحہ میں شادی سے زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔"

"کیا تم واقعی ایسی منحوس باتیں سوچ رہے تھے؟" غزالہ نے شکایتی لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں واقعی ویرا کی ڈانٹ پھٹکار سن رہا تھا؟" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی پوچھا۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی "بعض اوقات تم صرف مسخرے بن کر رہ جاتے ہو۔"

"یہ بلاوجہ وقت برباد کرتا رہتا ہے۔ تم ایلن کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے کہا۔

"ہاں، غزنی ہوٹل میں ہم اسے ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچ رہے تھے لیکن اس نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے۔ اس نے آتے ہی پوری پچویشن بھانپ لی تھی۔ وہ ایک بات پر اڑ گیا کہ کوسٹر میں میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ میں اُس سے مل کر اُس کا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔ وجے کے آدمی کو اس کے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے۔"

"حیرت ہے" ویرا اپنے شانے اُچکا کے بولی "ہو سکتا ہے کہ اس نے آئندہ کے لیے کوئی داغ بیل ڈالی ہو۔ ڈیوڈ اشار زیا راس المیڈا سے کام مل جانے کی صورت میں وہ ہمارا تعاون حاصل کرنے کی بات کر رہا تھا۔"

"ایسا کوئی وقت آیا تو اُسے مایوسی ہوگی۔ فرض اور احسان کا قرض ایک دوسرے سے مختلف چیزیں ہیں۔"

"ان واقعات سے یہ طے ہو گیا کہ "را" والے تمھیں نہیں بھول سکے" غزالہ نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکا کر کہا "انھوں نے اس بار مُنہ کی کھائی ہے۔ اگلی بار وہ کوئی اور وار کر سکتے ہیں۔"

"وجے نے مجھے سمجھوتے کی پیش کش کی تھی" میں نے ہلکا سا قہقہہ مارتے ہوئے کہا "بھارت کی شہریت اور اخراجات کے لیے بھاری رقم کا وظیفہ۔ میں نے اُس کی تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"وظیفہ!" غزالہ نے حیرت سے دُہرایا "وہ تم سے کیا کام لینا چاہتا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ بھارت کے لیے کام کرنے کا نہیں بلکہ پاکستان کے لیے کام نہ کرنے کا معاوضہ دلوانے کی بات کر رہا تھا۔ اگر کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اتفاقاً ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جاتا تو شاید اس بارے میں مزید بات چیت ہوتی رہتی۔ وہ اس بارے میں بہت سنجیدہ تھا۔"

"اس اُلّو کے پٹھے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سے بات کر رہا ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"اسے اُلجھائے رکھنے کے لیے میں نے خود اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ بارودی بیلٹ کی کیا دہشت تھی۔ اگر مجھے پہلے سے اس بیلٹ کے بارے میں معلوم ہوتا تو میں نہتا ہونے کے باوجود اُن سے لڑ مرتا مگر بیلٹ نہ باندھنے دیتا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ چری تسموں سے مجھے بے دست وپا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ایک بات ابھی تک صاف نہیں ہوئی" ویرا نے چونک کر کہا "تمھارے اغوا کے اس معاملے میں ایس ٹی ایف کہاں سے آٹپکی؟ اس بارے میں مجھے کسی سے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"حیرت ناک بلکہ ناقابلِ یقین واقعہ ہے" میں نے کہا "مجھے کوسٹر سے اتارنے والے کا نام اکبر خان تھا۔ وہ مجرم ضرور ہے مگر اُس کا ضمیر ابھی زندہ ہے۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میرے دشمنوں کا ساتھ دے کر وہ ملک سے غدّاری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس نے فوج کے ایک کیپٹن سے میری بات کرائی اور قصّہ چل نکلا۔"

ایلن کے تعاون کے بعد وہ اُن کے لیے دوسرا ذہنی جھٹکا تھا۔ سلطان شاہ بولا "تو یہ کہو کو اس بار تم حیرت ناک اتفاقات کی وجہ سے بچ نکلے ہو ورنہ وجے نے تمھارے کِریا کرم کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔"

"یہ بات اتنی آسان اور سیدھی نہیں تھی" میں نے انھیں پورا پس منظر سمجھانے کے ارادے سے کہا "وہ مافیا کی طرف سے کراچی آیا تھا۔ مدر مافیا کے ریکارڈ پر میری اچھی ساکھ ہے۔ وہ دیکھ بھال کے بعد مجھے لوکل چیف مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن وجے "را" کی ہدایت پر مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ شاید تمھیں یہ سُن کر حیرت ہو کہ ڈون کوانگ فو کے دو آدمی بھی کراچی پہنچے ہوئے ہیں اور پوری شدّومد سے مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ وجے کو مکاؤ کے ان بدمعاشوں کے بارے میں بھنک مل چکی تھی۔ جب اسے بدرو دادا کے آدمیوں سے میرے اصل واقعات کا علم ہوا تو اس نے پشاور میں ڈیرے ڈال دیے کیونکہ افغانستان سے واپسی کا وہی راستہ ہے۔ اگر ایس ٹی ایف بیچ میں نہ آتی تو وجے مجھے کراچی لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ مجھے سامنے لا کر مکاؤ والوں سے اُن کے بارے میں معلوم کرتا۔ جوں ہی وہ ڈون کوانگ فو کا حوالہ دیتے، وجے مجھے نیشی کاؤ کا قاتل قرار دے کر ہلاک کر دیتا۔ میرا اندازہ ہے کہ دوسری صورت میں وہ مکاؤ کے بدمعاشوں سے میرا سودا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دونوں صورتوں میں وہ مجھ سے نجات حاصل کر لیتا۔ اگر وہ مجھے لے کر کراچی کا رُخ کرتا تو میں وقت ملنے پر کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا۔ اب صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ پشاور کی کہانی پشاور ہی میں نمٹ گئی ہے۔"

"یعنی کراچی میں کچھ لوگ پہلے سے تمھارے استقبال کے لیے تیار بیٹھے ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمھارا باپ پہلے ہی بتا چکا تھا کہ ڈون مجھ سے برہم ہے۔ غنیمت ہے کہ مکاؤ سے آئے ہوئے بدمعاش ڈون کی ساکھ کی وجہ سے سخت رازداری سے کام لے رہے ہیں اور میری تلاش کے سوا کسی موضوع پر زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وجے کا خیال تھا کہ مجھے سامنے پا کر وہ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ چند روز میں ایلن بھی تمھیں تلاش کرتا ہوا کراچی پہنچ جائے۔" غزالہ نے کہا۔

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں۔ اگر وہ راس المیڈا کے لیے کام شروع کر دیتا ہے تو مجھے اس پر بہت کام کرنا پڑے گا۔ آئے دن کے چھوٹے موٹے قضیوں کو ایک بار دفن کرنے کے لیے راس المیڈا پر ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

سلطان شاہ نے کوئی تند و ترش بات کہنے کے لیے بھاڑ سا مُنہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر ایک ملازم آموجود ہوا۔ اُس نے اطلاع دی کہ میز پر شام کی چائے لگا دی گئی تھی۔ اس وقت دُھندلکا پھیل چلا تھا۔ ذہنی تناؤ اور بے یقینی کے عالم میں سارا دن گزارنے کے بعد ہم میں سے ہر ایک شدّت سے لذیذ چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

ڈائننگ روم میں لگی ہوئی میز کے گرد بارہ کرسیاں موجود تھیں مگر ہم چاروں کے لیے ایک سرے پر اہتمام کیا گیا تھا۔

"اب پشاور سے نکلنے کی فکر کرو" ویرا نے چپس کی پلیٹ اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا "یہاں ہم دوسرے دشمنوں کے علاوہ شکاریوں سے بھی بہت قریب ہیں۔ پاکستان میں مجھے بس کراچی ہی میں اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

"حالانکہ پشاور والے بہت مہمان نواز ہیں" سلطان شاہ بولا۔ "اور سب سے زیادہ غیر ملکی اسلام آباد میں رہتے ہیں۔"

"پشاور کے ماحول میں قبائلی رنگ شامل ہونے کی وجہ سے گھٹن اور کچھ پُراسراریت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام آباد کا اپنا کوئی کلچر نہیں ہے۔ سڑکوں اور عمارتوں سے لے کر وہاں کے باشندوں تک سب کچھ باہر سے لایا گیا ہے۔ سڑکوں اور عمارتوں کا حسن ہی

دیکھنا ہو تو آدمی نیویارک، فرینکفرٹ یا پھر ہانگ کانگ جائے۔ لوگوں سے ملنا ہو تو پنڈی یا مرگلہ کے اس پار، ہزارہ جائے۔ اسلام آباد کا کچھ بھی اپنا نہیں ہے لیکن کراچی پھیلنے کے باوجود جانا پہچانا سا شہر لگتا ہے جہاں اجنبی بھی زیادہ دیر تک اجنبی نہیں رہتا۔ اسے کہیں نہ کہیں اپنے ہم ذوق مل ہی جاتے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ یہ باتیں تم کہہ رہی ہو۔ ہزارے کا ذکر کرکے تم نے سلطان شاہ کو خوش کردیا ہے۔ یہی باتیں کسی اور نے کہی ہوتیں تو سلطان شاہ اس سے لڑ پڑا ہوتا۔ یہ پنڈی، پشاور، لاہور، کوئٹہ اور کراچی کا نہیں، صرف پاکستان کا قائل ہے اور ہر بات کو اسی پیمانے پر پرکھتا ہے۔"

وہ بحث وہیں ادھوری رہ گئی کیونکہ کسی گاڑی کے رکنے کی آواز کے ساتھ ہی برآمدے میں قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تھی اور ہم ادھر متوجہ ہوگئے تھے۔

چند ثانیوں بعد محراب خان ہماری طرف آگیا۔ اس کے ساتھ اکبر خان بھی تھا۔

اکبر خان سے تعارف کا مرحلہ خوشگوار حیرت اور گرمجوشی کے ساتھ طے ہوا اور وہ دونوں بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"اکبر خان تم لوگوں سے ملنے کے لیے بہت بے چین تھا۔" محراب خان نے اجنبیت دور کرنے کے لیے بات چھیڑی۔

"اب کسے لے جانے کے لیے آئے ہو؟" ویرا نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کے سوال پر ایک زوردار قہقہہ پڑا اور اکبر خان بھی اپنی جھینپ مٹانے کے لیے ہنسی میں شریک ہوگیا۔

"میں نے ڈیبی کے ساتھ جو زیادتی کی، اس کا ازالہ تو نہیں ہوسکتا لیکن میں نے اپنی نیک نیتی ثابت کردی ہے۔ میری اس حرکت کی وجہ سے تم لوگوں کو جو تکلیف پہنچی ہے، میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔" خاموشی ہونے پر اکبر خان بولا۔ "اور اب میں نے جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" سلطان شاہ نے اسکی ہمت افزائی کی۔ "اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"محراب سر سے بات کی ہے۔ ٹاسک فورس میں حاضری مل جائے تو اب یہی کام کروں گا۔"

"یعنی ہر حالت میں ہتھیار ضرور استعمال کرتے رہو گے؟" ویرا نے پھر ٹکڑا لگایا۔

وہ لوگ ہنسنے بولنے اور چائے نوشی میں مصروف تھے کہ محراب خان نے خاموشی سے ایک بند لفافہ میری طرف بڑھادیا۔ لفافے پر انگریزی میں "ڈیبی دی گریٹ" لکھا ہوا تھا۔

میں نے بے تابی سے لفافہ چاک کرکے اندر رکھا ہوا کاغذ نکال لیا۔

رنگین سادے کاغذ پر چھوٹے لیکن واضح انگریزی حروف میں ایک خوبصورت تحریر میرے سامنے تھی۔

"ڈیئر ڈیبی یا تنویر!

"مجھے معلوم ہے کہ بیال پر بیٹھ کر سستا قہوہ پینے والا لڑکا تمہیں زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس کے دانت جھاڑنے کے بعد میری طرف آؤ گے مگر یہاں کے حالات مخدوش ہیں۔ میں تمہارے لیے یہ پیغام چھوڑ کر نکل رہا ہوں۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اپنی صوابدید کے مطابق جو کچھ کیا، اس لیے کیا کہ تم مجھے اچھے لگے۔ تمہارا حریف بہت مکروہ شخصیت کا مالک تھا۔ پچھلی تلخیوں پر معافی چاہتا ہوں۔ اپنے ساتھیوں، خصوصاً ویرا کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں کراچی میں جلد ہی تم سے رابطہ کروں گا...... تمہارا مخلص...... ایلن۔"

میں نے وہ خط غزالہ کی طرف بڑھادیا۔ وہ بہت غور سے میری طرف متوجہ تھی۔

"یہ خط کہاں سے ملا؟" میں نے مسکراتے ہوئے محراب خان سے سوال کیا۔

"ہم ابھی تک بوبی کی زبان کھلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہ ضدی اور بہت سخت جان ہے لیکن ساون راہِ راست پر آچکا ہے۔ اسی کی نشاندہی پر ہم ایلن کے ہوٹل پہنچے لیکن وہ یہ لفافہ چھوڑ کر ہوٹل سے جاچکا تھا۔"

"دلچسپ خط ہے۔ تم بھی پڑھ لینا۔ یہ بتاؤ کہ ساون نے اور کس کس کی نشاندہی کی ہے؟"

"زریاب کالونی میں اس کا ایک ساتھی رہتا تھا۔ وہ چند روز قبل سرحد عبور کرکے افغانستان جاچکا ہے۔ اس کا مکان بند پڑا ہوا تھا۔ دوسرا کراچی کا رابطہ ہے۔ اسے صرف فون نمبر معلوم تھا اور فون نمبر انڈین کونسلیٹ کے چیف اسٹینوگرافر کے گھر کا ہے۔"

"پچھلے کئی برسوں سے ساون یہاں کیا کر رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ہڈ حرام اور کام چور ہے۔ وہ اپنا بیشتر وقت سستی، غیر ملکی شراب پی کر، خوبرو کوچی عورتوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ افغان پناہ گزینوں کے ساتھ یہ لعنت بھی پشاور میں آئی ہے۔ وہ عیاشیوں میں وقت گزار کر اپنی کارکردگی کی جھوٹی سچی رپورٹیں بھیجتا رہتا ہے۔ یہاں جن مقامیوں سے وہ کچھ معلومات حاصل کرتا رہا ہے، ان کی نگرانی شروع کردی گئی ہے لیکن کسی بڑے انکشاف کی امید نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ بوبی کو کراچی بھجوادو۔ ہم لوگ وہاں اس سے نمٹ لیں گے۔"

"آپ یہاں اس کی ہڈیاں توڑ دیں سر! ہم آپ سے پورا تعاون کریں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے توصیفی انداز میں اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم جلد از جلد کراچی لوٹنا چاہتے ہیں۔ میں چاہوں گا کہ ہمیں کل صبح کی پرواز پر جگہ مل جائے۔"

محراب خان یہ سن کر مضطرب ہوگیا۔ وہ خالص پختون انداز میں کافی دنوں تک ہمیں اپنا مہمان رکھ کر ہماری دیکھ بھال کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا لیکن میرے ساتھ اپنی مجبوریاں۔ کافی لمبی بحث اور اس وعدے کے بعد کہ میں جلد ہی پشاور کا چکر لگاؤں گا، وہ اگلے دن کے ٹکٹوں کا بندوبست کرنے پر راضی ہوگیا۔

ہم چائے سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اسی کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

محراب خان نے خود ہی اٹھ کر وہ کال وصول کی۔ اس کی باتوں سے چند ہی لمحوں میں اندازہ ہوگیا کہ دوسری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا اور ہماری خیر خیریت جاننے کے علاوہ ہم سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

محراب خان نہایت بے تکلفانہ انداز میں اوّل خان سے باتیں کرتا رہا۔

اوّل خان سے ایک مدت سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کراچی میں جب شیدا خونی نے میری تلاش میں جہانگیر کے گھر کا رخ کیا تو میں نے اوّل خان سے کوئی مدد لیے بغیر سارے معاملات خود ہی نمٹانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں اپنے اس فیصلے کے اسباب سے لاعلم تھا لیکن اس سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے تھے۔

جہانگیر کے گھر پر میں نے شیدا خونی کی زبان کاٹ کر اسے بے رحمی سے جوتے لگائے تھے اور پھر اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اس وقت تک میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ ڈون کوانگ فو کے آدمی شہر میں میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ ان دنوں سردار پائندہ گل اپنی رقم کے فراق میں پاگل ہوکر میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور رقم کا تضیہ نمٹ جانے کے بعد جنت گل کی کہانی کے حوالے سے میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔

پھر پائندہ گل کے خونخوار آدمیوں نے ہمیں فلیٹ سے اغوا کرکے بدرو دادا کے گودام اور وہاں سے شنگاراویلی پہنچادیا۔ اس پوری مدت میں مجھے بارہا اوّل خان یاد آیا لیکن اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہوسکا۔

میں ماضی کے انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ محراب خان نے مجھے بلایا اور میں نے اس سے ریسیور لے لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو اور میں اپنے کانوں سے تمہاری آواز سن رہا ہوں۔" اوّل خان نے میری آواز سنتے ہی ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "پتا نہیں تمہارے سینے میں کیسی کیسی کہانیاں مچل رہی ہوں گی۔ میں سب کچھ جاننے کے لیے بے چین ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کراچی کب آرہے ہو؟"

اوّل خان سے میری بے رخی یک طرفہ تھی۔ ویرا نے اسے میری انا کی پیداوار قرار دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اوّل خان کو ہماری کامیابیوں میں اتنا عمل دخل حاصل ہوگیا تھا کہ میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا تھا اور اسی سبکی کے خاتمے کے لیے میں نے اوّل خان سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اوّل خان کو میرے رویے میں تبدیلی کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں نے اس کی والہانہ آواز سنی تو بے اختیار میرا دل بھاری ہونے لگا۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو پاکر دقت سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ کل ہم کراچی میں ہوں گے۔ پھر دل کھول کر باتیں ہوں گی۔"

"محراب خان سے کہہ دینا کہ فون پر تمہاری فلائٹ کے بارے میں بتادے۔ خود تمہیں لینے آؤں گا۔ سنا ہے کہ اس بار تم چاروں شنگاراویلی کی سیر کرکے آرہے ہو۔" اس کے ایک ایک لفظ سے دلی مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"اوہ میرے خدا! تم اسے سیر کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہماری زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا۔ بھڑکتی ہوئی مشعلوں کی ناہموار روشنی میں ہر وقت وحشی چہرے یا خونی آنکھیں ہمیں گھورتی رہتی تھیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہوسکتا کہ دو عورتوں کے ساتھ ہم نے وہاں کیسا کٹھن وقت گزارا ہے۔"

"قصہ کیا تھا۔ پائندہ گل کو اس کی ہیروئن لوٹادی گئی تھی تو پھر اسے تم سے کیا پرخاش تھی؟"

"یہ اس جنت کا قصہ تھا جس نے پائندہ گل کی زندگی کو جہنم بنادیا تھا۔ اب ان باتوں کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہوگا کیونکہ ایک بغاوت کے نتیجے میں پائندہ گل کو ہلاک کردیا گیا اور اب شنگاراویلی میں ایک بادرانی کی حکومت ہے۔"

"بادرانی؟ یہ کیا بلا ہے؟" میری زبان سے ایک نامانوس لفظ سن کر وہ حیران رہ گیا۔

"شنگاراویلی کا ایک معروف قبیلہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہاں سے واپس آنے کے بعد میں اس طرح باتیں کر رہا ہوں، جیسے تم نے بھی وہ سب دیکھا ہوا ہے۔ جلال آباد سے کچھ ہی فاصلے پر وہ لوگ پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ باہر کی دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن باہر کی کسی چیز کو اپنانا پسند نہیں کرتے۔ یقین نہیں آتا کہ ایٹم اور کمپیوٹر کے اس دور میں بھی ایسا معاشرہ پنپ سکتا ہے۔"

"اور وہاں سے واپسی پر بلیک کیٹ کے بجائے بلیک فاکس تمہاری گھات لگائے بیٹھا تھا۔" وہ کسی طرح گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں حادثات تمہارے منتظر رہتے ہیں۔"

"تیار رہنا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "مجھے وجے سے معلوم ہوا ہے کہ کراچی میں مکاؤ کے دو بدمعاش میری تلاش میں مارے

مارے پھر رہے ہیں۔ سب سے پہلے ان ہی سے نمٹنا پڑے گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں' میں اسی وقت مخبر پھیلا دیتا ہوں۔ وہ خبیث زیادہ دیر تک میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔ یہ بتاؤ کہ باقی تینوں کس حال میں ہیں۔"

"اس وقت سب موج میں ہیں۔ باقی کل خود دیکھ لینا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے' پھر ائرپورٹ پر ہی ملاقات ہوگی۔" آخر کار وہ اختتامی فقرے پر آ ہی گیا۔

میں نے الوداعی فقرے کے ساتھ فون بند کر دیا اور واپس اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔

میز پر سلطان شاہ' اکبر خان سے باتوں میں مصروف تھا۔ ویرا' محراب خان سے کچھ راز و نیاز کر رہی تھی اور غزالہ تلی ہوئی مونگ پھلی کے دانوں سے شغل کرتے ہوئے ویرا کو گھور رہی تھی۔

اصولی طور پر اگلے دن ہماری روانگی کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ سب لوگ تھکے ہوئے بھی تھے اس لیے یہ محفل جلد ہی ختم ہو گئی۔ آخر میں ہم چاروں نے فرداً فرداً اکبر خان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمروں کی طرف لوٹ آئے۔

"میں اتنے بڑے جناتی بیڈ روم میں اکیلی تو نہیں سو سکوں گی۔" ویرا نے پہلے کمرے کے سامنے رکنے پر کہا۔

"میں خانساماں کو بھیج دوں گا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تمہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچھا خاصا وجیہہ آدمی ہے۔ ایک آنکھ خراب نہ ہوتی تو کسی فلم میں بھی لیا جا سکتا تھا۔"

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" ویرا تنک کر غرائی۔ "میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"آہستہ توڑنا۔ میرے دو دانت پہلے ہی سے ہل رہے ہیں۔"

سلطان شاہ کی زبان پھر چل پڑی تھی۔

"تم چپکے چپکے محراب خان سے کیا باتیں کر رہی تھیں؟" غزالہ نے شاید ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان جنگ بند کرانے کے خیال سے پوچھا مگر ویرا اس سوال پر بھی بھڑک اٹھی۔

"میں تمہاری پابند نہیں ہوں۔ جو جی میں آیا کہہ رہی تھی۔ تم پوچھنے والی کون ہوتی ہو؟"

غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم بلاوجہ مجھ سے الجھ رہی ہو۔ سلطان شاہ جب چاہتا ہے' نہایت آسانی کے ساتھ تمہیں پٹڑی سے اتار دیتا ہے۔ اس وقت بھی تمہاری حالت کچھ ایسی ہی ہو رہی ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے' ہم چاروں اسی کمرے میں پہنچ گئے جہاں سے چائے پینے کے لیے گئے تھے۔

اس وسیع و عریض خوابگاہ میں بہت بڑے ڈبل بیڈ کے علاوہ دو صوفے اور ایک دیوان کی موجودگی میں ہم چاروں مزید بستر کے بغیر رات گزار سکتے تھے اس لیے میں نے مسہری ویرا اور غزالہ کے لیے مخصوص کر دی۔

"اور تم؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"صوفے بہت آرام دہ اور لمبے ہیں۔ ہم دونوں ان پر جائیں گے۔"

"آج کوئی نہیں سوئے گا۔" ویرا نے اپنے جوتے اتارتے ہوئے نادر شاہی حکم صادر کر دیا۔ "یہ پشاور میں ہم چاروں کی پہلی اور آخری رات ہے۔ یہ جاگ کر گزاری جائے گی۔ یہاں کا[illegible] جمیں گے۔"

سلطان شاہ نے شہادت کی انگلی اپنے کان کے قریب لے جا کر گھمائی اور فریادی نظروں سے چھت کو تکنے لگا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ میرے سر پر چوٹ آئی ہوئی ہے۔ میں کچھ دیر تک غزالہ سے اپنا سر دبوا کر سونا چاہتا ہوں۔ تم شب بیداری کا شوق کراچی پہنچ کر پورا کر لینا۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر کے بولی۔ "ابھی محراب خان میرے لیے ایک تحفہ لائے گا اور تم اپنے سر کی تکلیف کو بھول جاؤ گے۔ اب کوئی بھی مجھ سے زیادہ بحث نہیں کرے گا۔"

ویرا کے اس اعلان پر غزالہ اور سلطان شاہ کی معنی خیز آوازیں گونج اٹھیں۔

"کیا تم نے محراب خان سے شراب کی فرمائش کی ہے؟" میں نے ویرا کو گھورا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ "اس نے برا نہیں مانا تو تم کو کیا اعتراض ہے؟"

"وہ ہمارے بارے میں کیا سوچے گا؟" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہی کہ میں شرابی ہوں۔ وہ سوچا کرے۔ مجھے اس سے کون سی رشتے داری کرنی ہے؟"

"شاید تم اس سے سرگوشیوں میں اسی بارے میں بات کر رہی تھیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"جی ہاں!" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "زور سے بولتی تو شراب کا نام سن کر تمہاری گھگی بندھ جاتی۔"

"خدا خیر کرے۔ ذکر کے بعد یہ عالم ہے تو پینے کے بعد تم کیا رنگ دکھاؤ گی؟" سلطان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم سب خود غرض ہو۔" ویرا غرائی۔ "ہر وقت اپنے کھانے پینے میں مگن رہتے ہو۔ ہمیں گالان سے نکلے آج تیسرا دن ہو رہا ہے لیکن کسی نے بھول کر بھی میری ضروریات کے بارے میں نہیں سوچا۔ اب میں نے اپنا بندوبست کر لیا تو سب کو برا لگ رہا ہے۔"

سب خاموش رہے۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لیے اس

بارے میں مزید بحث بے سود تھی۔

چند منٹ بعد ہی گیسٹ ہاؤس کا ایک ملازم اخبار میں لپٹی ہوئی بوتل لے آیا اور ویرا کے حوالے کرکے بولا۔ "یہ بڑے صاحب نے بھیجی ہے۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی آسکتی ہے۔"

ویرا نے اسی کے سامنے بوتل اخبار سے نکال لی۔ وہ بلیک لیبل کی میگنم سائز بوتل تھی۔

ویرا کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں سے دس ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہچکچایا تو ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ رکھو اور ایک گلاس کے ساتھ برف لے آؤ۔"

"بہت بہتر جی!" اس نے مسمسی آواز میں کہا اور ویرا کے ہاتھ سے نوٹ لے کر فریج کی طرف بڑھ گیا۔

بیرا ایک گلاس اور آئس پاٹ کی ٹرے رکھ چکا تو ویرا نے کارڈز کی فرمائش کی اور بوتل کی سیل توڑ کر اپنے لیے گلاس تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"کیا اکیلے ہی پوری بوتل ختم کرو گی؟" اسے منہمک پاکر میں نے دھیرے سے کہا۔

"رال ٹپک رہی ہو تو اپنا گلاس بھی لے آؤ۔ پینے کے معاملے میں، میں کھلے دسترخوان کی قائل ہوں۔"

اس بار غزالہ مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورنے لگی۔ وہ اپنی عادت سے مجبور تھی اور میں اپنی عادت کے سامنے بے بس تھا۔ شراب مہینوں نہ ملے تو مجھے اس کی پروا نہیں ہوتی تھی لیکن ایک بار بوتل سامنے آجانے کے بعد اپنی بے مہار طلب پر قابو پانا دشوار ہو جاتا تھا۔

میں اپنے لیے گلاس لاکر ویرا کے شغل میں شریک ہوگیا۔ کارڈز آئے تو ہم چاروں نے قالین پر بیٹھک جمالی۔ غزالہ میرے سامنے بیٹھنے لگی تھی کہ ویرا نے فوراً ہی اسے اپنی داہنی طرف سرکا دیا۔ "یہ پینے والوں اور نہ پینے والوں کا میچ ہے اس لیے تم صوفی سلطان شاہ کے سامنے بیٹھو۔ میں اس کی خبر لوں گی۔"

"صرف ایک پرہیز سے آدمی صوفی نہیں ہو جاتا۔ بے تکی باتیں مت کیا کرو۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا۔

"ایک نہیں، تم تو کئی پرہیز کرتے ہو۔" ویرا پتے پھینٹتے ہوئے بولی۔ "ورنہ آج چار بچوں کے باپ ہوتے۔"

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بس ویرا کو گھور کر رہ گیا۔



اگلا دن ائرپورٹ پر ہی برباد ہوگیا۔ کراچی کے لیے دوپہر میں روانہ ہونے والی پرواز کے لیے ہم چاروں محراب خان کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تو موسم خراب تھا۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور پورا شہر تیز و تند ہواؤں کی زد میں آیا ہوا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے عام مقامات پر اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے، اس لیے جب محراب خان ہمیں باہر ہی سے الوداع کہہ کر رخصت ہوا تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس وقت تک بورڈ پر یہی اطلاع نمایاں تھی کہ کراچی جانے والی پرواز وقت پر روانہ ہونے والی ہے۔

ہم چیک ان کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈز لینے اور سیکورٹی کے مراحل سے گزرنے کے بعد روانگی کے لاؤنج میں پہنچے تو موسم کی خرابی کی وجہ سے پرواز کی روانگی میں ایک گھنٹے کی تاخیر کا اعلان نشر کیا جارہا تھا۔

"یہاں تو ابتدا ہی غلط ہوگئی۔" ویرا تمباکو نوشی والے حصے کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"یہ تمہارے رات کے اعمال کا ثمر ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "دن میں رات کا سماں ہو رہا ہے۔ موسم کا یہی حال رہا تو شاید ہمیں رات تک یہیں انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" ویرا غرّائی۔ "میرے ساتھ تمہیں بھی یہیں سڑنا پڑے گا۔"

"تم سڑوگی۔ میں ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہوں کیونکہ سڑی ہوئی چیزوں کے استعمال سے بچتا ہوں۔"

باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ پھر زبردست گھن گرج کے ساتھ تیز برسات شروع ہوگئی اور مسافروں میں ہلکی سی تشویش پھیلنے لگی۔ لوگوں نے اپنی جگہوں سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا تھا۔

پہلا گھنٹہ گزرنے سے ذرا پہلے مزید تاخیر کی نوید دی گئی۔ معمر نمازی اس طرف چل دیے، جدھر نماز کا بندوبست تھا۔ بچے شیشے کی دیوار سے لگ کر ٹارمک پر پانی کی طوفانی یلغار سے محظوظ ہو رہے تھے۔ متعدد مسافر پبلک ٹیلی فون کے گرد جمع ہوگئے۔ لاؤنج کے کیفے ٹیریا کے کاؤنٹر سمیت دیگر عملے کی مصروفیات میں بھی یک بیک اضافہ ہوگیا۔ شاید لاؤنج میں اس وقت تک کئی پروازوں کے مسافر جمع ہو چکے تھے۔

تیسرے التوا کے اعلان کے بعد ائرپورٹ سیکورٹی فورس کے ایک اہل کار نے مجھے محراب خان کا پیغام دیا۔ وہ ہمیں واپس لے جانے کے لیے اس کے دفتر میں موجود تھا۔ میں اس اہل کار کے ساتھ لاؤنج کے اندرونی راستے سے ڈیوٹی روم میں پہنچا تو محراب خان بے چینی سے میرا منتظر تھا۔

ہمارے لیے پشاور میں کوئی مصروفیت نہیں تھی اس لیے ایک بار ائرپورٹ آنے کے بعد واپسی بے سود تھی۔ محراب خان معذرت خواہانہ انداز میں بار بار واپسی کے لیے اصرار کرتا رہا۔ لیکن میں نے اسے سمجھا بجھا کر رخصت کردیا اور خود دوبارہ لاؤنج میں لوٹ آیا۔

"تم میری بات لکھ لو کہ ہم رات سے پہلے یہاں سے نہیں نکلیں گے۔" واپسی پر ویرا نے سرد لہجے میں اطلاع دی۔ اس نے وہ فقرہ انگریزی میں ادا کیا تھا اس لیے اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے پڑھے لکھے مسافر چونک کر اسے گھورنے لگے۔ اس نے اردو کا سہارا لیا ہوتا تو شاید سارے ہی مسافر اس کی جان کو آجاتے۔

"کیا تمہیں کچھ القا ہوا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس کالی زبان نے جو کچھ کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔" وہ سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"آپس میں نہ لڑو۔" ویرا کے قریب بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر مسافر نے آپس کی اس چپقلش پر مربیانہ انداز میں دخل انداز ہوتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "موسم پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بادل اتنے گہرے ہیں کہ باہر رات ہو رہی ہے اور رن وے کی ساری روشنیاں جل اٹھی ہیں۔ ان لوگوں کو روانگی کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

"ہم لڑ نہیں رہے۔ وقت گزاری کے لیے باتیں کر رہے ہیں، تمہیں غلط فہمی ہوئی۔" ویرا نے اپنی جھونک میں اسے دندان شکن جواب دے ڈالا اور وہ بے چارہ بوکھلا کر اپنی بغلیں جھانکنے لگا۔

ہم لوگ آپس میں نوک جھونک کرتے، کافی پیتے اور سگریٹیں پھونکتے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ میرے سامنے بیٹھے ہوئے چند مسافر اس بات پر بہت برہم تھے کہ سب کچھ واضح ہونے کے باوجود ائرلائن والے ایک ایک گھنٹہ کرکے پرواز کا وقت بڑھا رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سفری ضوابط کے مطابق وہ کھلی مکاری تھی۔ اگر پرواز کی روانگی میں بیک وقت دو گھنٹے کی تاخیر کا اعلان کیا جاتا تو ائرلائن سارے متاثرہ مسافروں کو ہوٹل میں رہائش دینے کی پابند ہو جاتی۔ اس بھاری خرچ سے بچنے کے لیے ہر بار صرف ایک گھنٹے کی تاخیر کا اعلان کیا جارہا تھا۔ دوسرے مسافر ایاٹا کی مقرر کردہ تاخیری مدت کو دو کے بجائے تین اور چار گھنٹے قرار دے رہے تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اول تو بیشتر لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور نہیں تھا۔ جنہیں تھوڑی بہت شدبد تھی، وہ مزید معلومات کے حصول سے گھبراتے تھے۔ متعلقہ معلومات ادھوری ہونے کی وجہ سے ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ مجاز حکّام سے اپنے حق کے بارے میں ضابطے کی کوئی بات کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ عوام سے تعلق رکھنے والے ہر شعبے میں لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جارہا تھا۔ حقوق اور فرائض کے تعین کی ساری ذمے داری مجاز حکّام نے سنبھالی ہوئی تھی۔

خدا خدا کرکے سات بجے برسات کا زور تھما۔ طوفانی ہوائیں اپنا رنگ جمانے کے بعد نامعلوم سمتوں میں نکل گئی تھیں البتہ ہلکی برسات کا سلسلہ جاری تھا کہ کراچی جانے والی پرواز کی روانگی کا اعلان ہوا اور طویل انتظار سے اکتائے ہوئے مسافروں نے بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ کر بورڈنگ گیٹ کے سامنے جمع ہونا شروع کردیا۔

ہم چاروں اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمیں لیے بغیر طیارہ پرواز نہیں کرے گا اور ہمیں بہرحال میں وہی قریبی نشستیں دی جائیں گی جو محراب خان نے بطورِ خاص مخصوص کرائی تھیں۔

مسافر شیشے کی دیواروں کے درمیان بنے ہوئے دروازے سے باہر نکل کر بسوں میں سوار ہوتے رہے۔ دو بسوں کی روانگی کے بعد جب برائے نام مسافر باقی رہ گئے تو ہم چاروں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دروازے پر کھڑی ہوئی خوش شکل خاتون نے نہایت عجلت اور ترشروئی سے ہمارے ہاتھ سے بورڈنگ کارڈز جھپٹ کر پھاڑے اور بقیہ حصے ہمارے حوالے کردیے اور ہم چند بوندوں میں سے گزر کر بس میں سوار ہوگئے۔

طیارہ لاؤنج سے خاصے فاصلے پر تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کے ساتھ برساتی سائبان والی سیڑھی لگی ہوئی تھی اور مسافر رن وے پر قطار لگانے کے بجائے، بس سے نکل کر براہِ راست سیڑھی پر جارہے تھے اور وہیں سیکورٹی والے اپنے آخری دیکھ بھال کر رہے تھے۔

ہم چاروں نہایت مہذب اور شائستہ انداز میں طیارے میں داخل ہوئے تو ایک خاتون نے نشیلی مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا اور دونوں راہداریوں کی طرف ہاتھ اٹھا دیے۔

"ہماری نشستیں کدھر ہوں گی؟" میں نے اپنا بورڈنگ کارڈ اس خاتون کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی بیٹھ جائیں۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

"کہیں بھی؟" میں نے احتجاج کیا۔ "ہم نے سفر کو خوشگوار بنانے کے لیے ایک ساتھ نشستیں لی تھیں....."

اس ظالم خاتون نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور خشک لہجے میں بولی۔ "راستہ نہ روکیں۔ دوسروں کو جانے دیں۔ جہاز بدل گیا ہے۔ بورڈنگ کارڈ پر پڑے ہوئے نمبر بیکار ہو چکے ہیں۔ آپ کو جہاں سیٹ خالی ملے بیٹھ جائیں ورنہ آپ کو سب سے پیچھے بیٹھنا پڑے گا۔"

"یہ تو بس سے بھی گیا گزرا سفر ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑاتے ہوئے ایک راہداری میں گھس گیا۔

میں نے اس خاتون کے تیوروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سے بحث بے سود تھی۔ بات بڑھ جانے کی صورت میں وہ کپتان سے امن وامان کے نام پر شکایت کرکے ہم چاروں کو آف لوڈ بھی کروا سکتی تھی۔

میں محراب خان کے محبت بھرے اصرار پر بھی ائرپورٹ سے واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس

کے گیسٹ ہاؤس پر دستک دینے کا امکان نظر آتے ہی خوف زدہ ہو کر ویرا اور غزالہ کے پیچھے چل دیا۔ راہداری میں داخل ہونے پر ہر طرف سر ہی سر نظر آئے۔ اگلی نشستیں بھر چکی تھیں۔

دوسرا افسوسناک منظر یہ دیکھا کہ جہاز کی تنگ راہداری میں دو عورتوں کو دیکھ کر جہاں بہت سے شریف مسافر اپنی نشستوں میں بالکل ہی سکڑ کر رہ گئے تھے، وہاں بعض بدباطن مردوں نے نشستوں پر پھیل کر فی الفور اپنی کہنیاں اس طرح نکال دی تھیں کہ ان سے ٹکرائے بغیر آگے بڑھ جانا امر محال تھا۔ یہ مشکل ان مقامات پر زیادہ واضح تھی جہاں کونے والی دونوں نشستوں پر خبیث فطرت مسافر، حسبِ توفیق اپنی کہنیاں پسارے بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم چاروں کو ایک دوسرے سے کافی دور اور الگ الگ نشستیں ملیں۔ اپنی جگہ پر قابض ہونے کے بعد میں نے کھڑے کھڑے جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ویرا اور غزالہ میری راہداری میں موجود تھیں۔ جب کہ سلطان کو دوسری راہداری میں جگہ ملی تھی اور سب ہی گردنیں اچکا اچکا کر ایک دوسرے کو دیکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

ویرا بہت عیار اور باتونی عورت تھی۔ اسے دہری نشست پر جگہ ملی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو نجانے کیا پٹی پڑھائی کہ چند لمحوں بعد وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ویرا کے اٹھتے ہی چند کہنیاں نشستوں سے باہر رینگ آئیں لیکن ویرا نے وہیں سے غزالہ کو پکارا اور خود کھڑکی کے ساتھ والی نشست کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ والا مرد غزالہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس طرح دونوں عورتیں مامون و یک جا ہو گئیں۔

میں نے ویرا کی تقلید کرنے کے ارادے سے اپنا حوصلہ مجتمع کیا اور اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے شریف آدمی سے کہا۔ "اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میرے ساتھی سے جگہ بدل لیں۔ وہ جہاز سے پہلے دفعہ سفر کر رہا ہے۔ اکیلا بیٹھا رہا تو سفر سے لطف اندوز ہونے کے بجائے سہما رہے گا۔"

"کیوں؟ میں کیوں جگہ بدل لوں؟" اس شخص نے سلیس اردو لیکن جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔ "یہ جہاز ہے۔ کوچ یا بس نہیں ہے جو میں اپنی جگہ بدلتا پھروں۔"

میرا جھوٹ رائگاں گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی حفاظتی بیلٹ باندھ لی۔ بیلٹ باندھتے ہوئے میرے ذہن میں وجے کی باندھی ہوئی بارودی بیلٹ کا خیال آیا اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

آسمان پر کالی گھٹائیں ذرا نکھر چکی تھیں۔ ان کی جگہ سرمئی بادلوں کے پرے جہاز کی کھڑکیوں میں جھانکتے نظر آ رہے تھے۔ ایئرپورٹ کی ساری زرد، سرخ، سبز روشنیاں جل رہی تھیں۔ جہاز کے انجن چلائے جا چکے تھے۔ جہاز کا دروازہ بند کرنے اور آخری دیکھ بھال کی ہدایات کا اعلان ہوا اور جہاز نے رن وے پر رینگنا شروع کر دیا۔

جہاز کے مقررہ مقام پر پہنچنے تک حفاظتی تدابیر کا عملی مظاہرہ مکمل ہو چکا تھا۔ پائلٹ نے ٹیکنگ سسٹم پر عملے کو اپنی جگہیں سنبھالنے کی ہدایت کی اور پھر طیارہ کسی دیو پیکر عفریت کی طرح ہلکی سی جھرجھری لے کر پوری قوت سے رن وے پر دوڑ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے زمین چھوڑ دی۔ شہر بس کچھ ہی دیر کے لیے نظر آیا پھر طیارہ بادلوں سے اوپر نکلتا چلا گیا۔ گہرے سیاہ اور سرمئی بادل ہمارے اور زمین کے درمیان آ گئے تھے۔

تمباکو نوشی کی ممانعت کے روشن نشانات بجھنے کے بعد ان نشستوں کا اعلان کیا گیا جہاں تمباکو نوشی کی اجازت تھی۔ میں نے اپنا سیٹ نمبر دیکھا اور مایوسی سے سر جھکا لیا۔ میری نشست جہاز کے ممنوعہ علاقے میں تھی۔

پرواز ہموار ہوتے ہی نشستوں کے بند کھٹا کھٹ کھلنے لگے اور ویران راہداریاں آباد نظر آنے لگیں۔ چند ثانیوں بعد سلطان شاہ بولایا ہوا میرے پاس آ پہنچا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے چاروں طرف لوگ سگریٹیں پھونک رہے ہیں۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "میرے برابر والے بڑے میاں نے تو بدبودار سگار سلگا لیا تھا۔ ایئر ہوسٹس نے بہت مشکل سے انہیں سمجھایا کہ جہاز میں پائپ اور سگار پینے پر پابندی ہے۔ اب وہ مسلسل سرکاری سگریٹیں پھونک رہے ہیں۔"

"سرکاری سگریٹیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ان کے پاس صرف سگار تھے۔ انہوں نے اس شرط پر اپنا سگار بجھایا کہ ہوسٹس انہیں سگریٹ لا کر دے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اطمینان سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "تم یہاں بیٹھو۔ میں تمہاری جگہ پر چلا جاتا ہوں۔"

ویرا اور غزالہ نہایت اطمینان سے بیٹھی، تخلیے میں باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے ان کے پاس رک کر چند منٹ تک باتیں کیں پھر آگے سے گھوم کر سلطان شاہ کی جگہ پر جا بیٹھا۔ وہاں واقعی سب ہی ندیدوں کی طرح سگریٹیں پھونک رہے تھے۔ میں نے بھی اپنا پیکٹ نکالا اور تمباکو نوشوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

ایک مرحلے پر مجھے ایسا محسوس ہوا، جیسے ان نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اس خوف سے سگریٹیں پی رہے ہیں کہ کہیں اسموکنگ نشستوں پر بیٹھ کر سگریٹ نوشی نہ کرنے کے جرم میں انہیں اٹھا نہ دیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کا کچن کھل گیا۔ اشتہا انگیز خوشبوئیں کیبن میں چکرانے لگیں۔ ذرا سی دیر میں کھانوں سے لدی ہوئی ٹرالیاں حرکت میں آ چکی تھیں۔

اس دوران میں میرے برابر میں بیٹھے ہوئے بڑے میاں مفت کی سگریٹیں پھونک پھونک کر اکتا چکے تھے اور وقت گزاری کے لیے اونگھ رہے تھے۔ ان کے اونگھنے کا علم اس وقت ہوا، جب مجھے اپنی پسلیوں میں کسی نکیلی چیز کی چبھن کا احساس ہوا۔ میں نے بوکھلا کر چبھن کے مقام کا جائزہ لیا تو وہاں بڑے میاں کی کہنی کو موجود پایا جو اپنی جگہ سے سرکتے سرکتے میری پسلیوں پر آ رکی تھی۔ میں نے بڑے میاں کی طرف دیکھا تو وہ پوری محویت سے اونگھنے میں مصروف تھے۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ میری جگہ غزالہ ان صاحب کی ہم نشین ہوتی تو کہنی کے اس ناگہانی عذاب سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی۔ مگر اگلے ہی لمحے میں نے اپنے اس خیال پر لاحول پڑھ لی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو فضائی سفر میں ایسے ہر عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ کہنی میرے مقدر میں تھی اور میری ہی پسلیوں میں گھس رہی تھی۔

مسافروں کو کھانا تقسیم کرنے والی ٹرالی میرے قریب آئی تو میں فضائی میزبانوں کی پیشہ ورانہ مہارت اور تجربے کا قائل ہو گیا۔ وہ خاتون ہر میز سلیقے سے کھول کر کھانے کی ٹرے رکھتی آ رہی تھی۔ اس کے ملکوتی حسن اور فیاضانہ مسکراہٹ سے مرعوب ہو کر بہت سے مسافر اپنی میزیں خود کھول کر اس سے ٹرے لے چکے تھے۔ ایک آدھ مسافر اسے ایسی ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، جیسے اسے اپنی جگہ پر آرام سے بٹھا کر وہ مشقت آمیز کام خود سرانجام دینا چاہتا ہو۔ غنیمت یہ ہوا کہ کسی نے اپنی ذہنی ہمدردی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی۔

ایئر ہوسٹس نے میرے برابر میں اونگھتے ہوئے بڑے میاں کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی کاروباری مسکراہٹ ذرا گہری ہو گئی۔ اس نے کلپ ہٹا کر ان کی میز کو دانستہ نیچے جھٹکا دیا۔ پُرشور آواز سے میز کھلی تو بڑے میاں اپنی نشست پر اچھل پڑے۔ میری پسلیوں کو ان کی کہنی کے نازیبا دباؤ سے فوری نجات مل گئی اور وہ ہڑبڑا کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ایئر ہوسٹس نے ان کی میز پر کھانے کی ٹرے رکھی تو وہ خفت آمیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔

میں نے اس سے پہلے بے شمار فضائی سفر کیے تھے لیکن کبھی بھی اتنی گہری نظروں سے مسافروں اور عملے کی عادات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس روز مجھے ایئرپورٹ پر صبر آزما انتظار کی اذیت سے گزرنا پڑا تھا اس لیے میری سوچ ہی کچھ ناقدانہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ فضائی سفر کی بعض فنی باریکیاں میری نظروں میں آ گئی تھیں۔

بقیہ سفر کسی واقعے کے بغیر گزر گیا۔ جہاز وہی تھے، ہم سفر وہی تھے، ہم نشین وہی تھا اور پھر عملہ بھی وہی تھا۔ سفر کا پہلا گھنٹا گزرنے تک میں ان سب کی تمام اضطراری عادات سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔

کراچی پہنچنے کا اعلان سن کر میرے وجود میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

پشاور کے برخلاف کراچی میں مطلع صاف تھا۔ جہاز کافی بلندی پر پرواز کر رہا تھا لیکن بادل نہ ہونے کی وجہ سے دور تک پھیلے ہوئے شہر کی روشنیاں بالکل صاف نظر آ رہی تھیں۔

جہاز تیزی کے ساتھ اپنی بلندی کم کرنے لگا۔ بدلتے ہوئے زاویوں کے ساتھ، شہر کی روشنیاں واضح تر ہوتی جا رہی تھیں۔ حفاظتی بیلٹ باندھنے کی ہدایات جل اٹھیں۔ کچھ دیر بعد تمباکو نوشی کی ممانعت کی علامات روشن ہو گئیں اور ہمارا آہنی پرندہ اپنے انجنوں کی غضبناک طاقت کے ساتھ زمین کی طرف جھپٹنے لگا۔

لینڈنگ بہت سبک رہی۔ رفتار ٹوٹنے کے بعد جہاز مست خرامی کرتا ہوا، اپنی مقررہ جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ مسافر اس سے پہلے ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر اپنا سامان سمیٹتے ہوئے راہداریوں میں جمع ہو گئے تھے۔

ہم چاروں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے اور ہاتھ ہلا کر ایک دوسرے کو بیٹھے رہنے کے اشارے بھی کر دیے۔ میرے برابر والے بڑے میاں کو بہت عجلت تھی۔ شاید وہ جہاز سے سیڑھی لگنے سے پہلے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اوپر کے خانے کے بجائے اگلی سیٹ کے نیچے سے اپنا وزنی تھیلا باہر گھسیٹا۔ اسے اوپر اٹھانے کی کوششوں میں انہوں نے میرے گھٹنے پر ایک شدید ضرب لگائی اور میرے اٹھتے اٹھتے، میرے اوپر سے کود کر راہداری میں نکل گئے۔

راہداری میں دوسروں کو دھکے دیے بغیر آگے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن بڑے میاں اپنی موذی تھیلے سے راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ لوگ برے برے منہ بنا کر انہیں گھور رہے تھے۔ کچھ لوگ زیر لب بڑبڑا بھی رہے تھے لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان کی جارحانہ پیش قدمی کو روک دیتا۔

ہم چاروں طیارے سے اتر کر لاؤنج کی طرف بڑھے تو اول خان سیڑھیوں پر ہی ہمارا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ جھنک گیا تھا۔ اس نے کسی شفیق دوست کی طرح میرے رخساروں کو چوما اور پھر سلطان شاہ سے لپٹ گیا۔

وہ نہایت سلجھا ہوا اور وضع دار آدمی تھا۔ اس نے ویرا سے ہاتھ ملا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا پھر غزالہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کی پیشانی کو بھی چوم لیا۔ اس کی گرم جوشی نے سب ہی کو آبدیدہ کر دیا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم لوگ۔ میری تو آنکھیں ترس گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے میں اندر سے بالکل خالی ہو گیا ہوں۔" وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولے جارہا تھا۔ اس کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا لیکن آنکھیں نم تھیں۔ ہمارے پاس سے گزرنے والے مسافر اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ تو خیر اندرونِ ملک کی پرواز تھی۔ لوگوں نے بین الاقوامی پروازوں پر بھی کسی کڑیل مرد کو اتنا جذباتی ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس لیے ہم سیدھے باہر نکلتے چلے گئے جہاں اول خان کی گاڑی موجود تھی۔

اول خان ہمیں اپنے گھر لے جانے پر مُصر تھا لیکن میں کیا بلکہ ہم چاروں میں سے کوئی بھی گھریلو تکلفات میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ یہ ایسی بات تھی جو میں اول خان سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

جوں ہی گاڑی حرکت میں آئی، مجھے اپنا جگری دوست، جہانگیر یاد آگیا جسے میں نے خاصے مشکل حالات میں چھوڑا تھا۔ اپنے اغوا سے پہلے میں نے نہایت سفاکی سے اس کے گھر میں شیدا خونی کی زبان کاٹی تھی۔ وہ اس قدر خطرناک بدمعاش تھا کہ مجھے اس کی طرف سے جوابی اقدام کی توقع تھی اور اسی خدشے کی وجہ سے جہانگیر کی بیوی، سلمٰی کو لاہور روانہ کردیا تھا۔ جہانگیر پر میری وجہ سے کئی بار مصائب نازل ہوچکے تھے اور اس بار تو ایسا ظلم ہوا تھا کہ میں اس کے مسائل سلجھانے سے پہلے ہی اغوا کرلیا گیا تھا۔

"ہمیں گھر لے جانے کی ضد نہ کرو۔ مجھے اسی وقت جہانگیر کی خیر خبر لینی ہے۔ میرے اغوا سے پہلے وہ دہشت کے عالم میں رہ رہا تھا۔ تمہارے گھر جانے کے بعد میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔" میں نے اس سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ اداس ہوگیا۔ "تم چاہو تو میں اسی وقت اپنا ایک موبائیل اسکواڈ اس کے گھر بھیج سکتا ہوں۔ تم کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر ادھر چلے جانا۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔ طاقت سے ہر معاملہ نہیں سلجھتا۔ پہلے مجھے دیکھنا ہوگا کہ وہ کس حال میں ہے، اس کے بعد ہی میں فیصلہ کرسکوں گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی طرف سے مطمئن ہوتے ہی ہم سب تمہارے گھر پر دھاوا بولیں گے۔ غزالہ تمہاری بیوی سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔"

وہ بہت مخلص اور سادہ لوح شخص تھا۔ میرے وعدے سے بہل گیا۔

یہ تمہارا پکا وعدہ ہے نا!"

"بالکل پکا!" میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اب تم ہمیں شرف آباد لے چلو۔"

اول خان اپنی گاڑی کی رفتار بڑھانے لگا۔ اس وقت شاہراہِ فیصل پر شہر کی طرف جانے والا ٹریفک برائے نام رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم پانچوں احمقانہ انداز میں مقفل فلیٹ کے دروازے پر کھڑے، ایک دوسرے کے منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ ہم میں سے کسی کے پاس فلیٹ کی چابی نہیں تھی اور اس میں کسی کا قصور نہیں تھا۔ شاید سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہم چاروں کو فلیٹ سے نکال لے جانے کے بعد خود ہی دروازہ مقفل کردیا تھا۔

ہماری آوازیں سن کر برابر والے فلیٹ سے ہمارا پڑوسی باہر نکل آیا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا اور اس نے میری اچانک آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ شکوہ بھی کیا کہ میں کسی اطلاع کے بغیر ایک لمبی مدت کے لیے فلیٹ سے غائب ہوگیا تھا۔ میں نے کسی قریبی رشتے دار کی ناگہانی علالت کا بہانہ کرتے ہوئے اسے اپنی مشکل سے آگاہ کیا تو وہ بے چارہ فوراً ہی اپنے گھر سے پرانی چابیوں کا ایک گچھا لے آیا۔

سلطان شاہ قفل پر وہ چابیاں آزمانے لگا مگر میں جانتا تھا کہ اس کی کوششیں بے سود تھیں۔ میں ایک تار کی مدد سے پل بھر میں وہ تالا کھول سکتا تھا۔

پڑوسی میری فرمائش پر تار بھی لے آیا۔ میرے اشارے پر اول خان نے اسے باتوں میں لگایا اور میں نے چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر تالا کھول ڈالا۔

دروازہ کھلتے ہی سیلن زدہ تیز بھبکوں نے ہمارا استقبال کیا۔ گھر میں ہر طرف گرد و غبار کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کوڑے دان سڑ رہا تھا۔ ہر چیز اسی حالت میں تھی جس میں چھوڑی گئی تھی۔

پڑوسی اپنے فلیٹ میں لوٹ گیا۔ عورتیں ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کی جگہ صاف کرنے میں مصروف ہوگئیں اور میں اپنے کمرے میں جا گھسا۔ دراز کھولنے پر بیم گن دیکھتے ہی مجھے اطمینان ہوگیا کہ سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کرتے ہوئے فلیٹ کی کسی اور چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔ ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ میں نے اسے جیب میں ڈال لیا۔

بیم گن کی طرف سے مطمئن ہوکر میں ڈرائنگ روم میں آیا تو فون بھی کام کررہا تھا اور سلطان شاہ جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف تھا۔

نمبر ملانے کے بعد سلطان شاہ رابطہ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ لائن ملتے ہی اس نے ہیلو کہا پھر برا سا منہ بنا کر کریڈل دبادیا اور دوبارہ نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا جب دوسری بار بھی اس نے اسی انداز میں ہیلو کہہ کر فون بند کیا۔ تو میں چونک پڑا۔

"تم بار بار ہیلو کہہ کر فون بند کیوں کردیتے ہو؟" میں نے اسے تیسری کوشش سے روک کر پوچھا۔

"غلط نمبر مل رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر منہ بنا کر بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم کہ غلط نمبر مل رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ اس بار اول خان کے بھی کان کھڑے ہوگئے اور وہ ہم دونوں کے قریب آکھڑا ہوا۔

"ادھر سے کوئی عجیب سی انگریزی بول رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جہانگیر کا نمبر نہیں ہوسکتا۔"

"پھر بھی تمہیں نمبر پوچھ لینا چاہیے تھا۔" میں نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کہا۔ "اب ملاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں تم غلطی تو نہیں کررہے۔"

میری یادداشت کے مطابق اس نے بالکل صحیح نمبر ملایا تھا۔ اس بار گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں ہیلو کی نامانوس سی آواز آئی جس پر میری چھٹی حس بھڑک اٹھی۔

"فون جہانگیر کو دے دو۔" میں نے دانستہ اردو میں کہا تاکہ دوسری طرف والے کا ردِعمل معلوم کرسکوں۔

"انگریزی میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" دوسری طرف سے درشت لہجے میں کہا گیا۔ اس کا انگریزی تلفظ سنتے ہی سناٹے میں آگیا۔ بولنے والے کا لب و لہجہ مشرقِ بعید کے باشندوں جیسا تھا۔

"کیا یہ جہانگیر کا گھر ہے؟" میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو ہوشیار کرتے ہوئے انگریزی میں پوچھا۔

"ہاں، وہ میرا مالک ہے۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے بلا توقف جواب آیا۔

"میرا نام سلطان شاہ ہے۔ جہانگیر کو فون پر بلادو۔" میں حیران تھا کہ جہانگیر کو اچانک ہی چینی نژاد، انگریزی داں ملازم رکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ میرے خیال کے مطابق اس انتخاب کا ایک ہی سبب ہوسکتا تھا کہ اس نے خود کو درپیش خطرات کے سدِباب کے لیے مقامیوں پر انحصار کرنے کے بجائے کسی خونخوار غیر ملکی باڈی گارڈ کو ملازم رکھ لیا تھا۔

"تم کہاں غائب ہو؟" فون پر اچانک ہی جہانگیر کی آواز گونجنے لگی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ وہ مجھ پر انگریزی میں گرج رہا تھا۔ "میں تمہارے فلیٹ پر سیکڑوں مرتبہ فون کرچکا ہوں لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ تمہارے ساتھ ڈیبی بھی لاپتا ہے۔ اسے تلاش کرکے میرے پاس بھیجو۔ مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔"

اس کی گفتگو عجیب اور بے ربط تھی جیسے وہ کسی اور کے دباؤ میں بول رہا ہو۔ وہ گنتی کے ان لوگوں میں سے تھا جو انگریزی زبان پر خاصا عبور رکھنے کے باوجود ہر موقع پر اردو بولنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اس وقت وہ انگریزی ہانک رہا تھا۔ غالباً اس کے ساتھ کوئی بڑا چکر چل پڑا تھا۔ میں نے اس سے خود کو چھپائے رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت جہانگیر کا نام نہاد ملازم بھی اس کے قریب ہی موجود ہوگا اور وہ اس اضطراری ردِعمل کو بھانپ لے گا جو میری آواز سنتے ہی جہانگیر پر ہوگا۔ میرے ذہن میں شبہ سر ابھارنے لگا کہ شاید مکاؤ سے آنے والے بدمعاشوں نے میری تلاش میں ناکام ہونے کے بعد جہانگیر پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔

"تم زندگی بھر اردو بولتے رہے ہو لیکن آج انگریزی کیسے بول رہے ہو؟" میں نے سلطان شاہ جیسی آواز بنا کر اردو میں پوچھا۔

"ڈیبی نے مجھے مشکلات میں ڈال دیا ہے، میری زندگی کو جہنم بنادیا ہے۔" وہ بدستور انگریزی ہی بولتا رہا۔ "میں اب اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ میں اپنا سارا سرمایہ سمیٹ کر جلد ہی امریکا چلا جاؤں گا اسی لیے میں آج کل اپنے نوکروں سے بھی انگریزی بولنے کی مشق کررہا ہوں۔"

"انگریزی سیکھنے کا شوق ہے تو کوئی انگریز ملازم رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی چینی یا تھائی ملازم رکھ لیا ہے۔"

"تم ڈیبی کے دوست ہو اس لیے میں تمہارا لحاظ کرتا ہوں۔" جہانگیر کی آواز ابھری۔ "تمہیں میرے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں جسے چاہوں ملازم رکھ سکتا ہوں۔"

تمہارے اس ملازم کا نام کیا ہے؟" میں نے اسی بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مسٹر لی وانگ!" وہ احترام سے بولا۔ "یہ مارشل آرٹس کا بہت بڑا ماہر ہے۔ ایک سیکنڈ میں آدمی کے کولہے کی ہڈی اتار کر اسے معذور اور مفلوج کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے، اتری ہوئی ہڈی کو واپس بٹھادیتا ہے۔"

"میں اب جو کچھ کہوں، اس پر چونکنے یا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ورنہ یہ لی وانگ تمہارے کولہے کی ہڈی بھی اتار دے گا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں اپنے نفع نقصان کو خوب سمجھتا ہوں۔ تمہیں جو کہنا ہے، کہہ ڈالو مگر یہ سن لو کہ میں مسٹر لی وانگ کو نوکری سے ہرگز نہیں نکالوں گا۔ تمہیں میرے گھر آنا ہے تو آؤ، نہیں آنا تو جہنم میں جاؤ۔" جہانگیر نے گول مول انگریزی میں میری بات کا جواب دے دیا۔

"ابے! انگریز کے بچے! میں ڈیبی بول رہا ہوں۔" میں نے اپنی اصل آواز میں کہا۔ "طویل قید و بند کی صعوبتیں کاٹنے کے بعد ابھی ابھی کراچی پہنچا ہوں اور آتے ہی تمہیں فون کررہا ہوں۔"

وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ جہانگیر میری آواز سنتے ہی بے قابو ہوگیا اور اردو میں پھٹ پڑا۔ "وہاں کیا کررہے ہو۔ یہاں آؤ۔ ان حرامزادوں نے میری زندگی اجیرن..." اچانک لائن بے جان ہوگئی۔ اس کی دردناک آواز بند ہوچکی تھی۔

میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور اول خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اس کے بارے میں میری چھٹی حس صحیح سمت میں کام کررہی تھی۔ غالباً ڈون کوانگ فو کے آدمی اس کے سر پر مسلط ہوگئے ہیں۔ اس نے جوں ہی اردو میں اپنی بپتا سنانی شروع کی، یک لخت فون بند کردیا گیا۔"

"آؤ.... اسی کی طرف چلتے ہیں۔" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"ہتھیار لے لو۔" میں نے ویرا سے کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا۔ "تم غزالہ کے ساتھ یہیں رہو گے تاکہ فون وصول

کرسکو۔ یہ یاد رکھنا کہ میں بدستور لاپتا ہوں۔ فلیٹ کے قرب وجوار میں کوئی بھی مشتبہ قسم کا دوغلا چینی نظر آئے تو اس سے دور رہنا۔ باہر کی دیکھ بھال کے لیے ایس ٹی ایف کے دو گارڈ آجائیں گے۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان نے فون ملانا شروع کردیا۔

سلسلہ مل جانے پر اس نے اپنے کسی ماتحت کو ایک گاڑی میں چار مسلح محافظ فلیٹ کی طرف اور دوسری گاڑی میں چھ کمانڈوز کو جہانگیر کے گھر کی طرف بھیجنے کی ہدایات دے کر فون بند کردیا۔

اسی اثناء میں ویرا اندر سے ایک پستول کے ساتھ تین بھرے ہوئے میگزین لے آئی تھی۔

"یہ سلطان شاہ کو دے دو۔" اول خان نے ویرا سے کہا۔ "میری گاڑی میں کافی اسلحہ موجود ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم لوگوں کو یہاں آتے ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔"

"مشکلات ہمیں نہیں' جہانگیر کو درپیش ہیں۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "میرے لیے اذیت ناک بات یہ ہے کہ وہ یہ سارے مصائب میری وجہ سے جھیل رہا ہے۔"

"دیر نہ کرو۔ ہم راستے میں بھی باتیں کرسکتے ہیں۔" اول خان نے مجھے ٹوکا۔

ہم تینوں نیچے آئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے دو بھرے ہوئے پستول نکال کر ہمارے حوالے کردیے۔ پچھلے پائیدان کے نیچے ایک کلاشنکوف موجود تھی وہ بھی نکال لی گئی۔

میں دھیرے دھیرے اپنی اور جہانگیر کی گفتگو دہرانے لگا جس کا آخری حصہ بہت تکلیف دہ تھا۔

"یہ میرا قصور ہے۔" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "تم غائب تھے تو مجھے اس سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اُس کے بارے میں نہ سہی' تمہاری خیریت کے لیے بھی وہ رابطہ ضروری تھا۔ اس سے بات ہوتی تو وہ خود ہی اپنی تمام مشکلات بیان کرتا چلا جاتا اور میں ان کے سدباب کے لیے اپنی کوششوں کا سلسلہ شروع کردیتا۔"

"قصور میرا ہو یا تمہارا' جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جہانگیر کے گھر جاکر مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ دونوں اتنے چالاک ہیں کہ وجے بھی ان کے عزائم کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جان سکا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے فون کے بعد وہ جہانگیر سمیت وہاں سے نکل گئے ہوں گے۔"

"نکل بھی گئے تو کہاں جائیں گے؟" ویرا نے کہا۔ "اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ جہانگیر ان کا اصل شکار نہیں ہے' وہ اسے چارے کے طور پر استعمال کررہے ہیں اور اس کے ذریعے تمہیں گھیرنا چاہتے ہیں۔ جب تک وہ تمہیں نہیں پکڑ لیتے' کراچی سے باہر نہیں جائیں گے۔"

ہم تھوڑی ہی دیر میں جہانگیر کے گھر پہنچ گئے۔ پھاٹک بند تھا اور احاطے میں اندھیرے کے ساتھ ویرانی کا راج محسوس ہو رہا تھا۔ اول خان نے پھاٹک پر گاڑی کے ہیڈ لیمپس تیز کرکے ایک لمبا ہارن بجایا تو اندر تحریک سی پیدا ہوئی پھر جہانگیر کا پرانا چوکیدار ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آگیا۔ اس کے سن رسیدہ چہرے سے کرب جھلک رہا تھا۔

"وہ بدمعاش صاحب کو پھر کہیں لے گئے۔" مجھے پہچانتے ہی اس کی زبان چل پڑی۔ "وہ صاحب کو ایسی ایسی اذیتیں دیتے ہیں کہ ان کی چیخوں سے دل دہلنے لگتا ہے۔ کبھی صاحب ہلنے جلنے تک سے معذور ہوجاتے ہیں اور جب وہ بدمعاش خوش ہوں تو صاحب اپنا بلکہ ان دونوں کا کام بھی خود کرتے ہیں۔ انہیں چلتے پھرتے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کسی کسی وقت وہ زمین یا قالین پر پڑے' درد سے چلاتے رہتے ہوں گے....."

"گھبراؤ نہیں' گاڑی میں آجاؤ۔" میں نے جھک کر پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "اور آرام سے بتاؤ کہ تم کن بدمعاشوں کا ذکر کررہے ہو اور وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

وہ مجھے سیکڑوں دعائیں دیتا ہوا' پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھ گیا اور رک رک کر بتانے لگا۔ "وہ آٹھ دس دن پہلے ملاقاتی بن کر آئے تھے پھر گھر میں ایسے گھسے کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ باری باری باہر جاتے ہیں اور ان میں سے ایک نہ ایک چوبیس گھنٹے صاحب کے سر پر سوار رہتا ہے۔"

"گھر کے دوسرے ملازم کہاں ہوتے ہیں؟" میں نے اپنے اشتعال کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیسے ملازم؟ انہوں نے آتے ہی سب کو نکال دیا۔ میرے علاوہ پورے گھر میں کوئی اور نہیں ہے۔ وہ یہاں راج کرتے ہیں۔ صبح لنگوٹیاں باندھ کر لان پر عجیب سی اچھل کود کرتے ہیں پھر اندر چلے جاتے ہیں۔"

"ان کے حلیے کیا ہیں؟"

"دونوں دہرے جسم کے ناٹے چینی معلوم ہوتے ہیں۔ صورتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ دونوں کی پہچان کے لیے میں نے ایک نشانی ڈھونڈلی ہے کہ ان میں سے ایک کے داہنے کان کا نچلا حصہ غائب ہے۔"

"وہ صاحب کو پہلے بھی باہر لے جاتے رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ شروع میں ایک دن لے گئے تھے۔ واپسی پر صاحب کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو پارہے تھے۔ وہ دونوں انہیں اٹھا کر اندر لے گئے تھے۔ اسی دن کے بعد سے صاحب پر دورے پڑنے لگے۔ کبھی وہ معذور ہوجاتے ہیں اور کبھی بالکل ہوجاتے ہیں۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ صاحب کو دورے پڑنے لگے ہیں" اس بار ویرا نے پوچھا۔

"چینیوں نے بتایا تھا۔ وہ کبھی اشاروں سے مجھ سے باتیں کرلیتے تھے۔"

"آج وہ جہانگیر کو کس حالت میں اپنے ساتھ لے گئے ہیں؟" ویرا نے سوال کیا۔

"صاحب خود چل کر گئے ہیں لیکن وہ کہیں جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ دونوں بدمعاش انہیں مار مار کر اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ پتا نہیں' انہوں نے ہمارے مالک کا کیا حشر کیا ہوگا۔" اس کی آواز روہانسی ہوگئی۔

"وہ کس گاڑی میں گئے تھے؟"

"صاحب کی نئی اکارڈ تھی۔ آج کل وہ چینیوں کے پاس ہی رہتی ہے۔"

"پچھلی بار جب وہ جہانگیر کو باہر لے گئے تھے تو کتنی دیر میں لوٹے تھے؟"

"صبح جاکر شام کو آئے تھے۔ اس روز میں صاحب کی تکلیف دیکھ کر رو پڑا تھا۔"

"وہ واقعی بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔" اول خان پُرملال لہجے میں بولا۔ "جب تک کوئی خطرہ نہیں تھا تو یہاں دندناتے رہے۔ آج جہانگیر نے فون پر اردو میں بات کی تو وہ خطرہ بھانپ کر یہاں سے فرار ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ ادھر واپس نہیں آئیں گے۔"

اسی وقت اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز کی گاڑی بھی پہنچی۔ اول خان نے چوکیدار کو پھاٹک کھولنے کی ہدایت کی اور دونوں گاڑیاں اندر پورچ میں کھڑی کردی گئیں۔ اندر پہنچنے کے بعد سب لوگ گاڑیوں سے نیچے اتر آئے۔ چوکیدار نے برآمدے اور لان کے اس حصے کی بتیاں روشن کردی تھیں۔

اول خان اپنے آدمیوں کو مکان کے اندرونی حصوں کی دیکھ بھال اور باہر کی نگرانی کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر جا بیٹھا۔

"اس بار جہانگیر کے ساتھ سنگین معاملہ نظر آرہا ہے۔ مکاؤ میں رہنے والے چینی فطرتاً بہت بدمعاش اور سفاک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ جہانگیر کو عمر بھر کے لیے معذور نہ کردیں۔" ویرا بولی۔

"مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کی طرف سے مایوس ہوکر انہوں نے جہانگیر کا رخ کیا ہوگا۔ اب ادھر سے بھی ان کا کوئی نام ونشان ملنے کی امید نہیں ہے۔"

"تلاش مشکل ضرور ثابت ہوسکتی ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ دو چینی ایک مقامی قیدی کے ساتھ آسانی سے کہیں روپوش نہیں ہوسکتے۔ محنت کی جائے تو ہم ان کے ٹھکانے تک پہنچ سکتے ہیں۔"

دو کمانڈوز برآمدے سے گزر کر مکان میں داخل ہوگئے۔ اول خان اپنے دوسرے آدمیوں کو ہدایات دے کر ہمارے پاس آبیٹھا اور بولا۔ "یہاں میدان صاف ہے۔ اب کدھر کا رخ اختیار کیا جائے؟"

"کل رات تم نے اپنے آدمی لگانے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ان مشتبہ چینیوں کے بارے میں انہوں نے کیا اطلاعات جمع کی ہیں؟"

"ابھی تک ہر طرف خاموشی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ امیگریشن کے ریکارڈ سے بھی ان کی آمد کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ پچھلے دو ماہ میں مکاؤ کے صرف تین شہری کراچی آئے ہیں اور وہ تینوں جانے پہچانے معززین تھے۔"

"اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے چین یا ہانگ کانگ کے جعلی پاسپورٹوں پر یہ سفر کیا ہوگا۔" ویرا نے فوراً ہی اپنی رائے پیش کردی جو بہت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ اندر کی تلاشی سے کوئی کارآمد سراغ مل سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہم تینوں کو بھی اندر چلنا چاہیے۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑدی۔

جہانگیر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مجھے ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آرائشی اشیاء کا شوقین اور صفائی کا دلدادہ تھا لیکن اس وقت ڈرائنگ روم کباڑ خانے کی صورت میں بکھرا ہوا تھا۔ ہر ایشٹرے جلی ہوئی سگریٹوں اور راکھ سے بھری ہوئی تھی۔ بیش قیمت قالینوں پر شراب کی خالی بوتلیں' سگریٹ کے متعدد خالی پیکٹ بکھرے ہوئے تھے۔ فرنیچر پر گرد وغبار جما ہوا تھا۔ شیشے کی کئی آرائشی اشیاء ٹوٹ کر بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا' جیسے نشے بازوں کی کوئی ٹولی وہاں دھما چوکڑی مچانے کے بعد اچانک نکل بھاگی ہو۔

چینی بدمعاش شاہانہ مزاج رکھتے تھے اور اپنی خرمستیوں میں مصروف رہتے تھے۔ جہانگیر کو نقل وحرکت کی آزادی نہیں تھی۔ ملازموں کو نکالا جاچکا تھا۔ ان حالات میں گھر کا وہی حشر ہوسکتا تھا جو نظر آرہا تھا۔

ڈرائنگ روم سے نکل کر ہم سلمیٰ کے کھلے ہوئے بیڈ روم کی طرف جارہے تھے کہ اچانک اندر سے بے ساختہ چیخیں سنائی دیں اور ہم تینوں برق رفتاری سے اسی سمت میں دوڑ پڑے۔

وہ چیخیں واضح طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کے ان کمانڈوز کی تھیں جو ہم سے پہلے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

چیخیں سنتے ہی ہم تینوں نے بیک وقت دوڑ لگائی تھی لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ہم تینوں میں ویرا سب سے زیادہ سبک رفتار تھی۔ وہ مجھے اور اوّل خان کو پیچھے چھوڑ کر سب سے پہلے ان

دو کمانڈوز تک پہنچ گئی تھی جو مکان کے دالان نما عقبی حصے میں سفید فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بالکل بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہو۔ دوسرا کمانڈو اپنا پیٹ تھامے، کسی پھرکی کی طرح فرش پر تڑپتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ ویرا نے اسے شانوں سے تھام کر اپنی گرفت میں لے لیا اور وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

میں نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ اس کمانڈو نے ویرا کو پہچان کر اپنے اضطراری ردِ عمل پر قابو پانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اس کے چہرے اور آنکھوں سے شدید کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم اتنی بری طرح کیوں چیخ رہے ہو؟" اوّل خان نے اس کے سر پر سوار ہو کر غراتے ہوئے سوال کیا۔ وہاں کسی حریف کے موجود نہ ہونے کے باوجود اپنے آدمیوں کی بے بسی دیکھ کر اوّل خان یک بیک مشتعل ہو گیا تھا۔

میں نے ان لمحات میں قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا۔ ہمارے سامنے ہی ایک کمرا موجود تھا جس کا دروازہ نیم وا تھا اور اس سے آگے گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہم لوگ اس وقت کمرے سے ملحقہ عقبی دالان میں موجود تھے۔ دالان کو احاطے سے جدا کرنے والی آہنی گرل میں لگا ہوا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شاید اس تاریک کمرے میں کوئی شخص چھپا ہوا تھا جو دروازہ کھلتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز پر حملہ آور ہوا اور آناً فاناً میں انہیں زیر کر کے گرل والے دروازے کے ذریعے فرار ہو گیا۔

"سس.... سر!" وہ کربناک آواز میں بدقت تمام بولنے میں کامیاب ہوا۔ "وہ اکیلا تھا لیکن حد سے زیادہ پھرتیلا اور بے خوف تھا۔ وہ.... وہ تاریک کمرے میں سے اڑتا ہوا باہر آیا۔ اس کی ایک لات شاہد کے سر پر پڑی اور وہ پیٹ سے نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ دوسری لات میری ناف سے نیچے لگی اور میں ابھی تک سخت اذیت میں ہوں۔ درد کی لہریں میرے وجود کو بکھیرے دے رہی ہیں.... مم.... مجھے معلوم ہے کہ چوٹ مہلک نہیں ہے.... لل.... لیکن درد کی شدت نے مجھے موت یاد دلا دی ہے۔ وہ خبیث ایک چھلاوا تھا۔ وہ تاریکی میں سے نمودار ہوا اور ہم دونوں کو ڈھیر کرتا ہوا گرل سے باہر نکل گیا۔ ہمیں اس کے خلاف کچھ کرنے یا سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ اپنے کام میں انتہائی ماہر اور تربیت یافتہ معلوم ہوتا تھا۔ آپ یقین کریں، سر! کہ اس صورتِ حال میں ہماری کوتاہی کے بجائے اس کی مہارت اور پھرتی کا دخل ہے۔ اس نے پہل کی، کامیاب ہوا اور غائب ہو گیا۔"

وہ اوّل خان کی موجودگی کا لحاظ کر کے بدقت تمام فرش سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن تکلیف کی وجہ سے پوری طرح سیدھا نہ ہو سکا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور آنکھوں سے اندرونی اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

اسی اثنا میں مزید دو کمانڈوز وہاں آپہنچے۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کی چیخیں سن کر اس طرف آئے تھے۔ اس وقت ویرا، بے ہوش کمانڈو کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ اس کے دو ساتھیوں کے آجانے پر وہ اسے چھوڑ کر ہمارے پاس آگئی اور پُر تشویش آواز میں بولی۔ "چوکیدار بتا رہا تھا کہ وہ دونوں جہانگیر کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ وہ جا چکے تھے تو پھر اس کمرے میں تیسرا آدمی کہاں سے آگیا؟"

چوٹ کھائے ہوئے شخص نے کچھ بولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اوّل خان اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "شاہد کا کیا حال ہے؟ اسے فرش سے اٹھا کر کسی بستر وغیرہ پر ڈال دو۔"

"وہ کسی حساس مقام پر ضرب لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہوا ہے۔" ویرا بول پڑی۔ "اس کی نبض ٹھیک چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے خود بخود ہوش آجائے گا۔"

اوّل خان باہر کا جائزہ لینے کے لیے آہنی گرل کے کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں ویرا سمیت اس کے پیچھے ہو لیا۔ احاطے کے اس حصے میں باہر کا فرش بھی سیمنٹ سے بنا ہوا تھا۔ عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان کم و بیش بیس فٹ کا فاصلہ تھا۔ باہر پھیلی ہوئی روشنی میں وہ حصہ بالکل ویران اور خالی نظر آرہا تھا۔ وہاں دور دور تک کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

"ان دونوں کو زیر کرنے کے بعد اس نے یہاں رکنے کی حماقت نہیں کی ہو گی۔" میں نے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "پھر بھی ہمیں عمارت کا ایک چکر لگا ہی لینا چاہیے۔"

اوّل خان چوکنا ہو کر ایک طرف چل پڑا۔ میں دوسری سمت میں ہو لیا۔ ویرا میرے ساتھ تھی۔

"تیسرے آدمی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" چند قدم چلنے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"اصل بات تو اوّل خان کے آدمیوں ہی سے معلوم ہو سکے گی مگر میرا خیال ہے کہ وہ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا بلکہ ان دونوں میں سے ہی کوئی رہا ہو گا۔ ابھی پوچھ گچھ میں پوری بات سامنے آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ چوکیدار غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔" وہ بولی۔

"ضروری نہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اسے خود بھی علم نہیں ہو گا کہ ان دونوں میں سے کوئی واپس آیا ہے۔"

"اوہ!" وہ ہونٹ سکیڑ کر تیزی سے بولی۔ "تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ جہانگیر کو لے جانے کے بعد ان دونوں میں سے ایک بدمعاش خاموشی سے یہاں آیا اور ایس ٹی ایف والوں کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی ان پر وار کر کے نکل بھاگا؟"

"شاید میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے طنز سے کہا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ واپس کیوں آیا تھا؟" وہ میرے ...ر کو نظر انداز کرتے ہوئے پُر جوش لہجے میں بولی۔

"اسے الہام ہوا ہو گا کہ ہم لوگ یہاں پہنچ چکے ہیں اور ہمیں ...ان کرنے کے لیے خاموشی سے یہاں آدھمکا، ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو ایک لات فی کس کے حساب سے کوٹا تقسیم کیا اور کسی ...لاوے کی طرح یہاں سے دوبارہ غائب ہو گیا...."

"تم پھر اڑنے لگے!" وہ میری بات کاٹ کر غرائی۔ "بعض ...قات تم خود کو عقلِ کل سمجھ کر بے تکی حرکتیں کرنے لگتے ہو۔ ...ک بات اگر میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو اس کی وضاحت ...رنے میں کیا دشواری ہے؟"

"یہ بالکل سیدھی اور سامنے کی بات ہے۔" میں نے سنجیدگی ...تیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں مجھے پھانسنے کی امید میں جہانگیر ...کو یہاں لیے بیٹھے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو اس قدر خوف زدہ کیا ...ہوا تھا کہ وہ ان کی ہدایت کے عین مطابق ہر فون کے جواب میں ...نگریزی بولنے لگا تھا۔ اس طرح وہ دونوں چینی ہر بات سے باخبر ...رہتے تھے اور جہانگیر ان کی مرضی کے خلاف کسی سے کوئی بات ...نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر میرا فون آیا۔ جب تک میں سلطان شاہ بن کر ...بات کرتا رہا، وہ مجھ پر اپنی انگریزی کا رعب جھاڑتا رہا اور جوں ہی ...میں نے اسے اپنی اصلیت سے آگاہ کیا، وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور اردو میں پھٹ پڑا۔ اس پر مسلط چینیوں نے خطرہ بھانپ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ جہانگیر نے کسی کو اصل معاملے سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ عجلت کے عالم میں جہانگیر کو لے کر یہاں سے نکل گئے۔ دور جانے کے بعد انہیں یاد آیا ہو گا کہ وہ افراتفری میں اپنی کوئی اہم چیز یہاں بھول گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جہانگیر کے سر پر مسلط رہا اور دوسرا اپنی مطلوبہ اشیا کی تلاش میں یہاں آپہنچا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وسیع و عریض مکان میں چوکیدار کے سوا کوئی اور شخص موجود نہیں ہے، اس لیے وہ خاموشی سے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی مطلوبہ شے لے کر یہاں سے واپس لوٹتا، ہم لوگ آگئے۔ پھر ایس ٹی ایف کے کمانڈوز بھی آپہنچے۔ خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس شخص نے پہل کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اوّل خان کے دونوں آدمیوں کو اچانک ہی زیر کر کے نکل گیا۔"

عمارت کے کونے پر پہنچ کر بغلی سمت میں مڑتے ہوئے ویرا لمحہ بھر کے لیے چلتے چلتے رک گئی اور عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تمہارا خیال ہے کہ وہ جو چیز لینے کے لیے آیا تھا، وہ لے گیا ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز نکال لے گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کمانڈوز کی بروقت مداخلت کی وجہ سے اسے اپنا کام پورا کرنے کی مہلت نہ ملی ہو اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے خالی ہاتھ نکل بھاگا ہو۔"

"دونوں صورتوں میں ہمیں اس کمرے پر خاص توجہ مرکوز کرنی ہو گی۔" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"سامنے کی بات ہے۔ گھر کی دیکھ بھال کے بعد ہمیں اسی کمرے کا رخ کرنا ہو گا۔"

"شاید وہ بھی یہی چاہتا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ تم نے بالکل وہی نتائج اخذ کیے ہیں جو وہ چاہتا تھا۔" ویرا ایک مرتبہ پھر پُر جوش نظر آنے لگی تھی۔ "اسے یقین تھا کہ فون پر جہانگیر سے اردو میں گفتگو ہونے کے بعد اس کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ادھر ضرور آئے گا۔ وہ واپس آیا اور خاموشی سے عقبی کمرے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ آہٹیں سنتے ہی اس نے مارشل آرٹ کا شعبدہ دکھایا اور ہم لوگوں کو اس کمرے کی طرف متوجہ کر کے غائب ہو گیا۔"

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" میں حیرت سے بڑبڑایا۔ "ہمیں باہر کا جائزہ لینے سے پہلے کمرے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ ہمارا وہ ردِ عمل انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتا۔ یہ اتفاق ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کمرے میں نہیں گیا۔ کمانڈوز اپنے بے ہوش ساتھی کو اٹھا کر اندر لے گئے اور ہم اوّل خان کے ساتھ احاطے میں نکل آئے۔"

ہم اپنی سمت کا جائزہ لیتے ہوئے، مکان کے سامنے پہنچے تو سرسبز لان میں ایس ٹی ایف کے بقیہ دو کمانڈوز پوزیشنیں لیے بیٹھے تھے۔ اوّل خان ہم سے پہلے برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے غیر ارادی طور پر ہمارا ساتھ دیتے

ہوئے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔ "باہر تازہ ہوا میں بیٹھنے کے بجائے تم مجھے اس کباڑ خانے میں کیوں لے آئے ہو؟" اس کا اشارہ گندے اور بکھرے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔

"کھلی فضا میں ہم تینوں کو آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اندر ہی رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

ویرا نے دروازے پر رک کر چوکیدار کو آواز دی اور اسے بھی ڈرائنگ روم میں بلالیا۔ ہم لوگوں کی آوازیں سن کر اندر سے اوّل خان کے دو آدمی بھی وہاں آپہنچے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس نے اپنے پیٹ پر چینی سے لات کھائی تھی۔ اس وقت تک اس کی حالت قدرے بہتر ہوچکی تھی اور وہ سیدھا ہوکر چل رہا تھا۔

"شاہد ٹھیک ہے، سر!" دوسرے کمانڈو نے اوّل خان کو مطلع کیا۔ "حشمت اس کی دیکھ بھال کررہا ہے۔"

"تم باہر کا خیال رکھو۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی اب بھی آس پاس منڈلا رہا ہو۔" اوّل خان نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی چینی نظر آئے تو اس پر بے دریغ گولی چلادینا۔"

"وہ بھی چینی ہی تھا۔" زخم خوردہ کمانڈو نے فوراً ہی کہا۔ "موٹا اور پستہ قامت ہونے کے باوجود بہت پھرتیلا تھا۔ میں بس اتنا دیکھ سکا کہ اس زرد رو آدمی کا آدھا کان غائب تھا۔"

"وہ وہی ہے۔" اس بار اوّل خان سے پہلے چوکیدار بول پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ "وہ میرے سامنے اکارڈ میں صاحب کو لے کر گیا تھا۔ پتا نہیں وہ دوبارہ اندر کیسے آگیا۔"

"تم اس بارے میں زیادہ نہ سوچو۔" ویرا نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں جس بات کی تصدیق کے لیے بلایا تھا وہ خود بخود سامنے آچکی ہے۔ ہم بہت جلد تمہارے صاحب تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا ان دونوں موذیوں کو غارت کرے۔" چوکیدار بددعائیں دیتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ "وہ صاحب کو بالکل معذور کرکے یہاں سے لے گئے تھے۔ پتا نہیں اب ان پر کیا بیت رہی ہوگی۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے سر؟" اوّل خان کے آدمی نے ادب سے پوچھا۔ "میری تکلیف میں اب خاصی کمی ہوچکی ہے۔ میں کسی پریشانی کے بغیر اپنی ڈیوٹی ادا کرسکتا ہوں۔"

"باہر کی دیکھ بھال کرتے رہو تاکہ ہم اندر رہ کر یکسوئی سے اپنا کام کرسکیں۔" اوّل خان نے اپنی بات پوری کرکے باری باری میری اور ویرا کی طرف دیکھا۔ شاید وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ ہمیں تو اس کے قومی سے کوئی سوال نہیں کرنا تھا۔ ہم دونوں نے سر ہلائے اور وہ بھی ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ وہ سیدھا ضرور ہوچکا تھا لیکن پیٹ کے نچلے حصے میں آئی ہوئی ضرب کی وجہ سے اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ باقی تھی۔

"آؤ! اس کمرے کو بھی دیکھ لیتے ہیں جہاں مکاؤ کا بدمعاش چھپا ہوا تھا۔" اوّل خان نے ہم دونوں سے مخاطب ہوکر
"ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے وہ وہاں سے مطلوبہ چیز نکال لے جانے میں کامیاب نہ ہوسکا ہو۔ اس کمر
تلاشی سے ہمیں ان دونوں کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔"

"کچھ دیر انتظار کرلو۔" ویرا نے کہا۔ "وہ کمرا ہمارے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"راستے میں ہم اسی امکان پر باتیں کرتے رہے ہیں۔" خان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی میں نے بولنا شروع کردیا۔ "
دان میں صرف داخلے کا راستہ ہوتا ہے، واپسی کی کوئی راہ ہوتی۔"

"ناقابلِ فہم باتیں نہ کرو۔" وہ بولا۔ "وہ کمرا چوہے دا
کیسے تبدیل ہوسکتا ہے؟"

"ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے ہمیں نقصان پہنچانے کے
وہاں کوئی ضرر رساں آلہ نصب کیا ہو جو ہماری ذرا سی بے اح
سے اپنا کام شروع کردے اور ہمیں سنبھلنے کا موقع تک
سکے۔" ویرا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بے کار بات ہے۔" اوّل خان اپنا سر جھٹک کر بے اعت
سے بولا۔ "شبہ ہوجانے کے بعد ہم بے احتیاطی کیوں کریں
ہمیں کمرے میں داخل ہوکر دیکھنا چاہیے کہ وہ وہاں کیا کررہا تھ

مجھے اوّل خان کی دلیل وزنی محسوس ہوئی اور میں نے خا
سے سگریٹ سلگالی لیکن ویرا نے اس سے بحث شروع کر
میرے لیے وہ صورتِ حال خاصی دلچسپ ثابت ہوئی کیونکہ
پہلی بار اوّل خان سے کسی بات پر الجھ رہی تھی اور وہ بھی لا
بالائے طاق رکھ کر ویرا کے مدافعانہ جوابات کو یکے بعد دیگ
مسترد کرتا جارہا تھا۔ اوّل خان کے اس رویّے کے نتیجے میں د
بتدریج جھلاہٹ طاری ہوتی جارہی تھی۔

اوّل خان نے اس کمرے میں کسی ٹائم بم کی موجودگی کا احمقانہ قرار دے ڈالا تھا۔ ٹائم بم پہلے سے طے کیے ہوئے مقررہ وقت پر پھٹتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس وقت ہم میر
کوئی بھی وہاں موجود ہوتا۔ ایسی صورت میں کمرا ضرور تباہ ہ
تھا لیکن مکاؤ والے اپنا کوئی مقصد حاصل نہیں کرسکتے تھے
امکان بہرحال قابلِ غور تھا کہ اس کمرے میں کوئی ایسی دھما
ڈیوائس موجود ہو جو بارودی سرنگ کی طرح، ہماری کسی بے اح
کے نتیجے میں چل پڑے اور کمرے میں داخل ہونے والوں
چیتھڑے اڑا ڈالے۔

دوسرے امکان کے سدباب کے لیے اوّل خان کے پاس
معمولی احتیاط کا ہتھیار موجود تھا۔ خاصی دیر کی تکرار کے بعد
خان ہم دونوں کو وہاں سے اٹھانے میں کامیاب ہوگیا۔

ہم ڈرائنگ روم سے مکان کے اندرونی حصے کی طرف ب
ہی تھے کہ سامنے سے اوّل خان کے دو مسلح کمانڈو آتے ہوئے
آئے اور میں نے انہیں فوراً ہی پہچان لیا۔ ان میں سے ایک

جو ہوش میں آچکا تھا۔ دوسرا اس کا تیماردار تھا جس کا نام
ت بتایا گیا تھا۔

"ہمّز!" اوّل خان ان دونوں کو دیکھتے ہی مربیانہ لہجے میں بولا۔
دونوں کے آجانے سے اب میری نفری پوری ہوگئی ہے۔۔۔۔ یہ
تم دونوں
کہ تم دونوں کا مورال کیسا ہے؟"

"زبردست، سر!" دونوں نے بیک آواز کہا اور پھر اپنی جگہ پر
کر ایک خاص انداز میں اپنے قدموں پر اچھلنے لگے۔ وہ ان کی
ب سے پھرتی و مستعدی کے اظہار کا طریقہ تھا یا خون کو گرمانے
ی ترکیب۔ اس کا محرک کوئی بھی جذبہ رہا ہو، اس کے اثرات سے
رش فی الفور ڈھلنے لگا۔

"رائٹ!" اوّل خان نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو روک دیا۔
ہمارے ساتھ آؤ اور اپنی سرچ لائٹس سنبھال لو۔ ہم اسی کمرے
ں جارہے ہیں جہاں حملہ آور چھپا بیٹھا تھا۔"

ان دونوں نے رک کر اپنی اپنی کمر سے جھولتی ہوئی سرچ
ئٹس ہاتھوں میں لے لیں۔

اوّل خان کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ اس نے شاہد کی
سرچ لائٹ اپنے قبضے میں لے لی اور ہنستے ہوئے بولا۔ "اسکیپ
مپ میں تم دونوں نے شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ اب کسی مقابلے کی
نوبت آجائے تو اسی مہارت سے اپنے دشمن کا گلا دبوچ لینا۔"

"آپ بے فکر رہیں، سر! اس وقت تو میں اعتماد اور بے خبری
میں مارا گیا۔ دوسری مرتبہ مایوسی کی نوبت نہیں آئے گی۔" شاہد
نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

ہم مکان کے اندرونی حصوں سے گزر کر عقبی کمرے کے سامنے پہنچے تو اوّل خان سب سے آگے تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ اوّل خان نے سرچ لائٹ کیوں لی تھی۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر تھا اور اپنے نیم عسکری طریقۂ کار کے مطابق ہر مہم میں اپنے ماتحتوں سے آگے رہنے کا عادی تھا تاکہ کسی کے دل میں یہ گمان پیدا نہ ہوسکے کہ افسر اسے موت کے منہ میں جھونک کر دور سے تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔

اوّل خان سرچ لائٹ کی روشنی میں نہایت محتاط انداز میں نیم وا دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کے داہنے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا بھرا ہوا اسمتھ اینڈ ویسن دبا ہوا تھا۔

"چلے آؤ!" اس نے چند ثانیوں بعد اندر سے آواز دی۔ "کمرا خالی ہے۔"

ہم لوگ بھی چوبی پٹ یا چوکھٹ کو چھیڑے بغیر اندر داخل ہوگئے۔ اوّل خان سرچ لائٹ کی روشنی میں گہری نظروں سے دیوار گیر سوئچ بورڈ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسی چیز کو نہ چھیڑنا۔" وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے بغیر بولا۔ "مسہری پر بہت کچھ بکھرا ہوا ہے۔"

سوئچ بورڈ کے تفصیلی جائزے سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے کمرے کی بتیاں روشن کردیں۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ وہ کمرا کسی کشادہ خوابگاہ کا سماں پیش کررہا تھا لیکن اس وقت وہاں ابتری کے نمایاں آثار پائے جارہے تھے۔ دیوار گیر چوبی الماری کے دونوں پٹ پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔ ایک سیاہ چرمی سوٹ کیس قالین پر خالی پڑا ہوا تھا۔ شاید اس میں بھرا ہوا سارا سامان مسہری پر الٹ دیا گیا تھا۔ اس سامان میں مغربی تراش کے چند مردانہ جوڑوں کے علاوہ بہت سے کاغذات اور لفافے بھی تھے جو بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو اس سامان میں کسی خاص چیز کی تلاش رہی ہو۔

اس کمرے سے نکل بھاگنے والا اپنی تلاش میں کامیاب ہوا یا نہیں، اس بارے میں کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن اس وقت بکھرے ہوئے سامان کے انبار پر جو پرکشش چیز نظر آرہی تھی وہ مٹی کا بنا ہوا ایک رنگین بُت تھا۔ وہ چینیوں میں پانچ شیطانوں کے طور پر معروف بندروں میں سے کسی کی ماہرانہ شبیہہ تھی۔ بہت سے چینی فنکاران ننھے بُتوں میں کمال ہوشیاری سے نقوش و نگار اور تاثرات ابھارنے میں یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔

تقریباً چھ انچ اونچے، اس بے مثال بُت پر نگاہ پڑتے ہی ویرا اضطراری طور پر اس کی طرف لپکی لیکن اوّل خان نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ "اسے ہاتھ بھی نہ لگانا۔ بُت کی صورت میں یہ بارودی سرنگ معلوم ہوتی ہے۔ اسے چھوتے ہی ہم سب کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

"اس قدر حسین بوبی ٹریپ میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔" ویرا بے اعتباری سے بولی۔

"تمہیں کسی جیتے جاگتے محاذِ جنگ پر جانے کا موقع ملتا تو تمہیں دلکش ترین کھلونوں سے مشابہ بارودی سرنگیں دیکھنے کو ملتیں۔ ہم اسے چیک کئے بغیر ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" اوّل خان نے کہا۔

اوّل خان کے آدمی اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے تقریباً تمام دستی آلات سے لیس تھے۔ مائن اور بوبی ٹریپ کا ذکر سنتے ہی شاہد نے اپنی پشت پر موجود کٹ میں سے ایک چھڑی نکال لی جو ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ سیاہ رنگ کی اس چھڑی کے ایک سرے پر چھوٹا سا سرخ بٹن تھا اور دوسرے سرے پر تقریباً تین انچ کی لمبائی میں چھڑی کی موٹائی بڑھی ہوئی نظر آرہی تھی۔

شاہد نے سرخ بٹن دبا کر چھڑی کا موٹا سرا فرش کی طرف گھمایا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر اس نے مسہری کی طرف جا کر، وہی موٹا سرا بندر کے خوبصورت بُت کی طرف بڑھایا اور اچانک ہی چھڑی کے کسی حصے میں سے بیپ کی تیز آواز آنے لگی۔ اوّل خان فاتحانہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج کل یہ بارودی ڈی ٹیکٹر بہت عام ہیں۔" ویرا کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہر اہم پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی اسی آلے سے جانچ پڑتال کی جاتی ہے.... ہاں، تمہاری حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کہ تمہیں اس مورتی کو دیکھتے ہی مائن کا خیال آگیا۔"

"میں بھی تمہارے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کررہا تھا ورنہ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے ریڈی میڈ شعبدے تمہیں یا ذرّہ بھی مرعوب نہیں کرسکتے۔" اوّل خان نے اپنی روایتی فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں شاہد نے اپنا چھڑی نما آلہ کئی بار مختلف سمتوں میں گھمانے کے بعد بُت کی طرف بڑھایا۔ بُت سے دور رہتے ہی آلہ خاموش ہوجاتا تھا لیکن اس کے قریب پہنچتے ہی بول پڑتا تھا۔

"لعنت بھیجو۔" میں نے اس تماشے سے اکتا کر کہا۔ "یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ اس خبیث نے ہمیں بھاری نقصان پہنچانے کے لیے یہ سارا کھٹ راگ پھیلایا تھا۔ اس بُت کو دو مہینے بھی نہ چھیڑا جائے تو یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہمیں اسے بھول کر اب کچھ کام کرنا چاہیے۔"

اوّل خان کے کمانڈوز کے دستے میں بموں اور بارودی سرنگوں کو ناکارہ بنانے والا ایک پیشہ ور ماہر بھی موجود تھا۔ اوّل خان اس کے بارے میں شاہد اور حشمت کو ہدایات دینے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک جگہ رک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

سگریٹ کا سرا روشن ہوتے ہی، ویرا نے اسے میرے ہونٹوں سے کھینچ لیا اور دور ہٹ کر بے پروایانہ انداز میں گہرے کش لینے لگی۔ میں نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لے کر دوسری سگریٹ نکال لی۔

"پشاور میں وجے کی بتائی ہوئی تفصیلات سے یہاں کے چوکیدار کے بیان تک ایک بات مشترک ہے۔" ویرا خود ہی بولنے لگی۔ "دونوں کے بیان میں دو چینیوں کا ذکر تھا۔ وجے نے مزید یہ بتایا کہ مکاؤ سے آئے ہوئے دونوں بدمعاش مقامیوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوششوں میں اس وقت تک ناکام رہے تھے۔ چوکیدار کے بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ ابھی تک وہ دونوں اپنے طور پر کام کررہے ہیں...."

"تم ان باتوں کو دہرا کر کیا نکتہ پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر بدمزگی سے سوال کیا۔ "میں ان سب باتوں سے بہت اچھی طرح باخبر ہوں۔"

"نکتہ یہ ہے کہ وہ دونوں جہانگیر کو یہاں سے لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں ان میں سے ایک بدمعاش یہاں لوٹ آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ اسی علاقے میں کہیں موجود ہیں۔" ویرا مجھے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یہاں سے بھاگنے والا فوراً ہی اپنے ساتھی تک پہنچا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک جہانگیر کو کار میں ساتھ لئے پھر رہے ہوں اور اپنی بدمعاشی کے نتائج کا انتظار کرنے کے بعد کوئی نیا وار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

میں اس کی باتوں سے متاثر ضرور ہوا لیکن اس کے رویے کی وجہ سے میں نے اتفاقِ رائے کا اظہار ضروری نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"بالفرض ان خرافات کو درست مان بھی لیا جائے تو کیا ہوگا؟"

"اگر تم نے سنجیدگی سے یہ سوال کیا ہے تو اللہ تمہاری عقل پر رحم کرے۔" اس نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا اور اسی وقت اوّل خان ہم لوگوں کے قریب آموجود ہوا۔

"ہم لوگ یہاں رہ کر کیا کرسکیں گے؟" اس نے ڈرائنگ روم کی طرف واپس لوٹتے ہوئے سوال کیا۔

"انتظار!" ویرا نے بلا توقف جواب دیا "اس وقت ہمارے لیے انتظار ہی سود مند رہے گا۔"

"میرے آدمی بارودی بُت کو ناکارہ بنا کے اسٹیشن فوراً لے جائیں گے۔ میری دانست میں ہمارا وہاں چلے جانا زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اپنے آدمیوں سے متواتر خبریں ملتی رہیں گی۔" اوّل خان نے کہا۔

ویرا نے اپنی وہی کہانی چھیڑ دی جو میں اس کی زبانی پہلے ہی سن چکا تھا۔

اوّل خان اس کی ذہنی صلاحیتوں کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تم اس دوران میں واقعی سوچتی رہی ہو۔ تم نے خاصی محنت سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں ابھی تک جہانگیر کی اکارڈ میں ہی گھوم رہے ہوں۔ معذور جہانگیر کو انہوں نے بے ہوش کردیا ہوگا۔ ہمیں اس مکان کی چار دیواری میں محصور ہوکر بیٹھ جانے کے بجائے باہر کا دھیان رکھنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی محنت اور ہوشیاری سے مکاؤ کے ان فتنوں کا قصہ ہی تمام ہوجائے۔"

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں ایک صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ ویرا مے نوشی کا ارادہ کرکے سیدھی وائن کیبنٹ کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر نے اپنے وائن کیبنٹ کے دروازوں میں سے شفاف شیشے نکلوا کر خوبصورت چوبی پٹ لگوادیے تھے تاکہ ہر آنے جانے والے کو اس کمرے میں بھانت بھانت کی شرابوں کی موجودگی کا علم نہ ہوسکے مگر ویرا اس ٹھکانے سے اچھی طرح باخبر تھی۔ وہ پٹ کھول کر اپنے انتخاب میں مصروف ہوگئی۔

اس وقت اوّل خان پر کچھ اضطرابی کیفیت طاری ہوچلی تھی۔ وہ کہیں بیٹھنے کے بجائے، نہایت فکر مندانہ انداز میں ڈرائنگ روم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلے جارہا تھا۔

"تم کچھ لوگے؟" ویرا نے پلٹ کر مجھ سے تیز آواز میں سوال کیا۔

"جو دوگی، لے لوں گا۔ میں تو درویش منش آدمی ہوں۔" میں نے اس کے خراب لہجے کو نظر انداز کرکے کہا۔

اوّل خان ٹہلتے ٹہلتے اچانک ویرا کے پاس جا پہنچا اور اس کے قریب رک کر نہایت ہمدردی سے بولا۔ "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو کر بھی شراب پیتی ہو...."

ویرا نے اس کا مضحکہ اڑانے کے انداز میں ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور زہر میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔ "کاش، تم میرے باپ ہوتے۔ اتنے دکھ کے ساتھ آج تک کسی نے مجھے شراب پینے سے نہیں روکا۔ میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں تم جیسے کسی دردمند باپ کی نہیں بلکہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہوں۔ اس نے مجھے جوان ہونے سے پہلے ہی الکحل پر ڈال دیا تھا تاکہ میں اس کی دوسری مخربِ اخلاق ہدایات پر بے چون و چرا عمل کرتی رہوں.... اے مقدس مشرقی انسان! مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے ذرا دیر سے ٹوکا ہے۔ اب شراب میری عادت بن چکی ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں بلیک ڈاگ اور سوڈے کی بوتلیں اور دو گلاس سنبھالے اور میری طرف آگئی۔ اوّل خان اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے کیبنٹ کے کھلے ہوئے پٹ بند کیے اور سر جھٹک کر دوبارہ چہل قدمی میں مصروف ہوگیا۔ ویرا اپنا ساز و سامان تپائی پر رکھ رہی تھی تو مجھے ہلکا سا وہم ہوا کہ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں خفیف سی نمی جھلک رہی تھی۔ شاید اوّل خان کی مربیانہ تادیب نے ویرا کے بربطِ دل کے کچھ نامعلوم تاروں کو اچانک ہی چھیڑ دیا تھا۔

اس نے دو گلاس بنائے۔ اپنے لیے اس نے بہت زیادہ مقدار میں اسکاچ انڈیلی تھی۔ دونوں گلاسوں میں سوڈا ملانے کے بعد اس نے اپنا گلاس ایسی عجلت سے ہونٹوں سے لگایا جیسے اس آتشیں سیال کے گھونٹوں سے اپنے وجود میں بھڑکی ہوئی کسی نادیدہ آگ کو فوراً سرد کرنا چاہتی ہو۔

اس نے یکے بعد دیگرے کئی لمبے گھونٹ لے کر میری طرف دیکھا تو الکحل کی سوزش کے سبب اس کی آنکھوں میں بہت واضح نمی جھلملانے لگی تھی اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ میں بدستور اپنی جگہ پر نیم دراز، خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ اس وقت اسے چھیڑا گیا تو وہ کسی شیرنی کی طرح بپھر جائے گی۔

پھر اوّل خان بھی ہمارے پاس آبیٹھا۔ کسی خیال کے تحت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ ہم انہیں گھیر سکتے ہیں۔" چند ثانیوں کے ڈرامائی توقف کے بعد وہ بولا۔

میں کچھ کہے بغیر استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"وہ کسی محفوظ کمین گاہ سے اس پھاٹک کی نگرانی کررہے ہوں گے۔" اوّل خان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہم باہر نکلتے ہی ان کی نظروں میں آجائیں گے اور انہیں پکڑنے کے بجائے خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ میں یونٹ سے آدمی بلا لیتا ہوں۔ وہ اس علاقے میں آکر مجھے اطلاع دیں گے۔ ادھر سے ہم باہر نکلیں گے۔ دوسری طرف میرے آدمی ہوں گے۔ وہ دونوں کسی بھی طرح بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔"

"اگر وہ تمہاری توقعات کے مطابق ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ہرگز بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔" ویرا نے اس کے خاموش ہونے پر بے پروائی سے کہا۔ "لیکن کوشش کرلینے میں کوئی حرج

نہیں ہے۔"

اوّل خان نے ہونٹ بھینچ کر غصے سے ویرا کو گھورا پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا "تم کیا کہتے ہو؟"

"اگر اس بندوبست میں زیادہ دیر نہ لگے تو کوشش کر لینی چاہیے۔" میں نے کہا۔

میری رضامندی پاتے ہی اوّل خان باہر چل دیا۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف متوجہ کیا تو اس نے کہا کہ وہ فون کے بجائے وائرلیس پر زیادہ تیزی سے انتظامات کروا سکے گا۔

ویرا پیتی رہی۔ میرا پہلا گلاس بدستور جوں کا توں رکھا رہا۔ میں نے دوبارہ صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنے الجھے ہوئے مسائل کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔

جب سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کیا تو میں اپنے معاملات میں اوّل خان کے حد سے بڑھے ہوئے اثر و نفوذ سے تقریباً بے زار ہو چکا تھا۔ اسی بے زاری کی وجہ سے میں نے بہت سی باتیں بالا ہی بالا طے کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم لوگ جتنے دن گالان میں سردار پائندہ گل کے قیدی یا سردار صبغت اللہ بادرانی کے مہمان رہے، بیرونی دنیا سے ہمارا ہر قسم کا رابطہ منقطع رہا لیکن پاکستان کی حدود میں قدم رکھتے ہی جو صورتِ حال رونما ہوئی اس سے ظاہر ہو گیا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے دشمنوں کو پوری شدت سے میری تلاش تھی۔

ایک طرف مافیا کے ڈان تھری، دجے کو میری تلاش تھی۔ اسے پاکستان میں مافیا کی مکمل تباہی میں میرے کردار کے تعین کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن وہ مافیا کے ساتھ ہی بھارتی سیکرٹ سروس، را سے بھی خفیہ وفاداریاں رکھتا تھا۔ وہ را کے لیے کام کرنے والوں کی مقامی اعانت کے سہارے مجھے اپنے چنگل میں لینے میں کامیاب ضرور ہو گیا لیکن اس کی وہ کامیابی قطعی عارضی ثابت ہوئی۔ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دو مقامی مددگار پکڑے گئے جن میں سے ساون بلیک کیٹس کا رکن تھا۔ اس نے بازپرس کے نتیجے میں کراچی کے ایک فون نمبر کی نشاندہی کی تھی جو بھارتی قونصل خانے کے چیف اسٹینوگرافر کے گھر کا تھا۔ اس اسٹینوگرافر کے خلاف کام شروع کرنے سے پہلے ہی مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کا قصہ پورے زور شور سے چل پڑا۔ مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ وہ دونوں شی کے آئی مین، ڈون کوانگ فو کے غنڈے تھے لیکن اس معاملے کا اس وقت تک شی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ڈون کوانگ فو جو کچھ کر رہا تھا وہ ذاتی مخاصمت کی ذیل میں آتا تھا۔ وہ مکاؤ کی حویلی میں پیش آنے والے پراسرار خونی واقعات میں آخر کار میرا ہاتھ تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور مجھے ہر قیمت پر کڑی سزا دینے پر تلا ہوا تھا۔

ان پیچیدگیوں کے نتیجے میں اوّل خان ایک بار پھر بہت زیادہ فعال ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کراچی میں رہتے ہوئے

اس کی ذات سے مفر کی کوئی صورت ممکن نہیں ہی۔

"تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" طویل سکوت کے بعد ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"ایک قصہ نمٹتے ہی کوئی دوسرا معاملہ چل پڑتا ہے۔ اسی بارے میں کچھ ذہنی ورزش کر رہا تھا۔"

"تمہارا گلاس بھی جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ اتنی باریکی سے سوچتے رہو گے تو کیسے کام چلے گا۔" وہ غالباً دو گلاس ختم کرنے کے بعد تیسرے پر طبع آزمائی کر رہی تھی اور موڈ میں آ چکی تھی۔

"آج نہ جانے کیوں، مجھے تم سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے" میں نے اپنا گلاس اٹھا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں" اس نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا "میں لنگڑی لولی یا فاترالعقل نہیں ہوں کہ کسی کو میرے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔"

میں نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرنے کے بعد کہا "بعض لوگ ذہنی اور جسمانی تندرستی کے باوجود دوسروں کی گہری ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں.... محض ان حالات کی بنا پر جن سے وہ دوچار رہتے ہیں اور بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ انہیں ایسے حالات پر کوئی اختیار نہیں ہوتا...!"

"بس بس، زیادہ بکواس مت کرو" اس نے برا سا منہ بنا کر میری بات کاٹ دی "یہ درست ہے کہ مجھے اپنی پیدائش پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ تو جی لائیڈ تھا.... اگر کوئی اس سے بھی بدتر آدمی میری ماں کو اپنی آوارگی کا نشانہ بنا بیٹھتا تو میں کیا کر لیتی؟ میرا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ میں اس ظلم کے خلاف مزاحمت کرنے بلکہ سوچنے تک کی پوزیشن میں نہیں تھی.... ایسی بے رحمانہ مجبوری پر کسی کو مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے...."

میں نے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا "تیزی سے پینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی مدہوش ہونے سے پہلے ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔ میں مذاق ضرور کر رہا تھا لیکن کسی سے مذاق کرنے اور اس کا مذاق اڑانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

وہ یک بیک اداس ہو گئی اور میز کی سطح کو ناخن سے کھرچتے ہوئے، بھاری آواز میں بولی "مجھے تمہاری ہمدردی کی رو کا سبب بھی معلوم ہے۔ ویسے تو ہر شخص بہت بڑا طرم خان بنا پھرتا ہے لیکن اندر سے اس کی اصل کچھ بھی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات برمحل کہا ہوا ایک لفظ یا ایک فقرہ بھی اسے اندر سے اتھل پتھل کر ڈالتا ہے، لفظوں کی کاٹ کے سامنے تلوار کی دھار تک کند نظر آنے لگتی ہے۔ اوّل خان نے مجھ سے بے ساختہ جو کچھ کہا وہ ایسا ہی اثر انگیز تھا.... مجھے آج تک حسرت ہی رہی کہ میرے باپ نے میری بے

اعتدالیوں پر مجھے دردمندانہ انداز میں روکا ٹوکا ہوتا۔ اوّل خان کی بات سن کر بلاوجہ ہی میرا دل بھر آیا تھا۔ وہ میرے باپ کی عمر کا نہیں ہے لیکن ایک فرض شناس باپ ضرور ہے۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کی بات سن کر مجھے کیسا دھچکا لگا تھا۔"

"مجھے اندازہ ہے" میں نے ہنس کر کہا "میں کسی بددماغ حسینہ کو ٹوٹ کر چاہتا رہوں اور وہ میرے ساتھ تلخی و ترشی سے پیش آتی رہے، میں اس کی کسی مہربانی کی امید میں اس کی ساری نامہربانیاں سہتا رہوں لیکن وہ میرے حق میں جلادنی رہے۔ پھر ایک دن میں اسے کسی اور کے پہلو میں خرمستیاں کرتا ہوا دیکھوں تو میرے دل پر کیا گزرے گی؟ شاید تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔"

اس نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھا اور بولی "تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ مجھے اپنی محبوبہ سے مہربانی کی امید ہو اور جب اس کے مزاج میں لچک یا نرمی پیدا ہو تو وہ میرے بجائے کسی اور کو فیض یاب کرنا شروع کردے" میں نے کہا "تم جو کچھ اپنے باپ سے چاہتی تھیں وہ اس سے نہیں مل سکا لیکن جب اوّل خان نے وہی کچھ کہا تو تم اندر سے بکھر گئیں..."

بات قدرے سنجیدہ رخ اختیار کر چلی تھی۔ ویرا نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اس بات کو بھانپ گئی اور ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے بولی "لعنت بھیجو میرے باپ پر..... یہ بتاؤ کہ آج تمہیں اپنی کون سی محبوبہ یاد آرہی ہے جس کی یاد میں تم نازک مثالیں پیش کیے جارہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میری کہانی غزالہ سے شروع ہو کر اسی کی ذات پر ختم ہوچکی ہے مگر..."

اس نے پُرفریب مسکراہٹ کے ساتھ میری بات درمیان میں سے اچک لی اور بولی "مجھ سے اتنا سفید جھوٹ مت بولو۔ تمہاری ذاتی زندگی کبھی بھی اتنی سادہ اور پھیکی نہیں رہی ہے۔ اس بارے میں پارسائی کی بات کرتے ہو تو ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔ پھر تم اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکوگے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور چند لمحوں کے لیے مسحور ہو کر رہ گیا۔

اس کی حسین اور گہری آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈوروں کے ساتھ ہی والہانہ سپردگی کا جذبہ بھی امڈ آیا تھا۔ اس کے سرخ و سفید رخسار پکے ہوئے اناروں کی طرح دہک رہے تھے اور پتلے پتلے یاقوتی لبوں پر ایک بھیگی ہوئی مسکان مچل رہی تھی۔ قدرت نے حسن و جمال، نقوش و نگار اور قامت و پیکر کے کھاتوں میں اسے جن بے مثال انعامات سے نوازا تھا، وہ ان سے پوری طرح آگاہ تھی اور اپنے وجود کی ان خوبیوں سے فریقِ ثانی کو پوری طرح ناک آؤٹ کرنے کے فن میں طاق ہوچکی تھی۔ اس کی دل رُبا مسکان میں گم ہو کر شاید میں بھی احمقانہ انداز میں مسکراتا رہا پھر اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ میں جہانگیر کی چھت کے نیچے موجود تھا۔ اسے اغوا کیا جاچکا تھا اور حالات خاصے گمبھیر تھے۔

مجھے بے اختیار جھرجھری سی آگئی۔ میں غیر ارادی طور صوفے سے اٹھ کر ایک طرف چل پڑا اور بولا "میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا ۔ میری کہانی میں جھوٹ بس اتنا ہی ہے جو تمہاری ذات ہے... مختصر اور سبک سی، دل رُبا اور نظرنواز جو زیبِ داستان کے لیے اتنا جھوٹ تو ریاضی داں بھی بول لیتے ہیں وہ چار کے ہندسے تک پہنچنے کے لیے دو جمع دو کے سیدھے سادے فارمولے کے بجائے ایک جمع تین اور تین جمع ایک جیسی عبار آرائیوں کا سہارا بھی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن تم، تم غزالہ، غزالہ ہے..."

اس نے اضطرار کے عالم میں تیسرا گلاس خالی کرکے چوتھے کی تیاری کرتے ہوئے، مخمور لہجے میں کہا "غزالہ اپنے جھنڈ سے بچھڑے ہوئے ایک بے یار و مددگار پنچھی کی طرح ہے۔ تم اسے اپنے جال میں پھانس کر دانہ دنکا فراہم کررہے ہو۔ میں نے اس حد تک اس کا وجود تسلیم کرلیا ہے۔ اپنی جانب سے اسے تمہاری ذات پر تصرف کا حق بھی دے دیا ہے لیکن جب پیغمبر ہمیشہ زندہ نہ رہے تو وہ کب تک جئے گی؟ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری غزالہ مرگئی تو تمہاری نظروں میں کس عورت کا نام سرِفہرست ہوگا؟"

"اپنی ڈار سے بچھڑا ہوا پرندہ جب کسی دوسری ٹکڑی میں شامل ہوجاتا ہے تو بے یار و مددگار نہیں رہتا۔ نئی ٹکڑی اس کی شناخت بن جاتی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم نے غزالہ کا وجود ہی نہیں بلکہ میری اور اس کی گہری رفاقت کو بھی کھلے دل سے تسلیم کرلیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں تمہیں زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔ زندگی کا کوئی بھی بھروسا نہیں ہوتا۔ لوگ جینے کے لیے عجیب عجیب باتوں کا سہارا لیتے ہیں اور جئے چلے جاتے ہیں۔ کسی کو گئو ماتا کے پیشاب میں آتما کی شانتی ملتی ہے تو کوئی نئے بلیڈ کھا کر اپنی زندگی کو طول دیتا ہے مگر موت سب کو آتی ہے۔ ایک دن ہر زندہ جسم آگ یا مٹی کی خوراک بن کر اس دنیا سے گم ہوجاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا آخری دن کون سا ہوگا۔ موت کی گھڑی بس اچانک ہی سر پر آجاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میری اور تمہاری زندگی میں غزالہ کو موت کی سسکتی ہوئی گمنام وادیوں کا سفر کرنا پڑجائے۔ اس سے پہلے ہم دونوں یا ہم میں سے کوئی ایک ان اندھی وادیوں کے سفر پر روانہ ہوسکتا ہے اس لیے تمہاری قیاس آرائیاں بے بنیاد ہیں...."

"قیاس آرائی بے بنیاد ہی سہی لیکن میرے ذہن میں جنم لے چکی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم دونوں برسہا برس خوشگوار ازدواجی زندگی گزارتے رہو اور میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں لیکن میں پھر بھی تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔ میں آج سے پہلے بھی تم سے اس بارے میں گفتگو کرچکی ہوں لیکن تمہارا جواب تشنہ رہا تھا" اس وقت ویرا پر بولنے کی دُھن سوار ہوچکی تھی اور وہ بولے جارہی تھی "تمہیں خود سوچنا چاہیے کہ میں مغرب کی ہلکی پھلکی اور خود فراموشی کی زندگی کو چھوڑ کر یہاں کیوں پڑی ہوئی ہوں؟ مجھے تمہارے اعلیٰ مقاصد سے کچھ لینا ہے نہ جمی لائیڈ سے کوئی بڑی مخاصمت ہے۔ پھر بھی میں اپنا وقت یہاں گزار رہی ہوں، آخر کیوں....؟"

وہ خاموش ہو کر جواب طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے آہستگی سے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔ اس نے اپنے خول سے باہر آکر میرے اوپر شدید دباؤ ڈال دیا تھا۔

"تم نے خود پرانی باتوں کا حوالہ دیا ہے تو تمہیں میرا جواب بھی یاد ہونا چاہیے" میں نے دھیمے لہجے میں کہا "آدمی اپنی زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتا ہے اور میں غزالہ کی صورت میں اپنی محبت کا ثمر پاچکا ہوں۔ اگر تم محبت کو درجوں میں ہی بانٹ لینے پر مصر ہو تو مجھے بے باکی کے ساتھ یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے پہلے درجے کی محبت غزالہ سے کی اور تمہارا نام دوسرے درجے میں آتا ہے۔"

اس نے لذت آمیز انداز میں اپنی مخمور آنکھیں بھینچ کر اپنا چہرہ چھت کی طرف کرلیا۔ اس کی صراحی دار گلابی گردن کا حسن کچھ فزوں ہوگیا پھر ڈرائنگ روم کی خاموش فضا میں اس کی منمناتی ہوئی آواز ابھری "میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں غزالہ کے حق پر ڈاکا ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے دوسرے درجے میں رکھتے ہو۔ تمہارے اس اعتراف یا انکشاف نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی ہے۔ آج تک میں اپنی انا کے خول میں بند ہو کر ایک سراب کے پیچھے دوڑ رہی تھی لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سراب اور منزل کے درمیان کی ایک حقیقت ہے۔ میں اپنی جھوٹی انا کو لات مار کر ڈنکے کی چوٹ پر کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے، میں تم کو چاہتی ہوں، میں تم کو نہیں بھول سکتی" وہ آنکھیں کھول کر مسحور سے انداز میں میرے قریب آئی اور پھر گریبان پکڑ کر مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میں بری طرح بوکھلا گیا۔ میں نے اس سے دور رہنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ والہانہ انداز میں میرے سینے سے سر ٹکا کر میرے بازوؤں کو بھینچنے لگی۔

"ہوش میں آؤ ویرا!" میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "کیوں خود کو تماشا بنانے پر تلی ہوئی ہو؟ گھر میں ایس ٹی ایف والے دندناتے پھر رہے ہیں۔ کسی بھی لمحے اوّل خان یہاں آسکتا ہے۔ وہ ہمیں اس حال میں دیکھ کر کیا سوچے گا؟"

"مجھے اب کسی کے سوچنے کی پروا نہیں رہی" وہ مجھ سے دور ہوتے ہوئے بولی "مجھے اپنے اوپر ناز ہوا کرتا تھا کہ دنیا کا کوئی مرد مجھے اپنا کھلونا نہیں بناسکا..... میں اپنی پسند کے مردوں کو کھلونا بناتی تھی، ان سے کھیلتی رہتی تھی اور جب دل بھر جاتا تھا تو پرانے کھلونے کو چھوڑ کر نئے شکار کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھی۔ شاید تم ہی نے ایک بار مجھے مردوں کی شکاری کہا تھا لیکن وہ سب میری بھول تھی۔ میں تمہارے سامنے ہار چکی ہوں۔ تم نے مجھے دوسرا درجہ دے کر بہت زیادہ عزت سے نوازا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں چیخ چیخ کر سب کو بتاتی پھروں کہ ڈینی میری پہلی چاہت ہے اور میں اس کی دوسری پسند ہوں...."

"خدا کے لیے ہوش میں رہو!" میں نے اس کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے "ایسی حماقت کر بھی نہ بیٹھنا۔ غزالہ کے کانوں میں ان باتوں کی بھنک پڑگئی تو ہماری ازدواجی زندگی میں تلخیوں کا زہر گھلنا شروع ہوجائے گا۔ تمہاری غیر ذمے دارانہ روش کی وجہ سے میرے اور تمہارے تعلقات بھی خراب ہوسکتے ہیں۔ پسند اور محبت کا عمل جتنی تیزی سے شروع ہوتا ہے، جذباتی نزاکتوں کی وجہ سے اس سے کہیں سرعت سے نفرت میں بدل جاتا ہے۔ تمہیں ان باتوں کا احساس ہونا چاہیے ورنہ تم میرے ساتھ اپنی زندگی کو بھی دشوار بنالوگی..."

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر عارفانہ انداز میں ہنس پڑی "ڈرو نہیں، میں تمہیں اپنی کیفیت سے آگاہ کررہی تھی۔ مجھ سے کسی بھی حالت میں ایسی بے احتیاطی سرزد نہیں ہوسکتی جس سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے۔ تمہیں خوش و خرم دیکھ کر میں بھی آسودہ رہتی ہوں۔ غزالہ سے پوچھ لینا کہ لنڈی کوتل سے روانگی کے بعد جب تمہیں اغوا کرلیا گیا تھا تو میری کیا حالت ہوئی تھی۔ جو عورت تمہیں یوں ٹوٹ کر چاہتی ہو وہ اپنے کسی قول یا فعل سے تمہیں دکھ کیسے پہنچا سکتی ہے؟"

پختہ برآمدے کے فرش پر وزنی جوتوں کی کھٹ کھٹ سن کر میں نے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری ہر بات پر یقین آچکا ہے۔ اب اپنی تشہیری مہم بند کردو۔ اوّل خان سنجیدہ اور خانہ دار آدمی ہے۔ اسے ہمارے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہوگیا تو میں اس کی نظروں میں اپنی وقعت کھو بیٹھوں گا۔"

ویرا نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو چوم کر فضا میں میری طرف اچھالا، لوفرانہ انداز میں بائیں آنکھ دبائی اور شوخی سے مسکرانے لگی "ہمارے تعلقات کی نوعیت! اس وقت تو تم خاصی رومانٹک باتیں کررہے ہو۔ کیا خرابی ہے ہمارے تعلقات میں؟ تم کہو تو میں اوّل خان..."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر یک لخت ہی خاموش ہوگئی کیونکہ اوّل خان ڈرائنگ روم میں داخل ہورہا تھا۔

"بندوبست ہوگیا" وہ دور ہی سے بولا "میرے آدمی چل پڑے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ان بدمعاشوں کو گھیر کر پکڑلیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں باہر جانا ہی پڑے۔ میرے آدمی ڈبل فارمیشن میں آئیں گے۔"

"ڈبل فارمیشن!" ویرا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے پوچھا "یہ کیا ہوتی ہے؟"

"دراصل وہ لوگ...!" روا روی میں جواب دیتے ہوئے، جوں ہی اوّل خان کی نظر ویرا کے چہرے پر پڑی، وہ ایک جھٹکے سے

خاموش ہوگیا اور چند ثانیوں تک ویرا کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا "تمہاری آواز بھاری اور چہرہ متغیر ہوچکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بہت زیادہ پی لی ہے" اوّل خان کی دھیمی اور مجروح آواز سے اس کے دلی صدمے کا اظہار ہورہا تھا۔

"زیادہ نہیں' بس ذرا تیزی سے پی ہے اس لیے رنگ دکھا رہی ہوگی" ویرا کسی شرمندگی کے بغیر بولی "لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ٹھاک کام کررہا ہے۔ تم نے ابھی تک ڈبل فارمیشن کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم یہیں صوفے پر لیٹ کر آرام کرو" اوّل خان نے اسے دیدہ دلیری پر آمادہ پاکر سرد مہری سے کہا "ہم باہر برآمدے میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ ہماری باتوں سے تمہارے آرام میں خلل پڑے گا۔"

"خلل!" وہ اپنی ترشی ہوئی زلفیں جھٹک کر ایک ادا سے ہنس پڑی "خلل' خلال اور خلیل.... میں آج بھی ان تینوں لفظوں میں مشکل سے تمیز کرپاتی ہوں.... خلل اس تنکے کو کہتے ہیں نا جس سے یہاں کے پان خور اپنے دانتوں کے بخیے ادھیڑتے رہتے ہیں؟"

اوّل خان اپنے پان خوروں کی وہ ہتک برداشت نہ کرسکا اور تلخی سے بولا "خلال صرف یہاں نہیں' پوری دنیا میں استعمال ہوتی ہے۔ خنزیر کا سخت اور ریشے دار گوشت کھانے والے گورے خلال کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔"

"تم جذباتی ہورہے ہو" ویرا فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی "ہم لوگ اسے خلال نہیں' ٹوتھ پک کہتے ہیں۔ تیسرے درجے کے ہوٹلوں میں اس تنکے کے لیے جو گھٹیا نام استعمال کیا جاتا ہے' میں اسے دہرا بھی نہیں سکتی۔ تم فوراً الزام لگادوگے کہ میں نشے کی ترنگ میں گالیوں پر اتر آئی ہوں۔"

"آؤ' باہر ہی بیٹھیں گے!" اوّل خان نے اسے نظرانداز کرکے مجھ سے کہا اور ایک جھٹکے سے واپسی کے لیے مڑگیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ویرا بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی" اس نے بلند آواز میں کہا۔ جوں ہی میں قدم بڑھا کر اس کے قریب سے گزرا' اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی "اب میں اسے خوب سلگاؤں گی۔"

"تم اس کمرے سے باہر نہیں...." اوّل خان پلٹ کر گرجا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی قرب وجوار سے ایک فائر کی گونج سنائی دی' اسی کے ساتھ کہیں ایک ہولناک دھماکا ہوا' فضا میں لمحہ بھر کے لیے تیز نیلگوں روشنی بھرگئی پھر پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔

فائر اور دھماکے کے بعد فضا پر خوف اور سکوت طاری ہوگیا۔ بس باہر ایس ٹی ایف والوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آسیبی سی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"میں یہیں بیٹھ جاتی ہوں" چند ثانیوں کے بعد ویرا کی سپاٹ آواز ابھری "تم دونوں ہی باہر ہو آؤ" اس نے وہ فقرے ایسے لاتعلقانہ انداز میں ادا کیے تھے جیسے فائر' دھماکا اور تاریکی اس کے لیے قطعی غیراہم رہے ہوں۔

اوّل خان تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور میں اس کے قریب سے دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

باہر نہ صرف جہانگیر کے مکان کے وسیع وعریض احاطے میں گہری تاریکی کا راج تھا بلکہ پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا' اسٹریٹ لائٹس تک بند ہوچکی تھیں۔ ہر طرف پھیلے ہوئے اندھیرے سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ علاقہ کسی پاور بریک ڈاؤن یا لوڈشیڈنگ کی زد میں آگیا ہو۔

اندھیرے میں بوکھلاہٹ کا شکار ہوکر اِدھر اُدھر بھاگنے کے بجائے میں ایک ہی جگہ کھڑا رہا۔ اس دوران میں اوّل خان بھی خاموشی سے میرے قریب آکھڑا ہوا۔ مجھے اس کی موجودگی کا احساس اس وقت ہوا جب وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا "پتا نہیں' میرے آدمی کہاں رہ گئے.... یہ اندھیرا کسی تخریب کاری کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا ذہن بھی فائر اور نیلگوں روشنی کے تیز جھماکے میں الجھا ہوا ہے" میں نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا "شاید کسی نے اس علاقے کا پی ایم ٹی اڑادیا ہے۔"

"بعض اوقات تم خاصی پیچیدہ اصطلاحات استعمال کرجاتے ہو" اوّل خان کی آواز سے ہلکی سی بیزاری مترشح تھی۔ "ایم پی اے اور ایم این اے سننے میں آتا رہتا ہے۔ یہ پی ایم ٹی کیا بلا ہے؟"

میں سنگین ماحول میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا اور بولا "یہ اسمبلی یا کسی کمیشن کے رکن کا عہدہ نہیں' کھمبے پر نصب اس ساکت برقی مشین کے نام کا مخفف ہے جسے پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر کہا جاتا ہے۔"

اوّل خان کھسیا کر میری ہنسی میں شامل ہوگیا اور حیرت سے پوچھنے لگا "تو کیا یہ آہنی مشین صرف ایک گولی سے بھی تباہ ہوسکتی ہے؟"

"نشانے پر لگی ہوئی گولی کافی سے زیادہ ہوتی ہے۔ تباہی کے لیے شارٹ سرکٹ ہونا کافی ہوتا ہے۔ بعض اوقات بال کی طرح باریک تاروں کے آپس میں جڑجانے سے کروڑوں کے بجلی گھر بیٹھ جاتے ہیں...."

"ہو نہ ہو' یہ ان ہی چینیوں میں سے کسی کی حرکت معلوم ہوتی ہے" وہ میری بات کاٹ کر بولا "وہ خاموشی سے انتظار کرنے کے بجائے کچھ نہ کچھ کرگزرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"اندھیرے میں تمہارے آدمی آسانی سے ان کا سراغ نہیں لگاسکیں گے۔"

اسی وقت اوّل خان کے ہاتھ میں موجود وائرلیس ایریئس سے ایک مدھم سی انسانی آواز سنائی دینے لگی۔ اوّل خان نے اندھیرے میں ٹٹول کر اس آلے کی آواز قدرے بڑھادی۔

وہ متعدد آدمی تھے جو وقفے وقفے سے بول رہے تھے۔ ان سب کے شناختی کوڈ میں برڈی کا لفظ مشترک تھا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہندسہ بھی بولا جارہا تھا۔

"تم کون سے برڈی ہو؟" میں نے ہنس کر اوّل خان سے پوچھا۔

"صرف برڈ!" اس نے مختصر سا جواب دیا اور اپنی توجہ ایریئس سے ابھرنے والی آوازوں پر مرکوز کردی۔ وہ باری باری ایک دوسرے کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کرکے اگلے علاقے میں ہونے والے روشنی کے تیز جھماکے اور پھر گہرے اندھیرے کے بارے میں اپنی قیاس آرائیاں بیان کرکے دوسروں کی رائے حاصل کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

"برڈی تھری کالنگ برڈی سیون!" ایریئس پر آواز ابھری "تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ یہ کسی بم کا دھماکا نہیں تھا۔ میں سات سال تک واپڈا میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں شرط لگاسکتا ہوں کہ وہ کسی برقی شارٹ سرکٹ کی نیلگوں روشنی تھی۔ کسی سب اسٹیشن میں آگ لگی تھی یا ہائی ٹینشن تار ٹوٹے تھے۔ یہ کوئی اتفاق بھی ہوسکتا ہے لیکن ہمیں برڈ کو پوری سچویشن سے آگاہ کردینا چاہئے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعہ اسی علاقے میں رونما ہوا ہے جو ہماری منزل ہے۔ ہم کسی بھی وقت اس تاریک علاقے میں داخل ہونے والے ہیں.... اوور!"

"برڈی سیون رسپانڈنگ برڈی تھری!" ایریئس سے ایک منحنی اور بیزار سی آواز ابھری "میرے ذہن میں جو کچھ آیا تھا' میں نے وہ کہہ ڈالا لیکن تمہاری بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اگر ٹارگٹ ایریا اندھیرے میں ڈوب چکا ہے تو ہمیں وہاں داخل ہونے سے پہلے برڈ سے ہدایت لے لینی چاہئے۔ میں بجلی اور اس کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا۔ تم خود ہی برڈ سے بات کرلو۔ لمحہ بھر میں تمہیں نئی ہدایت مل جائے گی... اوور!"

"مگر تم ہمارے سینئر ہو" برڈی تھری کی پُراحتجاج آواز ابھری "یونٹ کی کمان تم ہی کررہے ہو۔ برڈ سے تم بات کرلو۔ مجھے اس کی آواز سے خوف آتا ہے اور میں بلاوجہ ہکلاہٹ کا شکار ہوجاتا ہوں' اوور۔"

"تم پکے احمق ہو" جھلائی ہوئی آواز میں کہا گیا پھر برڈی سیون بالکل ہی بدلی ہوئی' نرم اور عاجزانہ آواز میں برڈ یعنی اوّل خان کو پکارنے لگا۔

اوّل خان شاید اپنے آدمیوں کو یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ اس نے برڈی تھری اور برڈی سیون کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی اس لئے اس نے چوتھی کال کے بعد برڈی سیون کو جواب دیا۔

برڈی سیون' اوّل خان کو مشاہدات سے آگاہ کرتا رہا۔ اوّل خان نے مکمل خاموشی اور تحمل سے اس کو بات پوری کرنے کا موقع دیا اور اس سے کال اوور ہوتے ہی اپنا فیصلہ سنادیا "بہت بڑا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا معلوم ہورہا ہے۔ گاڑیوں میں یہاں داخل ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ گاڑیاں باہر چھوڑ کر سب لوگ پیدل آگے بڑھیں۔ وہ دونوں ابھی تک اسی علاقے میں موجود ہونے چاہئیں۔ ان کے پاس کالے رنگ کی اکارڈ ہے۔ ان کے ساتھ ایک صحت منداور دراز قامت قیدی بھی موجود ہوگا۔ انہوں نے کوئی داؤ آزما کر قیدی کے ایک کولھے کی ہڈی اتار کر اسے تقریباً معذور کیا ہوا ہے۔ ہمارا پہلا ہدف اسی قیدی کی بازیابی ہے۔ میں مسلسل لائن پر موجود رہوں گا۔ کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات نظر آئے تو مجھے فوراً اطلاع ملنی چاہئے.... اوور اینڈ آل" اس نے پیغام نشر کرنے والا بٹن چھوڑ کر اپنی جانب سے اس کال کا سلسلہ منقطع کردیا لیکن ایریئس کو بدستور آن رہنے دیا۔

اوّل خان کی طرف سے ہدایات کا اجرا ہوتے ہی ٹرانسیٹر پر زبانی افراتفری کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس مہم میں غالباً کئی برڈی شامل تھے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس ایسا لاسلکی مواصلاتی آلہ موجود تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر دوسروں کے آلات سے ہم آہنگ تھا اور ان میں سے ہر شخص اپنے ایریئس کو آن رکھ کر دوسروں کی گفتگو سن سکتا تھا۔ اس مہم کا آغاز ہوتے ہی ان سب لوگوں نے اپنے اپنے ٹرانسیٹرز آن کرلئے اور ہر ایک کو اپنے چیف کی دی ہوئی ہدایات کا علم ہوچکا تھا مگر پھر بھی برڈی سیون ہر شخص سے سب سے پہلے اسی امر کی تصدیق طلب کررہا تھا اور پھر اسے اس کے متعینہ راستے کے بارے میں سمجھا تا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ برڈی سیون کو اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہی اس بارے میں فکر لاحق ہوگئی تھی کہ کہیں اندھیرے میں ہونے والی غلط فہمی کی بنا پر اس کے ساتھی آپس ہی میں نہ لڑ پڑیں۔

شاید وہ علاقہ برڈی سیون کا دیکھا بھالا تھا اور اسی وجہ سے اسے اس مہم کی کمان سونپی گئی تھی کیونکہ وہ اپنے ہر ساتھی کو مخصوص گلیوں' چوراہوں اور امتیازی نشانیوں کے ساتھ اس کے دائرہ کار سے آگاہ کررہا تھا۔ اور ہر شخص پوری توجہ سے اس سے ہدایات لے رہا تھا۔

"میں نے دنیا کے بہت سے ملک دیکھے ہیں" اچانک ہی اوّل خان جھلا کر کہنے لگا "ہر جگہ بے شمار چھوٹے اور بڑے جرائم ہوتے ہیں لیکن تحقیقات کے نتیجے میں ہمیشہ مقامی مجرم ہی بے نقاب ہوتے ہیں۔ باہر سے آنے والے غیر ملکی مجرموں میں اتنی ہمت اور جرائت نہیں ہوتی کہ وہ مقامی قانون سے ٹکرانے کا خطرہ مول لیں لیکن کراچی کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں جس کا جی چاہتا ہے' سورما بن کر قانون کو للکار بیٹھتا ہے اور مار کھائے بغیر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان حرام زادے' دوغلے چینیوں کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ وہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے یرغمال بنا بیٹھے اور جب پکڑے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو اسے ساتھ لے کر فرار ہوگئے؟ وہ میرے ہاتھ لگ گئے تو تم یقین کرو کہ کڑی بازپرس کے بعد میں انہیں کتّے کی موت ماروں گا۔ ڈون کوانگ فو کو ان کے سایوں کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"آہستہ بولو!" میں نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا "قاتلوں اور بدمعاشوں کے بھی کچھ قانونی حقوق ہوتے ہیں۔ انہیں عدالتوں میں صفائی کا موقع دیئے بغیر کتّوں اور بلّیوں کی طرح نہیں مارا جاسکتا۔ تم ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ انسانی حقوق کی کسی تنظیم نے تمہارے یہ الفاظ سن لئے تو تمہارے خلاف ایک طوفان کھڑا ہوجائے گا۔"

"انسانی حقوق!" اندھیرے میں اس کی تنفر آمیز آواز ابھری "یہ سب عالمی مفادات کے ڈھکوسلے ہیں۔ جب تک ان کے مفادات کو زک نہیں پہنچتی' وہ انسانی حقوق کی بڑی سے بڑی خلاف ورزیوں پر بھی آنکھیں بند کئے رہتے ہیں۔ جب ان کی راہ میں رخنہ اندازی ہونے لگتی ہے تو ایک شور کھڑا کرکے لشکر کشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ چند برطانوی ملاحوں کی تضحیک کو بہانہ بناکر انگریزوں نے بحراوقیانوس عبور کرکے فاک لینڈ کو پیس ڈالنے کی جو ناکام کوشش کی تھی' وہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ شاید ایس ٹی ایف ایسی ہی رکاوٹوں کا توڑ کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ ہم سرکاری ہیں نہ نیم سرکاری' ریکارڈ اور کاغذات پر دور دور تک ہمارا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا لیکن تم جانتے ہو کہ ہم کسی بھی محب وطن پاکستانی سے زیادہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ ہم قانونی موشگافیوں میں الجھے بغیر' ہر اس شخص کو جہنم واصل کردینے کا عزم رکھتا ہوں جو اس ملک اور یہاں رہنے والوں کا دشمن ہو....."

"تم یہ سب کرتے ہو اور پھر بھی عزت کی زندگی گزار رہے ہو۔ یہ بہت بڑی بات ہے" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "لیکن ایمانداری سے سوچو تو تمہیں اپنی کارکردگی کے لئے ذرا بھی قانونی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ تمہارے کارناموں کو کسی بھی وقت تمہارے خلاف فردِ جرم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے....."

اس نے پھر کر میری بات کاٹ دی "ایس ٹی ایف کی داغ بیل ڈالنے والے لوگ اوّل درجے کے محبّ وطن اور بے لوث افراد تھے۔ ان کے مقاصد بہت اعلیٰ تھے۔ ہم لوگ ارضی نہیں بلکہ آفاقی قانون کے داعی ہیں۔ ہر الہامی قانون نے انسان کو قصاص اور انتقام کا پورا پورا حق دیا ہے۔ جو ہماری جڑوں کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں' ہم ان کے نرخرے چیر ڈالتے ہیں اور یہی قانونِ فطرت ہے۔ اگر آج بد عنوان سیاست دانوں کا کوئی ٹولہ برسرِاقتدار آکر' بدنیتی کے ساتھ' ہم سے ہماری کارکردگی کا بے جا حساب لینا شروع کردے تو بھی ہم اپنے ضمیر کے سامنے سرخ رو رہیں گے۔ ہم اپنے اختیارات کے سہارے جرم نہیں کرتے' ہولناک جرائم کا انسداد کرتے ہیں۔"

ڈرائنگ روم میں چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ روشنی کا ایک شعلہ بھڑکا۔ میں نے پلٹ کر دروازے میں سے اندر جھانکا تو ویرا کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی اور وہ دیا سلائی کی مدد سے اسے سلگانے کی کوشش کررہی تھی۔

دیا سلائی بجھ گئی تو سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کے قریب سے ویرا کی منمناتی ہوئی آواز ابھری "اپنا گلاس ختم کررہے ہو یا میں اسے بھی خالی کردوں؟"

"اسے ہی نہیں' تم بوتل کو بھی خالی کردو اور وہیں مری رہو" میں نے جل کر اونچی آواز میں کہا "مکاؤ والے مالِ غنیمت میں ایک دلکش اور مدہوش عورت کو پاکر بہت خوش ہوں گے۔ ابھی تک انہیں صرف جہانگیر پر گزارہ کرنا پڑرہا ہے۔ زنانہ کولھے کی ہڈی اتارنے اور بٹھانے کا عمل ان کے لئے خاصا خوش گوار ثابت ہوگا۔"

ویرا کا بہکا بہکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر اس کی طنزیہ آواز آئی "اس وقت تم کسی کثیر العیال رنڈوے کی طرح کلکلا رہے ہو۔ تم اندھیرے میں کسی چمگادڑ کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کون سا تیر مار رہے ہو جو میرے یہاں بیٹھے رہنے پر اعتراض کررہے ہو۔ کام بتاؤ تو میں ابھی باہر آجاتی ہوں۔"

"اس کے منہ نہ لگو" اوّل خان نے آہستہ سے کہا "اس وقت وہ تھوڑی سی بہکی ہوئی ہے۔ اپنی بے تکی باتوں سے ذرا سی دیر میں تمہیں تاؤ دلادے گی اور کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہوگے۔"

میں تھکے ہوئے انداز میں وہیں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد ٹرانسمیٹر پر اطلاع آئی کہ اس علاقے کا پی ایم ٹی واقعی اڑادیا گیا تھا۔ اس میں سے بہنے والا کثیف تیل فٹ پاتھ اور سڑک پر دور تک پھیلا ہوا تھا اور بجلی کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہوئے کافی دیر گزر جانے کے باوجود وہاں جلے ہوئے تاروں کی تیز بُو پھیلی ہوئی تھی۔

"چھٹی ہوئی" اوّل خان وہ اطلاع سن کر بڑبڑایا "اس کا مطلب ہے کہ ٹرانسفارمر کی تبدیلی سے پہلے اس علاقے میں بجلی کی فراہمی بحال نہیں ہوسکے گی اور ہمیں اندھیرے میں ان بدمعاشوں کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"ان کا روشنی میں بھی ہاتھ آنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بس یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ جہانگیر کس حال میں ہوگا۔ وہ اب بہت زیادہ جسمانی اذیتیں سہنے کا عادی نہیں رہا ہے" میں نے کہا۔

ایس ٹی ایف کے کمانڈوز کو لانے والی جیپ پختہ روش کے آخری سرے پر احاطے کی دیوار کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد کمانڈوز نے مکان کے چاروں کونوں کی نگہبانی کے ارادے سے برق رفتار پیش قدمی کی تھی لیکن جیپ اس وقت بھی خالی نہیں تھی۔ اس میں نصب ٹرانسمیٹر پر آنے والے پیغامات سے باخبر رہنے کے لئے ایک کمانڈو جیپ میں موجود تھا اور احاطے میں پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں جیپ کے ڈیش بورڈ میں نصب چند روشنیوں کا ہلکا سا انعکاس برآمدے سے بھی دیکھا جارہا تھا۔

اچانک اوّل خان کے ٹرانسمیٹر پر اطلاع آئی کہ سیاہ اکارڈ دیکھ

ی تھی۔ وہ سڑک سے کافی دور ایک ویران پلاٹ پر جمع کوڑے
ڈھیر سے آگے اس طرح پارک کی ہوئی تھی کہ گہری تاریکی میں
ی النظر میں اس کا دیکھ لیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ میرے لئے وہ
ت سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھی۔

اوّل خان نے فوراً ہی ہدایت دی کہ قرب وجوار سے مزید دو
اد اس مقام پر پہنچ جائیں اور پھر منظم انداز میں اس اکارڈ کی
ف پیش قدمی کی جائے تاکہ مقابلے کی صورت میں منہ کی نہ
ھانی پڑے۔

ایس ٹی ایف کے اراکین میں کمال کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے
رائض کی ادائیگی میں ہمہ تن گوش بر آواز رہتے تھے اور ٹال مٹول
ے کام لے کر گلو خلاصی کی فکر میں غلطاں نہیں رہتے تھے۔ اوّل
ن کا حکم سنتے ہی یکے بعد دیگرے چار افراد نے بڑی سیون سے
ابطہ کرکے اپنی پوزیشن بتائی۔ وہ سب ہی خالی پلاٹ سے ملحقہ
یوں میں پوشیدہ رہ کر پیش قدمی کررہے تھے۔

میں ٹرانسمیٹر پر ان لوگوں کی تمام گفتگو سن رہا تھا لیکن اس
ت پروٹوکول کچھ ایسا تھا کہ اوّل خان' اپنے احکام بڑی سیون کو
ے رہا تھا اور وہ ان احکام کی روشنی میں دوسروں کو ہدایات دے
ہا تھا۔

دو آدمیوں کو خالی پلاٹ کی طرف روانہ کرنے کی ہدایات
باری کرنے کے بعد بڑی سیون نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے
رابطہ کرکے انہیں بریف کرنا شروع کردیا۔ میرے لئے وہ ایک غیر
ہم اور رسمی سی کارروائی تھی اس لئے میں بے فکری سے کرسی میں
دھنسا' ریڈیائی آوازوں کے صوتی زیروبم سے محظوظ ہوتا رہا۔

جب بڑی سیون' بڑی ون سے مخاطب ہوا تو اس کے تیسرے پیغام کے بعد مجھے چوکنا ہونا پڑگیا۔ بڑی ون کو پکارا جارہا تھا لیکن جواب ندارد۔ دوسری طرف چھائی ہوئی خاموشی کی وجہ سے بڑی سیون کی آواز میں بتدریج ایک عجیب سی تشویش ابھرتی جارہی تھی۔

"یہ کہاں غائب ہوگیا؟" اوّل خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا۔ میری ہی طرح وہ بھی پوری توجہ سے ٹرانسمیٹرز پر ہونے والی دوطرفہ باتیں سنتا رہا تھا۔

دو آدمی اکارڈ والے خالی پلاٹ کی طرف بھیج دئے گئے تھے۔ بقیہ آدمی تیزی کے ساتھ اس علاقے کی طرف سمٹنے لگے جہاں بڑی ون کی موجودگی متوقع تھی۔

پے درپے سات ناکامیوں کے بعد بڑی سیون دوسروں کو ہنگامی ہدایات دے رہا تھا کہ اس کی طرف سے ایک کال اوور ہوتے ہی ایریئس پر ایک کانپتی ہوئی' نقاہت زدہ آواز ابھری "بڑی ون کالنگ اپنی بڈی..... جو بھی میری آواز سن رہا ہو' وہ اس کال کا جواب دے..... اوور۔"

"اوہ!" اوّل خان کے حلق سے ایک غضب ناک غرّاہٹ آزاد ہوئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مصیبت سے دوچار ہوچکا ہے..... مجھے تو اس کی طویل خاموشی سے ہی کسی گڑبڑ کا یقین ہوچکا تھا۔"

دوسری طرف سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی ون سے گفتگو کا سب سے زیادہ استحقاق بڑی سیون کو حاصل تھا' اس لئے دوسرے خاموش ہی رہے۔ چند ثانیوں بعد بڑی سیون لائن پر آگیا۔

"بڑی سیون ریسیونگ بڑی ون" اس کی آواز سنائی دی "تم کہاں ہو اور کیا کررہے ہو؟..... اوور!"

"مجھ سے انگریزی میں بات کرو" اس بار بڑی ون نے انگریزی میں کہا "میں اس وقت دشمن کی تحویل میں ہوں' یہ دونوں صرف انگریزی سمجھ سکتے ہیں اس لئے مجھے انگریزی میں بات کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ انہوں نے پیچھے سے حملہ کرکے میری کھوپڑی پر ضرب لگائی اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے آئے۔ اب میں ان کے رحم وکرم پر ہوں۔ یہ لوگ تم سے بات کرنی چاہتے ہیں..... اوور!"

"تم داروغہ اسٹریٹ سے آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم کو کہاں گھیرا گیا ہوگا۔ صرف دوچار مکانوں کی دیکھ بھال کے بعد ہم تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے" بڑی سیون کا لہجہ سخت اور سرد ہوگیا "انہوں نے تمہیں بات کرنے کی اجازت دے کر سنگین غلطی کی ہے۔ اب یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکیں گے..... اوور۔"

"مارنے یا مرجانے کے فلسفے پر عمل کرنے والے کبھی قیدی نہیں بنتے" اس بار اجنبی لب ولہجے میں ایک استہزائیہ غیر ملکی آواز سنائی دی "تم داروغہ اسٹریٹ کے چار نہیں' سارے مکانات چھان ڈالو' تمہیں ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ ہم ایک محفوظ ٹھکانے پر ہیں۔ جہانگیر کو بے ہوش کرکے اکارڈ سمیت ایک کوڑے دان کے قریب چھوڑ چکے ہیں۔ ہماری فکر کرنے کے بجائے اسے تلاش کرو۔ وہ ہوش میں آگیا تو اس کی چیخیں زمین و آسمان تک کو دہلادیں گی۔ اس کے کولھے کی ہڈی کو کوئی ماہر ترین آرتھوپیڈک بھی سرجری کے بغیر دوبارہ نہیں بٹھا سکے گا..... اوور۔"

انگریزی میں کی جانے والی وہ ہرزہ سرائی اشتعال انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ تشویش ناک بھی تھی۔ بولنے والے کا لب ولہجہ اس بات کی چغلی کھارہا تھا کہ اس کا تعلق مشرق بعید کے کسی خطے سے تھا۔ وہ واضح طور پر مکاؤ کا باشندہ تھا جو بڑی ون کو زیر کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہوچکا تھا کہ اسے خالی پلاٹ پر اکارڈ کی دریافت کا علم نہیں تھا جب کہ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس کو بڑی ون پر غالب آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔

"تم کون ہو؟ تم نے یہاں لاقانونیت کا بازار کیوں گرم کیا ہوا ہے؟" بڑی سیون نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد پوچھا "تمہیں

اندازہ نہیں ہے کہ یہ جسارت تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی۔"

"ہم نے کوئی لاقانونیت نہیں پھیلائی۔ یہاں کا امن وامان خراب کرنے میں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم ڈینی نامی شخص سے اپنا پرانا حساب صاف کرنے آئے ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ آگیا تو ہم خاموشی سے گوشہ نشین ہوجائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سرکاری آدمی اس کی حمایت کیوں کررہے ہو؟"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم سرکاری آدمی ہیں؟" برڈی سیون نے اچھا سوال کیا۔

"سامنے کی بات ہے۔ عام آدمی ٹرانسیٹر لے کر نہیں گھوما کرتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے کافی آدمی جہانگیر کے گھر میں بھی موجود ہیں۔ تمہیں ڈینی اور اس کے ساتھیوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

"ہمیں ڈینی سے نہیں' اس مشن سے دلچسپی ہے جس پر وہ کام کررہا ہے۔"

"ہمارے فرشتوں کو بھی اس مشن کا پتا نہیں۔ ہمیں صرف ڈینی سے سروکار ہے۔"

اس کی طرف سے کال اوور ہوتے ہی ایک نئی آواز لائن پر آگئی۔ اس شخص نے اطلاع دی کہ تاریک اور گندے پلاٹ پر سیاہ اکارڈ دریافت کرلی گئی تھی۔ اس کی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹ پر ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ کسی ایسی اذیت میں مبتلا تھا کہ بے ہوشی کے عالم میں بھی رہ رہ کر غیرارادی طور پر کراہے جارہا تھا۔

میرے لئے یہ خبر اطمینان بخش تھی کہ جہانگیر جس حال میں بھی تھا' دستیاب ہوچکا تھا۔ نئے آدمی کے خاموش ہوتے ہی اوّل خان نے اپنے ایریئس پر ہدایات دینی شروع کردیں۔ جہانگیر کو اسی اکارڈ میں فوری طور پر اسپتال منتقل کرنے کے بارے میں اس نے اردو میں بات مکمل کی اور پھر انگریزی میں اس شخص سے مخاطب ہوگیا جس نے برڈی دن کو یرغمال بنایا ہوا تھا۔

"تمہارے پاس یہ آخری موقع ہے" اوّل خان اس سے کہہ رہا تھا "اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ہمارے آدمی کو چھوڑ کر خاموشی سے نکل جاؤ۔ تم مرکر بھی ڈینی تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہم سے ٹکرا کر تمہیں موت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں مل سکے گا۔ ہم بہت جلد تم دونوں کے گرد اپنا گھیرا تنگ کردیں گے۔ تمہارے چھوڑے ہوئے بت کو بالکل بے ضرر بنایا جاچکا ہے۔"

"ہم مکاؤ سے بلاوجہ یہاں نہیں آئے ہیں" اس بار اس کی آواز میں تلخی گھلی ہوئی تھی "اگر ڈینی تمہارے ساتھ موجود ہے تو اس سے بات کراؤ۔ تمہیں ہماری دشمنی کے اسباب کا اندازہ ہوجائے گا۔"

"میں بھی بات کئے لیتا ہوں" میں نے یہ کہہ کر اوّل خان سے ایریئس لے لیا اور بٹن دبا کر بولنے لگا "مجھ سے تمہیں کیا بات کرنی ہے؟ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہ!" دوسری طرف سے ایک کریہہ غراہٹ ابھری "اب اتنے معصوم نہ بنو۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ تم مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کے ساتھ کیا کھیل کھیل کر آئے ہو۔ تم اس کی حویلی میں قتل وخون ریزی کرکے بھی معصوم بنے رہے۔ حد یہ ہے کہ تم نے ڈون کے معزز مہمان نیشی کاؤ تک کو نہیں چھوڑا اور سب کو چکما دے کر مکاؤ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ڈون ان غلطیوں کو ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے میرے خلاف ڈون کے کان بھرے ہیں" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا "میں ہر لمحے ڈون اور اس کے آدمیوں کی نگاہوں میں رہا تھا۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی ڈون کی حویلی میں ہونے والے خون ریز ڈرامے دیکھے تھے لیکن اس وقت مجھ پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا تھا۔ نیشی کاؤ کے بارے میں خود ڈون کا خیال تھا کہ وہ اس کے کسی حریف کا نشانہ بنا تھا۔ اتنے دن بعد تم لوگوں کو کیا الہام ہوا ہے کہ ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میرا ان تمام واقعات سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اپنے اصل مجرم تمہیں مکاؤ ہی میں مل سکیں گے۔ تم یہاں بلاوجہ اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

"ڈون دنیا کے ایک دور افتادہ سرے پر اپنی حویلی میں مگن رہنے والا آدمی ہے۔ وہ مکاؤ کی پل پل کی خبریں رکھتا ہے لیکن اس سے آگے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ تم کسی کی سفارش پر اپنی عورت کی تلاش میں مکاؤ آئے تو ڈون کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تمہارا شمار شی کے بدترین دشمنوں میں ہوتا ہے۔ نیشی کاؤ کے قتل کے بعد ڈون کو پتا چلا کہ ان دنوں تم مافیا کے لئے کام کررہے تھے لیکن تم نے دونوں میں سے کسی کو نہیں بخشا۔ تم جس تھالی میں کھاتے ہو اسی میں چھید کرتے ہو۔ ایک طرف تم نے ڈون کی آنکھوں میں دھول جھونکی اور دوسری طرف مافیا کے ڈان تھری کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تمہارے ان جرائم کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔"

"نہ کرو معاف اور بند راستوں پر سرمارتے رہو۔" میں نے بھنا کر کہا۔

دوسری طرف سے زہریلی ہنسی کی آواز گونجی پھر کہا گیا "اب ہم بند راستے پر نہیں ہیں۔ تم سے بات ہونے کے بعد ہمیں پتا چل چکا ہے کہ تم جہانگیر کے مکان میں ہو۔ وہ تاریک مکان اس وقت بھی ہماری نظروں میں ہے۔ تم وہاں سے زندہ نہیں جاسکو گے۔ تمہیں آزاد چھوڑنے سے بہتر ہے کہ تمہیں ماردیا جائے۔"

اس بار میں نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا' وہ بالکل ہی بے سروپا نہیں تھا۔ ڈون کوانگ فو جیسا کینہ پرور اور انا پرست شخص یقیناً یہ چاہتا ہوگا کہ مجھے مکاؤ بلوا کر اپنے ہاتھوں سے سزا دے لیکن اس دور میں یہ ممکن نہیں رہا کہ پاکستان جیسے ملک سے کسی کو اغوا کرکے پوری رازداری

ے ساتھ مکاؤ جیسے دور افتادہ مقام تک پہنچایا جاسکے اس وجہ سے یہ بات قرین قیاس لگتی تھی کہ ڈون نے ان دونوں کو میری موت کا پروانہ دے کر کراچی بھیجا ہو۔

ان دونوں کی مجبوری کی انتہا یہ تھی کہ وہ جہانگیر کو اپنے ساتھ لے جانے کے باوجود اسے زیادہ دیر تک اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکے تھے۔ اشتعال کی لہر ختم ہوتے ہی جہانگیر کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھنے کا سنگین مسئلہ پیدا ہوا تو وہ اسے اسی کی گاڑی میں بے ہوش کرکے کہیں روپوش ہوگئے تھے۔

جہانگیر کی سلامتی کے بارے میں تشویش دور ہونے کے بعد اوّل خان اپنے آدمی کے بارے میں فکرمند ہوگیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ چینی بدمعاش اپنی ناکامی پر جھلا کر اسے ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اس آدمی کی جان کے علاوہ دوسری پریشانی یہ تھی کہ ایس ٹی ایف کا ایک لاسلکی مواصلاتی آلہ ان دونوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کے پاس اس ساخت کے پندرہ ٹرانسیٹرز تھے جو ایک مخصوص فری کوئنسی پر پانچ سے سات کلومیٹر کی رینج میں کام کرتے تھے اور وہ لوگ اپنی اندرون شہر سرگرمیوں میں باہمی رابطے کے لئے وہی ٹرانسیٹر استعمال کرتے تھے۔ ایک ایریئس غیرمتعلقہ افراد کی تحویل میں چلے جانے کے باعث بقیہ چودہ ٹرانسیٹرز بالکل ناکارہ ہوکر رہ گئے تھے کیونکہ ان پر دیا جانے والا ہر پیغام مکاؤ کے بدمعاشوں تک پہنچ سکتا تھا۔ وہ پیغامات سمجھنے کے لئے کسی مترجم سے بھی کام لے سکتے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے پاس صرف وہی ٹرانسیٹرز تھے۔ وہ بادسائل لوگ تھے۔ ان کی ہمہ وقت کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں ہر شعبے میں متبادل سہولیات مہیا کی جاتی تھیں۔ اوّل خان فیصلہ کرچکا تھا کہ اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد وہ ان سیٹوں کا استعمال عارضی طور پر معطل کردے گا۔ جب تک مکاؤ والوں کا قصہ نہ نمٹ جاتا' اس کے آدمی اپنی ضروریات کے لئے دوسرے ٹرانسیٹرز استعمال کرسکتے تھے جو قدرے وزنی ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ فاصلے تک کام کرتے تھے۔

احاطے میں موجود کمانڈوز مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ اس دوران میں جہانگیر کے چوکیدار نے ڈرائنگ روم میں روشنی کا بندوبست کردیا تھا۔ میں اوّل خان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ویرا پورے اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نشے کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا' آنکھوں کی پتلیاں سکڑ چکی تھیں اور ان میں تیز حیوانی چمک عود کر آئی تھی۔ تپائی پر رکھے ہوئے دونوں گلاس خالی تھے۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے ویرا دل بھر کے مے نوشی کرچکی تھی اور اس وقت فارغ بیٹھی ہوئی تھی۔

"بوتل خالی کیے بغیر تم نے ہاتھ کیوں روک لیا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وقفہ!" وہ فضا میں ہاتھ نچا کے بولی "وقفہ بہت ضروری ہے.... ویسے بھی اب واپسی کا وقت ہوچلا ہے۔ ہم کب تک یہاں اندھیرے میں جھک مارتے رہیں گے؟" اس کی آواز قدرے بھاری ہوچکی تھی لیکن زبان پر نشے کی ذرا بھی لکنت نہیں تھی۔

"ہم اندھیرے میں جھک ماررہے ہیں؟" میں نے حیرت سے کہا "کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ دو چینی بدمعاش جہانگیر کو اٹھالے گئے ہیں' ہمیں اس کی بازیابی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔"

"رہنے دو" ویرا نے میری طرف ہاتھ جھٹک کر کہا "تم سمجھ رہے ہو کہ میں کالے کتے کے اثرات کے تحت دنیا ومافیہا سے بے خبر بیٹھی ہوئی ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ جہانگیر کا یہ ڈرائنگ روم ویسٹ اوپن ہے اور میں برآمدے میں ابھرنے والی ہر انسانی اور ریڈیائی آواز بخوبی سن رہی تھی۔ اسے کس اسپتال میں لے جایا گیا ہے؟"

"میرے آدمی ایمرجنسی میں پی این ایس شفا یا جناح اسپتال کا ہی رخ کرتے ہیں" اوّل خان بول پڑا۔

"اسپتال کوئی بھی ہو' جہانگیر کا مناسب علاج نہیں ہوسکے گا" ویرا اپنی جھونک میں بولی "اس کے کولہے کی ہڈی مارشل آرٹس کا کوئی ماہر ہی بٹھا سکے گا۔ ڈاکٹر ڈریسنگ کرکے اسے پیتھیڈرین کے انجکشن دیتے رہیں گے یا پھر کوئی بڑا آپریشن تجویز کریں گے۔ اس کے لئے تمہیں مارشل آرٹ کا کوئی بڑا ماہر ہی تلاش کرنا ہوگا۔"

"تم بھی تو مارشل آرٹس کی ماہر بنی پھرتی ہو" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں ہاتھ پیروں کے چھوٹے موٹے جوڑ اتار سکتی ہوں۔ انہیں بٹھانا میری دسترس سے باہر ہے۔"

"تم اپنے قدموں پر چل سکتی ہو یا کسی کو بلانا ہوگا؟" میں نے چند ثانیوں تک اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔

ویرا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی "چلو! کہاں جانا ہے؟"

ہمیں روانگی پر آمادہ پاکر جہانگیر کے چوکیدار کا چہرہ اتر گیا اور وہ خوف زدہ نظر آنے لگا۔

"ڈرو نہیں' تمہاری حفاظت کے لئے ایک مسلح آدمی یہاں موجود رہے گا" اوّل خان نے اس کے قریب جاکر تسلی دیتے ہوئے کہا "ویسے اب وہ بدمعاش دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔"

چوکیدار نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بیٹری سے روشن ہونے والی ایمرجنسی لائٹ اٹھائی اور ہمارے آگے ہولیا۔ ویرا اکڑتی ہوئی سب سے آگے چلنے لگی۔ وہ قالین پر جس طرح قدم جما جما کر چل رہی تھی اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ الکحل اس کے اعصاب پر خاصی حد تک اثرانداز ہوچکی تھی۔

اول خان کے آدمی اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں بہت مستعد تھے۔ ٹرانسیٹر پر ایک غیرمتعلقہ آدمی کی مداخلت کے بعد ان سب نے سمجھ لیا تھا کہ ان کے ریڈیائی پیغامات کی رازداری

برقرار نہیں رہی ہے اس لئے اپرٹیس بالکل ہی خاموش ہوگیا تھا۔
برآمدے میں پہنچ کر اوّل خان نے حشمت کو طلب کیا اور ایک کمانڈو کو اسی مکان میں چھوڑ کر بقیہ افراد کو لے جانے کی اجازت دے دی۔ لمحہ بھر کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر استعمال کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے اس کی بے احتیاطی پر حیرت ضرور ہوئی لیکن میں نے اپنی زبان بند رکھی۔
اوّل خان نے اپنے اپرٹیس کا نشری بٹن دبا کر چند مہمل الفاظ پر مشتمل ایک مختصر سا فقرہ ادا کیا اور خاموش ہوگیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔
"کوڈ ورڈز؟" میں نے اس کی طرف دیکھ کر تائید طلب لہجے میں کہا۔
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اپنے آدمیوں کو خاموشی سے واپسی کا حکم دیا ہے۔ وہ ہمارے بعد نکلیں گے۔"
وہ اوّل خان کی عقل مندی تھی کہ چینیوں کو ہماری مکمل واپسی کی خبر نہ ملتی اور وہ خوف کے عالم میں اپنی کمین گاہ میں چھپے رہتے۔ جب تک انہیں میدان صاف ہونے کا اندازہ ہوتا، ہم دور جا چکے ہوتے۔
وہ دونوں اس وقت بھی غافل نہیں تھے اور اپنے ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ تھے۔ اوّل خان کی بات ختم ہونے کے چند ثانیوں بعد ایک بلغمی آواز میں انگریزی شروع ہوگئی۔ "تم لاکھ سر مارلو لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ کوڈ ورڈز میں ہدایات دے کر تم اپنے آدمیوں کا وقت برباد کررہے ہو۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے نشانے پر آیا تو بے موت مارا جائے گا۔ ہم لمبی رینج کے بے آواز ہتھیاروں سے لیس ہیں اور اڑتی چڑیا کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔"
وہ شاید دوسرا چینی تھا۔ اس کی طرف سے کال اوور ہونے پر اوّل خان بولنے لگا۔ "تم دونوں غیر ضروری باتیں کررہے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ تم اپنی کمین گاہ سے جہانگیر کے مکان پر نظر رکھے ہوئے ہو لیکن ڈینی نہایت اطمینان کے ساتھ یہاں سے نکل گیا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ ہم دیکھیں گے کہ تم خود کو کب تک چھپائے رکھتے ہو؟"
اس بدمعاش نے ٹرانسمیٹر پر ہی مغلظات بکنی شروع کردیں۔ اوّل خان نے اپرٹیس کی آواز دھیمی کردی۔
کمانڈوز اپنی جیپ میں سوار ہوگئے۔ اوّل خان نے ہم دونوں کو اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔ چوکیدار ایمرجنسی لائٹ بجھا کر اپنے کیبن کی اوٹ میں ہوگیا۔ وہاں رکنے والے کمانڈو نے آہنی پھاٹک کی اوٹ میں رہتے ہوئے، اسے پوری طرح کھول دیا۔ چند ثانیوں تک سنسنی خیز سا سکوت چھایا رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ دونوں کہیں سے پورا منظر دیکھ ہی رہے تھے تو پھاٹک کھلنے پر ضرور فائر کریں گے لیکن تاریک فضا پر ہر طرف سنّاٹا چھایا رہا۔
"تمہاری روانگی کا ذکر کرکے میں نے انہیں اشتعال دلانے کی کوشش کی ہے۔" اوّل خان پُرخیال آواز میں کہنے لگا۔ "مجھے حیرت ہے کہ پھاٹک کھلنے پر انہوں نے کوئی بے آواز فائر نہیں کیا۔"
"وہ خالی پھاٹک پر فائر کرنے کا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" میں نے کہا۔ "فائر لاکھ بے آواز ہو لیکن گولی چلنے کا شعلہ اس اندھیرے میں ان کی کمین گاہ کو بے نقاب کردے گا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کسی بھی آتشیں ہتھیار کی نال پر چڑھا ہوا سائلنسر، فائر کی روشنی کو بڑی حد تک چھپا لیتا ہے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اتنا خطرہ مول لے لیں گے۔"
"روشن ماحول میں فائر کی روشنی بے شک معدوم ہوسکتی ہے لیکن مکمل بلیک آؤٹ کے اس عالم میں تو روشنی کی ایک موہوم کرن بھی نہیں چھپ سکتی..... بہر حال تم اپنے آدمیوں کو اشارہ کرو تاکہ روانگی شروع ہو۔ خدا کرے کہ وہ اپنے بے نقاب ہونے کے ڈر سے خاموش ہی رہیں اور ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر یہاں سے نکل جائیں۔ انہیں تو بعد میں بھی گھیرا جاسکتا ہے۔"
"جو ہونا ہے اسی وقت ہوجائے تو بہتر ہے۔" اوّل خان کی آواز حسرت آمیز ہوگئی۔ "تم بھول رہے ہو کہ انہوں نے میرا ایک آدمی پکڑا ہوا ہے۔ اس وقت کچھ بھی نہ ہوا تو وہ جھنجلاہٹ میں اسے مار بھی سکتے ہیں۔ میں اپنے ایک تجربے کار آدمی کا خسارہ آسانی سے برداشت نہیں کرسکتا۔"
اوّل خان نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرکے اپنے آدمیوں کو روانگی کا سگنل دیا۔ کمانڈوز کی جیپ کا انجن غرّا کر بیدار ہوا۔ پانچ کمانڈوز کے ساتھ وہ جیپ کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف رینگنے لگی۔ ہماری گاڑی سے آگے نکلنے کے بعد جیپ کی پارکنگ لائٹس روشن کردی گئی تھیں۔
میری نگاہیں پھاٹک سے باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جوں ہی جیپ کا اگلا حصہ پھاٹک سے باہر نکلا، سامنے کی داہنی قطار سے ایک بے آواز گولی سنسناتی ہوئی آئی اور کھٹ کی آواز کے ساتھ جیپ کی آہنی باڈی کے کسی حصے میں پیوست ہوگئی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
"واپس لوٹو!" اوّل خان کھڑکی سے سر نکال کر اضطراری آواز میں چیخا۔
جیپ کے بریک پہلے ہی لگائے جاچکے تھے۔ اوّل خان کی ہدایت پر جیپ کی ریورس لائٹس بھی جل اٹھیں۔ اسی لمحے دوسرا بے آواز فائر ہوا اور شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کے ساتھ ہی فضا میں ایک دبی دبی سی بے ساختہ اور کرب ناک چیخ گونج اٹھی۔ درد میں ڈوبی ہوئی اس آواز سے اندازہ ہورہا تھا کہ گولی سے زخمی ہونے والے نے پوری برداشت سے کام لے کر اپنی چیخ دبانے کی ناکام کوشش کی تھی۔
جیپ بہت تیزی کے ساتھ اندر لوٹ آئی۔ گیٹ کی اوٹ میں کھڑے ہوئے کمانڈو نے پھرتی سے پھاٹک بند کردیا۔ اس اثنا میں میں اوّل خان کی گاڑی سے نیچے اتر چکا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ان چینی نژاد مجرموں نے دیدہ دلیری کی انتہا کردی تھی اور جیپ پر کافی دور سے دو فائر کرکے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ وہ واقعی جہانگیر کے مکان پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور ان کے پاس لمبی رینج کے بے آواز ہتھیار موجود تھے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں نے گولی کی سمت کا اندازہ لگانے کے بعد دوسرے فائر کا مخرج دیکھ لیا تھا۔ دوسری برق رفتار گولی کا شعلہ لمحہ بھر کے لئے موہوم سی چمک دکھا کر معدوم ہوگیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں ایک نئے منصوبے کا نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا تھا۔
جیپ رکتے ہی حشمت اپنا داہنا بازو تھامے نیچے آگیا۔ خوف سے کانپتے ہوئے چوکیدار نے کچھ نہ سمجھنے کے باوجود ایمرجنسی لائٹ روشن کردی تھی۔ اس نے جیپ کی باڈی میں پیدا ہونے والی کھٹ کی آواز کے بعد شیشہ ٹوٹنے کا تیز چھناکا اور انسانی چیخ ضرور سنی تھی لیکن اسے یہ ادراک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ سب بے آواز فائرنگ کا نتیجہ تھا۔ روشنی میں حشمت کی پوری آستین خون میں بھیگ چکی تھی۔ اس کے ساتھیوں نے فوراً ہی اسے سنبھال لیا۔
"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "گولی بازو کا گوشت ادھیڑتی ہوئی چھت میں چلی گئی۔ انہوں نے سامنے والی گلی کے تیسرے مکان سے فائر کیا تھا....."
"تیسرے نہیں، چوتھے مکان کی کسی کھڑکی سے گولی چلائی گئی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر سامنے والی گلی میں داہنی طرف والے اس مکان کو گھیر لینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ دو گولیاں چلانے کے بعد وہ پوزیشن بدلنے کی کوشش کریں۔" پھر میں اچانک ہی چوکیدار کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "گلی کے چوتھے مکان میں کون لوگ رہتے ہیں؟ یہ دوغلے چینی وہاں کیسے پہنچے؟"
دہشت زدہ چوکیدار نے چند ثانیوں تک اپنے ذہن پر زور دیا پھر ہکلاتے ہوئے بدقت تمام بولا۔ "ایک بریگیڈیئر صاحب اکیلے رہتے ہیں۔ ریٹائرڈ ہیں۔ رات کو ان کے گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔ نوکر وغیرہ صبح آتے ہیں اور کام کاج کرکے شام تک واپس لوٹ جاتے ہیں....."
"کوئی چوکیدار نہیں ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔
"نہیں!" چوکیدار نے اپنا ودنی سہلا کر کہا۔ "گھر کی رکھوالی کے لئے انہوں نے خطرناک کُتّوں کا ایک جوڑا رکھا ہوا ہے وہ دن میں کیبن ہی میں لگے رہتے ہیں۔ رات کو انہیں کھول دیتے ہیں۔ صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ چینی ان سے اڑوس پڑوس کے بارے میں بھی کرید کرید کر سوال کرتے رہتے تھے۔"
اوّل خان ہر احتیاط کو خیرباد کہہ کر، ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں سے گفتگو کا آغاز کرچکا تھا۔ چینیوں کے لئے اردو بھی ناقابلِ فہم تھی لیکن ان کے قبضے میں کم از کم دو ایسے آدمی موجود تھے جو اردو میں سنی ہوئی ہر بات کو انگریزی میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔
مکاؤ والوں سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ بڑی ون یا ریٹائرڈ بریگیڈیئر پر ناقابلِ برداشت تشدد کرکے انہیں مجبور کردیتے کہ وہ ٹرانسمیٹر پر ہونے والی ہر بات کا انگریزی ترجمہ انہیں بتاتے رہیں۔ شاید اسی لاشعوری خوف کی وجہ سے اوّل خان رک رک کر کوڈ ورڈز میں بات کررہا تھا۔
مشکل یہ تھی کہ کوڈ میں بولی جانے والی کسی بھی باقاعدہ زبان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ تحریری طور پر جو خفیہ پیغامات استعمال میں آتے ہیں انہیں بھی خاصی عرق ریزی اور بسا اوقات مخصوص کتابی حوالوں کے بعد قابلِ فہم بنایا جاتا ہے جب کہ وہاں فوری طور پر فریقِ ثانی کو اپنا مفہوم سمجھانے کا مرحلہ درپیش تھا جس کے لئے اوّل خان کو اپنے ذہن پر ضرورت سے زیادہ زور دینا پڑ رہا تھا۔
میرے ذہن میں معاملات کی کڑیاں یک جا ہوچلی تھیں۔ مکاؤ کے وہ دونوں بدمعاش تقریباً ایک ہفتے سے جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے یرغمال بنائے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھر کے نظم و نسق پر مکمل اختیار حاصل کرنے کے لئے ادھیڑ عمر چوکیدار کے سوا دیگر ملازمین کو برطرف کردیا تھا اور جہانگیر سے پوچھ گچھ کے بعد نہایت اطمینان سے کسی برے وقت کے لئے منصوبہ بندی بھی کرلی تھی۔
اس علاقے میں بڑے اور بہت بڑے مکانات کے سوا کوئی متوسط مکان نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ جہانگیر کے قرب و جوار کے کسی وسیع و عریض مکان میں کوئی سنکی تنہا بھی رہتا ہوگا۔ ریٹائرڈ بریگیڈیئر کا مکان لی وانگ اور اس کے ساتھی کے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔ احاطے میں پھرنے والے خوں خوار کُتّوں کو کسی زہریلی دوا میں بھیگے ہوئے گوشت کے پارچے کھلا کر ختم کیا جاسکتا تھا۔ اس بارے میں بے آواز ہتھیار بھی کام آسکتے تھے۔ کُتّوں سے نمٹنے کے بعد اس عمارت کے اکلوتے مکین کو بے بس کرنا بالکل دشوار نہ ہوتا۔ میرا اندازہ تھا کہ جہانگیر کے گھر سے فرار ہونے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اس مکان پر قبضہ

کیا پھر کٹے ہوئے کان والا باہر نکل گیا۔ اس نے بارودی بُت کے ساتھ خاموشی سے جہانگیر کے گھر کے عقبی حصے میں پناہ لی۔ ہمارے پہنچنے پر وہ ہم لوگوں کو اس کمرے کی طرف متوجہ کرکے بھاگ نکلا۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے موقع تلاش کرکے علاقے کے ٹرانسفارمر کو تباہ کیا پھر جہانگیر کو اس کی کار سمیت ایک ویران پلاٹ پر چھوڑ کر واپس لوٹ رہا ہوگا کہ اسے اندھیرے میں برڈی ون کا مشتبہ ہیولا متحرک نظر آیا۔ اس نے مکاری کے ساتھ برڈی ون کو بے ہوش کیا اور پشت پر لاد کر اسی مکان میں لے گیا جہاں دو کتّوں کی لاشیں موجود تھیں۔

الجھے ہوئے حالات میں خفیہ زبان استعمال کرتے ہوئے اوّل خان بری طرح جھلّایا ہوا تھا۔ اسے بار بار رک کر سوچنا پڑ رہا تھا اور پھر بھی بات شاید نہیں بن رہی تھی۔

حشمت ایک آدمی کے ساتھ مکان میں جاچکا تھا اور بقیہ چار کمانڈو کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اوّل خان کے گرد تیار کھڑے ہوئے تھے۔ چوکیدار خوف زدہ انداز میں برآمدے کی سیڑھی پر جابیٹھا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اوّل خان کے ہاتھ سے اپریٹس تقریباً چھین لیا۔

اوّل خان نے میری اس غیر متوقع حرکت پر خشمناک تیوروں سے مجھے گھورا مگر میں اس وقت تک بٹن دبا کر بدلی ہوئی آواز میں اپنی بات شروع کرچکا تھا۔ ”میں ان دونوں سے مخاطب ہوں جو دو زرد بھیڑیوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تم دونوں کی جان بچانے کے لئے ہم یہ آلہ استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ زرد بھیڑیے اردو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر وہ تمہیں گفتگو کا ترجمہ سنانے پر مجبور کریں تو کوئی بھی کہانی چھیڑ دینا لیکن انہیں یہ بھنک نہ لگنے دینا کہ ان کی کمین گاہ کا سراغ لگالیا گیا ہے۔ یا اس کا محاصرہ کیا جارہا ہے۔ ہم اچانک ہی ان پر آپڑیں گے۔ ہمارے منصوبے کی کامیابی کا دارو مدار تم دونوں کی ہمت اور حوصلے پر ہے۔ ہمارے پہنچنے تک انہیں الجھائے رکھو۔ یاد رکھنا کہ اس وقت تم سے کچھ نہیں کہا گیا ہے۔“

میں نے انگریزی کا کوئی لفظ استعمال کئے بغیر سپاٹ آواز میں اپنا پیغام برڈی ون اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر تک پہنچادیا۔ مجھے یقین تھا کہ مکاؤ والوں نے ان دونوں کو اپنی نگاہوں سے اوجھل کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔ اگر وہ چاروں ایک مقام پر جمع تھے تو میرا پیغام متعلقہ افراد تک پہنچ گیا تھا۔

میری گفتگو کے دوران میں اوّل خان کا غصہ پگھلتے پگھلتے حیرت میں تبدیل ہوگیا اور جب میں نے بٹن آف کرکے اپریٹس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے اپنے ماتحتوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر مجھے والہانہ انداز میں اپنے گلے سے لگالیا اور وفورِ جوش سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب میں حشمت کے بدن سے بہنے والے خون کی ایک ایک بوند کا حساب لے لوں گا۔ تمہارا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ تم نے اپنی ترکیب سے میرا کام بہت ا[...] کردیا۔ اب میں کھل کر اپنے آدمیوں کو پورا پلان سمجھا[...] گا۔“

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپریٹس پر ایک [...] آواز ابھرنے لگی۔ وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ ”ڈینی کسی چو[...] طرح ہتھیلیوں اور گھٹنوں پر چل کر بھاگا ہو تو اور بات ہے [...] نے دیکھ لیا کہ مکاؤ والے جھوٹ نہیں بولتے۔ انکسار اور مکاؤ والوں کے مزاج کا ایک حصہ ہے۔ حالات اجازت د[...] اپنے بدترین دشمن کو بھی بہت ادب اور احترام سے مارتے [...] تمہارے آدمی کی چیخ سن کر ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے گولی [...] گردن میں گھسی ہو اور اس کی آواز بگڑ گئی ہو۔ اپنا ایک کھودینے کے بعد اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟.... اوور!“

”ہمارے ایک آدمی کا نقصان تمہیں مہنگا پڑے گا۔“ [...] خان نے اس کی خوش فہمی دور کئے بغیر کہا۔ ”تم چوہوں کی طر[...] تاریک بل میں دبکے ہوئے ہو۔ ہمت ہے تو میدان میں اترو [...] منٹ میں فیصلہ ہوجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ زیادہ خون بہا کر تم کبھی بھی اپنی تحویل میں نہیں لے سکوگے.... اوور!“

اوّل خان کے آخری فقرے میں پوشیدہ کمزوری اور [...] نے مجھے بری طرح چونکادیا۔

اس کا وار کارگر رہا۔ دوسری طرف سے متجسس آ[...] پوچھا گیا۔ ”اگر ہم خوں ریزی سے ہاتھ روک لیں تو کیا [...] ملنے کی امید کی جاسکتی ہے؟ اوور!“

”اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ دوسروں سے بھی را[...] پڑے گی۔ لیکن میں ایک بات بتادوں کہ تم کسی ناممکن با[...] آرزو نہیں کررہے‘ یہاں بھی بہتیرے لوگ اس کا وجود پسن[...] کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ مناسب شرائط پر کوئی فیصلہ ہو ہی جا[...] مگر اس کے لئے وقت درکار ہوگا۔ اوور!“

”لیکن پہلے تم ڈینی کے لئے اپنی جان لڑادینے کی بات [...] تھے!“ تحیر زدہ آواز میں کہا گیا۔ ”کیا ہمارے ساتھ کوئی نئی چ[...] کا ارادہ کررہے ہو؟ لڑائی میں اپنا ایک آدمی کھودینے کے ب[...] اب تم مصالحت کی آڑ لے کر ہمیں ذبح کرنے کی منصو[...] کرنے لگے ہو.... اوور!“

”مصالحت بہت دور کی بات ہے۔ تمہارے لئے ہر را[...] ہوا ہے۔ یہ اپریٹس میرے دوسرے آدمی بھی استعمال کرر[...] وہ انگریزی بھی سمجھتے ہیں۔ برڈی ون تمہارے قبضے میں [...] نے تمہارے سامنے انگریزی میں بات کی ہے۔ میں کھل نہیں کرسکتا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جب میں نے جان لڑانے کی تھی تو ڈینی میرے پاس موجود تھا۔ اس وقت وہ جاچکا ہے [...] آزادی سے بول رہا ہوں۔ ہم تمہاری طرح سچائی کے دعو[...] نہیں ہیں لیکن جھوٹ بہت کم بولتے ہیں اور کسی بات کو انا[...] نہیں بناتے.... اوور۔“

[...]ٹرانسمیٹر کے علاوہ تم سے اور کس طرح رابطہ ہوسکتا ہے۔ [...]ینی کی آواز میں اشتیاق بڑھتا جارہا تھا۔ وہ اوّل خان کے [...]ے جال میں دھیرے دھیرے الجھتا جارہا تھا۔

[...]ون پر۔“ اوّل خان نے اسٹیشن فور کا ایک نمبر دہرا دیا پھر [...]”تمہارا نام لی وانگ ہے؟ اوور۔“

[...]میرا نام چیانگ فاؤ ہے‘ لی وانگ میرا ساتھی ہے۔“ اس کی [...] طنز و ملامت کے بجائے دوستانہ رنگ جھلکنے لگا تھا۔ ”میں [...]ارا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔ میں صبح تم سے رابطہ کروں گا....

[...]صبح نہیں‘ کل شام سات بجے!“ اوّل خان اسے گھنے میں [...]سنجیدگی کا مظاہرہ کررہا تھا۔ ”رات گزر رہی ہے۔ صبح مجھے کئی [...]ے آدمیوں سے بھی بات کرنی ہوگی۔ میں سات بجے اس فون [...]تمہاری کال کا انتظار کروں گا.... لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے [...]دمی کا خسارہ تمہیں پہلے پورا کرنا ہوگا۔ اوور!“

[...]لڑائی میں لوگ مرا ہی کرتے ہیں۔“ چیانگ فاؤ کی آواز سے [...]دائی مترشح تھی۔ ”سمجھوتے کی راہ نکل آئی تو ہم اس کے [...]نقد تاوان ادا کردیں گے۔ اب تم چاہو تو بے خوف و خطر [...]روانہ ہوسکتے ہو۔ ہم تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں [...]اور ہاں‘ تمہارے آدمی کب تک اس علاقے کا محاصرہ کئے [...]گے۔ تمہارے ساتھ ہم اپنی بھی گلو خلاصی چاہتے ہیں۔ گرمی [...]ندھیرے میں ہم یہاں پاگل ہوجائیں گے۔ اوور!“

”فکر مت کرو۔ ایک آدمی کو گولی لگنے کی وجہ سے الجھن پیدا [...]ہے۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں اپنے تمام آدمیوں کو بھی لوٹا [...]گا۔ اس سے پہلے تمہیں برڈی ون کو آزاد کرنا ہوگا۔“ پھر اس [...]چونک کر سرسری لہجے میں پوچھا۔ ”ویسے تم اس وقت علاقے [...]س عمارت میں مقیم ہو؟ اوور!“

”میں باقاعدہ مفاہمت ہونے سے پہلے اپنی پناہ گاہ کی نشان دہی [...]ں کرسکتا.... برڈی ون کی فوری رہائی کی شرط بھی نامناسب ہے۔ [...]آزاد ہوتے ہی ہماری کمین گاہ کی نشان دہی کردے گا۔ یہ میرا [...]ہ ہے کہ اس تاریک علاقے سے باہر پہنچتے ہی اسے آزاد کردیا [...]ے گا۔ اب اس پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اوور!“

”اب باتیں چل ہی نکلی ہیں تو یہ بھی بتادو کہ جہانگیر کو نکال [...]لے جانے کے بعد تم اس کے مکان کے پچھلے کمرے میں کیوں آچھپے [...]ے اور بندر کے بُت کو وہاں چھوڑنے کا کیا مقصد تھا؟ اوور!“ اوّل [...]ن بولا۔

اپریٹس پر چیانگ فاؤ کی تمسخرانہ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ [...]انے لگا۔ ”کمرے میں مسہری پر پھیلے ہوئے کاغذات اور بُت والی [...]لاری سرنگ کا ڈراما پہلے سے تیار تھا۔ جہانگیر کو لے کر نکلتے ہوئے [...]م نے یقین کرلیا تھا کہ ڈینی اپنے دوست کی تلاش میں آئے گا تو [...]ٹکتا ہوا اس کمرے میں بھی پہنچے گا اور بُت کو ہاتھ لگاتے ہی فنا [...]ہوجائے گا مگر ڈون کوانگ فو کی دلی خواہش ہے کہ ڈینی کو زندہ حالت میں اس کے سامنے پہنچایا جائے۔ جب ہم نے اپنے ٹھکانے کا بندوبست کرلیا تو لی وانگ فوراً جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ڈینی اس وقت تک وہاں نہ پہنچا ہو تو اسے زندہ پکڑ سکے۔ مکان ویران تھا۔ لی وانگ‘ ڈینی کے انتظار میں اسی کمرے میں چھپ گیا مگر بعد میں پتا چلا کہ ڈینی اکیلا نہیں‘ کئی آدمیوں کے ساتھ آیا ہے تو وہ موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈینی کو زندہ پکڑنے کے چکر میں وہ اپنی جان گنوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ واپسی پر اس نے ڈینی اور اس کے ساتھیوں میں افراتفری پھیلانے کی نیت سے علاقے کو بجلی فراہم کرنے والا ٹرانسفارمر تلاش کیا اور اسے تباہ کر ڈالا۔ اس کارروائی سے واپس لوٹتے ہوئے اسے برڈی ون نظر آگیا۔ لی وانگ اکیلے آدمی کو بہت آسانی سے شکار کرتا ہے۔ وہ اسے بھی ساتھ لے آیا۔ اوور۔“

”دلچسپ کہانی ہے۔“ اوّل خان نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ”اس کا مطلب ہوا کہ کٹے ہوئے کان والے کا نام لی وانگ ہے۔ یہاں کے چوکیدار نے تم دونوں میں یہی ایک فرق بتایا ہے.... اب میں اپنا کام شروع کررہا ہوں۔ تم درمیان میں دخل نہ دینا۔ تم سے کل شام سات بجے فون پر بات ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔“

اوّل خان نے گفتگو ختم کرکے فاتحانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھالے اور ایک نئے ولولے کے ساتھ اپنے چاروں آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔

اس علاقے میں ریٹائرڈ بریگیڈیئر کا مکان کسی بھی جرائم پیشہ شخص کے لئے جنت سے کم نہیں تھا۔ اوّل خان کو پورا یقین تھا کہ وہ دونوں اس مکان سے کہیں اور منتقل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اس سے گفتگو کے بعد ان کی یہ خوش فہمی راسخ ہوچکی تھی کہ دو فائر کرنے کے باوجود وہ ہر ایک کی نظروں سے اوجھل تھے۔

اوّل خان نے ان چاروں کو پھاٹک کے بجائے چار دیواری کے آخری کونے سے باہر کودنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ سرا اتنے فاصلے پر تھا کہ سامنے والی گلی کے کسی بھی مکان سے اسے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ باہر پہنچنے کے بعد ان چاروں کو مشتبہ مکان کے احاطے میں داخل ہوکر اس وقت تک چاروں کونوں پر جمے رہنا تھا جب تک تیاریاں مکمل ہونے کے بعد اس عمارت پر دھاوا بولنے کا فیصلہ نہ کرلیا جائے۔

چاروں کمانڈوز کے روانہ ہوتے ہی ویرا مسرت آمیز لہجے میں اوّل خان سے بولی۔ ”آج تم نے میرا دل خوش کردیا۔ کاش تم نے چیانگ فاؤ سے سنجیدگی سے گفتگو کی ہو! ڈینی کا سودا ہوجائے تو اس شہر کے بہت سے لوگ سکھ کا سانس لیں گے۔ ان لوگوں کے پاس دولت کے بے شمار انبار ہیں۔ ڈون کوانگ فو کی ذرا سی خوشی کے لئے یہ لوگ تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتے ہیں۔ ڈون اپنے وزن سے ڈینی کی پسلیاں توڑ کر بے اندازہ خوشی محسوس کرے گا۔ زندگی میں ایسے سنہرے مواقع بار بار نہیں آتے۔“

"مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی جلدی نشے کے اثرات سے آزاد ہوگئیں۔" اوّل خان بڑبڑایا۔

"دو گولیاں آتے ہی نشہ ہرن ہوگیا تھا۔" ویرا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولی۔ "میرا نشہ کبھی بھی گہرا اور دیرپا نہیں ہوتا۔ اس وقت میں تمہاری ہر کارروائی میں بھرپور حصہ لینے کے لئے تیار ہوں۔"

"نشہ ہرن ہوگیا تھا تو تمہیں حشمت کی مرہم پٹی میں میرے آدمی کا ہاتھ بٹانا چاہئے تھا۔" اوّل خان نے شکوہ کیا۔ "ایس ٹی ایف والے آہنی روبوٹ نہیں‘ گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ گولی گزر جانے کے بارے میں وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ فائر جس بلندی اور فاصلے سے کیا گیا‘ اس کی روشنی میں گولی بازو کو پھاڑتی ہوئی اوپر‘ چھت کی طرف نہیں جاسکتی تھی‘ اس کا رخ نیچے کی طرف ہونا چاہئے تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے اس بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا۔" میں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا۔

ویرا ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر‘ ڈرائنگ روم کی طرف چل دی تھی تاکہ حشمت کی دیکھ بھال کر سکے۔

اوّل خان کو ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر میں نے ٹوک دیا۔ "اپنے کام میں مصروف ہونے سے پہلے میری ایک بات ذہن نشین کرلو کہ اس مہم میں ہمیں کٹے ہوئے کان والے لی وانگ کو ہر حال میں زندہ پکڑنا ہے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس سے لی وانگ کی شناخت کی تصدیق کرالی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم پر بھی ڈون کوانگ فو کا اثر ہوگیا ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تمہیں لی وانگ سے کیا لینا ہے؟"

"یہ بہت اہم ہے۔ روایتی علاج کے چکر میں جہانگیر مہینوں تڑپتا رہے گا۔ سرجری کی نوبت آئی تو زخم بھرنے میں بھی کافی دن لگ جائیں گے۔ لی وانگ اپنی مہارت کی بنا پر اسے تھوڑی دیر میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا سکتا ہے۔ اس سے یہ کام نکلوانے کے بعد تم اس سے اپنی پسند کا سلوک کرسکتے ہو۔"

چند ثانیوں بعد اوّل خان بڑی سیون کو خالص ترین اردو میں واپسی‘ دشمن کی کمین گاہ کے محاصرے اور پھر چڑھائی کے بارے میں نپی تلی ہدایات دے رہا تھا۔

○☆○

ویرا نے یہ عقل مندی کی کہ حشمت کی مرہم پٹی سے فارغ ہوتے ہی فلیٹ پر غزالہ کو فون کرلیا۔ وہ ہم لوگوں کی طرف سے کوئی خیر خبر نہ ملنے کی وجہ سے بہت متوحش اور پریشان تھی۔ ویرا نے کسی تفصیل میں جائے بغیر اسے حالات قابو میں ہونے کی نوید سنا کر فون بند کردیا۔

گھر سے نکلنے کے بعد واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوتے چلے جارہے تھے کہ میرے ذہن سے غزالہ اور سلطان شاہ کا خیال ہی محو ہوکر رہ گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اوّل خان نے فلیٹ چھوڑنے سے پہلے اپنے کچھ آدمیوں کو وہاں پہنچنے کی ہدایت کردی تھی۔ ہماری روانگی کے کچھ دیر بعد نہ صرف شرف آباد پہنچ گئے انہوں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو اپنی موجودگی کا احسا مطمئن بھی کردیا تھا۔

میں اس وقت بھی مشتبہ مکان کی چار دیواری سے چپکا سوچ رہا تھا کہ ویرا پر دیوانگی کے دورے کب پڑتے ہیں ا حالات میں وہ یکایک حیرت ناک فرزانگی کے مظاہرے شرو ہے۔

ہم لوگ ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے مکان کے باہر تھے۔ و میرے قریب ہی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس سمت میں ہم کے علاوہ ایس ٹی ایف کے مزید تین مسلح آدمی موجود تھے۔ دوسرے مکانوں کے درمیان میں بنا ہوا تھا اس لیے اس طور پر داخل ہونے کے لیے صرف دو ہی رخ باقی رہ گئے سامنے والے رخ پر ہم لوگ موجود تھے۔ اوّل خان دو مکانوں کا چکر کاٹ کر پچھلی گلی کے انتظامات کا جائزہ لینے

اپنی مرہم پٹی کے بعد حشمت بہت پُرجوش تھا او کارروائی میں عملی حصہ لینے کا متمنی تھا مگر ویرا نے اوّل خان تھا کہ گولی اس کے بازو میں رکنے کے بجائے گوشت کے پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی لیکن زخم بہت گہرا اور لمبا تھا اسے باقاعدہ طبّی امداد ملنے سے پہلے آرام کی ضرورت تھی سے دوبارہ خون جاری نہ ہونے پائے۔ اسے روکنے کے خان کا یہ استدلال بھی تھا کہ چیانگ فاؤ اور لی وانگ کے رخ کرتے ہوئے جہانگیر کے گھر کو خالی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کسی نہ کسی کا چاق و چوبند رہنا ناگزیر تھا۔ آخر کار حشمت ایک ساتھی سمیت وہیں رکنا پڑ گیا تھا۔ بعد میں ہم لوگ بھی ہتھیاروں سے لیس ہوکر اصل نشانے پر پہنچ گئے تھے۔

اس وقت تک صرف وہی چار کمانڈوز مکان کے احا موجود تھے جنہیں اوّل خان نے سب سے پہلے ادھر روانہ ک افرادی قوت اور ہتھیاروں کی تعداد و نوعیت کے اعتبار سے پارٹی کو مکاؤ کے بدمعاشوں پر تباہ کن برتری حاصل تھی اور ا دھاوا بول کر بھی تھوڑے سے نقصان کے بعد ان پر قابو پا تھا لیکن اوّل خان اپنے تمام آدمیوں کی سلامتی کے بار بہت زیادہ حساس تھا اور کوئی جانی نقصان اٹھائے بغیر اپنا حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔

اندھا دھند فاتحانہ یلغار کی صورت میں دوسرا خطرہ ان افراد کے لیے تھا جو لی وانگ اور چیانگ فاؤ کی تحویل میں تھے میں سے ایک عام شہری بلکہ ریٹائرڈ فوجی افسر اور دوسرا ا ایف کا ایک فرض شناس کارکن تھا۔ دونوں سفاک مجرم خطرے میں محسوس کرکے ان دونوں کو آڑ کے لیے سامنے لا تھے یا پھر انہیں ہلاک بھی کرسکتے تھے جب کہ اوّل خان ان کو سے بچنا چاہ رہا تھا۔

منصوبہ یہ طے پایا تھا کہ مکان میں موجود دونوں مجرموں کو کسی ح مکان کے عقبی حصے میں الجھایا جائے اور ان کی بے خبری میں منے سے مکان پر قبضہ کرلیا جائے۔

علاقے کے دوسرے مکانات کی طرح وہ مکان بھی بہت وسیع اور اس کے پچھلے حصے میں سبزے کے علاوہ گھنے درختوں کی ایک ی تعداد سر اٹھائے کھڑی تھی۔ چیانگ فاؤ کو اپنے اعتماد کے جادو ے مسحور کرنے کے بعد اوّل خان اپنے ٹرانسمیٹر سے دل کھول کر م لے رہا تھا۔ ان رابطوں میں پوری احتیاط کی جارہی تھی کہ تگو کے متن میں انگریزی کا کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ں گفتگو میں پوشیدہ عزائم کی عکاسی کرتا ہو۔ اسے اندر پہنچے ہوئے انڈوز سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مکان کے اگلے لان پر دو ے اور خوں خوار کتوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کے یب گوشت کے وہ لوتھڑے بھی پڑے ہوئے تھے جو کتوں کے دوں کا ایندھن بننے سے باقی رہ گئے تھے۔ ان دونوں چینیوں نے ں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اتنی زیادہ مقدار میں مہلک تھڑے پھینکے تھے کہ انہیں کھا کر دو تو کیا، دس کتے بھی جہنم واصل سکتے تھے۔

دونوں مجرموں کی توجہ عقبی حصے کی طرف مبذول کرانے کے یے اندر والے کمانڈوز کو نہایت خاموشی کے ساتھ تناور درختوں ں مضبوط شاخوں میں نائیلون کی ڈوری کے پھندے ڈال کر، ریوں کے آزاد سرے عقبی گلی میں پھینک دینے تھے۔ اس طرف وار کی اوٹ میں چھپے ہوئے آدمی ان ڈوریوں پر قابض ہو جاتے ر اوّل خان کی طرف سے جھینگر کی ایک ہلکی اور ایک تیز آواز کا شارہ ملنے پر، بندھی ہوئی ڈوری کی مدد سے ایک درخت کو اس رح ہلانا شروع کردیتے کہ پتوں وغیرہ کی سرسراہٹ کی تیز آوازیں رموں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتیں۔ وہ سمجھتے کہ اندھیرے کا فائدہ ھا کر کچھ لوگ درختوں کے ذریعے اس گھر میں داخل ہونے کی وششیں کر رہے ہیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ پتوں اور شاخوں کی وازیں سننے کے باوجود وہ اندھیرے میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ توقع یہ کی جارہی تھی کہ وہ اپنے نادیدہ حریفوں کو ہلاک، زخمی یا م از کم خوف زدہ کرنے کے لیے اپنے بے آواز آتشیں ہتھیار ستعمال کریں گے۔

ان کی طرف سے فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی پہلے درخت کو ھوڑ کر دوسرا کوئی درخت ہلایا جاتا۔ باری باری مختلف سمتوں میں رسراہٹیں پیدا کرنے کے ساتھ ہی، کسی بے آواز فائر پر اوّل خان ا ایک آدمی ہلکی سی کراہ سے یہ تاثر پیدا کرتا کہ اندر والوں کی ئرنگ کسی شخص کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اس انسانی واز پر ان دونوں کا اسی طرف متوجہ ہوجانا ناگزیر ہوتا۔ جب وہ ونوں ہی اندھیرے میں گولیاں چلانے لگتے تو عقبی گلی والی پارٹی کا ربراہ اُلّو کی آواز میں دوسرا سگنل دیتا اور سامنے کے حصے میں وجود کمانڈوز کی رہنمائی میں بقیہ لوگ مکان میں گھس جاتے۔

اوّل خان غائب تھا اور میں دیوار سے لگ کر اس منصوبے کی جزئیات پر غور کررہا تھا۔ اس وقت کے حالات میں وہ منصوبہ بے داغ اور بہت کامیاب نظر آرہا تھا۔ انسانی جبلت اور خطرات میں گھرے ہوئے مجرمانہ ذہنوں کے فطری ردِعمل کو سامنے رکھتے ہوئے ناکامی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔

چاروں طرف گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ وہ چھوٹے مکانوں پر مشتمل کوئی غریب آبادی ہوتی تو ہر طرف موم بتیوں اور لالٹینوں کی روشنی میں بے شمار بچے اور بڑے گھروں سے باہر نکل پڑے ہوتے۔ عسرت و تنگ دستی کے حالات میں یکسانیت کی زندگی گزارنے والے لوگ اپنے گرد و پیش کی ہر مثبت اور منفی تبدیلی میں تفریح کا پہلو نکال لیتے ہیں لیکن آسودہ حالوں کو جب تک تفریح کے طے شدہ لوازم میسر نہ ہوں وہ اپنے رسمی خول سے باہر آنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ علاقہ بالکل ویران پڑا ہوا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں محصور تھے اور ان کے زیرِ سایہ رہنے والے ملازمین بھی اپنے مالکوں کی پیروی میں اپنے اپنے مسکن میں دبکے ہوئے تھے۔ فضا پر سکوت طاری تھا اور نرم و خوشگوار ہوا کے جھونکے روح تک کو تازگی بخش رہے تھے کہ قریب سے کسی جھینگر کی ہلکی اور پھر تیز آواز گونجی پھر اچانک فضا میں موہوم اور پُراسرار سی سرسراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے غیر ارادی طور پر دوسرے مکانات میں ساکت کھڑے ہوئے درختوں کی طرف دیکھا۔ اس وقت ہوا میں برائے نام تیزی تک نہیں تھی۔ گلی میں موجود لوگ یقیناً اپنا کام شروع کرچکے تھے۔

سرسراہٹیں وقفے وقفے سے کئی بار ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ اوّل خان کے پورے منصوبے سے واقف ہونے کے باوجود مجھے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی نہایت احتیاط اور صبر و تحمل کے ساتھ پتوں اور جھاڑیوں میں سے گزر کر پیش قدمی کرنی چاہ رہا ہو۔

منصوبے کے اصل حصے کا آغاز ہوتے ہی وقت کی رفتار یک لخت سست ہوگئی تھی۔ ایک ایک سیکنڈ طویل ہو چلا تھا۔ وقفے وقفے سے تین بار وہ سرسراہٹیں ابھریں۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ دونوں چینی نژاد بدمعاش کہاں مرے ہوئے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے یہ شبہ بھی ہوا کہ کہیں وہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی دونوں یرغمالیوں کو لے کر، خاموشی کے ساتھ وہاں سے نہ نکل گئے ہوں لیکن اگلے ہی لمحے میرے وہ تمام وسوسے غائب ہوگئے۔ فضا میں ٹھک کی ایک گھٹی ہوئی، محدود اور مضبوط سی آواز سنائی دی تھی۔ کسی بھی ہتھیار کی نال پر چڑھا ہوا سائلنسر گولی کی آواز کو ختم کرسکتا ہے مگر ٹریگر کی آواز کو دبانا سائلنسر کے بس کی بھی بات نہیں ہوتی۔ طاقت ور اسپرنگ کے ذریعے ایک مخصوص فاصلے تک اٹھ کر گولی کے پچھلے حساس حصے پر گرنے والے گھوڑے کی وہ آواز میرے کانوں کے لیے نامانوس نہیں تھی۔ پہلی گولی چل چکی تھی۔ ہلکی سی سرسراہٹ پھر سنائی دی۔ یوں لگا جیسے چھپے ہوئے حریف نے فائر سے خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ قدرے تبدیل کی ہو۔ فوراً ہی دوسرا بے آواز فائر ہوا۔ اس بار کسی گنجان درخت کے پتوں اور شاخوں میں سے برق رفتار گولی گزرنے کی شرڑکی سی آواز تک سنائی دی۔

اس مرحلے پر چوہے اور بلی کے کھیل میں قدرے تیزی آگئی۔ سرسراہٹوں کی سمت تبدیل ہوگئی۔ بے آواز فائر کا کھٹکا بھی قدرے فاصلے سے ابھرتا ہوا محسوس ہوا۔ چوتھے فائر پر ایک دبی دبی سی اضطراری چیخ سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ فائر کے ساتھ اس بے ساختہ چیخ کی ٹائمنگ اس قدر مکمل تھی کہ مجھے کسی کے واقعی زخمی ہونے کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔

اپنے کسی نادیدہ حریف کو زخمی کرلینے کے احساس نے مجرموں کا حوصلہ بڑھادیا۔ سرسراہٹیں تیز ہوگئیں۔ معلوم ہورہا تھا کہ کئی گنجان درختوں میں چھپے ہوئے لوگ کئی سمتوں میں فعال ہوچکے ہیں۔ بے آواز فائرنگ میں تواتر پیدا ہوگیا مگر وہ تواتر بے ربط سا تھا۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ ایک سے زیادہ ہتھیار زیرِ استعمال آچکے تھے۔

یہ پہلے ہی طے ہوچکا تھا کہ اوّل خان کا کوئی آدمی جوابی فائر نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کی روشنی میں صورتِ حال کچھ یوں بن رہی تھی جیسے اندر والے دونوں چینی عقبی درختوں میں الجھ چکے ہوں۔

ہمارے لیے وہ سنہرا موقع تھا۔ میرے کان اُلّو کی آواز کے انتظار میں فضا پر جم گئے۔ ایس ٹی ایف کے ساتھ کام کرنے میں یہی ایک خرابی تھی کہ انسان ڈسپلن کو نظرانداز کرکے اپنی صوابدید پر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جب تک اُلّو کی آواز نہ گونجتی، کسی کو احاطے کی دیوار سے ہلنے تک کی اجازت نہیں تھی۔

اچانک داہنی طرف سے ایک شخص دیواروں کے سائے میں جھک کر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ میرے اعصاب تن گئے۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ ہم سے دور فرار نہیں ہورہا تھا بلکہ تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا۔

”جیسے ہی یہ قریب آئے، اسے دبوچ لینا۔“ ویرا نے تیز سانسوں کے درمیان سرگوشی کی۔

”نہیں!“ اس کے پہلو میں موجود، ایس ٹی ایف کا ایک آدمی ہولے سے غرّایا۔ ”یہ بڑا ہے۔“

اس اثنا میں وہ قریب آکر سیدھا ہوگیا اور فضا میں قدرے دور سے اُلّو کی آواز سنائی دینے لگی۔

آنے والا اوّل خان ہی ثابت ہوا۔ اس نے سب کچھ اس قدر فنکارانہ انداز میں طے کیا ہوا تھا کہ اسے کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور دیوار سے چپکے ہوئے افراد مشینی انداز میں احاطے پھاند کر سرعت سے اندر کودنے لگے۔ مجھے ویرا کی فکر ہوئی لیکن وہ کسی مشاق بندریا کی طرح دیوار پر سے اڑتی ہوئی اندر پہنچ گئی۔ میں بھی تیزی سے دیوار پر چڑھ کر نرم لان پر کود گیا۔

اندھیرے میں چند فٹ کے فاصلے پر گھاس پر دو بڑے اور متعدد چھوٹے دھبے نظر آرہے تھے۔ مجھے ان کی طرف متوجہ پا کر اوّل خان نے میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے سرگوشی کی ”وہ کتوں کی لاشیں ہیں۔ انہیں بعد میں دیکھ لینا۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے.... آؤ!“

وہ پنجوں کے بل دوڑتا ہوا عمارت کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تاریکی میں دو ہیولے اس بند دروازے کو کھولنے کی دیوانہ وار کوششوں میں مصروف تھے۔

مکان کے عقبی حصے میں چوہے اور بلّی کا کھیل بدستور جاری تھا۔ ایک مصنوعی انسانی چیخ کے ذریعے اندر والوں کو کسی کی موجودگی کا پختہ یقین دلادیا گیا تھا اس لیے ڈوریوں میں بندھی ہوئی شاخوں کو ہلانے کا عمل تقریباً ترک کیا جاچکا تھا لیکن لی وانگ اور چیانگ فاؤ اپنے کسی اور نامعلوم حریف کو مار لینے کے جنون میں اندھا دھند اپنا میگزین ضائع کیے جارہے تھے اور اس جنون میں مکان کے دوسرے حصے کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔

مکان میں داخلے کا صدر دروازہ قبضوں کی کسی آواز کے بغیر کھول لیا گیا۔

اس وقت یہاں کل آٹھ مسلح نفوس موجود تھے۔ اوّل خان کی سربراہی میں ایس ٹی ایف کے تین آدمی دیوار پھاند کر اندر آئے تھے۔ دو کمانڈوز پہلے سے اندر موجود تھے۔ مجھے اور ویرا کو ملا کے یہ تعداد آٹھ ہوجاتی تھی۔ اندر چھپے ہوئے دو چینیوں کو زیر کرنے کے لیے ہماری نفری بہت کافی تھی۔

اوّل خان نے چوکھٹ عبور کی تو دونوں کمانڈوز اپنی خود کار مشین گنیں ہاتھوں میں لیے اس کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں اپنے پستولوں سمیت ان کے پیچھے تھے۔ بقیہ تین آدمی سب سے پیچھے تھے۔

ڈرائنگ روم میں گھستے ہی میرے نتھنوں میں جلے ہوئے بارود کی بُو آئی۔ پچھلے کمروں سے جو بے آواز چاند ماری کی جارہی تھی اس کے دھوئیں کے اثرات شاید پورے گھر میں پھیلے ہوئے تھے۔

گو وہ چاندنی رات نہیں تھی لیکن ڈرائنگ روم کے در و دیوار میں سمائی ہوئی گھور تاریکی کے مقابلے میں تاروں بھرے آسمان کے سائے میں زیادہ اجالا تھا۔ چند لمحوں بعد میری آنکھیں اس تاریکی کی عادی ہوئیں تو مجھے نکاسی کا بغلی دروازہ نظر آیا۔ اوّل خان پہلے ہی ادھر بڑھ چکا تھا۔

آخر میں آنے والوں میں سے ایک شخص وہیں رک گیا۔ بقیہ کارواں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہوا تو داہنی طرف ایک بند دروازے کی نچلی جھری میں روشنی کا مستطیل نظر آیا لیکن میرے کان ٹھک ٹھک کی خون آشام آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ بے آواز فائرنگ کی وہ آوازیں بائیں طرف سے آرہی تھیں۔

ایک کمانڈو دشمن پر عقب سے ٹوٹ پڑنے کے انداز میں لپک کر روشن کمرے کے بند دروازے پر پہنچا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے ہینڈل پر اپنا ہاتھ جما کر متوقع ردِعمل کا کچھ اندازہ لگایا پھر ایک تیز

جھٹکے سے دروازہ کھول کر دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔

اندر سے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی البتہ گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں بہت واضح تھیں۔

میں اوّل خان کو ہٹا کر کھلے ہوئے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ کوئی خوابگاہ تھی جہاں ڈریسنگ ٹیبل پر ایک ایمرجنسی لائٹ روشن تھی۔ خوابگاہ بہت کشادہ اور صاف ستھری تھی لیکن وہاں موجود اشیا سے سادگی ٹپک رہی تھی۔ بستر پر دو انسانی جسم بالکل ساکت پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جسیم اور قد آور ادھیڑ عمر شخص تھا جس کی کنپٹیوں کے بال بالکل سفید ہورہے تھے۔ اس کے ایک نتھنے میں خون جما ہوا تھا۔ بستر کی سفید چادر پر بھی خون کے کئی چھوٹے چھوٹے دھبے چمک رہے تھے جو اس شخص کی مزاحمت کا شاخسانہ معلوم ہوتے تھے۔ دوسرا اوسط قامت و جسامت والا ایک نوجوان تھا جسے فوراً ہی بڑی ون کی حیثیت سے پہچان لیا گیا۔

وہ دونوں بے ہوش تھے مگر میں ان کے بدن پر نظر پڑتے ہی لرز اٹھا۔ شاید اپنے حریفوں کے کولھوں کی ہڈیاں اتار کر انہیں مفلوج و معذور کر دینا لی وانگ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ان دونوں کی ایک ایک ٹانگ، کولھوں کے قریب سے اس طرح باہر نکلی ہوئی تھی جیسے الگ سے پتلون اور پاجامے میں پھنسا دی گئی ہو۔ کولھوں کے جوڑ کے پاس ان کی ہڈیاں وحشت ناک حد تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اوّل خان نے بولنے کا خطرہ مول لئے بغیر، اشارے سے دو آدمیوں کو وہاں روک دیا اور خود تیزی سے باہر نکل گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجرموں کی تحویل سے بے گناہ یرغمالیوں کی بازیابی کا اہم ترین مرحلہ کسی بھی مقابلے کے بغیر سر کرلیا گیا تھا اور اس وقت پوری مہم صرف دو مجرموں کی سرکوبی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

باقی رہ جانے والے پانچوں افراد پنجوں کے بل مکان کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگے جدھر سے بے آواز فائرنگ کی محدود سی آوازیں آرہی تھیں۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، یہ یقین واثق ہوتا چلا گیا کہ وہ آوازیں ایک ہی دروازے کے اس پار سے آرہی تھیں۔ شاید وہ عقبی کمرا اتنا چوڑا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی مورچے جمائے جاسکتے تھے۔

وہ پچویشن بہت نازک تھی۔ اس کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ کرکے پہلے سے اپنی حکمتِ عملی تیار کرنی ممکن نہیں تھی اس لیے ہمیں دروازے سے قدرے دور ہی رک جانا پڑا۔

ہم لوگوں کا ایک ساتھ دروازے پر پہنچنا اجتماعی خودکشی سے زیادہ خطرناک اقدام ثابت ہوسکتا تھا۔ اوّل خان نے سب کو وہاں روک کر خود پیش قدمی کرنے کا عندیہ دیا لیکن ایک کمانڈو نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ اس کا اور میرا بازو دبایا اور پنجوں کے بل دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اوّل خان نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم چاروں سمٹ کر دیوار سے لگ گئے اور سانس روک کر کمانڈو کی پیش قدمی کے نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔

اندر موجود دونوں چینی اس وقت موت کے چنگل میں جکڑتے جارہے تھے۔ انہیں اپنے دردناک انجام کا کوئی علم یا اندازہ نہیں تھا لیکن قدرت نے ہر جاندار میں موت کو سونگھ لینے کی ایک عجیب حیوانی جبلت سموئی ہوئی ہے۔ اس جبلت کے زیرِ اثر بیشتر حیوان بروقت اپنی زندگی بچانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی بات ہوئی۔ وہ کمانڈو اپنی سب مشین گن فائرنگ پوزیشن میں سنبھالے دروازے کے بہت قریب جا پہنچا تھا کہ اندر موجود کسی چینی کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلایا اور اس نے کچھ پوچھے یا کسی کو للکارے بغیر پلٹ کر ایک فائر دروازے کی طرف جھونک مارا۔ کمانڈو اضطراری طور پر اپنے بائیں پہلو پر گر گیا۔ بے آواز گولی ایک زناٹے کے ساتھ کنکریٹ کے فرش سے اچٹ کر کسی دیوار میں پیوست ہوگئی۔

کمانڈو کے گرنے کا دھماکا اندر سن لیا گیا اور فوراً ہی بلغمی آواز والے نے چیخ کر پوچھا "کون ہے؟" اپنے سوال کے ساتھ ہی اس نے کھلے ہوئے دروازے میں دوسرا فائر داغ دیا۔

اوّل خان نے فضا میں انگلی گھما کر ہم لوگوں کو ایک جگہ جمع رہنے کے بجائے اس دروازے کے گرد پھیل جانے کا اشارہ کیا اور خود سینے کے بل فرش پر گر گیا۔ نیچے لیٹتے ہی اس نے اپنی سب مشین گن سے اس تاریک کمرے میں ایک ہلکا سا برسٹ چلا ڈالا۔

وہ برسٹ بقیہ لوگوں کے لیے ایک سگنل تھا۔ اچانک باہر کی تاریک فضا متعدد گولیوں کے پُرہول دھماکوں سے لرز اٹھی۔ مجرموں کے خلاف بھرپور کارروائی کا آغاز ہوچکا تھا۔ انتظار کے اعصاب شکن لمحات ٹل گئے تھے اور فیصلہ کن عملی حملے کی ابتدا ہوگئی تھی۔

اندر محصور دونوں مجرم بیک وقت چینی زبان میں زور زور سے بولنے لگے۔ شاید وہ اس ناگہانی آفت کے بارے میں ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کو اپنے اندازوں سے آگاہ کرنا چاہ رہے تھے۔

اس مختصر ترین مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایک کمانڈو سینے اور کہنیوں کے بل کھلے ہوئے دروازے میں رینگ گیا اور پھر اس نے کمرے میں گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ کردی۔ میری دانست میں اس نے اپنی جان پر کھیل کر وہ کارروائی کی تھی اور حیرت ناک طور پر اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔

کمرے میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونجیں۔ اوّل خان غضب آلود آواز میں غرّایا "ہتھیار پھینک دو۔ تم ہر طرف سے گھیرے میں لیے جاچکے ہو۔ تمہاری کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوسکتی۔"

"تم کُتّے کے بچے، مکّار اور فریبی ہو" اندر سے اس فقرے کے بعد گالیوں کی یلغار ہوگئی۔

اس وقت واقعات اتنی تیزی سے رونما ہورہے تھے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ چوکھٹ میں فرش سے چپکے ہوئے کمانڈو کا برسٹ جاری ہی تھا کہ اندر سے کوئی چیز فضا میں اڑتی ہوئی آئی اور فرش پر گرتے ہی پھسپھسی آواز کے ساتھ پھٹ گئی۔ اس کے پھٹتے ہی تاریک تر دھواں بہت تیزی کے ساتھ بھرنے لگا اور ہم سب پر کھانسی کے دورے پڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

"بھاگو!" اوّل خان ہذیانی آواز میں چیخا "یہ زہریلی گیس ہم سب کو بے ہوش کرکے مفلوج کردے گی۔ سانس روک کر اس کی زد سے بچو....." پھر وہ بھی بری طرح کھانسنے لگا۔ اونچی آواز میں بولنے کے باعث اس مہلک گیس کی کچھ مقدار اس کے پھیپھڑوں میں بھی پہنچ گئی تھی۔

دروازے کے وسط میں پڑے ہوئے کمانڈو نے فرش چھوڑ کر اچانک کمرے میں دوڑ لگادی۔ میں بری طرح کھانستا ہوا اٹھا تو مجھے کچھ نہ سوجھا۔ میں بھی پوری قوت سے اسی کمرے کی طرف دوڑ پڑا جس میں دونوں چینی موجود تھے۔ میں دروازے میں داخل ہوا ہی تھا کہ مجھ سے پہلے اندر جانے والا کمانڈو ایک کریہہ چیخ کے ساتھ نا میں اڑتا ہوا میرے اوپر آگرا اور میں اس کی جھونک سہارنے ای کوشش کرنے کے باوجود پشت کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ کمانڈو ای سب مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری تھی ور گرتے ہی جھٹکے سے خود بخود چل پڑی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس ای کسی گولی کا رخ میری طرف نہیں تھا۔ اس کے زیرِ استعمال میگزین کا بقیہ حصہ چند لمحوں میں خالی ہوگیا۔

بقیہ لوگ بھی زہریلے دھوئیں سے پناہ لینے کے لیے کھانستے ہوئے اسی کمرے میں گھس آئے اور کمرے میں موجود دونوں پست قامت اور دہرے بدن والے چینیوں نے ہو، ہا اور یاع کی لمبی آوازوں کے ساتھ اچھل اچھل کر ہر اس شخص کو اپنا نشانہ بنانا شروع کردیا جو اپنے قدموں پر کھڑا ہوا نظر آرہا تھا۔

بعد میں اندر آنے والوں میں ویرا اور اوّل خان کے ساتھ ایک کمانڈو بھی تھا۔ وہ تینوں گیس سے اس بری طرح متاثر ہوئے تھے کہ فوری طور پر چینیوں کے تابڑتوڑ حملوں کا سدباب نہ کرسکے اور نہایت سرعت کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ اس دھماچوکڑی میں کوئی مجھ سے ٹکرا کر گرا۔ میں غصے اور جھلاّہٹ کے عالم میں دانت پیستا ہوا اٹھا تو فوراً ہی ایک چینی نے کسی سبک اندام بازی گر کی طرح اپنے ہاتھوں کے بل پر فضا میں الٹ کر اپنی لاتیں چلائیں اور میرے جبڑے پر گویا قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول سیدھا کیا تو وہی چینی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس نے "ہو" کی کریہہ آواز نکال کر میری گردن کی جڑ میں کھڑی ہتھیلی کا وار کیا اور میں کھڑے کھڑے تیورا کر رہ گیا۔ ان دو چینیوں نے آناً فاناً میں سب کو حواس باختہ کرکے رکھ دیا تھا۔

"روشنی کرو اور ان سؤر کے بچوں کو پکڑلو" اوّل خان نے فرش پر پڑے پڑے، دانت کچکچا کر کہا۔ روشنی کی حد تک اس کی بات درست تھی۔ فوراً ہی کمرے میں دو سرچ لائٹس روشن ہوگئیں لیکن ان سؤر کے بچوں کو پکڑنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ چھلاووں کی طرح اپنی جگہیں بدل بدل کر سب پر وار کررہے تھے۔

میں حیران تھا کہ اس نازک موقعے پر مارشل آرٹس میں ویرا کی بے مثال مہارت کہاں جا سوئی تھی۔ وہ ایک دیوار کی جڑ میں پڑی گیس کے موذی اثرات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے پستول تان کر ایک چینی پر فائر کیا لیکن گولی چلنے سے پہلے ہی وہ کھلی ہوئی عقبی کھڑکی میں سے باہر کود چکا تھا۔ پھر ویرا بھی جھرجھری لے کر اٹھی۔ اس نے ہوا میں اپنا جسم اچھال کر اپنے حریف کی کھوپڑی پر لاتیں رسید کیں تو وہ کسی بدمست ہاتھی کی طرح اپنی جگہ پر جھوم کر رہ گیا۔ ویرا دوبارہ اس کی طرف لپکی تو اس چینی نے ویرا کے پیٹ میں گھٹنا رسید کیا اور وہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گئی۔

اس دھماچوکڑی اور افراتفری میں ہماری ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اس وقت تک مجھے یہ دیکھنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ان میں سے کس چینی کا ایک کان آدھا غائب تھا۔

ویرا نے اپنی سخت جانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنے حریف کو فلائنگ کِکس مارنے کی کوشش کی مگر چینی بھی ویرا کے تیور بھانپ کر اسی موڈ میں آچکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی اپنی پرواز کے عین وسط میں ان دونوں کی لاتیں پوری قوت سے آپس میں ٹکرائیں۔ دونوں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں اور وہ تڑپتے ہوئے فرش پر آرہے۔

ویرا سبک اندام تھی اس لیے سنبھل کر فوراً ہی اٹھ گئی۔ چینی کو قدرے فربہ اندام ہونے کی وجہ سے زیادہ چوٹیں آئی تھیں اس لیے وہ فوراً نہ اٹھ سکا۔

اس وقت تک سب ہی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کا ایک حریف بھاگ نکلا ہے اور مقابلہ صرف ایک بدمعاش سے ہے۔ میرے ساتھ دونوں کمانڈوز بھی اس پر پل پڑے۔ میں اس کی پسلیوں پر ایک ٹھوکر مارنے کے بعد اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا اس لیے میں نے اس کے پلپلے چہرے پر مکّوں کی بھرمار کردی۔

وہ خبیث حیران کن بلکہ شیطانی قوتِ برداشت کا مالک تھا۔ خاموشی سے فرش پر پڑا مار کھاتا رہا۔ میں نے سوچا کہ وہ بے جان ہوگیا ہے یا پھر حوصلہ ہار بیٹھا ہے لیکن وہ میری سنگین غلطی تھی۔ وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

اچانک اس نے جھرجھری لی اور چکنے ربر کے کسی لچکیلے پُتلے کی طرح ہم تینوں کی گرفت سے صاف نکل گیا۔ اٹھتے اٹھتے ویرا کو اپنی ٹانگوں میں پھنسا کر ایک طرف اچھال دیا۔ بیک وقت اپنے چار حریفوں کو چکما دے کر وہ واپس پلٹنے کے بجائے کھڑکی کی طرف لپکا۔

"رکو!" اوّل خان اضطراری آواز میں غرّایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مرتبہ پھر سب مشین گن آگئی تھی۔

کھڑکی کی طرف دوڑتا ہوا چینی رکا نہ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت کی۔ اوّل خان کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ پانچ ہٹے کٹے اور تربیت یافتہ مقامی لڑاکا بھی دو بے ڈول چینیوں کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود سب مشین گن کی نال کا رخ بھاگتے ہوئے چینی کی طرف پھیرا پھر میرے روکتے روکتے اس نے ٹریگر دبا دیا۔

تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں۔ خالی خول فرش پر گرتے رہے۔ جب میگزین خالی ہوچکا تو اس چینی کی پشت بری طرح چھلنی ہوچکی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہاتھ ہوا میں یوں لہرا رہے تھے جیسے وہ گہرے پانی میں ڈوبنے سے بچنے کی کوشش کررہا ہو۔ آخر اس کا بھاری وجود ایک پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

"تم نے بہت برا کیا" میں نے اوّل خان کے برابر میں پہنچ کر آہستہ سے کہا "مارنے سے پہلے یہ تو دیکھ لیتے کہ اس کے دونوں کان پورے ہیں یا نہیں..."

"جہانگیر کا آپریشن ہوجائے گا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی" وہ میری بات کاٹ کر دہاڑا "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ دونوں کیسے' بدروحوں کی طرح سب کو پیس ڈالنے پر تلے ہوئے تھے؟ مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ موٹے اور بھدے جسم کے ساتھ آدمی اس قدر تیز اور پھرتیلا ہوسکتا ہے۔ میں اسے نہ مارتا تو یہ ہمارے ہاتھ آنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے ساتھی نے باہر ابھی تک سب کو دوڑ لگوائی ہوئی ہے۔"

اس وقت اوّل خان کے سر پر چینیوں کا آسیب سوار تھا اس لیے اس سے بحث بے سود تھی۔ میں شکست خوردہ انداز میں چلتا ہوا' بے جان چینی کے قریب پہنچا۔ اس کے چہرے پر موت کی اذیت ثبت ہوکر رہ گئی تھی لیکن اس کے ہونٹ یوں کھنچے ہوئے تھے جیسے وہ استہزائیہ مسکراہٹ ہو۔ سر گھما کر اس کا داہنا کان دیکھتے ہی میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سرایت کرگئی۔ اس کا پورا کان سلامت تھا۔

"کون ہے یہ؟" مجھے کھڑکی کی طرف جاتے دیکھ کر اوّل خان نے اپنی جگہ سے سوال کیا۔

"چیانگ فاؤ!" میں نے مڑ کر کہا "یہ جہانگیر ہی کی نہیں بلکہ بڑی ون اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر کی بھی خوش قسمتی ہے کہ لی وانگ ابھی تک باہر دوڑتا پھر رہا ہے۔ شاید تمہارے آدمیوں نے اس کا کٹا ہوا کان دیکھ لیا ہے اسی لیے وہ اسے گولی مارنے کے بجائے زندہ پکڑنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"کٹا ہوا کان.... جادوگر چینی.... اترے ہوئے کولھے" اس نے ہذیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "معلوم ہورہا ہے کہ ہم اب تک کوئی برا خواب دیکھتے آئے ہیں۔ باہر جانے سے پہلے ہمیں پورا یقین کرنا پڑے گا کہ چیانگ فاؤ واقعی مرچکا ہے۔ یہ لوگ حبسِ دم کے ماہر ہوتے ہیں۔ کیا پتا میدان خالی دیکھ کر یہ بھی اٹھے اور کسی دوسرے راستے سے بھاگ نکلے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے مکاؤ میں ان لوگوں کو کیسے زک پہنچائی ہوگی؟"

چینیوں سے مار کھانے کی وجہ سے اس کے حواس بگڑے ہوئے تھے اس لیے میں نے اسے یہ جتانے کا ارادہ ترک کردیا کہ اس نے جتنی گولیاں چیانگ فاؤ کے بدن میں اتاری تھیں وہ کسی بدمست سانڈ کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کافی ہوتیں۔

کھڑکی سے باہر کا منظر حیران کن تھا۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے اپنی سرچ لائٹس روشن کرکے لان پر ڈال دی تھیں اور لی وانگ کو پکڑنے کی جدوجہد میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ میں اس دلچسپ تماشے سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھڑکی سے نیچے کود گیا۔

ان کی تعداد چار تھی لیکن وہ لی وانگ کے سامنے بے بس نظر آرہے تھے۔ کسی خطرناک مجرم کی گرفتاری کی کوشش سے زیادہ وہ ایک کھیل نظر آرہا تھا۔ ایک مرتبہ یوں نظر آیا جیسے لی وانگ پکڑ لیا جائے گا۔ اس کے پیچھے لگے ہوئے آدمی نے پوری قوت مجتمع کرکے لمبی جست لگائی اور منہ کے بل گھاس پر جاگرا۔ لی وانگ اپنی رفتار تیز کرکے سرعت سے آگے نکل گیا تھا۔

اوّل خان بھی دیرا کے ساتھ باہر آچکا تھا۔ دونوں کمانڈوز اندر ہی رہ گئے تھے۔

لی وانگ کے مقابلے میں اوّل خان کے آدمی اپنی ایک کوشش میں پوری طرح کامیاب تھے کہ وہ اسے احاطے میں دیوار یا پھاٹک کی طرف جانے سے روکے ہوئے تھے۔ فرار کی کوئی راہ نہ ملنے کی صورت میں لی وانگ بہت دیر تک اپنی بھاگ دوڑ جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔

پھر ان چاروں نے لی وانگ کو گھیر ہی لیا اور اس کا انجام سامنے نظر آنے لگا۔ وہ چوکنے انداز میں اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔ چند ثانیوں تک ایک دوسرے کی اضطراری حرکات کا جائزہ لینے کے بعد وہ چاروں اپنے شکار پر جھپٹے تو وہ اچانک ہی نیچے بیٹھا اور کسی چکنی مچھلی کی طرح ان کے درمیان سے پھسل کر دور نکل گیا۔

"تم لوگ مر کر بھی مجھے زندہ نہیں پکڑ سکتے" ان سے بچ نکلنے کے بعد وہ ہانپتے ہوئے چیخا "یہ کھیل ختم کرنے کے لیے تم مجھ کو گولی مارنے پر مجبور ہوجاؤ گے.... آخر تم اپنے ہتھیار کیوں استعمال نہیں کرتے۔"

ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اس پر اگلا وار کرنے کے لیے پینترے بدلتے رہے۔ ان کے سانس اپنے حریف سے کہیں زیادہ چڑھے ہوئے تھے۔

"ہم کسی ملزم پر ہتھیار نہیں اٹھاتے" اوّل خان نے اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر' اونچی آواز میں اس کی بات کا جواب دیا "ملزم کو مجرم قرار دے کر سزا سنانا عدالتوں کا کام ہے' ہمارا نہیں۔"

"ڈینی جیسے جھوٹے اور مکار کے ہم نوا قانون کے نگہبان کب سے ہوگئے؟" اس نے زہریلے قہقہے کے ساتھ پوچھا "بلیاں اگر چوزوں کی رکھوالی شروع کردیں تو بھیڑیے حیرت سے اپنی دُمیں چبا جائیں گے۔"

"یہ تمہارے اور ڈینی کے معاملات ہیں" اوّل خان مزید پیش قدمی کرتے ہوئے بولا "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہمیں ڈینی کی ذات میں نہیں بلکہ اس مشن سے دلچسپی ہے جس پر وہ کام کررہا ہے۔"

"تم پر تمہارے خدا کی لعنت ہو" وہ اوّل خان کی بات کاٹ کر چیخا "تم نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے چیانگ فاؤ کو بے وقوف بنالیا لیکن اب مجھے دھوکا نہیں دے سکو گے۔ چوروں کی طرح ہم پر شب خون مار کر تم نے اپنے عزائم کو بے نقاب کردیا ہے۔"

اس وقت تک اوّل خان ٹہلتا ہوا' لی وانگ سے پندرہ بیس گز دور پہنچ چکا تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر لی وانگ پر تان لیا اور غراتے ہوئے بولا "ہاتھ اٹھالو ورنہ میں واقعی تم کو شوٹ کردوں گا۔ میرے آدمی صرف احکام کی تعمیل کرتے ہیں مگر میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔"

اوّل خان کی اس حرکت نے مجھے مضطرب کردیا۔ وہ غصے میں چیانگ فاؤ کو مار چکا تھا لیکن لی وانگ کی موت کے بعد جہانگیر اور دوسروں کی فوری صحت یابی ایک خواب بن کر رہ جاتی۔ اس بار بھی وہ مجھ سے اتنی دور تھا کہ میں اپنی شدید خواہش کے باوجود اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

"سوچو نہیں گولی چلادو" لی وانگ نے ذرا بھی پریشانی کا اظہار کیے بغیر' بے خوفی سے کہا "مکاؤ والوں کے لیے ڈون کوانگ فو کی کسی خواہش پر جان قربان کردینے سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ وہ ہمارے پسماندگان کو اتنا نوازے گا کہ ہماری کئی پشتیں بے فکری کی زندگی گزار سکیں گی۔ ہم عمر بھر کماتے رہیں تب بھی ڈون کے انعامات کا عشرِ عشیر نہیں جوڑ سکتے۔ سوچ کیا رہے ہو' چلاؤ گولی!"

اوّل خان نے اپنا ہاتھ سیدھا کرکے لی وانگ کے سینے کی شست لے لی۔ وہ کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ اٹل کھڑا رہا۔ آدمیوں سے بھاگنے والا اپنے سینے پر گولی کھانے کے لیے تیار تھا۔

اوّل خان کے ریوالور کی نال قدرے نیچے جھکی اور لی وانگ نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کھڑے کھڑے اس کے پیروں میں اسپرنگ نکل آئے ہوں۔ اس نے قدرے جھک کر اپنے قدموں پر زور ڈالا اور فضا میں کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔ اوّل خان کی چلائی ہوئی گولی اس کے نیچے سے گزر گئی۔

دوبارہ لی وانگ کے قدم زمین سے لگے تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے پیروں میں پورے بدن کا بوجھ سہارنے کی طاقت ہی نہ رہی ہو۔ وہ گھاس پر بیٹھتا چلا گیا۔

"تم میری ٹانگیں زخمی کرکے مجھے نہیں پکڑ سکو گے" لی وانگ بیٹھے بیٹھے استہزائیہ آواز میں بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے مارنے کے بارے میں تمہیں کیا تردد ہے۔ ڈینی کے مشن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سیدھا سادہ ڈون اور ڈینی کی دشمنی کا معاملہ ہے۔ اگر تم ڈینی کے خیر خواہ ہو تو تمہیں اب تک مجھے گولی مار دینی چاہیے تھی۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تم مجھ سے کوئی نئی بات نہیں اگلوا سکو گے۔"

"دیکھ کیا رہے ہو؟ ٹوٹ پڑو اور باندھ لو اسے" لی وانگ کو قدموں پر کھڑا ہونے سے گریزاں دیکھ کر اوّل خان نے اپنے آدمیوں کو للکارا اور وہ باجماعت لی وانگ پر جھپٹ پڑے۔

لی وانگ بس اس وقت تک بیٹھا رہا جب وہ چاروں اس کے اور اوّل خان کے درمیان حائل نہیں ہوئے' ان کی اوٹ میسر آتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر بھاگ نکلا۔

اس بار اوّل خان اپنی کھوپڑی پر قابو نہ رکھ سکا اور ریوالور تان کر خود بھی گھاس پر' لی وانگ کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔ اسے میدانِ عمل میں دیکھ کر دیرا بھی خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اسے ویسے بھی اچھل کود میں اپنی مہارت پر ناز تھا۔ لی وانگ کا تعاقب کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہوگئی۔

ان کی تعداد چار سے بڑھ کر چھ ہوچکی تھی لیکن لی وانگ انہیں ایسی غضب کی جھکائیاں دے کر کنیاں کاٹ رہا تھا کہ ان کی طبیعتیں صاف ہوگئی تھیں۔

پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ لی وانگ نے اپنی بے مثال جسمانی پھرتی سے وقت ضرور حاصل کرلیا لیکن وہ اپنے مقدر کو نہ ٹال سکا۔ چھ حریفوں کے مقابلے میں اس پر تھکان کا غلبہ ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس اثنا میں اوّل خان کو اس کے پیچھے لگنے کا موقع مل گیا۔

اس نے دو مرتبہ لی وانگ کو للکار کر رکنے کا حکم دیا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اوّل خان نے بھاگتے بھاگتے اس کی پنڈلیوں پر دو فائر جھونک مارے۔ وہ بہت اچھا نشانے باز تھا۔ لی وانگ زخمی ہونے کے بعد لان پر گرا اور قلابازیاں کھاتا ہوا' دور تک چلا گیا۔

اس پوری بھاگ دوڑ میں اس نے پہلی بار مار کھائی اور وہ سب جونکوں کی طرح اس سے لپٹ گئے۔ اس کی زخمی پنڈلیوں کی پروا کیے بغیر اسے مضبوط ڈوری سے جکڑ دیا گیا۔

وہ غراتا اور کراہتا رہا لیکن اس نے کسی سے رحم کی التجا نہیں کی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے دشمن کے ساتھ کسی رو رعایت سے کام لیتے ہیں نہ کڑے وقت میں خود کسی رعایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ جو کچھ بھی ان کے دماغ میں سما جائے اس کے لیے لڑتے ہیں اور لڑتے لڑتے ہی مرجاتے ہیں۔

لی وانگ پستہ قامت ہونے کے باوجود دو آدمیوں سے زیادہ وزنی تھا۔ ایس ٹی ایف والوں نے پہلے ہی اس بات کا اندازہ لگالیا تھا اس لیے جب لی وانگ کو وہاں سے لے جانے کا سوال سامنے آیا تو ان لوگوں نے کسی ایک شخص کو امتحان میں ڈالنے کے بجائے مل جل کر اسے لے جانے کا بندوبست کیا پھر اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان میں سے ایک لمبا بانس گزار کر چار افراد نے اسے کسی شکار کیے ہوئے چوپائے کی طرح بانس سے لٹکا کر اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارے ہاتھوں مغلوب ہونے کے بعد میرا یہی حشر ہوگا۔" لی وانگ کسی قسم کی تکلیف کا اظہار کیے بغیر کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "خیر میں بھی دیکھتا ہوں کہ مجھے زندہ رکھ کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

اوّل خان اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک پر مائل تھا لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اس سے تلخی بڑھانے کے بعد ہم اپنی مرضی کا کام نہیں لے سکیں گے۔ میں نے اوّل خان سے کوئی رائے لیے بغیر اس کے چاروں آدمیوں کو تحکم آمیز لہجے میں ہدایت دی "اسے گھاس پر ڈال دو!"

ان چاروں نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس وقت بقیہ آدمی لان میں بکھری ہوئی سرچ لائٹس وغیرہ سمیٹنے میں مصروف تھے۔ میں نے لی وانگ سے مخاطب ہو کر کہا "تمہیں لٹکا کر لے جانے میں ہماری کسی بدنیتی کا نہیں بلکہ مجبوری کا دخل ہے۔ تمہارا وجود اس قدر بھاری ہے کہ کوئی ایک آدمی تمہیں اٹھا کر نہیں چل سکتا۔ ہمارے پاس کوئی اسٹریچر بھی نہیں ہے اور تم اپنے قدموں پر چلنے سے معذور ہو چکے ہو۔ تم خود بتاؤ کہ تمہیں یہاں سے لے جانے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟ ہم تمہارے ساتھ بدسلوکی نہیں کرنی چاہتے۔"

اس نے لحظہ بھر کے لیے غور سے میری طرف دیکھا پھر برہمی سے بولا "بانس پر لٹکا کر لے جانے سے بہتر ہے کہ تم گلے میں رسی باندھ کر مجھے زمین پر گھسیٹنا شروع کردو۔"

"تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔" میں نے تحمل سے کہا "تم خود ہی اپنی پسند کا کوئی طریقہ بتاؤ۔"

"کسی بڑی چادر کے چاروں کونوں پر گرہیں لگا کر بھی اسٹریچر کا کام لیا جاسکتا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بے پروائی سے بولا جیسے اسے یقین ہو کہ اس کی تجویز پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

میں نے اوّل خان کے آدمیوں کو اندر سے چادر لانے کی ہدایت دے کر لی وانگ کو حیران کردیا۔

جب اسے اس کی تجویز کے مطابق چادر پر ڈال کر اٹھایا جارہا تھا تو وہ الجھن آمیز انداز میں بڑبڑانے لگا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو!"

"تمہاری پریشانی بجا ہے۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "تم میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ میں زندہ تمہارے ہاتھ نہ آتا تو تم مجھے مار ڈالنے سے دریغ نہ کرتے جوابی کارروائی میں تمہیں ہلاک کردینا میرے لیے سب سے سہل کام تھا لیکن میں تمہیں زندہ رکھ کر ڈون کوانگ فو کو اپنی نیک نیتی اور خیرسگالی کا یقین دلانا چاہتا ہوں۔ چیانگ فاؤ بھی مقابلہ کرتے ہوئے خطرناک نہ ہوگیا ہوتا تو زندہ رہتا۔ وہ اپنی حماقت کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ ہم تمہیں یہاں سے اپنی نگرانی میں رخصت کریں گے تاکہ تم برے عزائم کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرو۔ تمہاری کہانی سن کر ڈون بھی میرے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہیں ڈون کی خوشنودی کی اتنی فکر کیوں ہے؟"

"ہم منصب لوگ ایک دوسرے کی بیخ کنی نہیں کرتے بلکہ کام کرتے ہیں۔" میں نے گمبھیر آواز میں کہا "اگر غصے میں ڈون کا دماغ چل گیا ہے تو مجھے رواداری اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔"

"تم اس کے ہم منصب کہاں سے ہوگئے؟" میری پُرپیچ گفتگو نے اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔

"یہ تمہاری سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں۔" میں نے پُرغرور لہجے کے ساتھ کہا "وہ ٹی کے نام پر مکاؤ میں حکمرانی کرتا ہے تو میں اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے مکاؤ میں اسے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ مجھے مکاؤ ہی میں اس کی غلط سوچ کا اندازہ ہو جاتا تو میں وہیں اسے مطمئن کر دیتا۔"

"تم پہیلیاں بجھا رہے ہو۔" اس کی حیرت بڑھتی ہی جارہی تھی اور مجھے اس امر پر شدید حیرت تھی کہ وہ اپنی پنڈلیوں کے گہرے زخموں کو بالکل بھولا ہوا تھا "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو۔"

اوّل خان کے آدمی سرچ لائٹس چمکاتے ہوئے ہمارے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ ہمارا کارواں مکان کے داخلی دروازے سے عمارت میں داخل ہوگیا۔ اوّل خان نے تین آدمیوں کو وہیں سے گاڑیاں لانے کے لیے روانہ کردیا۔

"میں بہت سوچ سمجھ کر بول رہا ہوں اور تمہیں اپنی بات کا یقین دلانے پر قادر ہوں۔"

"ڈون مکاؤ میں ٹی کا آئی مین ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا "آئی مین بہت عظیم ہوتا ہے....."

"بدقسمتی یہی ہے کہ تم اب تک اپنے ایک آئی مین کے خلاف صف آرا رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ میرا ظرف ہے کہ میں تمہیں اور کوانگ فو کو معاف کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔" وہ بے اعتباری سے بولا "مجھے یقین ہے کہ تم اپنی سچائی ثابت نہیں کرسکتے۔"

ہم اس وسیع خواب گاہ میں داخل ہوگئے جہاں دو معذور یرغمالی بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

زخمی لی وانگ والی چادر کو قالین پر رکھ دیا گیا۔ اس وقت وہاں اوّل خان کے چار کمانڈوز کے علاوہ ایس ٹی ایف کے مزید چار مسلح جوان موجود تھے۔ اوّل خان کے چہرے سے مترشح ہونے والی بےزاری بتدریج زائل ہو چکی تھی۔ لی وانگ سے ہونے والی گفتگو سے شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ میں گفتگو کو کس رخ پر لے جارہا تھا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد لی وانگ نے مضطرب آواز میں مجھ سے کہا "اگر تم سچے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آئی مین کون ہوتا ہے۔"

"ٹھہرو، میں ابھی تمہیں مطمئن کیے دیتا ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا پھر میں اوّل خان کے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا "تم سب باہر ٹھہرو۔ چیانگ فاؤ کی لاش دروازے پر لے جاؤ تاکہ روانگی میں تاخیر نہ ہو۔ ضرورت ہوئی تو تمہیں بلالیا جائے گا۔"

اوّل خان نے سرہلا کر میری ہدایت کی تائید کی اور وہ آٹھوں سر جھکا کر ایک قطار کی صورت میں دروازے سے باہر نکلتے چلے گئے۔ کمرے میں صرف چھ نفوس باقی رہ گئے۔ دو بے ہوش افراد، لی وانگ، اوّل خان اور ویرا کے بعد چھٹا فرد میں خود تھا۔

"کیا تم سلور آئی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے لی وانگ کے قریب جا کر باوقار آواز میں پوچھا۔

وہ پشت کے بل چادر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی پنڈلیوں سے بہنے والے خون نے اس کی پتلون کے پائنچوں کو رنگین کیا ہوا تھا مگر وہ اپنے زخموں سے بدستور بے پروا تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "سلور آئی ہر آئی مین کا زیور ہوتی ہے اور اسے ہم سب سلام کرتے ہیں۔"

میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سلور آئی نکالی اور ہتھیلی میں لے کر لی وانگ کے سامنے کردی۔

سلور آئی، جس پر سونے میں چاندی کی خواب ناک آنکھ ابھری ہوئی تھی، ٹی والوں کے لیے معجزاتی حیثیت رکھتی تھی۔ اس گول طلائی سکے پر نگاہ پڑتے ہی لی وانگ کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ آنکھوں میں احترام آمیز سراسیمگی سمٹ آئی اور بے یقینی سے اس کا دہانہ خود بخود نیم وا ہوگیا۔

پنڈلیاں زخمی ہونے کی وجہ سے وہ کھڑا ہونے سے معذور تھا لیکن پھر بھی اس کے بدن میں بجلی سی بھر گئی۔ وہ چادر سے اٹھا اور پھرتی کے ساتھ گھٹنوں کے بل سجدے میں گر گیا۔ اس وقت وہ اپنی تنظیم کے ایک بڑے کو بس وہی عزت دے سکتا تھا۔

مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کا قصہ شروع ہوتے ہی میرے ذہن میں یہ بات جم کر رہ گئی تھی کہ میرا مقابلہ ٹی کے خوں خوار درندوں سے تھا اس لیے اوّل خان کی معیت میں فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے کسی واضح منصوبے کے بغیر دو اہم چیزیں اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔ ان میں سے ایک بیم گن تھی اور دوسری سلور آئی۔

لی وانگ سے باتوں کی ابتدا کرتے ہوئے میں اسے معافی دے کر احسان مند کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن جب مجھے یہ یاد آیا کہ میری جیب میں سلور آئی موجود تھی تو میں نے فوراً ہی گفتگو کا رخ بدل دیا۔ اسے سلور آئی سے مرعوب کرنے کے بعد میں اپنے اشاروں پر نچا سکتا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے پر اپنے معذور کیے ہوئے تینوں افراد کی ہڈیوں کے جوڑ بٹھانے پر مجبور ہو جاتا اور اس وقت وہی میرا اہم ترین مقصد تھا۔

"اٹھو!" میں نے سرد لہجے میں کہا "بڑائی چھوٹوں کو فنا کرنے سے نہیں ملتی۔ تم اندھیرے میں تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ میرے سامنے کون ہے اسی لیے تم کو زندہ رکھا گیا ہے۔ مکاؤ جا کر ڈون کوانگ فو کو میرا سلام پہنچا دینا۔ اس نے صرف اپنی انا پرستی کی خاطر چیانگ فاؤ جیسے حیرت ناک اور بے جگر آدمی کو مروایا ہے۔"

لی وانگ سجدے سے اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور فرطِ جذبات سے اس کے ہونٹوں کے گوشے یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ کسی بھی لمحے رو دینے والا ہو۔

"اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔" میں نے ویرا کو حکم دیا تاکہ قدرے آرام ملنے کے بعد لی وانگ دونوں بے ہوش افراد پر کام کرسکے۔ ویرا فوراً ہی اس کی طرف بڑھی لیکن لی وانگ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"تم بہت عظیم اور مہربان ہو۔" وہ اپنے دل کی گہرائی سے بولا "میں خود پر لعنت بھیج رہا ہوں کہ اپنے مقدس آئی مین پر ہتھیار اٹھانے سے پہلے میں مر کیوں نہ گیا۔ میری سزا یہ ہے کہ میرے زخموں سے خون بہنے دو۔ مرہم پٹی سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایک پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے میں یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤں گا۔ مرنے سے پہلے مجھے اپنے آدمی کے کولھے کا جوڑ بٹھانے دو۔ میں مر گیا تو برڈی ون عمر بھر کے لیے معذور ہو جائے گا۔ پھر مجھے اپنے دوست، جہانگیر تک لے چلو۔ وہ بھی اسی عذاب سے گزر رہا ہوگا۔ میرے علاوہ پورے روئے زمین پر صرف ایک مارشل بڑے انسانی جوڑوں کو اتارنے اور بٹھانے میں ماہر ہے مگر وہ اپنی محبوبہ کی بے وفائی کے بعد سنک گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مقدس آئی مین کا کوئی غلام میری وجہ سے عمر بھر کی معذوری کا شکار ہو جائے۔"

اپنے دل کی بات اس کی زبان سے سن کر میں اندر ہی اندر جھوم اٹھا لیکن بظاہر بے پروائی سے بولا "یہ کام بھی ہو جائیں گے۔ مجھے ڈون کوانگ فو کی خوشنودی کی خاطر تمہاری جان زیادہ عزیز ہے۔ ان لوگوں کے کولھوں کے جوڑ تو کوئی سرجن بھی بٹھا ہی لے گا۔"

"یہی ایک قیامت کا راز ہے۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر قلق کے ساتھ بولا "اس ناہنجار کے کرتوت کا توڑ دنیا کے کسی سرجن کے پاس نہیں ہے۔ سرجن انسانی جوڑوں کو شیشے سے زیادہ نازک سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ کھینچ تان پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔ آرام اور فزیو تھراپی کی ناکامی کے بعد وہ آپریشن کا فیصلہ کریں گے تو گول ہڈی کو بٹھانے کے لیے آنکھ پر نشتر زنی کر کے اسے پھیلا میں گے تاکہ گول ہڈی اس کے اندر سما سکے اور یہی بربادی ہوتی ہے۔ انسان ساری عمر کے درد اور چال کے بگاڑ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی آنکھ تنگ ہونے لگتی ہے اور کبھی گول ہڈی کا ورم عذاب میں مبتلا کردیتا ہے۔ مجھے یہ کام کر لینے دو تاکہ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوسکے۔"

میں نے اس موضوع میں کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیے بغیر

اسے اپنے بے ہودہ ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کی اجازت دے دی۔ دیرا خاموشی اور گہری دلچسپی کے ساتھ اس مذاکراتی شطرنج کا مشاہدہ کررہی تھی۔

وہ ہتھیلیاں قالین پر ٹیک کر مسہری کی طرف گھسٹنا شروع ہوا تو میں نے مصنوعی ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے روکنا چاہا "دونوں گہری بے ہوشی کی حالت میں تکلیف کے ہر احساس سے عاری ہیں۔ تم ٹھہرو۔ ہم انہیں باری باری تمہارے پاس لے آتے ہیں۔"

"سخت فرش پر انہیں کوئی اور نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ نرم گدے پر ذرا سی دیر میں کام بن جائے گا۔" اس نے اپنی پیش قدمی ترک کرکے مجھے آگاہ کیا اور دوبارہ مسہری کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت تک میں لی وانگ کی جان بخشی کا فیصلہ کرچکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی زبان سے میری سلور آئی کا ذکر سنتے ہی کوانگ فو بوکھلاہٹ کا شکار ہوجائے گا اور لی وانگ کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق کے لیے جمی لائیڈ سے رجوع کرے گا۔ پھر جب جمی لائیڈ اسے بتائے گا کہ میں نے وہ ڈراما ایک مسروقہ سلور آئی کے سہارے رچایا تھا تو ڈون غصے میں اپنے سر کے رہے سہے بال نوچنے پر مجبور ہوجائے گا۔

لی وانگ کسی قوی الجثہ کیڑے کی طرح قالین پر گھسٹتا ہوا مسہری تک پہنچا اور کسی خاص دشواری کا سامنا کیے بغیر اچھل کر مسہری پر چڑھ گیا۔ اس وقت بھی دونوں معذور گہری بے ہوشی کی حالت میں تھے۔

لی وانگ بستر کی سفید چادر پر اپنے خون کے گہرے داغ چھوڑتا ہوا بڑی ون تک پہنچا۔ اس نے چند لمحے تک اس کے بگڑے ہوئے چہرے کا جائزہ لیا پھر اپنے موٹے موٹے ہاتھوں کی مدد سے اسے بستر پر چت لٹادیا۔ بڑی ون کی داہنی ران کی ہڈی خوف ناک انداز میں پتلون میں ابھر آئی۔

لی وانگ ماہرانہ انداز میں بڑی ون کے پیٹ پر سوار ہوگیا۔ اس کی پشت بڑی ون کے چہرے کی طرف تھی۔ اس نے بڑی ون کے پیٹ پر اپنی نشست جمانے کے بعد اس کی داہنی ران تھام کر بستر سے اوپر اٹھالی۔ چند ثانیوں تک وہ بڑی ون کی ران کو فضا میں یوں گھماتا رہا جیسے اسے کھسکے ہوئے جوڑ میں کسی خاص پوزیشن کی تلاش ہو۔ بڑی ون کی پتلون میں کولھے کی ہڈی کا ہولناک اور غیر فطری ابھار تیزی کے ساتھ گھٹنے بڑھنے لگا۔ پھر لی وانگ نے اس ران کو بستر اور دوسری ٹانگ سے تقریباً پچاس درجے کے زاویے پر باہر نکال کر ایک مکروہ آواز کے ساتھ ران کو دھڑ کی طرف شدید جھٹکا دیا۔ فضا میں چق کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی بڑی ون کی ایک دردناک چیخ ابھری۔ بے ہوشی کے عالم میں اس کا سر بستر سے کافی اوپر اٹھا اور پھر بے جان سا ہو کر نیچے گر گیا۔ اگر لی وانگ اس کے پیٹ پر سوار نہ ہوتا تو شاید وہ اذیت کے عالم میں اٹھ بیٹھا ہوتا۔

لی وانگ نے اس کی ران چھوڑ دی۔ بڑی ون کی پتلون میں نظر آنے والا خوف آور ابھار یکایک معدوم ہوچکا تھا۔ لی وانگ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر اس کے پیٹ پر سے اتر آیا۔ جریانِ خون کے باعث اس کا چہرہ زرد ہوکر پسینوں میں ڈوبنے لگا تھا۔ بڑی ون ایک چیخ مارنے کے باوجود بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"یہ ٹھیک ہوگیا۔" لی وانگ نے اعلان کیا "دوچار دن تک درد رہنے کے بعد یہ بالکل نارمل ہوجائے گا۔ ہڈیوں کا کوئی سرجن اس وقت مجھے دیکھ لیتا تو مریض پر جان لیوا ظلم کرنے کے الزام میں شاید مجھے گولی ہی ماردیتا لیکن یہ اس جوڑ کو بٹھانے کا واحد بے ضرر طریقہ ہے۔"

"کمال ہے!" اوّل خان استعجابیہ لہجے میں بولا "تم نے یہ فن کہاں سے سیکھ لیا؟"

"جاپانی پہلوان اپنے حریفوں کے جوڑ اتار کر کامیابی حاصل کرتے ہیں اور بعد میں خود ہی جوڑ بٹھا بھی دیتے ہیں۔ یہ فن ان ہی کی میراث ہے۔ میں نے سوکاموتو نامی ایک جاپانی ریسلر سے اس فن میں درک حاصل کرنے کے بعد بہت بہت محنت کی ہے۔ میرا اصل استاد وہی ہے جو اپنی محبوبہ کی بے وفائی کے غم میں سنکی بلکہ نیم پاگل ہوگیا ہے۔"

سب کچھ میری منشا کے مطابق ہورہا تھا اس لیے میں بالکل خاموش تھا۔

چند ثانیوں تک سستانے کے بعد لی وانگ اس گھر کے بے ہوش مالک کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے ساتھ بھی اس نے کم و بیش وہی عمل کیا البتہ جب اس نے زبردست جھٹکے کے ساتھ جوڑ بٹھایا تو بریگیڈیئر ایک چیخ کے ساتھ بستر سے اٹھتا ہی چلا گیا۔ وہ دراز قامت اور قوی الجثہ آدمی تھا۔ اس کا جسمانی ردِعمل اتنا شدید تھا کہ لی وانگ اپنے بھاری بھرکم جسم کے باوجود کسی بے وقعت بچے کی طرح اس کے پیٹ پر سے لڑھک گیا۔

بڑی ون کے برعکس، بریگیڈیئر اس جھٹکے سے ہوش میں آگیا اور اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھیں کھول کر دحشت زدہ انداز میں ایک ایک کو گھورنے لگا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں اس کا چہرہ بہت ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ رہی سہی کسر خون میں بھیگی ہوئی سفید چادر نے پوری کردی تھی۔

"تم سب کون ہو اور یہاں کیا ہورہا ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی مگر کھوکھلی آواز میں پوچھا۔

"ہم گندے فرشتے ہیں......" لی وانگ نے یہ کہہ کر اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑدیا اور وہ لہرا کر دوبارہ بستر پر گر گیا۔ اس کے حلق سے کوئی کراہ تک نہیں نکل سکی تھی۔

"تم نے یہ کیا کیا؟" اوّل خان لی وانگ کو گھورتے ہوئے غرّایا۔

"یہ تمہارا آدمی نہیں، میرا شکار تھا۔" لی وانگ نے اطمینان سے کہا "یہ ہوش میں رہتا تو سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہتا۔ پھر ہمارے چلے جانے کے بعد دوسروں کو نت نئی کہانیاں سنا کر حیران کرتا رہتا۔ اس کا بے ہوش رہنا ہی سود مند ہے۔ بڑی ون ہوش میں آیا تو میں اسے نہیں چھیڑوں گا۔"

اوّل خان اپنے آدمیوں کو جلدی جلدی روانگی کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

اس وقت تک لی وانگ کے زخموں سے خون کا بہاؤ، خون کے قدرتی جماؤ کی صفت کے تحت تھم چکا تھا۔ البتہ کہیں کہیں سے رساؤ جاری تھا۔ ویسے تو وہ نسلاً ہی زرد رو تھا لیکن خون کے ضیاع کی وجہ سے اس کے چہرے پر بے روپ پیلاہٹ طاری ہوچلی تھی۔ مجھے ڈر ہونے لگا کہ کہیں جہانگیر کا جوڑ بٹھانے کی نوبت آنے تک لی وانگ خود ہی بے ہوش نہ ہوجائے اور جہانگیر کا معاملہ کھٹائی میں پڑجائے۔

میرے ایما پر وہاں سے فوری روانگی کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اس مکان کو اپنے کمانڈوز کی تحویل میں دے کر اوّل خان مجھے اور دیرا کو لے کر باہر نکل آیا۔ اس کے آدمیوں نے لی وانگ کو گرہوں والی چادر کی مدد سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا۔ اس وقت اوّل خان کی گاڑی جہانگیر کے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر، اپنے عملے کی جیپ سے اسپتال کی طرف روانہ ہوگیا۔

اسپتال میں جہانگیر تک پہنچنے میں ہمیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف والوں کے خصوصی مراسم کی بنا پر جہانگیر کی دیکھ بھال پر فوری توجہ دی گئی تھی اور اس کی پوری متاثرہ ٹانگ پر لچک دار کریپ بینڈیج چڑھا دی گئی تھی۔ اس وقت جہانگیر کے جسم پر مریضوں والا لباس تھا۔ اور وہ کسی زود اثر انجکشن کے زیرِ اثر بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس کے ساتھ رکے ہوئے ایس ٹی ایف کے اہل کار نے بتایا کہ شدید درد کی بنا پر متعلقہ سرجن نے کم از کم اگلے بارہ گھنٹوں تک اسے بے ہوش رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

جب زخمی لی وانگ کو جہانگیر کے کمرے میں لانے کا معاملہ کھڑا ہوا تو اسپتال کا عملہ اڑ گیا۔ وہ لوگ لی وانگ کی بگڑی ہوئی حالت کی وجہ سے اسے شعبۂ حادثات میں لے جانے پر مصر تھے۔ وہ حیران بلکہ شبہات میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ایک زخمی شخص اپنی حالت فراموش کرکے کسی اور مریض کی عیادت پر کیوں تلا ہوا تھا؟

ان دنوں شہر فسادات کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ حریف گروہوں کے افراد ایک دوسرے کو عدالتی تحویل تک میں انتقام کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اِکّا دُکّا ایسی وارداتیں بھی ہوچکی تھیں کہ ایک حریف کے، اسپتال میں داخل افراد کو، دوسری پارٹی کے کارکنوں نے اسپتال میں پہنچ کر ہلاک یا زخمی کردیا۔ جوں جوں ایس ٹی ایف والوں کا اصرار بڑھتا رہا، اسپتال کے فرض شناس عملے کی ضد زور پکڑتی چلی گئی۔ جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی لی وانگ، جہانگیر کے کمرے میں نہیں پہنچا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں باہر نکلا تو وہ مسائل سامنے آئے۔ وہاں جہانگیر کے بجائے صرف پندرہ نمبر کا ذکر تھا۔

اس وقت بھی لی وانگ اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں ساری بحث و تمحیص اردو میں ہورہی تھی اس لیے وہ تاخیر کے اسباب سے لاعلم تھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی، اس نے اسٹریچر کی بلیاں تھام کر اٹھنے کی ناکام کوشش کی مگر میں نے اسے لیٹا رہنے پر مجبور کردیا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اپنے مقدس آئی مین کو تعظیم بھی نہیں دے سکتا۔" وہ بھرائی ہوئی اور حسرت زدہ آواز میں بولا۔ "......یہ لوگ مجھے یہاں کیوں روکے ہوئے ہیں؟ جہانگیر یہ وقت عذاب میں گزار رہا ہوگا۔"

"شبہات!" میں نے کہا۔ "وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تم اپنی لہولہان پنڈلیوں کو بھول کر جہانگیر کے کمرے میں کیوں جانا چاہتے ہو۔ ہم لوگ اس نکتے کی وضاحت کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے تو تمہارا اسٹریچر حرکت میں آجائے گا۔"

اس وقت تک وہ معاملہ اتنا طول پکڑ چکا تھا کہ اسپتال کے سینئر عملے کو بھی واقعات کا علم ہوگیا تھا۔ چند منٹ بعد ہی ایک آرتھوپیڈک سرجن اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ موقع پر آپہنچا۔

"جناب! اسٹریچر پر پڑے ہوئے مریض کی پنڈلیوں پر گولیوں کے متعدد زخم آئے ہوئے ہیں۔ بائیں پنڈلی کا ورم بتا رہا ہے کہ اس

کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔" سرجن نے سرسری انداز میں لی وانگ کا جائزہ لینے کے بعد ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ میڈیکو لیگل کیس ہے۔ آپ اسے نظرانداز کرکے پندرہ نمبر کی عیادت کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟ مانا کہ اس کی حالت بہت خراب ہے مگر وہ جوڑ اترنے کا ایک کیس ہے۔ درد سے نجات کے لیے اسے پیتھیڈرین کے انجکشن دیئے جا رہے ہیں۔ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے جب کہ یہ غیر ملکی زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مر بھی سکتا ہے۔ پندرہ نمبر کی معذوری کے مقابلے میں اس کی جان کو خطرہ ہے۔ آپ لوگ غیر ضروری بحث میں الجھ کر اس زخمی کے ساتھ مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کر رہے ہیں....."

"آپ کی ہر بات درست ہے!" میں نے ڈاکٹر کی بات کاٹ کر انگریزی میں کہا تاکہ لی وانگ بھی پوری صورتِ حال سے آگاہ رہ سکے۔ "یہ ہم میں سے کسی کی رشتے داری یا مجرمانہ غفلت کا معاملہ نہیں بلکہ مسٹر لی وانگ کی اپنی جذباتی عقیدت کا قصہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے دوست کے کولھے کی ہڈی کوئی سرجن نہیں بٹھا سکتا۔ سرجری کے بعد بھی وہ عمر بھر کے لیے معذور ہو جائے گا۔ یہ مہاتما گوتم بدھ کے مخصوص آسنوں اور ہندی یوگا کے بہت بڑے عامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ چند سیکنڈ میں پندرہ نمبر کے کولھے کی ہڈی بٹھا سکتے ہیں۔"

متوسط عمر والے سنجیدہ سرجن نے مجھے ایسی نظروں سے گھورا جیسے اسے میری دماغی صحت پر شبہ رہا ہو پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "اچھا ہوا کہ آپ نے یہ بھی بتا دیا۔ پندرہ نمبر کے جوڑ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ لچک دار ہڈیوں کی بافت پر ایک بار نشتر لگ جائے تو ان کی قدرتی لچک اور نمو بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ وہ صحت یاب ہونے کے بعد بھی پہلے کی طرح نارمل نہیں ہو سکے گا۔ مگر میں یہ بھی بتا دوں کہ اس کی ہڈیاں بہت نازک ہو چکی ہیں۔ بدھ آسن اور ہندی یوگا اس کے مرض کو بگاڑ دیں گے۔ اس کا واحد علاج سرجری میں پوشیدہ ہے۔ مائیکرو جوائنٹ سرجری کے بغیر وہ کبھی بھی اپنی مفلوج ٹانگ کو استعمال نہیں کر سکے گا۔ ایسے واقعات کا تناسب لاکھوں میں ایک کا ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کوئی ہڈی ٹوٹے بغیر اس کی ران کا اوپری جوڑ کیسے نکل گیا....."

لی وانگ خاموشی سے سرجن کی نستعلیق انگریزی سنتا رہا پھر اچانک ہی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مقدس ڈیٹی کچھ تکلف سے کام لے رہے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں پندرہ نمبر کا جوڑ آسانی سے بٹھا سکتا ہوں.... کسی آپریشن اور نقص کے بغیر تم بس ایک بار مجھے اس کمرے میں پہنچا دو۔ یہ میری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔"

"یہ ایک مستند اسپتال ہے۔" سرجن انتہائی تلخ لہجے میں بولا۔ "اس چھت کے نیچے ایسے جان لیوا تجربات نہیں کیے جا سکتے۔ تم لوگ اپنے مریض کو یہاں سے لے جاؤ اور جو چاہے کرتے رہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کا جوڑ مزید خراب کرنے کے بعد اسے یہیں لاؤ گے۔"

"ہینڈز اپ!" فضا میں گونجنے والی ایک وحشیانہ آواز نے سب ہی کو چونکا دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اوّل خان کے مزید کچھ آدمی اسپتال آپہنچے تھے۔ ان ہی میں وہ کمانڈو بھی تھا جس نے لی وانگ کے ہاتھوں بڑی ون اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے کولھوں کے جوڑ بحال ہوتے دیکھے تھے۔ اس نے سرجن کی بحث سے تنگ آکر اچانک ہی اپنی سب مشین گن سیدھی کرکے سرجن کو نشانے پر لے لیا تھا۔ غیر ارادی طور پر سرجن نے وحشت زدہ ہو کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ دوسروں نے اس کی تقلید کی۔

"لے جاؤ!" اس نے لی وانگ کے پہیے دار اسٹریچر کو ٹھوکر مار کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اسے پندرہ نمبر میں لے جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون اسے روکتا ہے۔ تمہاری واپسی تک میں انہیں یہیں کور کیے رکھوں گا۔"

"مقدس ڈیٹی!" سرجن اپنے ہاتھ اٹھائے اٹھائے پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا۔ "سب بگڑے ہوئے جنونی معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی مقدس پیر ہے اور کوئی آرتھوپیڈک عامل.... پتا نہیں یہ کیا کریں گے؟"

اوّل خان کے دو آدمی اسٹریچر کو دھکیلتے ہوئے اس راہداری میں لے گئے جو جہانگیر کے کمرے کی طرف جاتی تھی۔ اسپتال کا عملہ بے بسی سے ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔ زبانی تکرار میں وہ سب ہی اپنے اختیار کی برتری جتا رہے تھے لیکن بحث میں زبردستی کا عنصر شامل ہوتے ہی وہ سب لاچار اور قابلِ رحم نظر آنے لگے تھے۔

میں نے اوّل خان کے کمانڈو کی ایس ایم جی کی نال اپنے ہاتھ سے نیچے گرا دی اور اسپتال کے سرجن سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ لوگ ہاتھ نیچے گرا لیں.... میں اس بدتمیزی پر شرمندہ ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ زخمی غیر ملکی 'ایک خطرناک مجرم ہے۔ ہمیں اس کی زندگی سے زیادہ پندرہ نمبر کی صحت یابی عزیز ہے۔"

"ہم میں سے کسی کو یہ بات نہیں بتائی گئی۔" ایک خوب رو نرس نے تنک کر احتجاج کیا۔

"اسٹریچر پر پڑے ہوئے موٹے کے سامنے کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور ان میں سے کسی کو یہ اعتراض نہ سوجھا کہ لی وانگ صرف انگریزی جانتا تھا۔ اردو میں کوئی بات بتائی جاتی تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہاں کس موضوع پر بات ہو رہی تھی۔

میرے مصالحانہ رویے سے ماحول کا تناؤ ختم ہو گیا اور اسپتال کے عملے کے اراکین اپنی اپنی بولیاں بولتے ہوئے منتشر ہونے لگے۔ میں پندرہ نمبر والی راہداری کی طرف بڑھا تو سرجن مجھ سے آگے تھا۔

"آپ ادھر کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے سرجن کو ٹوکا۔ "اس بدطینت چینی سے سامنا ہو گا تو اپنی تلخ و ترش باتوں سے آپ کی طبیعت مکدر کر دے گا....."

اس نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "میں اس بے ہودہ توبی کے منہ نہ لگنے کا فیصلہ کرچکا ہوں لیکن پیشہ ورانہ طور پر یہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ مریض کی کیا درگت بناتا ہے۔"

"مجھے تو سو فی صد یقین ہے کہ وہ کامیاب رہے گا۔" میں نے اپنے چشم دید تجربات کا کوئی حوالہ دیے بغیر پورے اعتماد سے کہا۔ "مشرق کو فسوں خیز سرزمین قرار دیا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مشرق بعید کے بہتیرے باشندے محیرالعقول اور ماورائی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔"

"مجھے ایک سو نوے فیصد یقین ہے کہ وہ پندرہ نمبر کے کولھے کی ہڈیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔" سرجن تلخی سے بولا۔ "جوڑ بٹھانے کے لیے ماورائی نہیں، پیشہ ورانہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

ہم دونوں راستے ہی میں تھے کہ فضا ایک دردناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ سرجن اضطراری انداز میں آگے کی طرف دوڑ پڑا۔ میری رفتار بھی خود بخود تیز ہوگئی کیونکہ وہ چیخ واضح طور پر جہانگیر کی تھی۔

میں سرجن کے پیچھے پیچھے اس وارڈ کے پندرہ نمبر کمرے میں داخل ہوا تو وہاں ایک حیرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ لی وانگ مریضوں والے بستر پر پڑا ہوا تھا اور جہانگیر اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کے منہ پر مکے برسا رہا تھا۔ اول خان بوکھلائے ہوئے انداز میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی ناکام کوششیں کررہا تھا۔ ویرا دور کھڑی پُرتشویش نظروں سے وہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"سالے، میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔" جہانگیر اپنے مغلوب حریف پر گرج رہا تھا۔ "میں نے بہت دنوں تک تیری غلامی برداشت کی ہے۔ اب میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔ تو سمجھ رہا تھا کہ میری ٹانگ موڑ کر تو مجھے مزید جھکانے میں کامیاب ہوجائے گا تو یہ تیری بھول تھی۔ میں تیری ماں۔۔۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اول خان نے اسے پکڑتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "لی وانگ نے تمہاری ٹانگ موڑی نہیں تھی بلکہ تمہارے کولھے کا جوڑ بٹھا رہا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ جوڑ درست ہونے کے ساتھ ہی پیتھیڈرین کے انجکشن کا اثر بھی ختم ہوگیا اور تم ہوش میں آگئے۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ تمہارا جوڑ ٹھیک ہوچکا ہے۔"

ڈاکٹر حیرت سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جہانگیر کے جسم پر موجود، اسپتال کے مضحکہ خیز لباس میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن میں یہ دیکھ رہا تھا کہ جہانگیر کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی ٹانگ مفلوج ہونے کے بجائے آزادی کے ساتھ حرکت کررہی تھی۔ لی وانگ نے پٹیوں کو اتارے یا کاٹے بغیر ہی جہانگیر کی ٹانگ ٹھیک کی تھی۔

"ناقابلِ یقین!" سرجن حیرت سے دیدے پھاڑ کر بڑبڑا رہا تھا۔ "یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا مگر ہوگیا۔" اس کی تجربہ کار نظریں بھانپ چکی تھیں کہ جہانگیر کی شکایت دور ہوچکی تھی۔

"تم مجھے مارتے رہو!" جہانگیر کے ہاتھ تھمتے ہی لی وانگ گرفتہ آواز میں آہستہ سے بولا۔ "میں مارشل لی وانگ نہیں، ایک حقیر پلا ہوں۔ جو شخص سلور آئی والے کے جانشین کو پہچان سکے اسے اس زمین پر عزت سے زندہ رہنے کا کوئی حق ہے۔ مجھے حقارت اور بے رحمی سے مار مار کر پیوندِ خاک کرو۔"

متعدد افراد کی موجودگی اور مداخلت کی بنا پر جہانگیر کے سے پیتھیڈرین کے اثرات تیزی سے چھٹتے جارہے تھے۔ ثانیوں بعد ہی لی وانگ کے سینے پر سے اتر گیا۔ اس کے بشرے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے اپنی پچھلی ابتری یاد آنے لگی تھی۔ اپنی اور موجودہ حالت کا موازنہ کرکے وہ لی وانگ کے مخاصمانہ سلو ادراک کرنے کے قابل ہوچکا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کے چ کے وحشیانہ تاثرات اعتدال پر آتے جارہے تھے۔

اسپتال کا اکہرا بستر دو آدمیوں کے سمانے کے لیے ناکافی جہانگیر نے لی وانگ کے خون میں لتھڑے ہوئے پاتھوں کو دیکھا سنبھل کر بستر سے نیچے اتر گیا۔ اسے اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوا د میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا اور میں نے بے اختیار ہوکر ا اپنے سینے سے لگالیا۔

سرجن حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جہانگیر کو اس طرح رہا تھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ وہ مبہوت ا میں آگے بڑھا اور مجھے الگ کرانے کے بعد جہانگیر کا ہاتھ پکڑ اسے احتیاط سے فرش پر چلانے لگا۔ جہانگیر کی چال میں لنگڑا تھی لیکن بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہ تھا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ کا سبب جہاں باقی رہ جانے تکلیف تھی وہاں اس کی پوری ٹانگ پر چڑھے ہوئے کریپ بینڈ کے دبیز خول کا اثر بھی تھا۔

اسے سہارا دے کر چند قدم چلوانے کے بعد سرجن کی پیش عرق آلود ہوگئی۔

جہانگیر کی دردناک تکلیف کے بارے میں اس کے سار دعوے باطل ہوچکے تھے۔ لی وانگ نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا ت اس کے پاس جوڑوں کا کوئی علم نہیں تھا لیکن عملاً وہ اپنے فن طاق تھا۔

پندرہ نمبر کی معجزانہ صحت یابی کی خبر آناً فاناً میں اسپتال پھیلتی چلی گئی۔ کچھ دیر پہلے باہر رونما ہونے والی بدمزگی کی وجہ پندرہ نمبر ویسے بھی عملے کی چہ میگوئیوں کا محور بن چکا تھا۔ نئی خبر ساتھ ہی پیرامیڈیکل اسٹاف اس کمرے میں بھرنا شروع ہوگیا۔

"اب لی وانگ کی دیکھ بھال میں ذرا بھی تاخیر نہ کریں۔" نے سرجن سے کہا۔ "اسے اسٹریچر پر ڈال کر فوراً یہاں سے جائیں۔ اس کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا ہے۔"

سرجن کی ہدایت پر متعدد افراد بستر کی طرف لپکے۔ انہوں پھرتی اور مہارت کے ساتھ لی وانگ کو بستر سے اسٹریچر پر منتقل کیا وانگ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ہم سب کی طرف دیکھا اور کا اسٹریچر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"مجھے ان پٹیوں سے الجھن ہورہی ہے۔" جہانگیر نے شکایت کی۔ "مجھے ان سے نجات دلاؤ۔"

سرجن کے اشارے پر پٹیاں کھولنے کے عمل کا آغاز کردیا گیا۔

اول خان، سرجن کو لی وانگ کے بارے میں بتانے لگا تاکہ سے اپنا ریکارڈ مکمل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہمارا مسرور و شاد کام کارواں اسپتال سے روانہ ہوا تو ہماری جیپ میں لی وانگ کی جگہ جہانگیر سوار تھا۔ تکلیف سے غیر متوقع طور پر نجات مل جانے کے باعث اس کی خوشی قابلِ دید تھی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" کچھ دیر کے بعد میں نے ندامت آمیز لہجے میں اس سے کہا۔ "میری وجہ سے تمہیں بار بار ناقابلِ برداشت مصائب جھیلنے پڑ رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ اس سلسلے کا آخری واقعہ ثابت ہو۔"

"اوپری دل سے کی جانے والی دعاؤں سے کچھ نہیں بنے گا۔" وہ چیخ کر بولا۔ "تمہیں اب سدھرنا چاہیے۔ تم اب شادی شدہ ہو۔ تمہاری ان خون آشام دشمنیوں کا سایہ غزالہ کی ذات پر پڑنے لگا تو کیا ہوگا؟ میں مرد ہوں۔ دس مرتبہ بھی اس سے زیادہ دکھ جھیل سکتا ہوں لیکن وہ کیا کرے گی؟"

"میں نے مکاؤ میں جو کچھ کیا، غزالہ کو وہاں سے نکالنے کے لیے ہی کیا تھا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ بدمعاش کراچی تک میرا پیچھا کریں گے۔"

"مکاؤ؟" اس نے الجھن سے دہرایا۔ "یہ اچانک مکاؤ کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

معاً مجھے یاد آیا کہ اس بارے میں اس سے کوئی بات ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ میں مثارا ولی میں پھنسا ہوا تھا تو لی وانگ اور چیانگ فاؤ اس کے سر پر مسلط ہوگئے تھے۔ میں اس کے گھر پہنچا تو مکاؤ کے غنڈے اسے لے کر وہاں سے غائب ہوچکے تھے۔

میں اسے اختصار کے ساتھ ان دونوں کی آمد کے پس منظر سے آگاہ کرنے لگا۔

"ڈیڈی خود سے مکاؤ نہیں پہنچا تھا۔" اچانک ویرا میری بات کاٹ کر بولی۔ "ڈون کوانگ فو کو میں نے اس کی مدد پر آمادہ کیا تھا۔ ڈون درمیان میں نہ آیا ہوتا تو آج غزالہ یہاں عیش کرنے کے بجائے بھارت کے کسی عقوبت خانے میں موت کی آرزو کررہی ہوتی۔"

"ہاں، میں تمہیں ویرا کے اس احسان کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا۔" میں نے طنز سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ غزالہ کی پیدائش میری اور ویرا کی ملاقات سے پہلے ہوگئی تھی ورنہ اس واقعے میں بھی ویرا کا کوئی نہ کوئی کردار سامنے آجاتا۔ اس کی مہربانیاں میری پوری زندگی پر سایہ فگن ہیں۔"

"بھٹکنے کے بجائے اپنی بات جاری رکھو۔" اول خان نے مجھے ٹوکا۔ "یہ ساری تفصیل میں بھی پہلی بار سن رہا ہوں۔"

میں نے دوبارہ وہیں سے بات شروع کردی جہاں سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

ہم لوگ فلیٹ واپس پہنچے تو صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اول خان نے جہانگیر سے اس کے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے نیم دلانہ انداز میں اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے میں نے سختی سے مسترد کردیا۔

چینیوں نے اس کے گھر سے تمام ملازمین کو رخصت کرکے اس کے گھر کا نظام درہم برہم کردیا تھا۔ کھانے پینے کا کوئی بندوبست باقی رہا تھا نہ صفائی کا انتظام تھا۔ پورا گھر کباڑ خانے میں تبدیل ہوکر رہ گیا تھا۔ پھر ٹرانسفارمر کی تباہی کی وجہ سے وہ علاقہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور اگلی شام تک بھی وہاں بجلی کی فراہمی بحال ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان حالات میں جہانگیر کو اپنے گھر جاکر پریشانی اور کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

ہماری جیپ عالمگیر روڈ سے فلیٹ والی گلی میں داخل ہوئی تھی۔ اس وقت اول خان کا اوپر جانے کا موڈ نہیں تھا۔ کام ختم ہوجانے کے بعد وہ جلد از جلد اپنے گھر لوٹ جانے کا خواہاں تھا۔ ہم کچھ دیر تک جیپ ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں اول خان کی عقابی نظریں بار بار گرد و پیش کا طواف کرتی رہیں۔ رفتہ رفتہ اس کا وہ اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ میں اس کی بے چینی کا سبب دریافت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ جیپ میرے عملے کے لیے جانی پہچانی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ فلیٹ کی حفاظت کرنے والے ابھی تک ادھر نہیں آئے۔ مجھے ان کے بارے میں تشویش ہورہی ہے۔ جیپ پہچان لینے کے بعد ان میں سے کسی نہ کسی کو میرے پاس ضرور آنا چاہیے تھا۔" اس نے آگے پیچھے نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

مجھے یاد آیا کہ اس نے فلیٹ سے جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے فون پر اپنے عملے کو ہدایات دی تھیں کہ چھ کمانڈوز جہانگیر کے گھر کی طرف اور چار محافظ فلیٹ کے لیے روانہ کردیے جائیں۔ اگر وہ چار آدمی ان اطراف میں موجود تھے تو ان میں سے کسی نہ کسی کو رپورٹ دینے کے لیے اپنی جیپ کی طرف آنا چاہیے تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ جمال الدین افغانی روڈ پر اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہوں۔" جہانگیر نے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس فلیٹ کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ اس علاقے کی سڑکوں کے ناموں سے بخوبی واقف تھا۔

"اس رخ پر کھڑکیاں یا پھر فلیٹ کی بالکنی ہے۔" اول خان برہمی سے بولا۔ "وہ اُدھر کیوں جھک مار رہے ہیں؟ انہیں آرام ہی کرنا تھا تو اس گلی میں کہیں گاڑی پارک کرلیتے۔ فلیٹ والی بلڈنگ میں داخلے

کا راستہ اور زینے اسی طرف ہیں۔ دیکھ بھال کی اصل ضرورت اس سمت میں ہے، سامنے نہیں۔"

"کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہوگئی ہو" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"گڑبڑ؟" اول خان بھڑک کر بولا "کیسی گڑبڑ؟ سارا خطرہ لی وانگ اور چیانگ فاؤ کی طرف سے تھا۔ وہ سارا وقت ہمارے سامنے رہے ہیں۔ انہیں مقامیوں کی کوئی مدد بھی حاصل نہیں ہوسکی۔ پھر گڑبڑ کرنے والے خاکی انڈے کہاں سے آگئے؟"

"چیانگ فاؤ کا کیا بنا؟" جہانگیر اس کا نام سنتے ہی ایک غیر متعلقہ سوال کر بیٹھا "وہ نظر نہیں آیا۔"

"وہ تمہارے محلے میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے مکان میں مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا" ویرا بولی۔

"اوہ! وہ مجھ سے کرید کرید کر پڑوسیوں کے بارے میں سوالات کرتے رہتے تھے" جہانگیر بڑبڑایا "مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ اپنے اکیلے پن کی وجہ سے بریگیڈیئر صاحب ان خبیثوں کا مرغوب نشانہ بن سکتے ہیں۔"

میں نے جہانگیر کی بے وقت کی راگنی پر دھیان نہیں دیا۔ میرا ذہن اول خان کے اٹھائے ہوئے مسئلے میں بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا اور میری چھٹی حس مجھے کسی انجان خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر کیڑا رینگنے لگا۔ اول خان ایس ٹی ایف کا ایک بااختیار اور ذمے دار افسر ضرور تھا لیکن کوئی فوق البشر ہستی نہیں تھا، دو ہاتھوں اور دو پیروں والا ایک عام سا آدمی تھا۔ اگر فلیٹ میں کوئی سنگین صورتِ حال رونما ہو ہی گئی تھی تو اول خان اس کے ازالے کے لیے کوئی معجزہ دکھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے نرمی سے کہا "بلاوجہ اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ تین بجنے والے ہیں۔ تمہارے بیوی بچے تمہارا انتظار کررہے ہوں گے۔ اطمینان سے گھر جاؤ۔ کوئی بات ہوئی تو ہم فون پر بات کرلیں گے۔"

"تم کھلے دل سے یہ بات کررہے ہو؟" اول خان نے غیر متوقع طور پر تیزی سے سوال کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس نے میرے دل کی بات پڑھ لی ہو یا پھر وہ واقعی اپنے گھر والوں کے کسی مسئلے کے بارے میں فکر مند تھا۔

"تم جاؤ!" میں نے اپنی سمت کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "دس منٹ بعد میں تمہیں فون پر خیریت کی اطلاع دے دوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے چاروں آدمی اس وقت اوپر کارڈز ہی کھیل رہے ہوں۔"

میرے ساتھ جہانگیر اور ویرا نے بھی جیپ چھوڑ دی۔ کیبن کی روشنی جلی اور دروازے بند ہوتے ہی بجھ گئی۔

"تم فون نہ کرنا۔ گھر پہنچ کر میں خود فون کروں گا" اول خان نے کہا "اگر اس وقت مجھے اپنی بچی کا خیال نہ آگیا ہوتا تو میں اوپر ضرور چلتا۔ اسے کل سے خسرہ نکلی ہوئی ہے۔"

ہم تینوں نے الوداعیہ انداز میں ہاتھ لہرائے اور جیپ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اچانک ہی کسی سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع نہ ہوجائے لیکن غنیمت ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور ہم سوئے ہوئے چوکیدار کی چارپائی کے قریب سے گزر کر زینوں کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

انجانے خوف اور بے یقینی کے عالم میں، میں نے ان دونوں کے ساتھ زینے عبور کیے اور اوپر پہنچتے ہی آہستگی سے ڈور بیل بجادی۔ رات کے سناٹے میں اندر گھنٹی کا مختصر سا شور سنائی دیا۔ اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو دروازے تک آکر معدوم ہوگئی۔ شاید غزالہ ویو ہول میں لگے ہوئے عدسے سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں اس کے قدموں کی آہٹ اچھی طرح پہچانتا تھا اور پُریقین تھا کہ دروازے کے پیچھے وہی ہوگی۔

"دروازہ کھولو!" میں نے آہستگی سے کہا۔ بولٹ سرکنے کی آواز کے بعد ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔

غزالہ میرے سامنے موجود تھی، مجھے دیکھتے ہی اس کے پریشان اور متوحش چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہم تینوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوگئے۔ جہانگیر کو دیکھ کر غزالہ کا چہرہ مزید کھل اٹھا۔

"ان لوگوں کی واپسی میں دیر ہونے کی وجہ سے مجھے تمہارے بارے میں فکر لاحق ہوگئی تھی" غزالہ نے ہنس کر جہانگیر سے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت نظر آرہے ہو" پھر اس نے چونک کر مجھ سے سوال کیا "سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"سلطان شاہ!" میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی "اسے تو میں یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔"

میرے جواب پر غزالہ کا چہرہ دھواں ہوگیا "وہ یہیں تھا لیکن تمہارا پیغام ملنے پر گیا تھا۔ اسے جلد از جلد لسبیلہ پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا اور وہ فوراً ہی یہاں سے نکل گیا تھا۔"

غزالہ کے جواب پر سب ہی بھونچکا رہ گئے۔ میں نے حیرت سے کہا "میرا پیغام؟ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے.... مجھے کسی اور سے فون کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا میں خود فون نہیں کرسکتا تھا؟"

"میرے ذہن میں بھی یہ سب سوالات آئے تھے" غزالہ نے کسی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا "لیکن وہ کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ پیغام دے کر اُس نے فون بند کردیا تھا۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" ویرا نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے فون کے دس پندرہ منٹ بعد وہ کال آئی تھی۔" غزالہ نے بتایا۔

"اور تم نے یہ تک نہیں سوچا کہ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ویرا تمہیں ...اشارہ ضرور دیتی" میں نے کہا۔

"بہت کچھ بلکہ سب کچھ سوچا تھا" غزالہ نے اس بار سرد لہجے ...واب دیا "میں نے اصل بات کا کھوج لگانے کے لیے جہانگیر ...ر فون بھی کیا تھا مگر وہاں فون مسلسل انگیج تھا۔ اپنے سارے ...ت کے باوجود ہم دونوں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئے کہ وہاں اچانک ...لٹ چکا ہے اور تمہیں سلطان شاہ کی ضرورت پیش آگئی ہے ...لیے اسے بھیجنا ہی پڑ گیا۔"

"فون مسلسل کیسے انگیج رہ سکتا تھا؟" میں نے چڑچڑے لہجے ...کہا "ویرا نے تم سے مختصر سی بات کی اس کے بعد فون خالی تھا ...بالکل ٹھیک کام کررہا تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ گڑبڑ ہوگئی ہو" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے ...راف کیا "وہاں اندھیرا تھا۔ بعد میں کی جانے والی روشنی بھی ...ی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھنا چاہا تو ...ہاتھ بہک گیا تھا۔ میں اپنی جھونک میں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ میں ...ریسیور صحیح طرح نہ رکھا ہو۔"

ویرا کا جواز سن کر میرا ابال کم ہوگیا۔ میں نے چند ثانیوں کی ...وشی کے بعد غزالہ سے پوچھا "وہ کون تھا؟ اس نے تم سے کیا کہا ...؟"

"پختہ عمر کا کوئی مرد تھا۔ آواز بھاری تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ...ان شاہ کو ڈپٹی صاحب نے فوراً لسبیلہ کے گلستان ہوٹل پر بلایا ...۔ میرے سوالات پر اس نے بے رخی سے کہا تھا کہ اس نے اپنا ...ن پورا کردیا۔ سلطان شاہ کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کی ذمے داری میری ...ی۔" غزالہ نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب وہ کسی مصیبت میں پھنس چکا ہے" میں پریشان ہوگیا۔

"اسے اتنی آسانی سے نہیں پھنسنا چاہیے تھا" غزالہ کی ...واز میں اعتماد تھا "ہم دونوں کو شبہ ہوگیا تھا۔ اس وقت تک اول ...ان کے دو آدمی یہاں آچکے تھے اور انہوں نے اپنی نشاندہی ...کراتے ہوئے معذرت کرلی تھی کہ نفری کی قلت کی وجہ سے اول ...خان کے حکم کے مطابق چار آدمی نہیں آسکے تھے۔ سلطان شاہ ان ...دنوں کے ساتھ، ان ہی کی گاڑی سے گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ ...مقررہ مقام سے پہلے ہی ان کی گاڑی سے اتر جائے گا تاکہ وہ دونوں ...ورسے اس پر نظر رکھ سکیں....."

"لسبیلہ کا چوراہا ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والوں کی جنت ہے۔ ...وہاں کے ہوٹل رات بھر مصروف رہتے ہیں۔" میں نے کہا "ہوسکتا ...ہے کہ وہ ٹریپ ہو۔ سلطان شاہ کے لسبیلہ پہنچنے سے پہلے ہی اسے ...گھیرنے کا منصوبہ بنالیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ تینوں ایک ساتھ ...گھیر لیے گئے ہوں گے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں" جہانگیر نے ویرا کو بولنے کا موقع نہیں دیا "پہلے یہ بتاؤ کہ تم اس واقعے کی کڑیاں کس سمت میں ملا رہے ہو؟ مخالفوں کا تعین ہونے کے بعد گتھی سلجھانے میں آسانی ہوجائے گی۔"

"ہمارے مشترکہ دشمنوں میں سے کوئی بھی ہوسکتا ہے" میں نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

"مشترکہ دشمن ہوتا تو سلطان شاہ کے بجائے تمہاری فکر کرتا" جہانگیر نے مجھے چونکادیا "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے تمہارے حوالے سے سلطان شاہ کو ہی کیوں بلایا؟ وہ غزالہ کو بھی بلا سکتا تھا۔"

"تمہاری بات سے اصل نکتہ یہ پیدا ہورہا ہے کہ اس نے پورے اعتماد سے میرا نام استعمال کیا یعنی اسے یقین تھا کہ میں فلیٹ پر موجود نہیں تھا۔ ہم لوگ تم سے بات کرنے کے بعد اچانک یہاں سے چل پڑے تھے۔ کسی غیر متعلقہ آدمی کو میری روانگی کا علم کیسے ہوا؟ وہ یقینی طور پر آج کے واقعات میں ملوث تھا اور اسے معلوم تھا کہ میں تمہارے مکان پر رونما ہونے والے واقعات میں الجھا ہوا ہوں اس لیے اُس نے دیدہ دلیری سے میرا نام استعمال کرکے سلطان شاہ کو فوری طور پر لسبیلہ پہنچنے کی ہدایت دے ڈالی۔" میں نے پُرجوش انداز میں اپنے دلائل سب کے سامنے رکھ دیے۔

جہانگیر کا منہ لٹک گیا اور وہ پژمردہ آواز میں بولا "تم نے پوری بات ہی گھمادی۔ اب اس پر نئے سرے سے سوچنا پڑے گا۔ میں یہ

کہنا چاہ رہا تھا کہ وہ سلطان شاہ کا کوئی ذاتی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ جس علاقے کا باشندہ ہے وہاں پرانی دشمنیاں چلتی رہتی ہیں" میں نے اس سے اتفاقِ رائے کرتے ہوئے کہا "مگر اس کے ذاتی دشمن کو میری نقل و حرکت کا اتنا مکمل علم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بگلے کے سر پر موم بتی لگا کر اسے شکار کرنے والی بات ہوتی۔ اس کا دشمن اسے براہِ راست گھیر سکتا تھا۔"

"میں خود بھی اس خیال پر اصرار نہیں کر رہا" جہانگیر آہستگی سے بولا "تمہاری بات میں وزن ہے۔"

"ہم لوگوں کے علاوہ صرف اول خان کے آدمی ہر بات سے باخبر تھے۔" میں نے کہنا شروع کیا "بعد میں چینیوں کو ہماری کارروائی کا علم ہو گیا۔ انہوں نے فون نہیں کیا۔ ان کے ساتھ کوئی مقامی آدمی بھی نہیں تھا جس پر شبہ کیا جائے۔ پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟ کوئی ایسا آدمی جسے میرے فلیٹ پر موجود نہ ہونے کا پورا یقین ہو۔"

"تم لوگ اس چھوٹے سے فلیٹ میں گھس کر شرلاک ہومز بننے کی کوشش کر رہے ہو" ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر استہزائیہ لہجے میں بولی "ڈاکٹر واٹسن سے بحث کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے وہ بھی جائے واردات کا ایک چکر لگانا ضروری سمجھتا تھا اور وہاں سے اونٹ کی ناک کا بال اٹھا کر اپنے نظریے کا تانا بانا بنتا تھا۔ میری دانست میں بہتر یہ ہو گا کہ تم گاڑی نکال کر لسبیلہ تک ایک چکر لگا لو۔ یہاں سے لسبیلہ تک ایک ہی سیدھا راستہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی سرا ہاتھ آجائے۔ بند دیواروں میں دماغ سوزی کر کے ہم وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ سلطان شاہ کے ساتھ ایس ٹی ایف کے دو کارکن بھی غائب ہیں" میں نے اسے یاد دلایا "ان کے بارے میں اول خان کی فکرمندی بے بنیاد نہیں تھی۔ وہ یہاں موجود ہوتے تو اپنے کمانڈر سے ضرور ملتے۔ اب ذرا سی دیر میں اول خان کا فون آجائے گا۔ فون کے انتظار میں ہمیں یہاں رکنا ہو گا۔"

"دیکھا جائے تو اول خان کے دونوں آدمیوں نے سلطان شاہ کے ساتھ جا کر سنگین حماقت کی ہے" جہانگیر نے ایک نیا اعتراض کر ڈالا "اس فون کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ غزالہ یہاں اکیلی رہ جائے۔ اس امکان کا توڑ کرنے کے لیے ان میں سے ایک کا یہاں رکنا بہت ضروری تھا۔ مجھے تو یہ پورا معاملہ ہی گڑبڑ نظر آرہا ہے۔"

"آپ اس گڑبڑ کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"ایس ٹی ایف والوں کو معلوم ہے کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ اول خان یہاں کے لیے چار آدمی طلب کرتا ہے لیکن صرف دو آتے ہیں اور وہ دونوں بھی اتنے احمق ہیں کہ سلطان شاہ کی چپا سنتے ہی اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو یکجا کر کے سوچو تو تمہارا ذہن کیا فیصلہ صادر کرے گا؟" جہانگیر نے میرے لہجے کا برا مانے بغیر کہا۔

"دوسرا البرٹو ویلیسا؟" ویرا نے معنی خیز انداز میں (...) نچا کر کہا۔ جہانگیر اس کے برجستہ تبصرے پر کسی ہونق کی طرح (...) کا منہ تکنے لگا کیونکہ اسے ظفر یا البرٹو ویلیسا کے معاملات کی (...) بھی نہیں لگ سکی تھی۔

"یہ اطالوی زبان کا ایک ذو معنی محاورہ ہے" ویرا نے جہا(نگیر) کی استفسار طلب نگاہوں پر رحم کھا کر سنجیدگی سے کہا "یہ اپنوں (میں) کسی غدار کی موجودگی کے موقعے پر بولا جاتا ہے۔"

"بروٹس 'یوٹو' کی طرح؟" جہانگیر نے خوش ہو کر کہا "میں (...) دیر سے یہی سوچ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے معاملے میں مجھے اپ(...) ٹاسک فورس کے کسی غدار کا ہاتھ نظر آرہا ہے۔"

"اپنی ٹانگ جڑوانے کے بعد تم کسی کا ہاتھ تڑوانے کے (...) میں پڑ گئے ہو؟"

ویرا کی آنکھیں یک بیک کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھ(یں) "البرٹو ویلیسا والا چکر ابھی تک چل ہی رہا ہے۔ ظفر کئی برس (...) ایس ٹی ایف میں رہا۔ وہ اول خان کی جگہ کافی عرصے تک کرا(چی) میں بھی مامور رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے نچلی سطح پر اپنے اعتماد (کے) کچھ آدمی رکھے ہوئے ہوں۔ پتا نہیں ظفر کی بیخ کنی کے بعد (...) لوگوں کو بے نقاب کرنے کی کوششیں کی گئیں یا انہیں بھلا دیا گ(یا)۔ پھر اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے بل جونز اور پال ایٹرن یہا(ں) آئے اور بے دردی کے ساتھ مار ڈالے گئے۔ بظاہر وہ قصہ (...) وہیں نمٹ گیا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ چینا سرائے (...) پشاور کے سفر میں ایلین نے جو کچھ کہا وہ تمہارے علم میں ہے۔ صرف کرنل جیسی جونز کو اپنے اکلوتے بیٹے کے انجام کی فکر (...) بلکہ ڈیوڈ اسٹارز والا راس المیڈا بھی اپنے تخریبی منصوبے کی پیش رفت میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ ایلین پشاور تک ہمارے ساتھ آیا تھا۔ وہ بعد میں وجے کے ذریعے بھی تم سے ملا تھا۔ کہیں ایسا (تو) نہیں کہ ایلین کراچی آپہنچا ہو اور ایس ٹی ایف میں ظفر کے کسی معتمد سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا ہو؟"

"لیکن ایلین کو ڈیبی کی آج کی نقل و حرکت کا علم کیسے ہوا ہو گا؟" غزالہ اس سے متفق نہیں تھی۔

"یوں سمجھو کہ ایلین ہر وہ بات جانتا ہے جو ایس ٹی ایف والے جانتے ہیں۔ آج کے قصے میں ایلین کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی" ویرا نے جہانگیر کے ظاہر کیے ہوئے شبہات کی کڑیاں دور تک پھیلا دی تھیں "البرٹو ویلیسا کے معتمد نے موقع غنیمت جان کر خود ہی کارروائی شروع کر دی۔ اب وہ سلطان شاہ کو ایلین کے حوالے کر دے گا۔ جن لوگوں کو حرام کی بے تول آمدنی کے (...)ز پڑ جاتے ہیں وہ بکنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کرتے۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے (ہو)" جہانگیر نے احتجاج کیا "میں بدرو سے چینا سرائے کے بارے (میں) سن چکا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ تم افغانستان بھی ہو آئے ہو؟"

"تم غیر ضروری باتوں پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا "ہم افغانستان اپنی مرضی سے نہیں گئے تھے بلکہ زبردستی لے جائے گئے تھے۔ ہمیں وہاں پہنچانے والے بھی بدرو دادا کے ملازم تھے لیکن وہ ایک لمبی کہانی ہے جو میں تمہیں فرصت سے سناؤں گا۔ فی الحال اتنا کافی ہے کہ تم نے اپنی ذہنی پراگندگی کے باوجود ہمیں ایک راہ سجھا دی ہے۔ اب ہمیں یکسوئی سے اس پر مغززنی کرنے دو۔"

تھوڑی دیر بعد اول خان کا فون آہی گیا۔ اس دوران میں جہانگیر نے اسکاچ کی بوتل تلاش کر لی تھی اور لنگڑاتا ہوا ایک خواب گاہ میں جا گھسا تھا۔ چینیوں کی اذیت ناک قید سے رہائی پانے کے بعد اسے ذہنی آوارگی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو عمدہ اسکاچ کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

اول خان نے چھوٹتے ہی مجھ سے خیریت دریافت کی۔ میں نے رسمی سا جواب دے کر اس کی علیل بیٹی کے بارے میں پوچھا۔ اول خان اس کی طرف سے مطمئن تھا۔ اس کے سکون کا اندازہ لگانے کے بعد میں نے پُراسرار فون کال اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا ذکر چھیڑ دیا۔

"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ سلطان شاہ میرے آدمیوں کے ساتھ گیا تھا؟" پوری بات سننے کے بعد اس نے پوچھا۔

"غزالہ نے یہی بتایا ہے۔ سلطان شاہ اسی ارادے سے فلیٹ سے نکلا تھا۔ پھر تمہارے آدمی بھی کہیں موجود نہیں ہیں۔ ان کے لاپتا ہونے پر تمہیں غصہ آرہا تھا" میں اپنے شبہات کا ذکر دانستہ گول کر گیا۔

"تو کیا وہ چاروں ہی سلطان شاہ کے ساتھ چلے گئے؟" اول خان کا پارہ چڑھنے لگا۔

"چار نہیں، صرف دو آئے تھے۔ نفری کی کمی کا معاملہ درپیش تھا" میں نے آہستگی سے کہا "بدقسمتی سے شاید وہ دونوں ہی سلطان شاہ کے ساتھ چلے گئے اور اب تینوں لاپتا ہیں۔"

"جانا ہی تھا تو ان میں سے ایک جاتا۔ دوسرے کو وہیں رکنا چاہیے تھا۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟"

"مجھے کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے" اول خان نے نتیجہ اخذ کرنے

میں دیر نہیں لگائی "میں اسٹیشن فورس سے چیک کرتا ہوں کہ وہ دونوں کون تھے۔ آج کل میں اپنے کچھ آدمیوں کی نگرانی بھی کروا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فورس میں کچھ کالی بھیڑیں گھس آنے میں کامیاب ہوگئی ہیں لیکن ابھی تک کوئی ہاتھ نہیں آسکا ہے۔"

"اس بگاڑ کی داغ بیل البرٹو ویلیسا نے ڈالی ہوگی۔ یہ آج یا کل کی بات معلوم نہیں ہوتی۔"

"میں دفتر سے رابطہ کرنے کے بعد بات کروں گا" اول خان نے تیزی سے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے کریڈل دبانے کے بعد جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ آخری ہندسہ ڈائل کرتے ہی ریسیور پر انگیج ٹون سنائی دینے لگی۔ میں نے کچھ دیر تک فون بند رکھنے کے بعد دوبارہ کوشش کی۔

اس بار بھی اسی انگیج ٹون نے میرا استقبال کیا اور میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے دلی سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کس کا نمبر ملا رہے تھے؟" ویرا نے چونک کر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جہانگیر کا" میں نے اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "فون اس وقت بھی انگیج جارہا ہے۔ تم نے ریسیور صحیح طریقے سے نہیں رکھا ہوگا۔ تمہاری ذرا سی لغزش سلطان شاہ کے حق میں عذاب بن چکی ہے۔"

"یہ توقع نہ رکھنا کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہوکر خودکشی کے امکانات پر غور کرنے بیٹھ جاؤں گی" اس نے ترشی سے کہا "عام طور سے چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہی بڑے واقعات کی بنیاد بنتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"ہاں، اب اس لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے" غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ویرا ترنگ میں تھی۔ اس وقت اسے اندازہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ اس کی غلطی کن واقعات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔"

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اول خان کیا کہہ رہا ہے؟" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"وہ بھی اسی سمت میں سوچ رہا ہے جس کی نشاندہی جہانگیر نے کی تھی۔"

"یعنی اسے بھی اپنے آدمیوں پر شبہ ہے؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے" میں نے شکست خوردہ آواز میں اعتراف کیا "شبہات کی بنا پر وہ آج کل اپنے ہی کچھ آدمیوں کی نگرانی بھی کروا رہا ہے۔ اب وہ اسٹیشن فورس سے معلوم کررہا ہوگا کہ یہاں بھیجے جانے والے دو افراد کون تھے۔ اس کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آسکے گی۔"

"وہ دوبارہ فون کرے تو مجھے نتائج سے باخبر کردینا" ویرا اٹھتے ہوئے بولی "اس وقت ہم سلطان شاہ کے حق میں دعائے خیر کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے۔"

"تم کہاں جارہی ہو؟" غزالہ نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"جہانگیر بے چارہ اکیلا ہے" اس نے معصومیت سے جواب دیا "آٹھ دس دن کا ذہنی اور جسمانی عذاب سہنے کے بعد اسے بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ تنہائی میں کہیں وہ بے اعتدالی کا شکار نہ ہوجائے۔"

میں دانت پیس کر اسے گھورتا رہ گیا لیکن وہ میری نظروں کی پروا کیے بغیر، ڈھٹائی سے باہر چل دی۔ شاید وہ جہانگیر کے ہاتھ میں بوتل کی جھلک دیکھ چکی تھی اور اس کے ساتھ دوسرے دور کی ابتدا کرنی چاہ رہی تھی۔

"بعض اوقات اس کی حرکتیں اتنی بے تکی ہوتی ہیں کہ اس کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگتا ہے" غزالہ نے ایک لمبا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا "اس وقت وہ اپنی رو میں کوئی دوسری بات نہیں سوچے گی۔"

"مجھے ایس ٹی ایف میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کی خبر سے سخت صدمہ پہنچا ہے" میں نے غزالہ کے تبصرے پر دھیان دیے بغیر کہا "میں البرٹو ویلیسا کا خاتمہ کرکے سمجھ رہا تھا کہ فورس کی تطہیر ہوگئی ہے لیکن یہاں تو اپنے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ دیکھو اب اس چکر میں کیسے کیسے چہرے بے نقاب ہوتے ہیں۔"

"ایس ٹی ایف آسمان سے نہیں اتری۔ وہ بھی اسی معاشرے کا ایک حصہ ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ جب ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ پھل پھول رہا ہو تو کسی ایک ادارے کو اس وبا سے پوری طرح نہیں بچایا جاسکتا۔" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "غنیمت یہ ہے کہ عام لوگوں سے کام لینے کے باوجود، اس فورس میں برائیوں کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان تھا۔ اس کی آواز پتھر کی طرح سخت اور سرد تھی "یہ وجے کی موت کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کارروائی میں بھارتی قونصل خانے کا چیف اسٹینو ملوث ہے۔"

اس کے الفاظ میرے اعصاب پر کسی بم کی طرح اثر انداز ہوئے۔ ذہن یکلخت سن ہو کر رہ گیا۔ اگر میں صحیح سمجھا تھا تو سلطان شاہ موت کے دہانے پر تھا۔ وجے کی موت پر اس کے ہمدردوں نے بہت پھرتی سے جوابی کارروائی کی تھی۔

اوّل خان کے ان الفاظ کے جواب میں، میں فوری طور پر کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب سکوت طویل ہونے لگا تو دوسری طرف سے اوّل خان کی پُرتشویش آواز ابھری "کیا بات ہے؟ تم کہاں غائب ہوگئے؟"

"تم نے قونصل خانے کے چیف اسٹینو کا ذکر کرکے مجھے تحیر زدہ کردیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اندھیرے میں کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ تمہیں اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی؟" میں نے کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟" اس نے میرے آخری سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "موتی لال کا نام پہلے سے میرے سامنے تھا۔ پشاور میں محراب خان نے وجے کے دستِ راست' ساون سے جو کچھ اگلوایا تھا' وہ میرے سامنے تھا۔ محراب خان نے تمہارے کراچی آنے سے پہلے ہی مجھے فون پر ساون کے اعترافات سے آگاہ کردیا تھا اور میں نے اس کے فون پر آبزرویشن لگوادیا تھا۔ آبزرویشن ریکارڈنگ سے پتا چلا ہے کہ اسی نے سلطان شاہ کے بارے میں تمہارے فلیٹ پر فون کرکے بات کی تھی۔"

"لیکن تمہارے دونوں آدمی کہاں غائب ہیں؟" میں نے سوال کیا اور ریسیور رکھ کر اسپیکر فون آن کردیا۔

"ان کا معاملہ ابھی تک تاریکی میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ موتی لال سے ملے ہوئے ہوں" اوّل خان کی آواز بھاری اور تفکر آمیز تھی "ان دونوں کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"میں یہ بات ابھی تک ہضم نہیں کرسکا کہ تمہاری صفوں میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہوسکتی ہیں۔"

اوّل خان کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ البرٹو ویلیسا خود تو جہنم واصل ہوگیا لیکن اس نے ایس ٹی ایف میں گہری دراڑیں ڈال دی تھیں۔ میں کافی دنوں سے ایسے آدمیوں پر گہری نظر رکھ رہا ہوں جنہیں ظفریا البرٹو ویلیسا کے زمانے میں فورس میں لیا گیا تھا۔"

"تو کیا ادھر آنے والے دونوں آدمی بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں" اس نے کہا "اور اسی وجہ سے میں تذبذب میں مبتلا ہوں۔"

"پھر تو موتی لال کے فون کی آبزرویشن ریکارڈنگ میں ان دونوں کی آوازیں بھی موجود ہوں گی؟"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ موتی لال بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے فلیٹ کے فون نمبر پر کی جانے والی واحد کال کے علاوہ اس کے خلاف کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ بقیہ تمام کالز کا تعلق اس کے روز مرّہ کے معمولات سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مخبروں سے کسی لاسلکی آلے پر رابطہ رکھتا ہو۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمہاری فورس کا کوئی اپریٹس اس کی تحویل میں چلا گیا ہو؟"

"ہوسکتا ہے" اس نے اعتراف کیا "لیکن وہ اس پر کسی سے رابطہ کرتا تو ہم ضرور باخبر ہوجاتے۔ ایک سیٹ سے کی جانے والی بات' اس ساخت اور فری کوئنسی کے ہر سیٹ پر سنی جاتی ہے۔ ہمارا سیٹ اگر اس کے پاس ہے تو وہ اس کے ذریعے ہماری سرگرمیوں سے باخبر رہتا ہوگا... اور بس!"

"وہ اپنے سفارتی عہدے کی آڑ میں ایک سیکرٹ ایجنٹ کے فرائض ادا کر رہا ہے تو مطلوبہ وسائل پر دسترس بھی رکھتا ہوگا" میں نے کہا "عین ممکن ہے کہ وہ اپنے آدمیوں سے رابطے کے لیے فون کے بجائے کوئی مخصوص ٹرانسیٹر استعمال کرتا ہو۔ ایسی صورت میں اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہوجائے گا۔"

"وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال مجھے سلطان شاہ کی فکر ہے" اسپیکر فون پر اوّل خان کی آواز ابھری "مافیا کی آڑ میں راوالوں نے وجے کو بھیج کر کوئی بڑا کھیل شروع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا مگر پشاور میں وجے تمہارے ہاتھوں ذلت کی موت مارا گیا۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں یہ لوگ انتقاماً سلطان شاہ کو ہلاک نہ کردیں۔"

"سلطان شاہ کو کوئی گزند پہنچا تو میں ان سب کو خون میں نہلا دوں گا" میں بپھر گیا۔

"جوابی کارروائی کے طور پر تم کچھ بھی کرلو' سلطان شاہ کو پہنچے ہوئے نقصان کا ازالہ نہیں کرسکو گے۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس کی بازیابی کے بارے میں فکرمند ہوں لیکن کوئی راہ نظر نہیں آرہی۔"

"اگر ادھر آنے والے دونوں آدمی مشتبہ تھے اور ان کی نگرانی کی جارہی تھی تو ان کا نگراں کہاں گیا؟" مجھے اچانک ہی خیال آیا اور میں نے اوّل خان سے سوال کر ڈالا "سلطان شاہ کے بارے میں صحیح خبر اسی سے مل سکتی ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم ذرا سی دیر میں ہر کمزوری کو کرید ڈالتے ہو" اوّل خان کی آواز یک بیک مضمحل ہوگئی "آج شاید ہمارے سروں پر بدقسمتی سایہ فگن ہے۔ جب ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی' سلطان شاہ کو ساتھ لے کر شرف آباد سے روانہ ہوئے تو نگرانی کرنے والا بھی اپنی موٹر سائیکل پر ان کے پیچھے روانہ ہوا لیکن جیل کے پھاٹک کے سامنے والے چوراہے پر اس کا ایک ٹائر پنکچر ہوگیا۔ وہ ٹائر بدلوا کر عجلت کے عالم میں لسبیلہ چوک پر پہنچا تو اسے بہت دیر ہوچکی تھی۔ وہاں میدان صاف تھا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی لسبیلہ کے گلستان ہوٹل تک نہیں پہنچا تھا۔"

اس آخری اطلاع نے مجھے مضطرب کردیا۔ سلطان شاہ کے بارے میں میری آخری امید اس حقیقت سے وابستہ تھی کہ اوّل خان کو اپنی فورس کے کچھ آدمیوں کی وفاداری پر شبہ تھا اور ایسے افراد کی مسلسل نگرانی کی جارہی تھی لیکن اوّل خان نے نگرانی کرنے والے کی موٹر سائیکل پنکچر ہونے کی خبر سنا کر میری ہر امید پر اوس ڈال دی تھی۔

ان دنوں ہم لوگ ہر طرف سے اس بری طرح اپنے دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے تھے کہ ایک مصیبت کا خاتمہ ہونے سے پہلے ہی کوئی دوسرا سنگین معاملہ چل پڑتا تھا۔ ہم لوگ جب سے مکاؤ سے واپس لوٹے تھے' مسلسل الجھنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ پہلے پائندہ گل نے مافیا یا ٹریڈ لائن میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کی وصولی کے لیے مجھے گھیرا اور کراچی ہی کے ایک کوچی کیمپ میں اس کے بھانجے نے مجھے اپنا قیدی بنالیا۔ وہ مسئلہ نمٹنے بھی نہ پایا تھا کہ خوب رو اور سبک اندام جنت گل کے حسین اور والہانہ انتقامی جذبے نے مجھے اس کی خلوت کا اسیر بنادیا۔ میری دانست میں وہ جنت گل کا ایک جذباتی ابال تھا لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ جنت گل نے عورت کے بدترین انتقامی روپ میں مجھ پر اپنی عنایات کی برسات کی تھی۔ اس نے سردار پائندہ گل کو پہاڑوں اور بستیوں میں ذلیل ورسوا کرنے کے لیے میری اور اپنی خلوت کی کہانیاں پھیلانی شروع کردیں اور سردار پائندہ گل کے وحشی جاں نثاروں نے ہمیں کراچی سے اغوا کرکے شتارا ولی پہنچادیا۔ شتارا ولی سے نجات ملتے ہی مافیا اور انڈین سیکرٹ سروس کے ڈبل ایجنٹ 'وجے' نے میرے اوپر ہاتھ ڈال دیا۔ انتہائی نامساعد حالات میں وجے کو جہنم واصل کرنے کے بعد ہم کراچی پہنچے تو جہانگیر کے سر پر لی وانگ اور چیانگ فاؤ مسلط تھے۔ چیانگ فاؤ کو چھلنی کرنے کے بعد لی وانگ کو اسپتال میں پہنچا کر جہانگیر کو نجات دلائی تو اب سلطان شاہ غائب تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارے تمام مخالفوں نے ایکا کرلیا تھا اور کسی تجربے کار فٹ بال ٹیم کے کھلاڑیوں کی طرح باری باری ہم سے کھیل رہے تھے۔

میں چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اس مختصر سے وقفے میں وہ تمام واقعات کسی فلم کی طرح تیزی سے میرے ذہن میں آتے چلے گئے۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سلطان شاہ کے بارے میں ہم کسی بند گلی میں پھنس چکے ہیں۔

"کیا بات ہے؟ تم کہاں غائب ہوگئے؟" قدرے توقف کے بعد ابھرنے والی' اوّل خان کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں سوچ رہا تھا' اب ہم اندھیرے میں کہاں ہاتھ پیر ماریں گے؟" میری آواز پر مایوسی غالب تھی۔

"ہر طرف تاریکی نظر آئے تو اندھی چال عموماً کامیاب رہتی ہے" اوّل خان کی آواز اس بار امید افزا تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی راستہ تلاش کرلیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ابھی ابھی ایک ترکیب سوجھی ہے" اوّل خان نے فوراً ہی جواب دیا "اس بارے میں تمہیں کوئی قابلِ عمل راستہ نکالنا ہوگا۔ میرے پاس موتی لال کی آواز کا ٹیپ موجود ہے لیکن وہ سیدھی

طرح اپنے جرم کا اعتراف نہیں کرے گا۔ سفارتی تحفظات کی وجہ سے اس پر باضابطہ طور پر دباؤ بھی نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر ہم لوگ خاموشی سے اسے اٹھالیں تو تشدد کے سامنے وہ زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے گا۔"

"پھر وہی بات آڑے آتی ہے۔ سفارتی تحفظات کی موجودگی میں تم اسے کس طرح گرفتار کر سکو گے؟"

"گرفتاری اور اغوا میں بہت فرق ہوتا ہے" اوّل خان کی آواز ذو معنی ہوگئی "سرکاری سطح پر اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ چوکنا ہو جائے گا۔ اس کے آدمی بھی روپوش ہو جائیں گے اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہونا چاہیے۔ ایک بار یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے گھر پر ہے تو تمہارے دو چار آدمی آسانی کے ساتھ اسے کسی گیدڑ کی طرح باندھ کر اسٹیشن فوراً لا سکتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے گھر پر ہی ہوگا" اوّل خان کی پُراعتماد آواز ابھری "سفارتی مراعات کی آڑ میں کام کرنے والے ایجنٹ عموماً صرف منصوبہ بندی کرتے ہیں اور دھول دھپے سے دور رہتے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی بڑی واردات کے رونما ہونے کے وقت پر جائے واردات سے اپنی غیر حاضری کی مضبوط شہادتیں تیار رکھیں۔ موتی لال کے کرائے کے آدمی سلطان شاہ پر کام کر رہے ہیں تو وہ اپنے گھر پر عیش کر رہا ہوگا۔ آج کل کے مخدوش حالات کی وجہ سے اس کے گھر پر جو پولیس گارڈ مامور کیے گئے ہیں وہ اس کی بے گناہی کے سب سے بڑے گواہ ہوں گے۔ مجھے ان ہی کی طرف سے فکر ہے۔ موتی لال پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ان گارڈز سے مقابلہ کرنا ناگزیر ہوگا۔ یہ میری پالیسی کے خلاف ہے۔"

"انہیں وہاں سے عارضی طور پر ہٹایا بھی جا سکتا ہے" میں نے تجویز پیش کی۔

"سفارت کاروں کے بارے میں ہوم سیکریٹری سے کم درجے کا کوئی افسر حفاظتی انتظامات میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔ یہ کارروائی چل پڑی تو فیصلہ ہونے تک اگلے دن کا سورج نصف النہار پر پہنچ چکا ہوگا۔"

"پھر پرانی ترکیب بھی استعمال کی جا سکتی ہے" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تو اسی کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں" اس کی جھلّائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اس کے مکان کے باہر ویرا کے اغوا کا ڈراما رچایا جائے گا تو گارڈز کی انسانی ہمدردی اور مردانہ حمیت کو بیک وقت بیدار کیا جا سکتا ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر اسپیکر فون میں کہا "باہر آتے ہی انہیں آرام اور احتیاط سے بے ہوش کر دیا جائے تو باقی کام اطمینان سے کیا جا سکے گا۔"

"وہ مل پارک کے نواح میں ایک سنسان رہائشی علاقے میں رہتا ہے جہاں بیشتر مکانات میں دفاتر قائم ہیں جو رات میں بند اور ویران رہتے ہیں۔ اجالا پھیلنے سے پہلے یہ طریقہ کامیاب ثابت ہو سکتا ہے" اوّل خان میرا ہم خیال تھا۔

"اپنے ساتھ تین پھرتیلے اور مضبوط آدمیوں کو لے کر ادھر چلے آؤ۔ مجھے موتی لال کے گھر کا فون نمبر دے دو۔ میں خود ہی اس کی گھر میں موجودگی کی تصدیق کر لوں گا۔ یہاں سے میں ویرا سمیت تمہارے ساتھ ہو لوں گا۔"

اوّل خان نے موتی لال کے گھر کا پتا اور فون نمبر بتایا جو میں نے کاغذ پر نوٹ کر لیا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے فارغ ہوتے ہی ویرا مجھ پر برسنے لگی "سلطان شاہ کی جان خطرے میں ہے اور تم مجھے آنکھ مار کر مسکرا رہے تھے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ وہ بے چارہ تمہاری ذرا سی تکلیف پر بری طرح تڑپ اٹھتا ہے۔"

"آنکھ جھپک گئی ہو تو اور بات ہے۔ یہ الزام نہ لگاؤ کہ میں مسکرایا بھی تھا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں.... آپ وقت ضائع کرنے کے بجائے موتی لال کے گھر فون کرد تاکہ...."

"وہ گھر پر موجود بھی ہوا تو اس وقت نشے میں دھت ہو کر سو رہا ہوگا۔ فون کرنے سے بہتر ہوگا کہ خاموشی سے وہاں دھاوا بول دیا جائے۔ اوّل خان ٹھیک کہہ رہا ہے کہ سفارت کی آڑ میں جاسوسی یا تخریب کاری کرنے والے ایجنٹ عملی میدان سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں" وہ میری بات درمیان میں سے اچک کر بولی۔

اس نے میری مفروضہ مسکراہٹ پر کسی بحث کا آغاز کرنے کا ارادہ، صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر ملتوی کر دیا تھا۔

"موتی لال کے لیے یہ کوئی عام سی رات نہیں ہے جو وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہا ہوگا" میں نے قدرے تیزی سے کہا "اگر وہ سلطان شاہ کے اغوا میں ملوث ہے تو اس وقت کسی لاسلکی اپریٹس یا واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دے رہا ہوگا۔ فون کرنا سودمند ثابت ہوگا۔ فون فوراً اٹھالیا گیا اور اس کی آواز میں نیند کا شائبہ نہ ہوا تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ اس کے بارے میں اوّل خان کے شبہات حقیقت پر مبنی ہیں..."

اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی اور قدرے بے زاری سے بولی "تم بلاوجہ موتی لال کو اہمیت دے رہے ہو۔ اسے اٹھانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ کسی سفارتی مشن میں چیف اسٹینو کا عہدہ بہت بڑا نہیں ہوتا۔ تمہارے پولیس افسران ویسے ہی نفری کی قلت کا رونا روتے رہتے ہیں۔ اس کے گھر پر ایک یا زیادہ سے زیادہ دو گارڈ ہوں گے۔ جن کی بندوقوں کی نالیاں عدم استعمال کی وجہ سے زنگ خوردہ ہو چکی ہوں گی۔"

میں نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ ناک منہ چڑھانے کے باوجود، اسپیکر فون پر موتی لال کا نمبر ملانے میں مصروف ہو چکی تھی۔ اس وقت نوک جھونک کے بجائے اصل

سمت میں پیش رفت ہی زیادہ اہم تھی۔

سلسلہ ملنے پر پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اتنی رات گئے بھی اسے بے چینی سے کسی اہم فون کال کا انتظار تھا۔ دبنگ مردانہ آواز میں ہیلو کی آواز سن کر ہم تینوں کے چہرے کھل اٹھے۔ دوسری طرف سے فوری جواب ملنے کا مطلب تھا کہ اوّل خان نے سلطان شاہ کی تلاش کے سلسلے میں صحیح راستے کا انتخاب کیا تھا۔

"ہیلو! میں روزی بول رہی ہوں۔ مجھے موتی سے بات کرنی ہے" ویرا نے اینگلو پاکستانی لب و لہجے میں بگڑی ہوئی اردو میں اپنا مدعا ظاہر کیا۔ دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ویرا کی آواز کی لگاوٹ اور چاشنی پر کس ردِ عمل کا اظہار کرے۔

"موتی سو رہا ہے۔ کیا وہ تم کو جانتا ہے، روزی ڈارلنگ!"

آخر کار وہی آواز ابھری۔ وہ قدرے محتاط تھا لیکن اس کی آواز میں شدید مردانہ تجسس پوری طرح عود کر آیا تھا۔

"بالکل" ویرا نے اٹھلائی ہوئی آواز میں کہا "وہ ایک کاک ٹیل پارٹی میں ملا تھا... ہم نے کافی وقت ایک ساتھ گزارا تھا۔ آج مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں نے اپنی پرانی ڈائریاں نکال لیں، ان ہی میں مجھے اس کا نمبر ملا ہے.... اس نے میرے ساتھ گوا میں چھٹیاں منانے کی دل فریب باتیں کی تھیں۔ اب مجھے نیند نہیں آرہی تو وہ کیوں سو رہا ہے؟"

اتنی رات گئے ویرا کے مخمور لہجے میں ادا کی گئی ان پُرمعنی تفصیلات سے کوئی بھی زندہ دل شخص ہیجان میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ یہی ہوا اور دبنگ آواز میں نرماہٹ گھل گئی "میں موتی لال ہی بول رہا ہوں، روزی ڈارلنگ!"

"یو ڈرٹی سوائن" ویرا نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر پیار بھرے لہجے میں کہا "پھر تم جھوٹ کیوں بولے تھے؟ کیا تم میری آواز نہیں پہچانے تھے؟ بس، میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"ایسا نہ کرنا" جلدی سے کہا گیا "بس بھول ہو گئی.... کاک ٹیل پارٹیوں میں ذہن ہواؤں میں اڑتا رہتا ہے۔ اگلے دن کچھ یاد نہیں رہتا کہ کس سے اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں.... لیکن تمہاری آواز کی مٹھاس میرے دل پر نقش ہے۔ تمہارے یاد دلانے پر مجھے سب کچھ یاد آگیا ہے۔ کہو، اس وقت کیسے فون کیا ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم اتنی رات گئے کیوں جاگ رہے ہو؟" اس کے صریح جھوٹ پر ویرا نے اپنے پینترے دکھانے کا فیصلہ کر لیا اور قدرے بوجھل آواز میں بولی "کیا تمہیں میری طرح کوئی یاد، کوئی بات ستا رہی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔ میں اس وقت پریشان ہوں.... ہم دونوں ایک دوسرے کی پریشانی دور کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کیا پریشانی ہے؟" موتی لال کے پگھلتے ہی ویرا اس پر حاوی ہونے لگی تھی۔

"ہم لوگ یہاں سخت ذہنی دباؤ میں رہتے ہیں۔ بس کام کی کچھ پریشانیاں ہیں۔ یہ سب باتیں فون پر نہیں ہو سکتیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس وقت کہیں مل لیں یا تم ٹیکسی پکڑ کر میرے گھر آجاؤ۔"

"آدمی چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا" ویرا نے اسے چارا ڈالتے ہوئے کہا "تمہیں کام کی کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ تمہارا کام بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہے.... تم نے مجھے بھی کام دینے کا وعدہ کیا تھا...."

"سب کچھ ہو جائے گا.... تم آجاؤ" وہ بے صبری سے بولا "میں فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتا۔"

"جب تک اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتاؤ گے، میں نہیں آؤں گی" ویرا نے دل ربایانہ لہجے میں کہا "کیا پتا کہ تم اپنی پریشانی سے مجھے بھی اداس اور مایوس کر دو.... ہم پھر کبھی بھی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

"اوہ! تم بہت ضدی لڑکی ہو" ویرا کی چھیڑ چھاڑ سے اس کا حیوانی اضطراب بڑھتا ہی جا رہا تھا "میرے دو آدمی اچانک لاپتا ہو گئے ہیں۔ کافی دیر سے ان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا۔ فون کی گھنٹی پر میں سمجھا تھا کہ شاید ان ہی میں سے کوئی ہوگا۔ لیکن یہ اچھا ہوا کہ تم سے بات ہو گئی۔ تم آجاؤ تو ہم اپنے وقت کو خوش گوار بنا سکیں گے۔"

ہم تینوں نے آپس میں معنی خیز نظروں سے تبادلہ کیا۔ دنیا کے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح، موتی لال بھی زندگی اور موت کی دو دھاری تلوار پر برہنہ پا چل رہا تھا اور اپنے پُرخطر مشن میں پوشیدہ بھیانک اندیشوں کو دوسری رنگینیوں میں مدغم کر کے اپنی زندگی کو قدرے سہل بنانے کا آرزومند تھا۔ سرد اور سرگرم جنگ کے ہر محاذ پر یہ ایک کلیہ رہا ہے کہ اپنے ملک کے مفادات کے لیے پرائی سرزمین پر غیر قانونی کام کرنے والے سیکرٹ ایجنٹ عام طور پر خوب صورت مقامی لڑکیوں کے جال میں پھنس کر تباہی کے غار میں گرتے رہے ہیں۔ اس وقت بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔

موتی لال کے لب و لہجے میں دور دور تک کامیابی اور اعتماد کی جھلک نہیں تھی۔ ابتدا میں وہ محتاط تھا لیکن بعد کی گفتگو سے اس کے ذہنی تناؤ اور اعصابی کشیدگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کی زبان سے دو آدمیوں کے لاپتا ہونے کی خبر سن کر خوشی سے میرا دل اچھل پڑا تھا۔ اس وقت ہم سب کو بھی ان دو آدمیوں کی تلاش تھی جو سلطان شاہ کو لے کر بھرے شہر میں کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ اس وقت تک صرف ایک بات سامنے آسکی تھی کہ سلطان شاہ کو میرے پیغام کے حوالے سے گھر سے باہر نکالنے والا شخص موتی لال تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو اہل کاروں کے بارے میں اوّل خان شکوک و شبہات میں ضرور مبتلا تھا لیکن یہ بات کھل کر سامنے نہیں آسکی تھی کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اس ابہام میں موتی لال کے کہے ہوئے الفاظ، پہیلی کی خالی جگہوں کو پُر کرتے نظر آرہے تھے۔

امید افزا بات یہ تھی کہ اس کے دونوں آدمی بھی سلطان شاہ کی طرح غائب تھے۔ اگر صورتِ حال پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی تو وہ یقینی طور پر موتی لال کو اپنی کامیابی کی اطلاع دیتے اور وہ اس بری طرح فکر مند نہ ہوتا کہ ایک بہکی ہوئی اجنبی لڑکی کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے غیرارادی طور پر ان کی گمشدگی کا ذکر کر بیٹھتا۔

"ابھی چند ثانیوں پہلے تم نے ٹیکسی کا ذکر کرکے میری توہین کی ہے" ویرا قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہارے گھر آنا چاہوں تو میرے پاس اپنی گاڑی موجود ہے مگر میں اپنی گاڑی نہیں نکالوں گی۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تم خود میرے فلیٹ آؤ۔ یہ فیصلہ بعد میں ہوگا کہ تم میرے فلیٹ پر رکو گے یا میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"پلیز روزی' ایسی باتیں مت کرو" وہ خوشامدانہ تیزی سے بولا "تمہیں شہر میں امن وامان کے بگڑے ہوئے حالات کا علم ہے۔ شام سات بجے سے صبح سات بجے تک ہمیں اپنے گھروں میں محدود کردیا گیا ہے۔ یہ اوپر والوں کے سخت ترین احکام ہیں۔ میں اس وقت گھر سے نہیں نکل سکتا۔ تم آؤگی تو میں تمہارے پیر چھو کر اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں گا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ تمہارے پاس اپنی کار بھی ہے۔ تم مجھے اپنی گاڑی کا نمبر بتادو' میں ابھی سپاہیوں سے کہے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے آتے ہی پھاٹک کھول دیں گے..."

"اچھا' تو تمہارے گھر پر سپاہی بھی ہیں؟" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دیدے نچاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"حفاظت کے نام پر مقامی انتظامیہ نے دن رات دو مسلح سپاہی لگائے ہوئے ہیں" اس کی آواز سے بیزاری مترشح تھی "یہ سب بہانے ہیں۔ ان سپاہیوں کا اصل کام کچھ اور ہی ہے۔ وہ آنے جانے والوں پر نظر رکھتے ہیں یا پھر اندر کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہوں گے۔ میری حفاظت کی کوئی ضرورت پیش آئی تو شاید یہ سپاہی سب سے پہلے مجھے بے آسرا چھوڑ کر بھاگیں گے۔ ان لوگوں سے مجھے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے" آخری فقروں پر اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"میں فون بند کررہی ہوں" ویرا نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسا نہ ہو کہ تمہارے لاپتا آدمی فون ملانے کی کوشش کررہے ہوں... تمہارے لیے وہ دونوں مجھ سے زیادہ اہم ہیں۔"

"نہیں" اس نے تیزی سے کہا "ان کے پاس مجھ سے رابطے کے دوسرے ذرائع بھی ہیں۔ جب تک تم آنے کا وعدہ نہیں کروگی۔ میں تمہیں فون بند نہیں کرنے دوں گا" تریا چلتر میں پھنس کر وہ احمقانہ باتوں پر اتر آیا۔

"موتی ڈارلنگ! میں ادھر آنے کی حماقت نہیں کروں گی۔ اچھا ہوا کہ تم نے پولیس والوں کے بارے میں بتا کر مجھے ہوشیار کردیا۔ یہ لوگ ایک بار میرے پیچھے لگ گئے تو میری شامیں شہر کی عمدہ تفریح گاہوں کے بجائے حوالات اور تھانوں میں گزرنے لگیں گی اور میں بیان لکھوا لکھوا کر نیم پاگل ہوجاؤں گی۔"

"اوہ!" اسپیکر فون پر اس کی غضب ناک غراہٹ گونجی "شاید میں پاگل ہوگیا ہوں جو تم سے بے تکی باتیں کیے جارہا ہوں۔ اچھا' تم اپنا فون نمبر دو۔ میں صبح تم سے بات کرکے آؤں گا۔"

"فون نمبر تو میں کاک ٹیل پارٹی میں دے چکی تھی" ویرا نے چڑانے والے انداز میں کہا "مجھے تمہارا نمبر اپنی پرانی ڈائری میں سے ملا ہے۔ تمہیں بھی میرا نمبر کسی پرانی نوٹ بک میں مل جائے گا۔ اس وقت اچھے بچے کی طرح سوجاؤ' ٹاٹا!"

ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون بند کردیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ چمک نمایاں تھی۔

"غضب خدا کا" غزالہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم اجنبی مردوں سے بھی اتنی بے تکلفی سے بے ہودہ قسم کی باتیں کرلیتی ہو! تمہاری لچھے دار گفتگو میں پھنس کر وہ ہمارے کام کی ہر بات اگل بیٹھا ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ ریشہ خطمی ہونا کسے کہتے ہیں۔"

"یہ بے ہودہ باتیں نہیں تھیں" ویرا نے یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "شکل وصورت' لباس' اداؤں اور حتیٰ کہ آواز سے مردوں کو شیشے میں اتارنا باقاعدہ ایک فن ہے جسے میں نے بڑی ریاضت سے سیکھا ہے۔ میرے باپ نے ڈان مریانو نامی اونچے دلال کا روپ دھار کر مجھے بس یہی کچھ سکھایا تھا جو زندگی کے ہر گام پر میرے کام آرہا ہے۔ تم سن رہی تھیں کہ اس نے ازخود کوئی بات نہیں اگلی' میں گفتگو کو اپنی پسند کے رخ پر چلا رہی تھی۔ اب وہ کسی گنجے الّو کی طرح اپنا سر پیٹ رہا ہوگا۔"

فون کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔ غزالہ نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ موتی لال نے تمہارا نمبر تلاش کرلیا ہے" میں نے ویرا سے کہا اور ریسیور اٹھانے کے بجائے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔

"کمال کردیا' اس لڑکی نے کمال کردیا" دوسری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا اور اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ خوب صورت عورتیں اور دلکش آوازیں ہر گھٹیا تخریب کار کی کمزوری ہوتی ہیں۔ ویرا نے اپنی ذہانت سے میری آدھی پریشانیاں دور کردی ہیں..."

"لیکن تم کس حوالے سے بات کررہے ہو؟ کیا کہہ رہے ہو؟" اوّل خان کی بے ربط باتوں نے مجھے حیران کردیا۔

"ہمارے انتظامات کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آبزرویشن مشین پر موتی لال کے فون کے مصروف ہونے کا سگنل آتے ہی ایک لائن میرے فون سے ملادی گئی تھی۔ میں نے ویرا اور موتی لال کی پیچ دار گفتگو لفظ بہ لفظ اپنے کانوں سے سنی ہے۔ اس مردود سے سب کچھ اگلوانے کے بعد ویرا نے ایسے خوب صورت موڑ پر فون بند کیا کہ یہ کالا۔ پھر موتی لال کو فون کرے تو وہ اسے روزی سمجھ کر اس کی خوشامدیں شروع کردے گا۔"

"لیکن اب میں اسے فون نہیں کروں گی" ویرا نے ہنستے ہوئے
ما "خدا کرے کہ وہ ان ہی دو آدمیوں کی بات کررہا ہو' جن کی
یں تلاش ہے۔"

"سو فیصد وہی ہیں... کڑیاں ملتی جارہی ہیں۔ تم نے سنا نہیں
لہ موتی لال رابطے کے دوسرے ذرائع کی بات کررہا تھا۔ وہ یقیناً
اکی ٹاکی یا ٹرانسمیٹر پر رپورٹوں کا تبادلہ کرتے ہوں گے۔"

"تم تو تین آدمیوں کے ساتھ ادھر آرہے تھے۔ وہاں فون لے
لر کیوں بیٹھ گئے؟" میں نے پوچھا۔

"آدمی الماریوں یا درازوں میں نہیں رکھے ہوتے" اس کی
وش دلانہ آواز ابھری "ان کا بندوبست کرنے میں وقت لگتا ہے۔
یں ان ہی تیاریوں میں مصروف تھا کہ آبزرویشن مانیٹرنگ سیل سے
ون آگیا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر
سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب موتی لال کو چھیڑنا بے سود ہوگا۔ اس
پر تشدد کرکے بھی ہم زیادہ سے زیادہ وہی کچھ اگلوا سکتے تھے جو ویرا
نے باتوں باتوں میں معلوم کرلیا ہے۔ ہمیں اس کو بے خبری میں گھیر
کر رنگے ہاتھوں پکڑنا ہوگا۔ اس میں شاید وقت لگے گا... اس
وقت صرف سلطان شاہ کے بارے میں تشویش ہے" اوّل خان نے
جواب دیا۔

"ساری پریشانی اسی کے بارے میں ہے" ویرا نے کہا "خدا کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔"

"حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں اتنی فکر مند ہو" ویرا کی فکر مندی پر غزالہ اپنی حیرت پوشیدہ نہ رکھ سکی۔

"تم لوگ پھر الجھنے لگے" اسپیکر فون پر اوّل خان کی فہمائشی آواز ابھری "کھوپڑیاں ٹھنڈی رکھو۔ میں ابھی آتا ہوں" اسی کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے اسپیکر فون بند کردیا۔

"میں اس کے بارے میں ہمیشہ فکر مند رہتی ہوں" ویرا نے غزالہ کے تبصرے کا برا مانے بغیر خیال انگیز لہجے میں کہا "میں اسے بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں' اسی لیے اس سے لڑتی اور الجھتی رہتی ہوں۔ وہ عجیب وغریب ٹائپ کا آدمی ہے۔ اسے بھڑکاتے اور اشتعال دلاتے رہو تو ہر وقت مقابلے پر کمربستہ رہے گا۔ جس دن بھی میں نے اس سے ذرا سی ہمدردی یا نرمی کا برتاؤ کیا' وہ میری گود میں سر رکھ کر کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے" غزالہ نے کہا "سلطان شاہ اندر سے اتنا نرم اور بودا نہیں ہے کہ تمہاری ہمدردی کے دو بول بھی نہ سہہ سکے۔ آڑے وقتوں میں تم اس کی جواں مردی کے مظاہرے دیکھ ہی چکی ہو۔"

"میں نے اسے بزدل نہیں کہا" ویرا نے فوراً ہی اپنی صفائی پیش کرنی ضروری سمجھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اس کی تربیت میں کہیں کوئی ٹیڑھ رہ گئی ہے جس نے اس کے مزاج پر گہرا اثر ڈالا ہے۔"

"یہ تمہارے قیاسات ہیں اس لیے انہیں اپنی کھوپڑی تک محدود رکھو" میں نے ان دونوں کی کھینچا تانی میں دخل دیتے ہوئے کہا "میں اس وقت تمہاری تربیت کی ٹیڑھ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ڈان مریانو نے تمہیں مردوں کا شکار کرنے کے سارے گر سکھادیے ہیں لیکن ان سے بنائے رکھنے کے معاملے میں تم کوری ہو۔"

"جب ہی برسوں سے تمہاری دوستی کو بھگت رہی ہوں" اس نے طنز سے کہا۔

"وہ اور بات ہے... اس وقت سلطان شاہ کی بات ہورہی تھی..."

"میں اسے بھی سینگ نہیں مارتی" اس نے میری بات کاٹ کر ترشی سے کہا۔

"بظاہر تو تم اس سے بیزار نظر آنے کی کوشش کرتی رہتی ہو" میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح میری گود میں سر رکھ کر رونا شروع کردے۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "لیکن اس وقت سلطان شاہ کے بارے میں تمہاری تشویش سے ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے تم کنواری بیوہ کہلانے کے تصور سے خائف ہو۔"

فوری طور پر وہ بات ویرا کے پلے نہیں پڑسکی مگر کنواری بیوہ کا مفہوم سمجھتے ہی وہ مُکا تان کر میری طرف جھپٹی تھی۔ اگر میں تیزی سے غزالہ کی اوٹ میں نہ ہوگیا ہوتا تو وہ مُکا میری گردن پر پڑا ہوتا۔

وہ دانت پیس کر مجھے برا بھلا کہتی رہتی لیکن وہ سلسلہ چند لمحوں سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ فلیٹ کی ڈور بیل کی تیز آواز نے ہم تینوں کو چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے سلطان شاہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر کئی تازہ خون آلود خراشیں بھی نظر آرہی تھیں لیکن اس کے باوجود اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی سفاکانہ مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

میں نے بے اختیار اسے کھینچ کر اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"ارے! یہ تو زندہ ہے" میرے پیچھے موجود ویرا نے اسے دیکھتے ہی تحیر زدہ آواز میں کہا "ہم لوگ بلاوجہ ہی اس کے بارے میں پریشان ہورہے تھے۔ ڈھیٹ قسم کے لوگ اتنی آسانی سے کسی مصیبت میں نہیں پڑتے۔"

"ہم تینوں میں سب سے زیادہ پریشانی تم ہی کو تھی" غزالہ نے چبھتی ہوئی آواز میں اسے جواب دیا "اگر ڈیڈی نے تمہیں نہ سنبھالا ہوتا تو شاید تم اس وقت آنسوؤں سے رو رہی ہوتیں۔"

"میرے بارے میں کسی کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" سلطان شاہ میرے سینے سے الگ ہو کر ڈرائنگ روم کی

طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو لوگ اپنے ہر سانس کے لیے موت کے جبڑوں میں اتر جانے پر تُلے رہتے ہوں' ان سے موت بھی خوف کھانے لگتی ہے۔"

"غنیمت ہے کہ اس وقت تمہارا لہجہ اونچا نہیں تھا ورنہ آغا حشر کے تھیٹر ڈرامے کی یاد تازہ ہوجاتی" غزالہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اور تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟"

"اس موت کی چند نشانیاں ہیں جو بس مجھے چھو کر گزر گئی۔ فون کرکے اول خان کو بلا لو تو زیادہ بہتر رہے گا کیونکہ میں اپنے ساتھ اُس کے ایک آدمی کی لاش بھی لایا ہوں" اس نے ایک صوفے میں گر کر کہا۔

"لاش!" کمرے میں ہم تینوں کی تحیر زدہ آوازیں ابھریں پھر ویرا بولی "پورے واقعات بتاؤ....."

"اول خان کو بلالو" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں ایک ہی کہانی دوبار سنانے کی زحمت سے بچ جاؤں گا" یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ٹرانسیٹر نکال کر میز پر ڈال دیا۔

ویرا نے فوراً ہی وہ آلہ اٹھا کر اُس کا بٹن آن کردیا۔ اس پر چند ثانیوں کے لیے صرف ریڈیائی شور گونجتا رہا پھر ایک بھاری اور جانی پہچانی آواز سنائی دینے لگی "ماسٹر کالنگ الفا پارٹی..... دونوں میں سے جو بھی میری آواز سن رہا ہو' میری بات کا جواب دے..... میں تم لوگوں کی خاموشی اور گمشدگی سے فکر مند ہوں..... اوور!"

بولنے والے کی آواز سے جھلاہٹ اور تشویش مترشح تھی اور وہ موتی لال کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

"اسے بند کردو۔ وہ بار بار یہی بھونک رہا ہے" سلطان شاہ غزالہ کا لایا ہوا' اسکواش کا گلاس خالی کرکے بولا "یہ آلہ اول خان کے آدمیوں کی غداری کا کھلا ثبوت ہے۔ اب ایس ٹی ایف والوں پر بھی آنکھیں بند کرکے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میرے ستارے یاور تھے کہ میں بچ نکلا ورنہ صبح میری لاش کسی ویرانے سے دستیاب ہوتی۔"

"اول خان بھی پہنچنے والا ہے" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا "تم اپنی کہانی شروع کرو۔ اسے ہم بریف کردیں گے۔ ہم لوگ تمہاری طرف سے غافل نہیں تھے۔ ماسٹر کے نام سے الفا پارٹی کو پکارنے والا ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ ہم جلد ہی اسے جہنم واصل کردیں گے۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایس ٹی ایف والے غداری پر اتر آئے ہوں" وہ بات اسے مسلسل ستا رہی تھی۔

"یہ پرانا قصہ تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ذمے داروں کو پہلے ہی اس طرف دھیان دینا چاہیے تھا لیکن وہ البرٹو ویلیسا کے خاتمے کے بعد مطمئن ہوکر بیٹھ گئے۔ اس نے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے فورس میں اپنی پسند کے آدمی بھی رکھ لیے تھے۔ حال ہی میں اول خان اس طرف متوجہ ہوا تھا اور تمہیں لے جانے والے دونوں آدمی زیر نگرانی تھے۔ بس بد قسمتی یہ ہوئی کہ ان کا پیچھا کرنے والوں کی موٹر سائیکل کا ٹائر پنکچر ہوگیا اور انہیں ما[...] نکل جانے کا کھلا موقع مل گیا" میں نے اسے پوری طرح مط[...] کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں غزالہ نیل پالش ریموور کی شیشی' صاف [...] کا بنڈل اور کوئی ٹنکچر لے آئی تھی اور اس نے سلطان شاہ [...] چہرے کی خراشوں کو آہستہ آہستہ صاف کرنا شروع کردیا تھا۔

"اسی محبت اور دیکھ بھال نے مجھے تم سب کا بے دام غلام ہوا ہے" زخموں پر اسپرٹ لگتے ہی چند سسکاریاں لینے کے [...] سلطان شاہ اچانک جذباتی ہوگیا۔ "رفتہ رفتہ میں اپنے رشتے دار اور گاؤں والوں تک کو بھلا بیٹھا ہوں جیسے میرا ان سے کوئی رشتہ ہو۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ نادانستگی میں تم ویرا کی بھی غلا[...] کا اعتراف کر رہے ہو" غزالہ نے اسے خبردار کیا۔

"کہانی..... میں تمہاری کہانی کا منتظر ہوں" میں نے دخل ا[...] ہوکر وہ بات وہیں ختم کردی۔ فون پر غزالہ نے اجنبی شخص سے مفروضہ پیغام سننے کے بعد سلطان شاہ کو مطلع کیا تو اسے بھی شبہ تھا لیکن وہ محض شبہات کی بنا پر میرے پیغام کو نظر انداز نہ کر[...] کسی امکانی خطرے کے سدِباب کے لیے وہ ایس ٹی ایف والوں [...] پاس جا پہنچا۔ وہ دونوں سفید کرولا میں گلی میں موجود تھے۔

شاید انہیں پہلے سے اس کے بارے میں آگاہ کردیا گیا تھا۔ سلطان شاہ ازخود ان کے پاس نہ پہنچتا تو وہ اس کا پیچھا کرکے ا[...] گھیرنے کی کوشش کرتے۔ سلطان شاہ کی پوری بات سننے کے بعد ان دونوں نے اسے اپنے ساتھ لسبیلہ لے جانے کی پیشکش کی۔ سلطان شاہ کو خیال تھا کہ وہ تینوں ہی وہاں سے چل دیے تو غزالہ بالکل اکیلی رہ جائے گی۔ اس نے ایک آدمی کو رکنے کا مشورہ دیا جو یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا کہ وہ رات کے سناٹے میں لسبیلہ سے چند منٹ میں لوٹ آئیں گے۔ اتنی قلیل سی مدت میں غزالہ کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکتی تھی لیکن لسبیلہ پر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آئی تو سہ نفری جماعت ہی خطرے کا بہتر طور پر مقابلہ کرسکے گی۔ سلطان شاہ بحث میں الجھے بغیر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

شہیدِ ملت روڈ کے ابتدائی چوراہے سے جیل کی طرف مڑتے ہی پیچھے والے نے کسی وزنی چیز سے سلطان شاہ کے سر پر ضرب لگائی۔ یہ اس کے مقدر کی یاوری تھی کہ وار اوچھا پڑا۔ وہ عارضی طور پر واقعی اندھیروں کی دلدل میں ڈوب گیا لیکن جب چند ثانیوں بعد اُس کے حواس بحال ہونے شروع ہوئے تو پیچھے والا ٹرانسیٹر پر کسی سے اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ سلطان شاہ کے لیے ایس ٹی ایف والوں کا وہ سازشی رویّہ سخت صدمے کا باعث بنا لیکن وہ خطرہ بھانپ کر بدستور بے ہوش بنا رہا۔ پھر ٹرانسیٹر پر سلطان شاہ کے قتل کا حکم صادر کردیا گیا۔

[...]اسے نیو کراچی کے کسی ویرانے میں گولی مار کر پھینک دینے کا [...]کرلیا گیا تھا۔

[...]ان دونوں کے مقابلے میں وہ اکیلا اور پوزیشن کے اعتبار سے [...]ر تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ والے پر ہاتھ ڈالتا تو پیچھے والا بہت [...]نی سے اسے بے بس کرسکتا تھا۔ وہ خاموشی سے وقت اور موقع [...]نظار کرتا رہا۔ دورانِ سفر ٹرانسیٹر پر وقفے وقفے سے بات ہوتی [...]۔ آخر طویل سفر کے بعد کار ایک تاریک ویرانے میں روک [...]ئی۔

وہ ایس ٹی ایف کی کار تھی۔ وہ دونوں اس کے اندرونی حصے کو [...] آلود ہونے سے بچانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے سلطان [...]کو گھسیٹ کر جوں ہی کار سے باہر نکالا' وہ کسی بپھرے ہوئے [...]ے کی طرح ان سے بھڑ گیا۔

اس نے ان میں سے ایک کی کھوپڑی میں فوراً ہی سوراخ کر [...]۔ دوسرے سے مقابلے میں اس کا پستول ہاتھ سے نکل گیا۔ [...]ت بدست لڑائی میں اس کا حریف بھی نہتا ہوچکا تھا۔ بے تحاشا [...]ھانے کے بعد وہ بوکھلا کر اندھیرے میں ایک طرف بھاگ نکلا۔ [...]لان شاہ نے اس کے تعاقب کی کوئی کوشش نہیں کی۔

[...]ٹرانسیٹر بدستور پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے [...]نے والے کی لاش کرولا کی ڈکی میں ڈالی اور وہاں سے بھاگ [...]۔ واپسی میں اس نے ناگن چورنگی سے براہِ راست گلشن اقبال [...] راستہ اختیار کیا تھا تاکہ جلد از جلد فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب [...]سکے۔

اس کی کہانی مکمل ہونے سے پہلے ہی اوّل خان بھی وہاں [...]پہنچا اور سلطان شاہ کی مزاج پرسی کے بعد اس کی کہانی سننے میں [...]نمک ہوچکا تھا۔ سلطان شاہ کے خاموش ہونے پر میں نے اوّل [...]ن کو اس خون آشام واردات کے ابتدائی واقعات سے آگاہ کیا تو [...]س کے چہرے پر تشویش پھیلتی چلی گئی۔

"یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی" وہ کہنے لگا "اسٹیشن فور پر ہر [...]شخص کو معلوم تھا کہ میں تمہارے ساتھ کسی اہم آپریشن میں الجھا [...]ہوا ہوں۔ جب ان دونوں کو فلیٹ کی حفاظت کے لیے روانہ کیا گیا تو [...]ان نمک حراموں نے موتی لال کو سچویشن سے آگاہ کردیا ہوگا۔ [...]موتی لال نے فوراً ہی سلطان شاہ کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔ اچھا ہوا [...]کہ ان میں سے ایک سلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا مگر یہ برا ہوا کہ [...]دوسرا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔"

"اسے فرار ہونا ہی تھا کیونکہ آج ہر جوڑی میں سے بس ایک [...]کے مارے جانے کی رات ہے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" اوّل خان چونک کر اسے گھورنے لگا "تم کیا [...]کہنا چاہ رہی ہو؟"

"چیانگ فاؤ مارا گیا' لی وانگ اسپتال میں ہے' اسی طرح [...]تمہارا ایک آدمی کرولا کے تابوت میں اور دوسرا مفرور ہے۔ [...]حساب برابر سمجھو" سلطان شاہ کے واپس آجانے پر ویرا ایک بار پھر بے فکری کے مظاہرے پر تل گئی تھی۔

"تم غلط کہہ رہی ہو" اوّل خان نے اس کے مذاق کا برا ماننے کے بجائے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اسپتال سے اطلاع ملی ہے کہ ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھائے جانے کے دوران میں ہی لی وانگ نے ایک لمبے نشتر سے اپنی کلائی کی رگیں کاٹ کر خودکشی کرلی۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ ڈاکٹر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود خون کا بہاؤ نہ روک سکے۔ وہ بہت سکون سے مرا ہے اور بار بار ایک ہی بات کہہ رہا تھا کہ ایک مقدس آئی مین کی بے حرمتی کرنے والے کو اس زمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ڈینی کی دکھائی ہوئی سلور آئی نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔"

"خس کم جہاں پاک" ویرا بڑبڑائی "اب شاید تمہارا مفرور باغی بھی ہاتھ آجائے۔"

"وہ زیادہ دیر تک روپوش نہیں رہ سکتا" اوّل خان نے اعتماد سے کہا "مسلسل نگرانی کی وجہ سے ان کے تمام ٹھکانے ہماری نظروں میں ہیں۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے کبھی موتی لال سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔"

"ان دونوں پر شبہ کرنے کی کیا وجوہ تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"البرٹو ویلیسا کے دور میں یہاں پانچ افراد بھرتی کیے گئے تھے اور ان سب کی نگرانی ہورہی تھی۔ سلطان شاہ کو لے جانے والوں میں سے ایک نے دو سال تک ایک غیر ملکی فرم میں اسٹاف ڈرائیور کے طور پر کام کیا تھا۔ دوسرا کئی برس تک ایک ایسے غیر ملکی نامہ نگار کا ذاتی ملازم رہا تھا جو اکثر و بیشتر بھارت جاتا رہتا ہے۔"

"یہ اے بی سی کے نامہ نگار' جیف ہنٹ کا تو ذکر نہیں ہے؟" ویرا نے استفسار کیا۔

"اپنی شہرت کی وجہ سے اے بی سی والے مفت میں بدنام ہیں" اوّل خان نے ہنس کر کہا "غیر ملکی نمائندوں میں ان سے بھی زیادہ شاطر لوگ موجود ہیں جو صرف آڑ کے لیے پیشہ ورانہ شناخت رکھتے ہیں ورنہ اپنے پُرتعیش طرزِ زندگی کے بھاری اخراجات نامعلوم ذرائع سے پورے کرتے ہیں۔"

"بعض اوقات تم بلاوجہ بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کھال کے بال ہوتے ہیں' بال کی کھال نہیں ہوتی۔" ویرا نے سنجیدگی سے میری تصحیح کی۔

"محاورے اسی طرح ہوتے ہیں" میں نے جھلا کر کہا "تم اس بات کی جستجو میں لگ جاتی ہو جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔"

"اچھا!" اس نے معصومیت سے کہا "مجھے معلوم نہیں تھا۔" پھر اس کے منہ سے ایک بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔ سلطان شاہ اسے یوں حیرت سے دیکھنے لگا جیسے اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

سلطان شاہ کے لوٹ آنے کے بعد بھاگ دوڑ کا تسلسل عارضی طور پر دم توڑ چکا تھا۔ موتی لال کی فوری سرکوبی ممکن نہیں

تھی۔ اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتا تھا۔ صبح ہونے ہی والی تھی اس لیے اوّل خان روانگی کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنی گاڑی چھوڑ کر سفید کرولا میں جانا چاہتا تھا تاکہ مرنے والے کی لاش فوری طور پر اسٹیشن فور پہنچائی جاسکے۔ میں' سلطان شاہ کے ساتھ نیچے آیا۔ گلی دور دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ قریب ہی آوارہ کتوں کی ایک ٹولی کوڑے کے ڈھیر پر آرام کررہی تھی۔ اوّل خان نے کرولا کی ڈکی کھولی تو اندر پڑے ہوئے شخص کی کھلی ہوئی بے نور آنکھوں کے سوا اس کے چہرے پر موت کی کوئی علامت نہیں تھی۔ اس کی پیشانی میں پیوست ہونے والی گولی نے بس ایک چھوٹا سا' سیاہی مائل سرخ گول نشان چھوڑا تھا۔

"یہ عارف ہے" اوّل خان سرد لہجے میں بولا "اس کا مطلب ہے کہ سرور فرار ہوگیا.... خیر' وہ کہاں جائے گا۔ دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ پکڑلیا جائے گا۔"

اوّل خان کو رخصت کرکے ہم دونوں اوپر آئے تو جہانگیر ڈرائنگ روم میں صوفے پر کسی بُت کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سرخ اور متورم آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے پھر زیادہ پی لی تھی۔

اسے دیکھتے ہی مجھے دھیان آیا کہ اپنی الجھنوں میں پڑ کر ہم اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھے تھے۔ اوّل خان کا پہلا فون آنے کے بعد وہ اسکاچ کی بوتل لے کر لنگڑاتا ہوا ایک خواب گاہ میں جاگھسا تھا۔ بعد میں ویرا بھی اسی طرف چلی گئی تھی لیکن جب اوّل خان نے سلطان شاہ کے اغوا کے بارے میں موتی لال پر اپنی شبہے کا اظہار کرنے کے لیے دوسرا فون کیا تو ویرا غیر محسوس طریقے پر خوابگاہ سے باہر آکر ہمارے ساتھ باتوں میں شامل ہوگئی لیکن جہانگیر شروع ہی سے اس طرح کمرے میں گھسا رہا کہ کسی کو اس کی موجودگی کا احساس تک نہ رہا۔

"گیانی جی کیا فرمارہے ہیں؟" میں نے جہانگیر کے سپاٹ چہرے کا جائزہ لے کر ویرا سے پوچھا۔

"ان کی کھوپڑی پر برف کی ٹکور کرنی پڑے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بسیار نوشی سے عقل ٹخنوں سے بھی نیچے جاچکی ہے" ویرا اسے دیکھ کر لطف اندوز ہورہی تھی "اس وقت میں اس سے زبردست تفریح لے سکتی ہوں لیکن ڈر یہ ہے کہ اس نے بولنا شروع کردیا تو نوبت غل غپاڑے تک پہنچ سکتی ہے۔"

"اللہ کے نام پہ" اچانک جہانگیر نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں دھیمی سی ہانک لگائی "لنگڑا محتاج ہوں۔ تیرے بچوں کو کھا کے دعائیں دوں گا...." ہانک لگانے کے ساتھ ہی اس نے اپنا داہنا ہاتھ بھی آگے پھیلا دیا تھا۔

"ابے کس کے بچوں کو کھانے کا ارادہ ہے؟" میں نے بھنّا کر اس کا ہاتھ نیچے گرادیا۔

وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر رہ گیا۔ ویرا نے جلدی سے مجھے پیچھے کھینچ لیا "اس وقت اسے نہ چھیڑو۔ اس کے ذہن پر ابھی تک دہشت اور مایوسی کا غلبہ ہے اور یہ اپنے آپ کو معذور سمجھ رہا ہے....."

"کچھ نہیں' ایک جگ پانی سر پر ڈالوں گا تو سالے کا سارا نشہ ہرن ہوجائے گا۔ معذور سمجھ رہا ہے تو بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اور وہ بھی ایسے بے ہودہ انداز میں..... لاحول ولا قوۃ" مجھے جہانگیر پر واقعی غصہ آنے لگا۔

"چیانگ فاؤ اور لی وانگ نے اس کی برین واشنگ کی ہوئی ہے" ویرا کہنے لگی "ان کی قید میں اسے ہر وقت اپنا عبرتناک مستقبل نظر آتا رہا ہوگا۔ چلنے سے معذور شخص یہاں بھیک پر ہی پل سکتے ہیں۔ انہیں معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ گوبر دماغ لوگوں کو کرسیوں پر سجا کر دوسروں کی قسمت کا مالک بنادیا جاتا ہے۔ لنگڑوں کو میز کرسی کا کام دینے کے بجائے ان سے بھاگ دوڑ کی امید کی جاتی ہے۔ نشے کی حالت میں اس کے وہ لاشعوری خوف سامنے آرہے ہیں۔ بھکاری کے روپ میں بھی وہ وہی کچھ کہہ رہا ہے جو زندگی بھر سنتا رہا ہے۔ تم غور سے سنو تو اکثر بھکاری لفاظی کے شوق میں دعاؤں کو ہولناک بددعاؤں میں بدل دیتے ہیں۔ میں تو ایسی باتیں سن کر دل ہی دل میں ہنستی رہتی ہوں۔ اب یہی دیکھ لو کہ خیرات کے پیسوں سے کھانا کھا کے سخی کے بچوں کو دعا دینے کی آرزو' جہانگیر کے الفاظ میں کیسی وحشت ناک لگ رہی تھی مگر بمت سے فقیر یہی کہتے ہیں۔"

سلطان شاہ بھی ہنسنے لگا "اللہ کے نام پہ بچہ دے دے کے الفاظ میں بارہا سن چکا ہوں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ سوچ سمجھے بغیر ان بے تکے مطالبات کو سنتے ہیں اور بچہ دینے کے بجائے' عقیدت واحترام کے ساتھ مانگنے والے کو کچھ رقم دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ویرا اس وقت ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

جہانگیر کچھ دیر تک سر جھٹکتا رہا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن اس کی زبان اس کے ارادوں کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ اس کے سر کی جنبشیں بند ہوگئیں اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنا شروع کردیا۔

اس وقت جہانگیر نشے سے بہک رہا تھا جب کہ بقیہ افراد بھی ذہنی اور جسمانی تھکان کا شکار تھے۔ میں نے فوراً ہی محفل برخاست کرنے کی ہدایت جاری کردی لیکن سلطان شاہ اڑ گیا "ہم نے رات کا کھانا کھائے بغیر' سارا وقت محنت ومشقت میں گزارا ہے اگر میں اس وقت شکم پُری کیے بغیر سویا تو پھر کبھی نہ اٹھ سکوں گا۔"

دونوں عورتوں نے اس کی تائید کی اور ان ہی کو کچن کا رخ کرنا پڑا۔

جہانگیر میرے برابر میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سلطان شاہ دوسرے صوفے پر دراز ہوگیا۔

سلطان شاہ کا لایا ہوا ٹرانسمیٹر کسی نے دوبارہ آن کردیا تھا لیکن اس پر کافی دیر سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اپنے آدمیوں کی مسلسل خاموشی اور روزی کی فسوں خیز رفاقت

ب سے محرومی کے بعد شاید موتی لال بھنّا کر سونے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"ابھی تک میں نے بہت کم سوالات کیے ہیں" کچھ دیر تک سکون سے لیٹے رہنے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "تم لوگ جو کچھ بتاتے رہے' خاموشی سے سنتا رہا ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ جہانگیر کے گھر پر کیا واقعات پیش آئے اور یہ موتی لال کا کیا چکر ہے' میں کافی غور کرنے کے بعد بھی کڑیاں یکجا کرنے سے قاصر ہوں۔"

میں نے جہانگیر کے گھر پر رونما ہونے والے واقعات سے گفتگو کی ابتدا کی اور پوری تفصیلات دہرانے کے بعد اس کے اغوا کے بارے میں اوّل خان کے ابتدائی انکشاف سے لے کر اُس کی واپسی تک کے واقعات بھی بیان کرڈالے۔

موتی لال اور ویرا کی فون پر ہونے والی گفتگو پر وہ اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا "مجھے ویرا کی ذات میں کوئی غیر معمولی کشش نظر آتی ہے نہ اس کی آواز میں جھرنوں کا سا کوئی لاہوتی ترنم ہے لیکن پھر بھی وہ جس مرد سے بات کرتی ہے' وہ اس سے مسحور ہوکر رہ جاتا ہے۔"

"برخوردار!" میں نے مسکرا کر کہا "لیلیٰ کو مجنوں کی نظر سے دیکھے بغیر بات نہیں بنتی۔ دوسروں کے لیے اس کی رنگت سرمئی بلکہ کالی تھی لیکن مجنوں اسی رنگ روپ پر فدا تھا۔ یہ ویرا کا نہیں' تمہاری نظروں اور کانوں کا قصور ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ موتی لال جو یقیناً ایک تجربے کار سفارتی ملازم ہوگا' اتنی آسانی سے ایک اجنبی لڑکی کی رسیلی آواز کے چکر میں آگیا اور ویرا اُس سے ہر بات اگلواتی چلی گئی۔"

"کاش تم نے وہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہوتی۔ آواز کے جادو کے علاوہ ویرا نے ذہانت سے بھی کام لیا تھا۔ موتی لال کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ ویرا اس سے کب' کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے دنیا بھر میں ویرا سے بھی حسین لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن حسن اور ذہانت کے امتزاج میں آج تک اس کا ثانی نہیں دیکھا۔ خوبصورت لڑکیاں ویسے بھی خوشامدی مردوں سے اپنی تعریفیں سن سن کر کند ذہن اور خود پرست ہوجاتی ہیں۔ تم چاہو تو میں اب بھی ویرا کو آمادہ کرسکتا ہوں۔ وہ میری بات نہیں ٹال سکے گی" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خدا کے لیے!" اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم تو ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ رفتہ رفتہ میں خود بھی اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف ہو چلا ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ وہ پارسائی کے لفظ ہی سے ناآشنا ہے۔ یہ مغرب میں ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے لڑکے لڑکیاں آزادی کے ساتھ اپنے پچھلے تجربات پر باتیں کرتے ہیں۔ اب پتی گھرانوں کی لڑکیاں شادی کے بغیر ماں بن جانے پر کوئی ندامت محسوس نہیں کرتیں اور انہیں کبھی نہ کبھی ہم پلہ شوہر بھی مل جاتے ہیں لیکن میں آنکھوں دیکھے مکھی نہیں نگل سکتا۔ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔"

"تمہاری مرضی!" میں نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کر کہا "میں تو تمہاری بھلائی کی بات سوچ رہا تھا" بات وہیں رہ گئی کیونکہ اچانک ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ کال صرف اوّل خان کی ہوسکتی ہے۔ اس وقت تک جہانگیر نے نشے کی جھونک میں باقاعدہ اونگھنا شروع کردیا تھا اس لیے میں نے اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے پھرتی سے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے آنے والی ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ موتی لال کی آواز تھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں کس سے بات کرنی ہے؟" میں نے بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سلطان شاہ سے بات کراؤ" موتی لال کی آواز میں تحکم پیدا ہوگیا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" میں نے چیخ کر سوال کیا جیسے میں جلد از جلد فون بند کرنا چاہتا ہوں۔

"میں اس کا ایک دوست ہوں۔ اس سے میری بات کراؤ۔" اس نے اصرار کیا۔

"یہ وقت ہے فون کرنے کا؟ اپنا تعارف نہیں کراؤ گے تو میں فون بند کردوں گا۔"

"اداکاری مت کرو۔ تم نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھایا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم جاگ رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم ڈینی ہی ہوسکتے ہو۔ میں صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سلطان شاہ کہاں ہے۔"

میرا دل چاہا کہ میں بھی اس کا نام لے کر اسے متحیر کردوں لیکن میرا وہ انکشاف قرینِ مصلحت نہ ہوتا "اگر تم وہی ہو جس نے میرے نام سے فون پر پیغام دے کر سلطان شاہ پر جال ڈالا تھا تو تمہیں یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ سلطان شاہ نے تمہارے آدمیوں کو بھاگ نکلنے پر مجبور کردیا اور اس وقت وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سورہا ہے۔"

"میرا شبہ درست ہی نکلا" دوسری طرف سے الفاظ چبا چبا کے کہا گیا "یہ یاد رکھنا کہ تم دونوں زیادہ دیر تک میرے انتقام سے نہیں بچ سکو گے۔ تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"کس بات کا انتقام؟ کیا ہم میں سے کسی نے تمہاری لڑکی اٹھالی ہے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔ مگر دوسری طرف سے ایک گندی سی گالی کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

فون کی گھنٹی کی آواز سن کر غزالہ دروازے پر آکھڑی ہوئی تھی اور استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی "کیا موتی لال کا فون تھا؟" میری گفتگو سے اندازہ لگالینے کے باوجود اس نے سوال کرنا ضروری سمجھا۔

"ہاں، موتی لال نہیں بلکہ روزی کا بوائے فرینڈ کہو..... اپنے آدمیوں کی مسلسل خاموشی سے زچ آکر اس نے یہاں فون کیا تھا تاکہ اپنی کارروائی کے انجام سے باخبر ہوسکے۔ اب وہ....." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے کس مصلحت کی خاطر ڈھیل دی جارہی ہے۔ وہ سامنے آگیا ہے تو پہلی فرصت میں اسے گردن سے دبوچ کر کیفرِ کردار تک پہنچا دینا چاہیے۔ سنپولیے کو پال پوس کر سانپ بنانا عقل مندی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اگلی بار وہ زیادہ چالاکی سے حملہ آور ہوگا۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کچن کی طرف واپس چلی گئی۔ ادھر سے آملیٹ وغیرہ تیار ہونے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں فضا میں پھیل کر بھوک چمکا رہی تھیں۔

"غزالہ چلی گئی لیکن اس کا سوال بہت اہم ہے" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا "میں بھی موتی لال کو ڈھیل دینے کی حکمتِ عملی کے اسباب سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"یہاں بھارتی لابی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت سرگرمِ عمل ہے۔ ایک آدمی کو ہٹا دینے سے ان کی سرگرمیوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "پچھلے چند برسوں پر نظر دوڑاؤ تو کرنل مہیش، کانتی، ملّا سرکار، مان سنگھ اور رجنی سمیت ہم نے بہت سے تخریب کاروں کی سرکوبی کی ہے لیکن اس لابی کی سرگرمیاں آج بھی پورے زور و شور سے جاری ہیں۔ افراد کے بجائے ان کی تنظیم کی بیخ کنی کرنی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اس بار اوّل خان، موتی لال کے سہارے دوسرے افراد تک بھی پہنچنا چاہتا ہے۔"

"دیکھ لیتے ہیں مگر مجھے امید نہیں کہ اوّل خان کی حکمتِ عملی کامیاب ہوسکے گی۔ اب تک کے تجربات سے پتا چلتا ہے کہ ایسے معاملات میں صرف ایک آدمی پورے مشن کو چلاتا ہے۔ بظاہر وہی منصوبہ ساز اور مشن کا سربراہ ہوتا ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ کرائے کے مقامیوں پر انحصار کرتا ہے۔ جب وہ مارا جاتا ہے تو وقتی طور پر مقامیوں کا گروہ بھی منتشر ہوجاتا ہے۔ قلیل سی مدت کے بعد اس مشن کے نام پر نیا چہرہ سامنے آتا ہے تو وہ اپنے پیش رو کی چھوڑی ہوئی معلومات کے سہارے ایک مرتبہ پھر چند پرانے مقامیوں کو یکجا کرکے نئی ٹیم بنالیتا ہے۔ انفرادی جرائم کے مقابلے میں ریاستی سطح پر کی گئی سازشوں میں ایک تسلسل ہوتا ہے جسے آسانی سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ میری نپی تلی رائے یہ ہے کہ جو بھی سامنے آتا جائے، کسی توقف کے بغیر اس کا سر کچل دینا چاہیے۔ بعد کی باتیں بعد میں بھی سنبھالی جاسکتی ہیں۔"

"تم عقل مندی کی باتیں کررہے ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "لیکن موتی لال پر اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس کے لیے بھی ہمیں مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا۔"

ہم دونوں باتوں میں لگے رہے۔ اسی اثنا میں دونوں عورتیں ناشتے کی ٹرالی ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ ابلے ہوئے انڈے، بھاپ اُڑاتے ہوئے آملیٹ، مکھن، ڈبل روٹی اور پنیر کے پارچوں کے ساتھ چائے بنائی گئی تھی۔

"اس وقت کھانے کے نام پر فلیٹ میں یہی کچھ میسر ہے" ویرا نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے اعلان کیا "اب گیانی مہاراج کو بھی ہوش میں لے آؤ۔ اس کے پیٹ میں کچھ چارا پڑے گا تو اس کا نشہ بھی کم ہوگا ورنہ یہ دن چڑھے تک یوں ہی ٹنگ پڑا رہے گا۔"

سلطان شاہ ایک سالم انڈا اپنے منہ میں ڈال کر جہانگیر کو اٹھانے میں مصروف ہوگیا اور ہم تینوں اشتہا انگیز ناشتے سے انصاف کرنے میں مصروف ہوگئے۔

وہ ایک طویل اور تھکا دینے والی رات ثابت ہوئی تھی۔ اہم بات یہ تھی کہ اس رات کے جملہ مسائل رات بھر میں نمٹ گئے تھے۔ جہانگیر کو نہ صرف آزادی مل گئی تھی بلکہ اس کے کولہے کی ہڈی کا اترا ہوا جوڑ بھی ٹھیک ہوچکا تھا۔ میں نے لی وانگ سے آزادی اور مکاؤ واپسی کا مخلصانہ وعدہ کرکے اپنے لیے جو دشواری پیدا کرلی تھی، لی وانگ نے خودکشی کرکے اس کا بھی ازالہ کردیا تھا۔ وہ زندہ رہتا اور مکاؤ واپس جاکر ڈون کوانگ فو کو میرے آزاد ہونے کا افسانہ سناتا تو کوانگ فو اس امر کی تائید کے لیے جمی لائیڈ سے رجوع کرتا۔ جمی لائیڈ کی تردید کے بعد کوانگ فو زیادہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ، میرے خلاف کوئی نیا محاذ کھول سکتا تھا۔ اس رات کا تیسرا سنگین مسئلہ سلطان شاہ کے اغوا کا تھا۔ یہ غنیمت کہ وہ ہم لوگوں کی کسی بڑی مہم جوئی کے بغیر خود بخود واپس آنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور ہمارے ذہنوں پر فوری طور پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔

ناشتے کے فوراً بعد ہی تمام کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر سونے کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ جہانگیر کے آجانے کی وجہ سے بندوبست میں ردّوبدل کرنا پڑا۔ ایک خواب گاہ غزالہ اور ویرا کے سپرد کردی گئی۔ دوسرے کمرے کی آرام دہ مسہری اس رات کے دونوں مظلومین یعنی سلطان شاہ اور جہانگیر کو سونپ دی گئی۔ میں ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔

روشنیاں گل ہوتے ہی میری آنکھوں میں نیند کا خمار چھانے لگا اور میں تیزی کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔ نیند کی آغوش میں جانے سے قبل آخری لمحات میں میرے ذہن میں موہوم سا ایک خیال ابھرا کہ ایس ٹی ایف کے عارف اور سرور کی غدّاری کے بعد فلیٹ کی حفاظت کے لیے باہر کوئی بھی متنفس موجود نہیں تھا اور میں بھی اس بارے میں اوّل خان کو یاددہانی کرانی بھول گیا تھا۔

میری آنکھ اس احساس کے ساتھ کھلی جیسے کوئی میرے سر پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں صوفے پر بے حس و حرکت پڑا رہا مگر پھر مجھے اندازہ ہوا

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ سونے سے قبل ہی اس کی گھنٹی کی آواز بہت دھیمی کردی گئی تھی لیکن اس مدھم آواز نے بھی مجھے گہری نیند سے بیدار کردیا تھا۔ گھنٹی نہ جانے کتنی دیر سے بجے جارہی تھی۔ میں کسل مندانہ انداز میں اپنی جگہ پر پڑا رہا۔

کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کی وجہ سے ڈرائنگ روم میں اندھیرا تھا لیکن پردوں کی جھریوں سے باہر پھیلی ہوئی روشنی کی کرنیں فرشی قالین پر لمبے لمبے اور باریک مستطیل بنارہی تھیں۔

گھنٹی وقفے وقفے سے بجتی ہی رہی تو میں نے بے زاری سے ریسیور اٹھالیا۔

ریسیور اٹھاتے ہی میں نے تقریباً دہاڑ کر ہیلو کہا تھا۔ جواب میں دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز نے امریکی لب ولہجے میں اپنا تعارف کرایا "میں جم کلارک بول رہا ہوں اور مس ویرا لائیڈ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مس ویرا لائیڈ یہاں نہیں رہتیں۔" میں نے سنبھل کر انگریزی میں کہا۔ پیٹر آرنیٹ اور ہیری کیسنجر کے واقعات فوراً ہی میرے ذہن میں تازہ ہوگئے تھے۔ شاید امریکی قونصل خانے والے ایک بار پھر ویرا کی تلاش میں سرگرداں ہوگئے تھے۔ پچھلی بار کے تلخ تجربات کی بنا پر ان کے معاندانہ عزائم کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو" دوسری طرف سے نہایت تحمل اور بردباری سے کہا گیا "اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ مکان مسٹر ڈینی کا ہے اور مس ویرا لائیڈ اکثر یہاں آتی رہتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا یہ اندازہ بھی درست نہیں ہے۔ یہ مکان ڈینی کی ملکیت نہیں ہے البتہ ڈینی اور ویرا کبھی کبھار یہاں آتے رہتے ہیں۔ چند روز کے لیے قیام بھی کرتے ہیں پھر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارا نام جاننے کی سعادت حاصل کرسکتا ہوں؟" شائستگی سے کہا گیا۔

وہ بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتا تھا اس لیے میں نے جھوٹ بولنے کے بجائے اسے حیران کرنے کے ارادے سے کہا "میرا نام ڈینی ہی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج میں اس گھر میں مہمان ہوں۔"

"اوہ! میں کتنا بڑا احمق ہوں" وہ میرے انکشاف پر لمحہ بھر کے لیے جھنجلا گیا مگر فوری طور پر سنبھالا لے کر بولا "یہ میری غلطی ہے کہ تمہیں تعارف کا موقع دیے بغیر مطلب کی بات پر آگیا۔ مجھے معلوم ہے کہ مس لائیڈ سے تمہاری گہری دوستی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں فوری طور پر اس سے مل سکوں؟"

"اس کا انحصار ویرا کی مرضی پر ہے۔ میری اس سے ملاقات ہوگی تو میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں یہاں کا فون نمبر کس نے دیا۔ یہ میری مستقل قیام گاہ نہیں ہے۔"

"مس ویرا لائیڈ ایک اہم امریکی شہری ہے۔ یہاں کا امریکی قونصل خانہ اس کے بارے میں باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے قونصل خانے کے ایک شناسا سے یہ نمبر حاصل کیا تھا لیکن افسوس....."

"تو کیا تم قونصل خانے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ میں پچھلی رات ہی نیویارک سے لندن ہوتا ہوا' یہاں پہنچا ہوں اور مس ویرا لائیڈ سے ملاقات کے بعد واپس لوٹ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں" وہ اپنی گفتگو سے ایک مہذب آدمی معلوم ہورہا تھا۔

"مناسب سمجھو تو اپنا کوئی فون نمبر یا پتا دے دو۔ ویرا چاہے گی تو تم سے رابطہ کرلے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ بہت سے لوگوں سے برگشتہ ہے۔ وہ نہ بھی چاہے تو تم اسے آمادہ کرنا کہ وہ مجھ سے بات ضرور کرلے۔ ہمارے مشترکہ مفادات کے لیے ایک ملاقات بہت ضروری ہے۔" اس نے میری خوشامد کرتے ہوئے کہا اور پھر اپنا فون نمبر لکھوادیا جو کلفٹن یا ڈیفنس کے علاقے کا تھا۔

"میں اسے جلد از جلد تمہاری خواہش سے مطلع کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ میرا نام سن کر بھڑک جائے۔ اسے بتادینا کہ میری آمد کا مقصد مخالفت نہیں' مصالحت ہے۔ میری ذات سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بڑوں نے اسے پوری آزادی دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"کن بڑوں کی بات کررہے ہو؟ ویرا ایک بڑے کے سوا کسی کو بھی نہیں مانتی۔"

"ہم لوگ ایک جمہوری معاشرے میں کام کرتے ہیں اور امریکی روایات کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم جس بڑے کی بات کررہے ہو' وہ خود بھی ہر معاملے پر اپنے مشیروں سے مشورہ ضرور طلب کرتا ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ اس کے مشیر کبھی بھی اس کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے۔ میں نے فون بحث کرنے کے لیے نہیں کیا ہے۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ ویرا کو میری خواہش سے مطلع کرکے' اسے مجھ سے بات کرنے پر آمادہ کرلینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے تمہارا پیغام نوٹ کرلیا ہے" میں نے فوراً ہی فون بند کردیا۔

اس وقت میری رسٹ واچ دن کے سوا بارہ بجارہی تھی۔ میں سیدھا غسل خانے کی طرف ہولیا۔

میں تازہ دم ہوکر باہر نکلا تو ویرا بھی بیدار ہوکر خواب گاہ سے باہر آچکی تھی۔

"ڈرائنگ روم میں تنہا شب بسری کے بعد بھی تمہیں غسل کی ضرورت پیش آگئی" اس نے داہنی آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے چوٹ کی اور میری کھوپڑی چیخ اٹھی۔

"لعنت ہو تم پر..... معلوم ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے بھی تمہارے دماغ میں شیطان گھسا رہتا ہے۔"

"لوگ اپنی بداعمالیوں کے بوجھ سے جان چھڑانے کے لیے شیطان کا سہارا لیتے ہیں ورنہ درحقیقت وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کس شیطانی مجبوری کے تحت سب سے پہلے بیدار ہوئے ہو؟"

"اپنے چہرے سے نیند کی نحوست دھو ڈالو تو یہ بھی بتادوں گا۔" میں منہ بنا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو جہانگیر بھی نیند سے بیدار ہوچکا تھا۔ اس نے کھڑکیوں کے پردے سرکانے کے بجائے بلب روشن کردیے تھے۔

"یار' ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ کولہے کا جوڑ ٹھیک ہوچکا ہے" مجھے دیکھ کر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "مجھے تو ان خبیثوں کے چنگل میں اپنی زندگی عذاب بنتی نظر آرہی تھی۔ اب تو درد بھی بہت کم رہ گیا ہے۔"

"اسکاچ نے درد نچوڑ لیا ہوگا" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "رات تم نشے میں بھیک مانگ رہے تھے۔"

اس کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی "ہوسکتا ہے کہ میری ذہنی رَو بہک گئی ہو۔ تم ان منحوس موٹوں پر قابو نہ پاتے تو وہ مجھے کنگال اور معذور کرکے مکاؤ لوٹ جاتے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کراچی جیسے شہر میں ایک مفلس لنگڑا کس طرح اپنا گزارہ کرسکتا ہے؟"

"بچوں کو پڑھا سکتا ہے' ٹیلی فون ایکسچینج پر بیٹھ سکتا ہے' بکنگ کلرک بن سکتا ہے اور کچھ نہیں تو کرسیاں ہی بُن سکتا ہے لیکن ہر ایک نے نہ جانے کیوں بھیک ہی کو معذوری کا واحد علاج سمجھ لیا ہے۔"

"ہزاروں ہٹے کٹے نوجوان بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں لیے نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوں تو معذوروں کو کون ملازمت دے گا؟ لیکن اب یہ باتیں ہی باتیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے گھر واپس لوٹنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس فلیٹ میں زیادہ ہی بھیڑ ہوگئی ہے۔"

"گھر سے نکالے ہوئے ملازمین کو واپس بلانے کی فکر کرو۔" میں نے تیزی سے کہا "اپنے سارے معاملات کو معمول پر لانے کے بعد سلمٰی کو لاہور سے واپسی کا پیغام دو۔ اس وقت تک تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ ہم لوگ مل جل کر گزر بسر کرلیں گے۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گنجائش ہو تو یہ فلیٹ بھی بہت بڑا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں اپنی عادتوں سے خائف ہوں" وہ ندامت سے بولا "کسی وقت زیادہ پی کر آپے سے باہر ہوگیا تو غزالہ بھابی میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔"

"فکر نہ کرو" میں نے بے پروائی سے کہا "تمہارا نیا ٹلا کوتا دہی دیا کرے گی تو کبھی آپے سے باہر ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ مجھے تمہاری حد کا اندازہ ہے۔ میں غزالہ کو سمجھادوں گا۔"

"ایسا نہ کرنا" وہ بوکھلا گیا "یہ تو اور بھی زیادہ بے عزتی کی بات ہوگی۔"

"پھر کچھ دنوں کے لیے پارسائی اختیار کرلو" میں نے اسے سمجھایا "تمہارے حق میں یہی بہتر رہے گا۔"

"شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اپنی گھریلو ناچاقیوں کی وجہ سے میں شراب کا عادی ہوچکا ہوں" وہ دل گرفتہ آواز میں بتانے لگا "شام کو سات بجے تک الکحل کی پہلی خوراک میرے خون میں تحلیل نہ ہو تو سارا بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور طبیعت میں اس قدر چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر ایک سے لڑ مرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔"

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور آہستگی سے کہا "شاید یہ ہمارے پرانے اعمال کا ثمرہ ہے۔ شی میں رہ کر ہم نے ان گنت نوجوانوں کو ہیروئن کا عادی بنایا تھا اور اب خود اس عذاب سے گزر رہے ہیں حالانکہ غلام یا عادی بنانے کے معاملے میں ہیروئن' الکحل سے کئی سو گنا زیادہ تیز ہے....."

"پرانی باتیں دہرا کر میرا دل خراب نہ کرو..... میں خود ہی فلیٹ کے کسی کونے کھدرے میں چھپ کر دو چار گھونٹ لے لیا کروں گا۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ ویرا بھی شراب پیتی ہے۔ جہاں پانچ میں سے تین پینے والے ہوں تو کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کتنی پی رہا ہے۔"

اس وقت تک سب لوگ بیدار ہوچکے تھے اور اس وقت ناشتے کے بجائے کھانے کی تیاری کے مسائل زیرِ بحث تھے۔ جہانگیر بھی باہر نکل گیا۔ وہ ان میں گھل مل کر پچھلی رات کی خفت مٹانے کی کوشش کررہا تھا۔

کچھ دیر بعد مجھے ویرا کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے امریکا سے آئے ہوئے جم کلارک کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا وہ نام سنتے ہی بری طرح چونک پڑی "وہ حرام زادہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا۔ فی الحال وہ تم سے ملنے کی آرزو میں مرا جارہا ہے۔"

"وہ خود بھی آئی مین ہے اور جمی لائیڈ کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ جمی لائیڈ بڑے معاملات عام طور پر اسی کو سونپتا ہے۔ پتا نہیں وہ یہاں کس چکر میں آیا ہے" ویرا اس کے بارے میں الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہوگئی اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی "اسے یہاں کا نمبر کیسے ملا؟ میرے بارے میں تم نے اسے کیا بتایا؟"

میں نے اپنی اور جم کلارک کی پوری گفتگو کا خلاصہ اس کے سامنے دہرادیا۔

"شائستگی اور شرافت اسے چھو کر بھی نہیں گزری" میری پوری بات سننے کے بعد ویرا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا "وہ انتہائی سفاک' بدزبان اور کمینہ شخص ہے۔ میں اس سے مل کر یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے لیکن یہ ملاقات اس

کی قیام گاہ پر نہیں بلکہ میری طے شدہ جگہ پر ہوگی۔"

"اس سے ملنے کا ارادہ ہے تو مل کر قصہ ختم کرو ورنہ یہ مسئلہ بھی بلاوجہ سر پر سوار رہے گا۔"

"میں اس سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں لیکن تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو" ویرا نے پیشکش کی۔

"تمہیں اپنی بے خوفی کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں تھی" میں نے ہنس کر کہا "تم جسے چاہو' تن تنہا ڈھیر کرسکتی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا تاکہ اس مہذب بھیڑیے کا دیدار کرسکوں۔"

گھر میں کھانا تیار کرنے میں سامان کی فراہمی اور وقت کا مسئلہ درپیش تھا اس لیے سلطان شاہ' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کسی اچھے ہوٹل کی تلاش میں نکل گیا۔ ہم تینوں چائے پیتے رہے۔

اس وقت تک میرے علاوہ کسی اور نے جہانگیر کو اس کی رات والی حرکتیں یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن غزالہ اور سلطان شاہ کے جاتے ہی ویرا کے چہرے پر شرارت ناچنے لگی۔

"تمہیں یاد ہے کہ اس فلیٹ میں رات بھر کیا ہوتا رہا ہے؟" ویرا نے جہانگیر سے پوچھا۔

"سب کچھ تو نہیں' کچھ کچھ یاد ہے" جہانگیر نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ ویرا کو دل و جان سے پسند کرنے کے باوجود اس سے سہما رہتا تھا۔ بار بار کی ملاقاتوں اور بے تکلفی کے باوجود وہ ان دنوں کی یاد اپنے ذہن سے کھرچ کر نہیں پھینک سکا تھا جب ویرا بلیک کوئن کے پُراسرار روپ میں ٹی کے کارندوں کے لیے وحشت و عتاب کی علامت بنی ہوئی تھی اور اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بڑوں بڑوں کا پتا پانی ہوجاتا تھا۔

"اپنے بارے میں بھی کچھ یاد ہے؟" ویرا نے حوصلہ افزا لہجے میں اسے چھیڑا۔

میں نے تیز نظروں سے ویرا کو گھورا مگر اس نے سر جھٹک کر مجھے نظر انداز کردیا اور جہانگیر کی طرف گھوم گئی "رات کو تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔ کیا وہی باتیں اس وقت پھر دہرا سکتے ہو؟"

جہانگیر نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر فوراً ہی سر جھکا لیا اور بولا "اگر تم کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔ پچھلی رات میں نے تمہاری وجہ سے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔"

"میری وجہ سے!" ویرا آنکھیں پھاڑ کے بولی "کیا میں نے تمہیں پینے کا مشورہ دیا تھا؟"

"شاید میں غلط بول گیا" جہانگیر نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرنے کی کوشش کی "میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تم میرے کمرے میں آگئی تھیں۔ ہم نے ایک پیگ ہی ساتھ لیا ہوگا کہ تم باہر چلی گئیں اور میں تمہاری واپسی کے انتظار میں بس پیتا ہی چلا گیا اسی چکر میں میرا نشہ ذرا گہرا ہوگیا۔"

"ہوں!" ویرا نے معنی خیز ہنکارا بھر کے کہا "میری واپسی کی امید میں تم نے بسیار نوشی کی تھی.... ارادے کیا تھے تمہارے؟ کہیں میرے کولھے کی ہڈی اتار کر اپنا بدلہ لینے کا ارادہ تو نہیں تھا؟"

جہانگیر بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا "تم اتنی اچھی ہو کہ تمہارے بارے میں کوئی غلط بات سوچی ہی نہیں جاسکتی۔ میں تو پیٹھ پیچھے بھی تمہاری تعریفیں کرتا رہتا ہوں۔ ڈینی میری اس بات کی تائید کرے گا۔"

"تم ہر خوبصورت عورت کی تعریفیں کرنے کے عادی ہوگئے ہو" میں نے غراتے ہوئے کہا "پیٹھ پیچھے اسے تل کر کھا جانے کے منصوبے بناتے رہتے ہو اور جب وہ عورت سامنے آتی ہے تو ہکلانے لگتے ہو۔ اس وقت شاید تم بھول رہے ہو کہ ویرا مارشل آرٹس میں مہارت رکھتی ہے۔ تم نے اس پر بری نظر ڈالی تو یہ تمہارا کولھا تو شاید نہ اتار سکے لیکن دو چار ہڈیاں نہایت اطمینان سے توڑ ڈالے گی۔"

"اچھی صورتوں پر سب ہی بری نظریں ڈالتے ہیں" ویرا نے ہنس کر جہانگیر کو مزید رگڑنے کی کوشش کی "بزدل بس دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ جن میں حوصلہ ہوتا ہے وہ پیش قدمی کر بیٹھتے ہیں۔ میری مار دھاڑ دشمنوں تک محدود رہتی ہے۔ دوستوں کے لیے میرا رویّہ بہت مختلف ہوتا ہے...."

"ڈینی بلاوجہ بات بڑھا رہا ہے' میں نے تمہارے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچی تھی" جہانگیر نے برا مان جانے کے انداز میں اپنی صفائی پیش کی "میں ایک معزز اور شادی شدہ آدمی ہوں۔ دوسری عورتوں کے بارے میں گھٹیا باتیں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"

"مس خان بھی یہی کہہ رہی تھی کہ بعض اوقات تم کسی ولی کی اولاد معلوم ہونے لگتے ہو......"

میری زبان سے اپنی آخری دریافت کا ذکر سن کر اُس کی ساری براہی رفو چکر ہوگئی اور وہ رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "وہ مس نہیں' مسز خان کہلاتی ہے۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے۔ میں اس سے بھی دور دور رہتا ہوں۔ ہمیں آپس میں ایسے تلخ مذاق سے گریز ہی کرنا چاہیے...."

"یہ مسز خان کون ہے؟" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے پوچھا۔ اسے باتوں ہی باتوں میں دلچسپی کا ایک نیا پہلو ہاتھ آگیا تھا۔ شراب اور عورتوں کے بارے میں جہانگیر کے ندیدے پن سے وہ پہلے ہی واقف تھی۔

"مسز خان پر لعنت بھیجو اور جم کلارک کو فون کرو" میں نے اس قصے کو ختم کرنے کی نیت سے جھلا کر کہا "میرا خیال ہے کہ ہمیں آج شام ہی اس سے مل لینا چاہیے۔ وہ بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کررہا ہوگا۔"

ویرا خشمگیں نظروں سے مجھے گھورتی ہوئی' فون کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے فون سننے کا اشارہ کیا اور اس نے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔

اپنا نام بتانے کے بعد وہ چند ثانیوں تک دوسری طرف کی بات سن کر اپنا سر ہلاتی رہی پھر خاموشی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ اس کا وہ انداز میرے لیے تعجب خیز ثابت ہوا۔

"اوّل خان کا فون تھا" ویرا نے مجھے مطلع کیا "سلطان شاہ کے اغوا میں ملوث مفرور مجرم منظور کالونی سے پکڑا گیا۔ اس چکر میں اوّل خان بہت زیادہ مصروف ہوگیا ہے موقع ملنے پر وہ بقیہ تفصیلات سے آگاہ کرے گا۔"

"غیر اہم اطلاع ہے" میں نے سر جھٹک کر کہا "سرور کو پکڑا ہی جانا تھا۔ تم جم کلارک سے بات کرو۔"

ویرا کئی منٹ تک اس سے گفتگو میں الجھی رہی۔ جہانگیر نے سرگوشیانہ آواز میں مجھ سے جم کلارک کے بارے میں پوچھا اور میں نے جل کر کہہ دیا کہ وہ ویرا کا منگیتر ہے۔ ویرا کے باپ نے اپنے طور پر جم سے ویرا کی منگنی طے کردی ہے۔

"یہ بہت برا ہوا" جہانگیر فکر مندانہ آواز میں بڑبڑایا "ویرا جیسی آزاد خیال لڑکی کے ساتھ یہ سراسر ظلم ہے۔"

"تم سلمٰی کو طلاق دے کر ویرا سے شادی کرلو" میں نے اسی جلے بھُنے انداز میں کہا۔

"ویرا مجھ سے کہاں شادی کرے گی" وہ حسرت زدہ آواز میں تقریباً کراہتے ہوئے بولا اور میں اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں جہانگیر کے قریب سے اٹھ کر ایک دور افتادہ کرسی پر جا بیٹھا۔

اس وقت ویرا کی موجودگی نے اس گھامڑ کی عقل بالکل ہی چوپٹ کرکے رکھ دی تھی۔ اس کے نزدیک سلمٰی کو طلاق دینے سے زیادہ اہمیت ویرا کی شادی پر رضامندی کی تھی جب کہ سلمٰی کچھ ہی عرصے قبل اپنے بطن سے اس کے اکلوتے بیٹے کو جنم دے کر اسے باپ کے مرتبے پر فائز کرچکی تھی۔

ویرا کی گفتگو کا آغاز اختتام تک ناخوشگوار ہی رہا۔ وہ فون بند کرکے میرے پاس آبیٹھی۔

ویرا ملاقات کو ٹال کر فون پر ہی جم کلارک کی آمد کا مقصد جاننا چاہ رہی تھی مگر وہ مل بیٹھنے پر مُصر رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ معاملات فون پر طے ہونے والے ہوتے تو اسے نیویارک سے کراچی تک دوڑ نہ لگانی پڑتی۔ پھر وہ اپنے گھر پر ملاقات پر اصرار کرتا رہا لیکن ویرا کو اس پر اطمینان نہیں تھا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد شام سات بجے اداری ٹاورز کے کسی کمرے میں ملاقات طے پائی تھی۔ کمرے کا انتخاب ویرا کی مرضی پر منحصر تھا۔ ملاقات میں میری شمولیت لازمی تھی۔

کچھ دیر بعد ہوٹل سے گرم اور لذیذ کھانے آگئے۔ ہم سب کے لیے صبح کا ناشتا اونٹ کے مُنہ میں زیرے سے زیادہ ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے پانچوں نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ برتن سمیٹتے ہی ویرا نے کارڈز کھیلنے کی خواہش ظاہر کی۔ میرا کوئی موڈ نہیں تھا ویسے بھی میرے سوا ان کی نفری مکمل تھی۔ وہ چاروں ڈرائنگ روم میں ہی ایک سینٹر ٹیبل کے گرد جم گئے اور میں ستانے کے ارادے سے ایک خواب گاہ میں جا گھسا۔

بستر پر دراز ہوتے ہی میرا ذہن ان حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف ہوگیا جن سے ہم دوچار تھے۔ واقعات اور کرداروں کا پھیلاؤ سمٹتے سمٹتے اچانک ہی بڑھنے لگا تھا۔ مدر مافیا کا خون آشام محتسب وجے کے روپ میں سامنے آکر مارا جاچکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کراچی میں ٹریڈ لائن کی آڑ میں چلنے والی مافیا کی بھرپور سرگرمیوں کے خاتمے کے سلسلے میں میرے اصل کردار کے تعین تک مدر مافیا والے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے لیکن مجھے یہ بھی توقع تھی کہ وجے کی موت کے بعد ان کی طرف سے فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی جاسکے گی۔ وہ اٹلی اور یورپ کے دیگر شہروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حبیب جیوانی کی موت کے بعد ان کے سارے مقامی رابطے منقطع ہوچکے تھے۔ ان کو فوری طور پر بحال کرنا آسان کام نہیں تھا۔

وجے مدر مافیا کا فرستادہ ہی نہیں' انڈین سیکرٹ ایجنٹ بھی تھا۔ پشاور میں اس کا دوسرا روپ ہی پہلے روپ پر حاوی نظر آیا تھا۔ اس حوالے سے کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ردِ عمل فطری تھا۔ موتی لال کی ابتدائی کوشش بدترین ناکامی سے دوچار ہوئی تھی لیکن وہ سلسلہ چل ہی پڑا تھا۔ پھر اچانک ہی جم کلارک میدان میں آکودا تھا۔ اس سے ملے بغیر اس کے عزائم کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن اس سے کوئی بہتر امید وابستہ کرنا خود فریبی سے کم نہ ہوتا۔

اسپیشل ٹاسک فورس میں کالی بھیڑوں کی چھانٹی کا ہم سے کوئی تعلق نہیں تھا' وہ اوّل خان کا دردِ سر تھا لیکن اس تنظیم سے اپنی جذباتی وابستگی کی بِنا پر میں اس کے بارے میں بھی فکر مند تھا پھر ایلن اور پیٹر کے ذریعے ملنے والی خبریں بھی تشویش ناک تھیں۔ ان دونوں کے ذریعے کرنل جیسی جونز جیسا عالمی دہشت گرد اور راس المیڈا جیسا متعصب صیہونی سرمایہ کار اور اس کی بنائی ہوئی تنظیم ڈیوڈ اسٹارز پاکستان کے حساس معاملات میں دلچسپی لے رہی تھی۔ تخریبی عناصر کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا بروقت سدِّباب کرنے کے لیے ان سب عناصر کو ہر وقت نگاہ میں رکھنا بہت ضروری تھا۔

اس وقت مجھے شدت سے خواہش محسوس ہوئی کہ کاش چینغا سرائے میں ملنے والے دونوں سفید فاموں سے میرا رابطہ منقطع نہ ہوا ہوتا۔ ایلن اور پیٹر سے میل جول برقرار رہتا تو مجھے ان کے پشت پناہوں کے بارے میں بہت سی خبریں مل سکتی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان دونوں نے کراچی کا رخ کیا تو وہ اپنے مفادات کی خاطر کسی نہ کسی طرح مجھ تک پہنچ ہی جائیں گے کیونکہ میں نے ان کے

سامنے خود کو بھی ان ہی کی مقامی برادری کے ایک اہم فرد کے روپ میں پیش کیا تھا۔

اس دوران میں ڈرائنگ روم سے وقفے وقفے سے ملے جلے قہقہوں اور پُرجوش قہقہوں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں مگر میں ان سب سے لاتعلقی اختیار کئے' اپنی سوچوں میں ڈوبا رہا۔

آخر کار ان چاروں کی کارڈز کی محفل برخاست ہوئی اور ویرا سیدھی اسی خواب گاہ میں گھس آئی۔ کھڑکی پر پڑے ہوئے پردوں کی وجہ سے اندر تاریکی تھی اس لیے ویرا نے سوئچ دبا کر بلب روشن کردیا۔

سکون پرور اندھیرے میں تیز روشنی پھیلتے ہی میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ ویرا بھی مجھے مسہری پر دراز دیکھ کر حیران رہ گئی اور بولی "یہاں اندھیرے میں چھپ کر کیا کررہے تھے؟"

"لوڈو کھیل رہا تھا" میں نے اطمینان سے کہا "کبھی تم بھی کوشش کرکے دیکھنا۔"

"تیار ہوجاؤ.... ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔ ہمیں سات بجے سے پہلے اواری ٹاورز میں ایک کمرا بھی بُک کراتا ہے۔ سنا ہے کہ عام طور سے وہاں رش رہتا ہے اور کمرے آسانی سے نہیں ملتے۔"

"یہ کام تم فون پر بھی کرسکتی تھیں۔ ادائیگی وہاں پہنچنے پر کردی جاتی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہاری موجودگی میں میرا دماغ کند ہوجاتا ہے" وہ مجھ مُنہ چڑا کر باہر نکل گئی۔

موسم کے لحاظ سے مجھے سوٹ پہننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک بھرے ہوئے پستول کو بغلی ہولسٹر میں چھپانے کے لیے کوٹ کی آڑ ضروری تھی۔ ویسے بھی شہر کے بڑے ہوٹلوں میں جون کی تپتی ہوئی شاموں میں شہر کے بہتیرے سمجھدار معززین گرم سوٹوں میں ملبوس نظر آتے ہیں اس لیے میں نے بے فکری سے سوٹ تن زیب کرلیا۔

ویرا ہلکے میک اپ میں تیار ہوکر دوسری خواب گاہ سے برآمد ہوئی تو غزالہ بھی اس شعلۂ جوالہ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے ہاتھ کے کام والے' باریک گلابی کرتے پر جینز پہنی ہوئی تھی' کانوں میں بڑے بڑے آویزے جھول رہے تھے اور داہنی کلائی میں کانچ کی چوڑیاں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس وقت ویرا مغربی حسن اور مشرقی معاشرت کا ایک دل فریب امتزاج پیش کررہی تھی۔

"ڈینی کے ساتھ شہر کی کسی تفریح گاہ کا رخ کرنے سے پہلے خود کو خاصا تیار کرنا پڑتا ہے" غزالہ کی تعریف پر ویرا نے بے پروائی سے کہا اور غزالہ کی گہری آنکھوں میں حسد و رقابت کی ایک تیز چمک ابھر کر فوراً ہی معدوم ہوگئی۔

"تمہاری مجبوری قابلِ فہم ہے" سلطان شاہ نے فوراً ہی ویرا کو مخاطب کرکے غزالہ کا بدلہ لے لیا "غزالہ 'ڈینی کے ساتھ باہر جاتی ہے تو کسی تیاری کے بغیر اس کی بیوی معلوم ہوتی ہے۔"

میں نے اس ہلکی سی تلخی کو اپنے بھرپور قہقہے سے اڑادیا اور ویرا کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

گاڑی میں کافی دیر تک سکوت چھایا رہا۔ جب ہم طارق روڈ عبور کرکے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کی سڑک پر پہنچے تو ویرا نے بوجھل آواز میں پوچھا "کیا سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا تھا؟"

"تم اس سرپھرے کی بات اب تک اپنے دل پر لئے بیٹھی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا "اسے تم نے خود ہی سر چڑھایا ہے۔ وہ منہ پھٹ ہے جو کہتا ہے' برداشت کیا کرو۔ اسے معلوم ہوجائے کہ تم نے اس کے مذاق کا اتنا گہرا اثر لیا ہے تو وہ خوشی سے بے قابو ہوکر ناچنا شروع کردے گا۔"

"میں سب کچھ تمہارے ہی لئے کرتی ہوں' اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ چکی ہوں...؟"

اس نے پچھلی شام کو جہانگیر کے گھر میں اپنی پہلی محبت کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا' وہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی "تم اپنے لئے بھی بہت کچھ کرتی رہتی ہو' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں اپنا دل خوش کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن اپنے ہر فعل کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر نہ ڈالو۔"

"میں سب کچھ تیاگ کر یہاں پڑی ہوں۔ کیا کرتی ہوں میں اپنے لئے؟" وہ جذباتی ہونے لگی۔

"تم سلطان شاہ سے کشتیاں لڑتی رہی ہو... دوسروں کو رجھاتی ہو۔ آج دوپہر ہی کو تم جہانگیر پر حد سے زیادہ مہربان ہونے لگی تھیں۔ ان حرکتوں سے تم ہی کو کوئی آسودگی ملتی ہوگی۔ مجھے تو....."

"شکر ہے کہ آج تم نے مجھ سے کوئی ذاتی سوال بھی کیا۔" اس نے میری بات کاٹ کر خوشی سے کہا۔ اس وقت اُس کا چہرہ کِھل اٹھا تھا "تم مانو یا نہ مانو' میں یہ سب بھی تمہارے لئے ہی کرتی ہوں' تمہیں جلانے کے لئے' تمہیں اشتعال دلانے کے لئے تاکہ تم مجھ سے کچھ پوچھو۔ مجھے ان اوچھی حرکتوں سے روکو لیکن تم ہمیشہ بے حس تماشائی کی طرح سب کچھ برداشت کرتے رہتے ہو۔ اس وقت میں یہ جان کر نہال ہوگئی ہوں کہ مجھے دوسروں سے بے تکلف ہوتے دیکھ کر تمہارے دل میں بھی کوئی پھانس سی چبھتی ہے۔ آدمی اسی سے توقع باندھتا ہے جس سے کوئی لگاؤ ہوتا ہے۔ آج مجھے اندازہ ہوا کہ تم بھی مجھے کچھ سمجھتے ہو۔ میں بلاوجہ ہی تم کو اپنی پہلی محبت قرار دے کر نہیں پوجے جارہی۔"

"میرا خیال ہے کہ پاکستان میں رہ کر تمہاری کایا پلٹ ہورہی ہے" میں نے ہنس کر کہا "حسد و رقابت' بازپُرس اور اعتراض یہ سب مشرقی آدابِ محبت ہیں۔ کمال ہے کہ تمہیں ان علامتوں کی طلب ستانے لگی ہے۔"

"محبت ایک آفاقی جذبہ ہے 'ڈینی!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ کائنات کے کسی گوشے میں بھی جنم لے' اس کا ایک ہی روپ ہوگا۔ مغرب میں بھی ہر روز محبت کے ہزاروں نہیں تو سیکڑوں افسانے جنم لیتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مغرب میں

...س کو بھی محبت کا نام دے دیا گیا ہے۔ ہوس ایک عارضی شعلے کی ...ح کسی اوباش انسان کے وجود میں بھڑکتی ہے اور یہ آگ چند ...حوں سے فوراً ہی سرد ہوجاتی ہے۔ آپس کی یا کسی اور سے اگلی ...ملاقات تک یہ شعلہ دوبارہ نہیں بھڑکتا۔ وہ اجنبی ہوجاتے ہیں۔ ...نے آپ سے اور ایک دوسرے سے۔ اسے محبت نہیں کہتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ بہت دور کی اور گہری بات ہے۔ اس پر تو ایک عظیم الشان مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم موضوع بدلنے کی کوشش کررہے ہو۔ اصل بات سمجھ لینے کے بعد تم میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی ہے کہ مجھ سے بحث کرسکو۔ تمہاری یہ بے ہمتی بھی ایک طرح سے میری جیت ہی ہے۔"

"میں تم سے اختلافِ رائے نہیں کرسکتا۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم اواری ٹاورز کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ ہم نے اپنے ذہنوں کو محبت کے سحر سے آزادی نہ دلائی تو جم کلارک ہمیں بھون کر کھاجائے گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی "بہانے تلاش کرنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ تم اپنے تجویز کئے ہوئے مقالے کے لئے کچھ عملی مواد فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کرو تو میں جم کلارک سے ملاقات کا ارادہ ملتوی یا منسوخ بھی کرسکتی ہوں۔"

"ایسا نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "جم کلارک تمہارے باپ کو فوراً ایک جوابی مقالہ روانہ کردے گا۔"

ویرا کا موڈ بدل گیا اور میری جان میں جان آئی ورنہ وہ میرے لئے ایک عذاب بھی بن سکتی تھی۔

"تم بیم گن تو ساتھ لائے ہو نا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے چونک کر پوچھا "میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔"

"دماغ پر محبت کا وائرس سوار ہوجائے تو عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے" میں نے اسٹیئرنگ سے کھیلتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو۔ میرے پاس بیم گن کے علاوہ ایک بھرا ہوا پستول بھی موجود ہے لیکن میں اس ہوٹل میں محاذ آرائی کے حق میں نہیں ہوں۔ کسی گڑبڑ کے بعد ہمارا یہاں سے نکلنا دشوار ہوجائے گا۔"

"ہوٹل سے نکلنے کی تو بات ہی نہ کرو۔ میں نے کمرا مسٹر اور مسز کمال کے نام سے مخصوص کرایا ہے۔ جم کلارک کے چلے جانے کے بعد ہم کمرے میں ہی رہیں گے۔ اب فلیٹ سے نکل آئے ہیں تو ایک رات کسی ہوٹل میں بھی سہی۔ صبح فلیٹ واپس لوٹ جائیں گے۔ ہماری غیر حاضری جم کے کھاتے میں جائے گی۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

میرے دماغ کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا کے عزائم خطرناک تھے اور مجھے ابتدا سے ہی ان کے سدِباب کی تیاری کرنی تھی۔

اس وقت تک ہوٹل کے ریمپ پر پارکنگ کی جگہ نظر آرہی تھی اس لئے میں گاڑی نچلی منزل پر واقع پارکنگ لاٹ میں لے جانے کے بجائے اوپر لیتا چلا گیا۔ آگے ہال میں کمپیوٹروں کی کوئی نمائش جاری تھی۔ وہاں سے گزر کر ہم ہوٹل کی وسیع اور خوب صورت لابی میں داخل ہوئے تو پتلون اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس ایک لمبا تڑنگا غیر ملکی شناسائی کے انداز میں ویرا کی طرف لپکا۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

ویرا نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کئے بغیر محض "ہائے جم" کہہ کر اُس کا استقبال کیا' کمال کے نام سے میرا تعارف کرایا اور آہستہ آہستہ لفٹ کی طرف چل دی۔ میں کاؤنٹر کی طرف ہولیا۔

اندراجات اور ادائیگی کے مراحل سرعت سے طے ہوگئے اور پورٹر ساتویں منزل کے ایک کمرے کی چابی لے کر میرے آگے آگے ہولیا۔ پیچھے سے ویرا' جم کے مقابلے میں بونی معلوم ہورہی تھی۔

لفٹ میں' مَیں نے ذرا غور سے جم کا جائزہ لیا۔ تنگ پیشانی والے پھیلے ہوئے چہرے سے ٹپکنے والی خباثت دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ اس کے چوڑے شانوں کے اختتام پر کسرتی بازو اس کی جسمانی طاقت کی غمازی کررہے تھے۔ اس کا سینہ بھی شانوں کی طرح کشادہ اور پھولا ہوا تھا۔ قامت میں وہ کسی طرح سوا چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جسمانی طور پر میرے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔

کمرا بہت صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ پورٹر نے ٹپ کی امید میں کچھ غیر ضروری جھاڑ پونچھ کی' کمرے میں موجود سہولتوں کے بارے میں بتایا اور دس روپے کا نوٹ لے کر شکریہ ادا کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

ویرا نے بے پروائی سے ایک صوفے میں دھنس کر سگریٹ سلگائی پھر تحکمانہ لہجے میں بولی "ہاں جم! شروع ہوجاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ نیویارک سے تم کیا کہانی لے کر آئے ہو؟"

"مال کی سخت ضرورت ہے" جم نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کامن مارکیٹ کے ملکوں کے بارے میں پلان تیار ہے لیکن کہیں سے مطلوبہ مقدار میں مال دستیاب نہیں ہے۔ اس وقت باس کو تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"مجھے باس کی ضروریات سمجھانے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے خشک لہجے میں اسے ڈانٹ دیا "میں یہاں شی کی نمائندگی کررہی ہوں۔ مجھے وہی کرنا ہے جو کہا جارہا ہے مگر موجودہ حالات سازگار نہیں ہیں۔"

"کیا مشکلات ہیں؟" اس بار جم کلارک کا لہجہ بھی کاروباری ہوگیا تھا۔

"ہم لوگوں کے ہٹ جانے کے بعد بہت سے مقامی خریدار میدان میں آگئے۔ ان میں مسابقت اور چھوٹی مقدار میں خریداری کی وجہ سے دام بہت بڑھ چکے ہیں۔ سپلائی کا مربوط نظام تباہ ہوچکا ہے۔ تم جگہ جگہ سے ایک ایک اور دو دو کلو ہیروئن جمع نہیں

کرسکتے۔ اس میں بے پناہ خطرات اور اخراجات پوشیدہ ہیں۔"

"ہمارے بعد مافیا یہاں کام کرتی رہی ہے...." جم کلارک خاصی تیاری کے ساتھ آیا تھا لیکن ویرا نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر درشت لہجے میں کہا۔

"مافیا اب قصۂ پارینہ ہوچکی ہے۔ یہاں کے ہیروئن سازوں کی سیاست نے اسے تباہ کردیا۔ جب تک میں مافیا سے ٹوٹے ہوئے بڑے سپلائرز تک رسائی حاصل نہیں کرلیتی' مال کے بارے میں کوئی ذمّے داری قبول نہیں کرسکتی۔"

"مجھے بتاؤ' میں ان لوگوں سے رابطے قائم کرلوں گا" جم کلارک نے کہا۔

"کیا میں ان تک نہیں پہنچ سکتی جو تمہیں بھیجنا پڑے" ویرا اس وقت ایک تند خو' گروہ بند مجرمہ کے روپ میں نظر آرہی تھی۔ "یہاں کچھ مشکلات ہیں۔ مافیا کا قصہ تازہ ہے۔ سارے افغان سپلائرز روپوش ہیں اور اپنا مال چھوٹی لاٹوں میں مقامیوں کو بیچ رہے ہیں۔ وہ سیاحوں اور مسافروں کے علاوہ ڈاک سے بھی مال اسمگل کررہے ہیں۔ مرکزیت ختم ہوچکی ہے۔ جب تک یہ حالات ختم نہیں ہوں گے' ہمارے قدم دوبارہ نہیں جم سکیں گے۔ پھر مقامی کھپت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔"

"کیا مقامی منڈیوں سے مال نہیں سمیٹا جاسکتا؟" جم کلارک نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"بے ہودہ سوال ہے" ویرا نے منہ ٹیڑھا کرکے حقارت سے کہا "مال سے زیادہ وزن کاغذوں اور پلاسٹک کی تھیلیوں کا ہوگا۔ یہاں نوّے فیصد تک ملاوٹ ہورہی ہے۔ پانچ گرام کی تھیلی یا پڑیا میں صرف آدھا گرام ہیروئن ہوتی ہے بقیہ اس کا ہم رنگ سفوف ہوتا ہے۔ باہر کی منڈی اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ ملاوٹ کے لئے استعمال ہونے والے بعض سفوف زہریلے ہیں جو خود بھی نشہ آور دھواں خارج کرتے ہیں۔ ملاوٹ والے اس نشے سے یہاں والوں کو مرنے دو۔ اس مال کو سمیٹا تو منڈیوں میں ہماری ساکھ تباہ ہوجائے گی۔ اس سے بہتر ہوگا کہ ہم کسی بھلے وقت کا انتظار کریں۔"

"کابل جاکر بھی کچھ نہیں کیا جاسکتا؟" جم کلارک سخت جوابات سننے کے باوجود سوال کرنے سے باز نہیں آرہا تھا۔

"کابل اور جلال آباد میں اب کچھ نہیں رہا۔ تمام سودے سرحدی پٹی میں ہوتے ہیں جہاں دن رات موت کا راج ہے۔ ان لوگوں نے بے شمار دلّالوں کے ذریعے مہینوں آگے تک تیار ہونے والی ہیروئن کے چھوٹے چھوٹے سودے کئے ہوئے ہیں۔ وہ غیرملکیوں کو دھوکا دے سکتے ہیں' مقامیوں سے چال بازی کرکے زندہ نہیں رہ سکتے۔ بڑے سودے کے لالچ میں تم نے کسی کو رقم دی تو وہ ڈوب جائے گی اور مال ہرگز نہیں مل سکے گا۔"

جم کلارک ایک گہرا سانس لے کر پہلی بار سفّاکانہ انداز میں مسکرایا اور بولا "باس کا یہی اندازہ تھا کہ تمہارے پاس حالات کی مایوس کردینے والی تصویر کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ اب اس کو باہر بھیج دو تاکہ میں تم سے تخلیے میں کچھ راز کی باتیں کرسکوں باتیں باہر کے کسی آدمی کے سامنے نہیں کی جاسکتیں۔"

"یہ میرے ساتھ آیا ہے اس لئے باہر کا آدمی نہیں ہے" اسے خشمناک نظروں سے گھور رہی تھی "دوسری بات یہ کہ آدمی نہیں' مسٹر کمال ہے۔ میں اسے تم سے متعارف کرا ہوں۔"

"تم کہتی ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ باس نے بتایا تھا کہ تمہارے آس پاس ہی منڈلا تا رہتا ہے۔"

"آگے بکو' کیا کہنا چاہ رہے تھے" غصے سے ویرا کے تنفس رفتار تیز ہوگئی۔

"ویرا! یہ مت بھولو کہ میں بھی ایک آئی مین ہوں" وہ زخمی چیتے کی طرح غرّایا۔

"اپنی حد میں رہ کر بات کرو گے تو عزت پاؤ گے ورنہ تمہیں ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دوں گی۔ اس وقت میری تحویل ایک سے زیادہ سلور آئیز ہیں...." وہ اپنی بات پوری نہیں کرسکی

وہ سفّاکانہ انداز میں ہنس پڑا اور بولا "وہ مسروقہ ہیں۔ میں ہی کی بات کرنے والا تھا۔ باس' ڈیبی سے واپس ملنے والی سلور کی فوری واپسی چاہتا ہے۔ میں انہیں واپس لے جانے کے لئے ہوں۔"

"وہ میرا اور جمی لائیڈ کا ذاتی معاملہ ہے۔ واپس لوٹوں سلور آئیز خود اسے دوں گی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ مان ہی نہیں سکتی کہ اس نے تمہیں ایسی کوئی ہدایت دی ہوگی۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا۔ تم جانتی کہ جم کلارک اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتا ہے۔"

"شٹ اپ! میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی" ویرا آپے باہر ہونے کے بجائے سرد لہجے میں بولی "شاید تمہارا حافظہ کمزور اور تم میرے بدخواہوں کا عبرت ناک انجام بھول گئے ہو۔"

"تنظیم میں وہی ہوگا جو باس چاہے گا۔ تم اپنے ذاتی حوالے سے مجھے مرعوب نہیں کرسکتیں۔ اس وقت جمی لائیڈ کے اختیارات مجھے حاصل ہیں اور میں سپر آئی مین کی حیثیت سے بات کررہا ہوں۔ اب کہو کہ تم میرے مطالبے کے جواب کیا کہنا چاہتی ہو" جم کلارک نے سرد اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

اس کے الفاظ پر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا مگر خاموش رہا۔

"جمی لائیڈ تم جیسے کمینے شخص کو اپنے اختیارات تفویض نہیں کرسکتا۔" ویرا نے بے اعتمادی سے کہا۔

"یہ اس کی مرضی نہیں' مجبوری تھی۔" جم کلارک کا جواب مختصر اور مبہم تھا۔

"کک... کیا اسے معزول کردیا گیا ہے؟" ویرا لمحہ بھر کے لئے ہراساں ہوگئی۔

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم اپنے نتائج خود اخذ کرسکتی ہو۔ اس وقت کی اٹل حقیقت یہ ہے کہ ثی کا سپر آئی مین تمہارے روبرو موجود ہے اور تم سے مسروقہ سلور آئیز کا مطالبہ کررہا ہے۔" وہ جم کر بولنے لگا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ میرا باپ کہاں ہے؟" ویرا سے اچانک ہی صبروضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"اسے وھائٹ ہاؤس کے باہر گولی ماردی گئی" جم کلارک کے الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گرے۔ بے یقینی اور صدمے سے ویرا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میرے باپ کو گولی ماردی گئی.... مگر کیوں؟ اس کا قصور کیا تھا؟" ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"اس نے صدر سے ہونے والے خفیہ مذاکرات کو ٹیپ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اور یہ اتنا کھلا راز ہے کہ تم بھی اس سے واقف ہو" ویرا اس خبر پر یقین نہیں کرپارہی تھی۔

"میں جمی لائیڈ کا جانشین ہوں اس لئے یہ جانتا ہوں۔ امریکا میں سیکڑوں لوگ اس سے زیادہ اہم باتیں جانتے ہیں لیکن ان کے حق میں اپنے حلفیہ بیان کے سوا کوئی قابلِ قبول ثبوت پیش نہیں کرسکتے اس لئے ان کا جاننا یا نہ جاننا یکساں ہے۔ جمی لائیڈ کا قصور یہ تھا کہ اس نے ثی کے معاملات میں صدر کے کردار کا ایک ثبوت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ صدر نے خود وہ ٹیپ اس کے لباس سے برآمد کرکے آتش دان میں ضائع کیا اور ایک فون کے بعد بے اعتنائی سے اسے رخصت کردیا۔ باہر کوئی نامعلوم نشانے باز اس کا منتظر تھا۔ بلٹ پروف کار کے اترے ہوئے شیشے سے گزرنے والی گولی نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا۔ بڑی مہم جوئی کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تم یہ سب مجھے بتارہے ہو تو اب مجھے ماربھی دوگے۔" ویرا سنبھلنے کی کوشش کررہی تھی۔

"ضروری نہیں... تم ان باتوں کو کبھی ثابت نہیں کرسکو گی۔ ساری حکومتیں اپنے اقتدار کے لئے آئین اور قانون کی سنگین ترین خلاف ورزیاں کرتی ہیں۔ بہت سے لوگ اس بارے میں جانتے ہیں مگر خاموش رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے اقدامات کے سارے ثبوت منظّم انداز میں مٹادیے جاتے ہیں۔ تم کرنل قذافی کو بتادو۔ وہ ساری دنیا میں چیختا رہے مگر کون یقین کرے گا کہ ہمارے صدر کا ثی سے کوئی رابطہ ہوسکتا ہے۔"

"واٹرگیٹ اسکینڈل...." میں نے پہلی بار زبان کھولی اور اس نے فوراً ہی میری بات اچک لی۔

"اس میں ثبوت چھوڑنے کی غلطی کی گئی تھی اور حکومت کو جانا پڑا۔ سب کے منہ پر سیاہی مل دی گئی۔ ایسی لغزشیں روز روز نہیں کی جاتیں۔ میں یہاں یہ سب بتانے نہیں آیا" وہ ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "جمی لائیڈ کی موت کے بعد تم بے جا رعایتوں کا حق کھو بیٹھی ہو۔ ثی کے لئے سلور آئیز اس کے دستور کی طرح اہم ہیں۔ فی الحال سلور آئیز لوٹادو۔ تمہارے مستقبل کا فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا۔"

میں نے اچانک ہی بیم گن نکال کر اس پر تان لی "مگر تمہارا فیصلہ ابھی ہوگا۔"

"اسے رکھ لو" وہ زہریلی آواز میں بولا "تم میری تلاشی لے کر اطمینان کرسکتے ہو کہ میں غیرمسلح ہوں۔ نیچے سی آئی اے کے دو تجربے کار ایجنٹ اپنے مقامی ساتھیوں سمیت موجود ہیں۔ تم دونوں میرے بغیر نیچے گئے تو وہ تمہیں گھیر کر مار ڈالیں گے۔ اپنی جانیں بچانے کے لئے تم مجھے زندہ رکھنے پر مجبور ہو۔ میں بلاوجہ ہی اس کمرے میں نہیں چلا آیا ہوں۔"

میرے بدن کے مسامات سے یک بیک پسینہ پھوٹ پڑا۔ صورتِ حال یک بیک بہت پیچیدہ رخ اختیار کرگئی تھی۔

"سلور آئیز میرے ساتھ یہاں موجود نہیں ہیں" ویرا کی عقل کام کررہی تھی۔

"وہ جہاں ہیں' مجھے وہیں لے چلو۔ میرے آدمی خاموشی سے پیچھا کرتے رہیں گے۔"

"اسے کسی ویرانے میں لے چلو۔ یہاں...." ویرا نے اچانک میری طرف مڑ کر اردو میں کہا لیکن جم کلارک نے ڈپٹ کر اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا۔

"خاموش رہو' یہاں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات نہیں کی جائے گی۔"

"ویرا تمہاری تلاشی کے بارے میں پوچھ رہی تھی" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ پھر ویرا سے مخاطب ہوکر بولا "ہوشیاری سے اس کی جامہ تلاشی لے ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہو اور موقع پاکر تمہیں اپنی ڈھال بنانے کی کوشش کرے۔"

"میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کروں گا" جم کلارک نے یقین دہانی کرائی اور کسی روبوٹ کی طرح اپنے ہاتھ پیر پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کی جامہ تلاشی شروع کردی۔ میں جم کلارک کی کسی متوقع حرکت کے جواب میں اس کی کھوپڑی پر بیم گن چلانے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ وہ اتنا تندرست اور دراز قامت تھا کہ ویرا کو بے بس کرکے بھی اپنے پورے جسم کو اس کی آڑ میں نہیں چھپا سکتا تھا۔

ویرا نے کئی بار اس کی تلاشی لے ڈالی لیکن ہتھیار کے نام پر اس کی جیبوں سے بلیڈ تک برآمد نہیں کرسکی اور آخرکار واپس اپنی جگہ پر آگئی "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"آخر تمہیں اتنا اعتماد کیوں ہے کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟" میں نے اپنی حیرت دور کرنے کے

لئے جم کلارک سے پوچھا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں مارنے کے لئے ہم اپنی جانوں کی پروا بھی نہ کریں۔"

"ایسے قتل کے لئے کوئی طاقت ور محرک یا جذبہ ذرکار ہوتا ہے" وہ اپنی دانست میں ہماری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا "اور مجرموں میں یہ محرک یا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔ ہر عادی مجرم اپنی زندگی کا پہلا جرم صرف زندہ رہنے کے لئے کرتا ہے پھر جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ جو شخص محض زندہ رہنے کے لئے جرم کا ارتکاب کر بیٹھے' اسے اپنی جان بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ یوں کہو کہ وہ موت سے ڈرنے لگتا ہے۔ بڑے سے بڑا مجرم بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈرپوک اور کمزور ہوتا ہے۔ میں تم دونوں سے اور تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میری طرح تم دونوں بھی عادی مجرم ہو۔ کسی مضبوط محرک اور جذبے سے خالی.... اپنی جانوں کا خطرہ مول لے کر تم مجھے مار ہی نہیں سکتے۔"

وہ جرائم کی دنیا کا گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ مجرمانہ فطرت اور نفسیات پر لکھی گئی ضخیم ترین کتابوں کا علمی نچوڑ تھا۔ اس سے چُوک بس یہ ہوئی تھی کہ اس نے اپنے منصوبے کی بنیاد ہمارے ماضی پر رکھی تھی' اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم جرائم کو خیرباد کہہ کر کسی بڑے مشن پر کام کررہے تھے۔

جمی لائیڈ کی موت کی خبر ملنے سے پہلے میری نگاہ میں ویرا کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ وہ ایک طاقت ور اور بارسوخ مجرم کی اکلوتی ناجائز اولاد تھی اور اپنے من مانے انداز میں زندگی گزارنے کی عادی تھی۔ اس نے کسی آوارہ پنچھی کی طرح اڑان لیتے لیتے میرے آشیانے میں بسیرا کرلیا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب تک میرے ساتھ رہے گی۔ پچھلی شام اس نے جہانگیر کے گھر میں نشے میں ڈوب کر جو کچھ کہا تھا وہ بھی مجھے زیادہ متاثر نہیں کرسکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ رنگین پنچھی دل بھرنے تک میرے ساتھ رہے گا اور جس دن اس کا دل یکسانیت سے اکتا جائے گا' کسی نئے ٹھکانے کی تلاش میں آسمان کی بے کراں وسعتوں میں پرواز کرجائے گا۔ لیکن اس کی یتیمی کی خبر سنتے ہی میں اپنے پر اس کی سلامتی کا بوجھ محسوس کرنے لگا تھا۔ اب وہ ارب پتی باپ کی اکلوتی بیٹی نہیں رہی تھی۔ ایک یتیم و بیسر دوشیزہ بن گئی تھی جو درندوں کے غول میں گھری ہوئی تھی۔ اسے بچانا میرا فرض تھا۔ میں نے اسے چارا بنانے کے ہر خیال کو سوچے بغیر مسترد کردیا۔ جم کلارک کی لائی ہوئی ایک خبر نے ویرا کو میری ساری ہمدردیوں کا مستحق بنادیا تھا۔ ویرا نے اردو میں اس نابنجار کو کسی ویرانے میں لے چلنے کا مشورہ دے کر مجھے ایک راہ سجھادی تھی اور میرا ذہن مسلسل اس راہ پر کام کررہا تھا لیکن اس وقت فوری مسئلہ ہوٹل سے نکلنے کا تھا۔ میں نے چند ثانیوں تک ہوٹل کی لابی کے نقشے کے بارے میں سوچا پھر اپنا داہنا ہاتھ' بیم گن سمیت کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"اب میرا داہنا ہاتھ یوں ہی رہے گا۔ بیم گن کا نوزل تمہاری طرف ہوگا۔ ہمیں کوئی خطرہ محسوس ہوا یا تمہارا کوئی آدمی ہمارے قریب آیا تو میں بے دریغ ٹریگر دبادوں گا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"اور تم بھی سن لو کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کرکے تم پاتال میں بھی زندہ نہیں رہ سکو گے۔ تم قانون کے باغی ہو' تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ سی آئی اے کے ایجنٹ ایک بار تمہیں دیکھ لیں تو مریخ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور بے دردی سے ماردیں گے۔ وہی ہونا چاہئے جو طے ہوا ہے" اس کے اعتماد میں ذرا سی بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ قدرے توقف کے بعد پھر بولنے لگا۔ "اس کمرے میں اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ میرے اندازوں کے عین مطابق ہے۔ ویرا نے ہیروئن کی فراہمی سے معذوری ظاہر کرکے یہ ثابت کردیا کہ وہ اب شی کی وفادار نہیں ہے۔ اسے مفاہمت کی راہ پر لانے کے لئے مجھے جمی لائیڈ کی موت کی خبر سنانی پڑی۔ اب میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ طے کیا ہے وہ بھی پہلے سے سوچا سمجھا تھا۔ میں اپنے دونوں آدمیوں کو یہ سب بتا آیا تھا اس لئے سمجھوتے کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے... پہلے تم نکلو" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "تمہارے پیچھے جم باہر نکلے گا۔"

وہ مختصر سی سہ نفری قطار کمرے سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

میں نے اسے ہوٹل سے نکال لے جانے کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے کرلیا تھا۔ اس بارے میں جم کلارک خود بھی تعاون کررہا تھا۔ اس نے اپنے پورے منصوبے کی بنیاد ایک غلط مفروضے پر رکھی تھی۔ اس اعتبار سے وہ جمی لائیڈ سے بدرجہا حقیر شخص تھا۔ جمی لائیڈ میرے ہی نہیں' اپنے ہر حریف کے بارے میں تازہ ترین معلومات رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے مل کر کام کررہا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ میں پاکستان کی کسی نہ کسی ایجنسی کے ساتھ کام کررہا تھا۔

جم کلارک کو میرے بارے میں بس وہی کچھ معلوم تھا جو کسی زمانے میں جمی لائیڈ نے اسے بتادیا ہوگا۔ وہ بعد میں پیش آنے والی تبدیلیوں سے بالکل بے خبر تھا۔ جمی لائیڈ کی ہلاکت کے بعد اس نے شی کی سربراہی کا منصب ضرور سنبھال لیا تھا لیکن وہ جمی لائیڈ کی کھوپڑی میں موجود' معلومات کے ذخیرے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس وقت جم کلارک کی وہ ناکامی میرے لیے بڑی کامیابی کی کلید بن سکتی تھی۔

جم کلارک غیر مسلح تھا لیکن ہوٹل کی لابی میں اس کے پانچ مسلح محافظ موجود تھے۔ میں نے اپنا پورا یقین کرلیا تھا کہ وہ بالکل نہتا تھا۔ ایسی صورت میں پانچ مسلح آدمیوں کے بارے میں اس کے دعوے پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان پانچوں میں سے دو امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ تھے۔ یہ امر یقینی تھا کہ وہ جم کلارک کی حفاظت کے لیے جدید ترین ہتھیاروں اور وافر میگزین سے لیس ہوتے۔ ان کے تین مقامی مددگاروں کا اسلحہ اس کے علاوہ ہوتا۔ ان لوگوں کی مضبوط پوزیشن کے مقابلے میں میرے پاس صرف دو ہتھیار تھے۔ ایک بیم گن اور دوسرا پستول جب کہ ویرا اسلحے لیے بغیر ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیم گن اپنی ہلاکت خیزی کی بنا پر بہت اہم اور مؤثر تھی لیکن اس کی تباہی کا دائرہ بہت محدود تھا۔ کسی بند احاطے میں بیم گن سے ہاتھی کو بھی گرایا جاسکتا تھا لیکن کھلے میدان میں بیم گن اپنی محدود رینج کی وجہ سے ناکارہ ہوکر رہ جاتی۔ پستول یا ریوالور کی گولی کے مقابلے میں بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی ہولناک شعاعوں کی مار بہت کم تھی۔ اس سے صرف دست بدست جنگ میں ہی حیران کن نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔ اس لیے ہماری کل پونجی ایک پستول پر مشتمل تھی جس کے میگزین میں صرف سات گولیاں موجود تھیں۔

اگر میں جم کلارک کو لے کر کسی ویرانے کی طرف نکل کھڑا ہوتا تو اس کے پانچوں آدمی شکاری کتوں کی طرح ہمارے پیچھے لگے رہتے اور پھر ویرانے میں ہمیں گھیر لیتے۔ پستول کی صرف سات گولیوں سے میں انہیں کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ کسی بھی باقاعدہ تصادم کا آغاز ہونے کے بعد وہ سات گولیاں زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔ ان گولیوں کے ختم ہونے کے بعد ہم دونوں حقیر چوہوں کی طرح پکڑے جاسکتے تھے۔ اس ذہنی تجزیے کے بعد میں نے کسی کھلے ویرانے کا رخ کرنے کا ارادہ یکسر منسوخ کردیا تھا۔

اس وقت ہم جم کلارک کو مسروقہ سلور آئیز کی واپسی کی امید دلا کر اپنے ساتھ لے جارہے تھے اس لیے آسانی کے ساتھ کسی محفوظ عمارت کا رخ بھی کرسکتے تھے۔ ہمارے پاس صرف دو ٹھکانے تھے جہاں ہم جم کلارک کو کسی دقت کے بغیر اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے۔ پہلی اور آسان صورت یہ تھی کہ ہم جہانگیر کے وسیع اور ویران مکان کی طرف نکل جاتے جہاں ادھیڑ عمر چوکیدار کے سوا کسی اور متنفس کی موجودگی کا امکان نہیں تھا' لیکن وہاں جانے میں خطرہ یہ تھا کہ اتنے بڑے مکان کے ہر حصے پر نظر رکھنا ہم دونوں کے لیے دشوار ہوتا۔ ہم وہاں جہانگیر کے ہتھیار بھی استعمال کرسکتے تھے لیکن نفری کی کمی کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ باہر سے کوئی مدد آنے سے پہلے ہی جم کلارک کے پانچوں ساتھی جہانگیر کے گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتے تو ہمارے بچاؤ کی تمام راہیں مسدود ہوسکتی تھیں۔

لے دے کر شرف آباد کا فلیٹ ہی رہ جاتا تھا جہاں ہمارے تین قابلِ اعتماد مددگاروں کے علاوہ کچھ ہتھیار اور فاضل میگزین بھی موجود تھے اور فلیٹ تک رسائی کا صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر جم کلارک کے ساتھی زیادہ دیر تک قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ فلیٹ پہنچنے کے بعد جم کلارک کو آسانی سے بے دست وپا کرکے ہم اس کے حامیوں کو وہاں سے بھاگ نکلنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

لابی میں لفٹ سے باہر نکلتے ہوئے' میں نے عقابی نظروں سے وہاں موجود لوگوں کا جائزہ لیا لیکن جم کلارک کے ساتھیوں کی نشان دہی میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں جم کلارک کے بائیں پہلو سے لگ کر نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔ ویرا ہمارے پیچھے تھی۔

"تمہیں اپنی گاڑی سے چلنا ہوگا" باہر نکلنے کے بعد جم نے آہستہ سے کہا "میں سی آئی اے والوں کی گاڑی سے آیا تھا۔ وہ ان ہی کے استعمال میں رہے گی۔"

میں نے غیر ارادی طور پر مڑ کر دیکھا تو ہمارے دور نکل آنے کے بعد مردوں کی ایک ٹولی ہوٹل سے باہر آرہی تھی۔ ان میں مقامیوں کے ساتھ غیر ملکی بھی تھے۔ جم کلارک کو کور کیے رکھنے کی

کوشش کی وجہ سے میں ان لوگوں کی بس ایک جھلک ہی دیکھ سکا جو شناخت کے لیے ناکافی تھی۔

"میرے ساتھی چاہیں تو تمہیں راستے میں گھیر کر بھی مجھے آزادی دلا سکتے ہیں لیکن تم دیکھو گے کہ وہ کوئی مداخلت کیے بغیر تمہارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ جوں ہی تمہاری نیت میں فتور آیا' وہ موت کے فرشتوں کا روپ دھار لیں گے۔"

"تمہاری نیت اب بھی وہی ہے جو شروع میں تھی" میں نے خشک لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ تم ہمیں کسی بدعہدی پر اکسانے کی کوشش کررہے ہو تاکہ تمہارے آدمیوں کو ہم پر ٹوٹ پڑنے کا اشارہ مل سکے۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" وہ بے پروائی سے بولا "اس وقت مجھے صرف سلور آئیز سے غرض ہے۔ ایک بار وہ دونوں مقدس سکے مل جائیں تو از سرِنو تمہارے بارے میں سوچوں گا۔ فی الحال میں سلور آئیز حاصل کرنے کے لیے تمہیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوں۔ تم میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں اپنا کام نہیں بگاڑوں گا۔"

کار میں جم کلارک کے لیے میرے برابر والی پسنجر سیٹ ہی موزوں تھی۔ ویرا پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی تو میں نے پھرتی سے اپنا بغلی ہولسٹر خالی کرکے' بھرا ہوا پستول اسے تھما دیا۔ ویرا کے بیٹھ جانے کے بعد میں گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف والے دروازے پر گیا اور فوراً ہی اندر بیٹھ گیا۔

اس اثنا میں ہمارے پیچھے آنے والے دو ٹکڑیوں میں بٹ چکے تھے۔ دو مقامی آگے چلے آرہے تھے اور ایک مقامی فٹ پاتھ کے سہارے لگی ہوئی دیوہیکل لینڈ روور کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے دو مہذب سفید فاموں کی گردنیں ہماری طرف گھومی ہوئی تھیں۔

ان کا جائزہ لینے کے لیے میں نے بالکل بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ بس اپنی گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے جو کچھ دیکھ سکا' وہ دیکھ لیا اور انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھا دی۔

مجھے خیال آیا کہ شرف آباد میں ہمارا فلیٹ گنجان آباد علاقے میں واقع تھا۔ وہ پانچوں غیر معمولی بے جگری کا مظاہرہ کیے بغیر فلیٹ میں گھسنے کی کوشش نہیں کرسکتے تھے۔ جب تک انہیں جم کلارک کے ساتھ کسی گڑبڑ کا یقین نہ ہو جاتا' وہ گلی میں رک کر داخلی راستے کی نگرانی کرتے رہتے۔ اگر ہم فلیٹ میں پہنچتے ہی اوّل خان کو اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کردیتے تو وہ اپنی نفری کے ساتھ اس گلی کی ناکا بندی کرکے ان پانچوں خبیثوں پر تگڑا ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ ان پانچوں کی اصلیت جان لینے کے بعد اسے ان کو مار ڈالنے میں بھی کوئی تردد نہ ہوتا۔

گاڑی کو ریمپ کی ڈھلان کے آخری سرے سے بائیں طرف موڑتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں جھماکا ہوا۔

اوّل خان کو فون کرنے یا بلانے کے بجائے میں براہِ راست اسٹیشن فور بھی جا سکتا تھا۔ وہاں کا بیشتر عملہ مجھے جانتا تھا۔ باہر سے وہ ایک وسیع رہائشی بنگلا معلوم ہوتا تھا۔ اندر پہنچنے سے پہلے جم کلارک کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہ ہو پاتا کہ وہ بے خبری میں کیسی بھیانک دلدل میں پھنسنے جارہا ہے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی ایس ٹی ایف کے مسلح جوان اپنے بھیانک کھیل کا آغاز کرسکتے تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ غیر متوقع حملے کا سامنا کرتے ہی' جم کلارک کے ساتھی حواس باختہ ہو کر بچ نکلنے کی کوشش کرتے اور آسانی سے مار لیے جاتے۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے افسوس ہونے لگا کہ اسٹیشن فور کی راہ مجھے پہلے کیوں نہ سوجھی لیکن اس وقت بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ میں نے طمانیت کے گہرے احساس کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف جانے والے راستے پر کار موڑلی اور رفتار میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ اس وقت تک فضا میں گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا اس لیے عقب نما آئینے میں صرف گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آرہے تھے۔ کسی گاڑی کو شناخت کرنا ناممکن ہوگیا تھا لیکن پھر بھی ہیڈ لیمپس کی بلندی اور ان کے کشادہ درمیانی فاصلے سے میں نے بھانپ لیا کہ جم کلارک کے ساتھیوں کی لینڈ روور اور ہماری گاڑی کے درمیان صرف ایک کار حائل تھی۔

"جمی لائیڈ کے قتل کا واقعہ کب پیش آیا تھا؟" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"جٹ لیگ کی وجہ سے وقت کا تصور گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے" جم کلارک بولا "یوں سمجھ لو کہ یہ واقعہ یہاں کے وقت کے مطابق پرسوں سہ پہر یا شام کو رونما ہوا ہوگا۔"

"اس نے مجھے کبھی پیار سے بیٹی کہہ کے نہیں پکارا" ویرا دل گداز آواز میں کہنے لگی "عملاً مجھے اکلوتی بیٹی کا لاڈ پیار دیتا رہا لیکن عمر بھر حقیقت سے آنکھیں چراتا رہا۔ کبھی میں اس کو پوجنے لگتی تھی اور کبھی اس سے اتنی نفرت ہونے لگتی تھی کہ اس کا منہ نوچ لینے کو جی چاہتا تھا.... لیکن خون کے رشتے اٹل ہوتے ہیں.... انہیں حد سے بڑھا ہوا اختلاف بھی نہیں مٹا سکتا۔ میرے فرشتوں کو بھی واشنگٹن میں پیش آنے والے خون آشام واقعے کا علم نہیں تھا لیکن کل میں اداس تھی۔ میں نے بہت شراب پی تھی.... خواہ مخواہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رووں۔ اندر کے اس خالی پن میں' میں ڈینی سے بہت سی باتیں کرتی رہی۔ میرے اندر ٹوٹ پھوٹ ہورہی تھی۔ میں نے کل شام پہلی بار کسی مرد کے سامنے اپنی شکست تسلیم کی تھی۔ شاید قدرت مجھ سے وہ سب کہلوا رہی تھی اور میں اپنی رو میں ڈینی سے بہت کچھ کہے جارہی تھی...."

"حیرت کی بات ہے کہ ڈینی کو اپنی محبت کا ثمر اتنے عرصے بعد ملا" جم کلارک نے اس کی بات کاٹ کر بے رحمانہ انداز میں کہا۔ "تم دونوں کا رومان تو مدتوں سے چل رہا ہے۔ حیرت ہے کہ ڈینی نے تمہاری سنگ دلی سے مایوس ہو کر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"شٹ اپ!" ویرا نے مضمحل سی آواز میں اسے ڈانٹا "تم لوگوں کے نزدیک محبت کسی تفریح گاہ سے شروع ہو کر بستر پر ختم ہو جانے والے ایک عارضی تعلق کا نام ہے... تم اقرار و انکار کی نزاکتوں کو محسوس ہی نہیں کرسکتے۔ مادی ماحول کی چکاچوند میں تم انسانی جذبوں کی پہچان کھو چکے ہو..."

"تم اس طرح مجھے مطعون کررہی ہو جیسے تمہارا تعلق ہمارے بجائے کسی اور قوم یا سیارے سے ہو" جم کلارک نے استہزا کے ساتھ کہا "امریکا میں اب کسی کے پاس اتنا وقت نہیں رہا کہ دوسروں کے جذبوں کی چھان بین کرتا پھرے۔ وقت کی قیمت ڈالروں میں ہوتی ہے۔ اسے فضول کاموں میں برباد نہیں کیا جاسکتا۔ رومیو اور جولیٹ والی سست رفتار محبت کے زمانے لد گئے۔ یہاں رہ کر تم قنوطی ہوگئی ہو۔ اپنے ماحول میں واپس لوٹوگی تو تمہاری پرانی سوچ پھر زندہ ہو جائے گی.... وہاں بہتیرے لوگ آج بھی تمہاری فیاضیوں کو یاد کرتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اس مٹی سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا جو پیار سے خالی ہے۔ شاید میرا وہ لاشعوری فیصلہ درست ہی تھا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اپنے باپ کے قتل کے بعد میرے لیے وہاں کیا رکھا ہے۔ جمی لائیڈ کی دولت و حشمت صرف اس لیے تھی کہ وہ شی کا سپر آئی مین تھا۔ جس لمحے اس سے وہ اعزاز چھین کر' اسے خون میں نہلایا گیا' وہ ایک عام آدمی کے درجے سے بھی نیچے گر گیا۔ اب وہ سب تمہارا ہے۔ ایک دن یوں ہی تمہارا سر بھی اتار لیا جائے گا۔ کالا دھن کسی سے وفا نہیں کرتا۔ یہ اسی کا ہوتا ہے جو اس پر قابض ہوتا ہے۔ وہاں جا کر محرومیوں کا عذاب سہنے سے بہتر ہوگا کہ میں کچھ سمجھوتوں کے تحت یہاں رہ جاؤں۔ یہاں کے مفلس' میلے اور جاہل لوگ اب بھی مجھے زیادہ اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ان میں رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے" ویرا بار بار کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جیسے راستے کے بارے میں فکر مند ہو۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ امریکا میں تمہیں کسی محرومی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جمی لائیڈ تمہارا باپ تھا مگر تمہیں محبت نہیں دے سکا۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں ہوں لیکن تمہیں بے پناہ پیار دوں گا۔ میرے لیے..."

"حد سے نہ بڑھو' جم!" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم سے پیار کرنے سے بہتر ہے کہ میں کریہہ صورت والا ایک بل ڈاگ پال لوں۔ شاید تم میرا وہ تھپڑ بھول گئے جو تمہاری ایک بے ہودہ جسارت کے جواب میں تمہارے رخسار کو گرما گیا تھا۔ میں اس وقت بھی نتائج کی پروا کیے بغیر ایک اور تھپڑ رسید کرسکتی ہوں۔"

"اچھی طرح یاد ہے" جم کلارک کی آواز تلخ ہوگئی "میں تم سے اس کی قیمت ضرور وصول کروں گا.... ان دنوں تمہارے ستارے عروج پر تھے' اب میرا وقت ہے۔ میں تم سے حساب بے باق کرلوں گا۔"

ان دونوں کی گفتگو میں ماضی کی تلخیاں گھلنے لگی تھیں۔ میں فوراً ہی دخل اندازی کر بیٹھا "میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے واشنگٹن میں جمی لائیڈ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تشہیر کیوں کی ہے۔"

"دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے سزا اور انتقام کی تشہیر ضروری ہوتی ہے" وہ فوراً ہی ویرا کو بھول کر میری طرف متوجہ ہوگیا "یہ نہ سمجھو کہ میں ہر جگہ اس واقعے کا اعلان کرتا پھر رہا ہوں۔ خانہ پری کے لیے ایف بی آئی والے اس وقت بھی جمی لائیڈ کے قتل کی سرگرمی سے تحقیقات کررہے ہوں گے مگر چند لوگوں کو اندر کی باتوں کا علم ہے۔ میں ان میں شامل ہوں۔ ویرا کا ان حقائق سے باخبر ہونا ضروری تھا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں تم دونوں کے سوا کسی کو جمی لائیڈ کی ذات میں دلچسپی نہیں ہوگی۔ کوئی بھی شخص تمہاری بات سمجھ ہی نہیں سکے گا۔ آخر میں پھر ثبوت کی بات آجاتی ہے۔ مان لو کہ میں نے تمہیں اصل بات بتا کے کوئی غلطی یا غداری نہیں کی۔ یہ میرا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔"

"ٹھیک ہے!" ویرا اسے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔ "یہاں لاکھوں افراد کو اس واقعے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی مگر امریکی قونصل خانے کے افسران میری بات دھیان سے سنیں گے۔ واشنگٹن کے لیے یہ بات بہت دلچسپ ہوگی کہ شی والا جم کلارک کراچی میں صدر کے بارے میں کیا کچھ کہتا رہا ہے۔"

"واشنگٹن والوں کے پاس ایسی خرافات پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا۔ امریکا ایک جمہوری ملک ہے۔ جہاں ہر ایک کو شخصی آزادیاں حاصل ہیں۔ لوگ ملک اور حکومت کو گالیاں تک دیتے رہتے ہیں۔ میری بات پر توجہ اسی وقت دی جائے گی جب میں اپنی کہانی کے ساتھ کوئی ثبوت بھی سامنے لاؤں۔ بالفرض میرا کوئی حاسد تمہاری بات کو ہوا دینے پر تل جائے تو میں اپنے بیان سے مکر کر سارا الزام تمہارے سر ڈال سکتا ہوں۔ جمی لائیڈ تمہارا باپ تھا۔ اس کے کسی ہمدرد نے تم کو فون پر خبر دی ہے کہ تمہارے باپ کو صدر نے مروایا ہے اور تم اپنے جاننے والے ہر امریکی سے اس خبر کی تصدیق کرنے کی کوشش کررہی ہو۔ تمہارے مقابلے میں شی کے سربراہ کی بات زیادہ توجہ سے سنی جائے گی۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اب تم دونوں کو مجھ سے سمجھوتا کرنا ہوگا۔ تم دونوں اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہو کہ میرے لیے کام کرو۔ میرے لیے کام کرنے کی صورت میں تم میری کسی ہدایت سے انحراف نہیں کرسکو گے۔ مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ شی کے منحرفین کی سزا صرف موت ہے۔ ڈینی کی چالاکیاں بھی اسے نہیں بچا سکیں گی۔"

"تم نے بہت اچھی طرح اپنی بات واضح کردی" میں اسٹیشن فور پہنچنے تک اسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا "جمی لائیڈ صرف ایک نام بن کر شی پر راج کررہا تھا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ویرا نے لاہور کے لائیڈز کامیج کے ایک کباڑ خانے میں پہلی بار جمی لائیڈ کی ایک بوسیدہ قلمی تصویر دیکھی تب اسے علم ہوا تھا کہ اس کا باپ اور جمی لائیڈ ایک ہی شخص کے دو روپ ہیں لیکن تم

نے خود کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"جمی لائیڈ بزدل تھا۔ اس نے دنیا کی سب سے مہنگی تفریح گاہوں میں آزادی سے رنگ رلیاں منانے کے لیے خود کو پردے میں رکھا ہوا تھا۔ میں سامنے رہ کر کام کروں گا۔ میرے لیے کام ہی تفریح ہے۔"

"دشمن بہت آسانی سے تمہاری بُو پر لگ جائیں گے" ویرا نے مضطربانہ انداز میں کہا "وہ نہایت آسانی سے تمہیں اس اسٹیشن پر پہنچادیں گے جہاں چار تک گنتی مکمل ہونے سے پہلے آدمی مارا جاتا ہے۔"

ویرا کے الفاظ پر میں چونک پڑا۔ وہ میرے منتخب کیے ہوئے راستوں کے بارے میں پہلے سے پریشان تھی لیکن اب شاید بھانپ گئی تھی کہ میں کدھر جارہا تھا۔ بظاہر وہ جم کلارک سے بات کررہی تھی لیکن اس کے الفاظ میں میرے لیے ایک سوال پوشیدہ تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے بارے میں تصدیق کی خواہاں تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے اسی گفتگو کے تسلسل میں ویرا کے سوال کا جواب دے دیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "دیکھے بھالے سربراہ کے مقابلے میں اسرار کے پردوں میں لپٹے ہوئے نامعلوم باس کی دہشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے دوسرے ساتھی سے چوکنا رہتا ہے کہ کہیں وہی اس کا باس نہ ہو۔"

پُرسکون اور نیم خوابیدہ سڑک پر ہماری منزل قریب آگئی۔ اس سڑک پر ٹریفک کم تھا لیکن دو گاڑیاں قدرے فاصلے سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت ایس ٹی ایف کی کوئی بڑی گاڑی پھاٹک سے باہر موجود نہیں تھی۔ میں نے کار کی رفتار کم کرنی شروع کردی۔

پیچھے آنے والوں کی رفتار بھی دھیمی ہونے لگی۔ میں نے گاڑی بائیں طرف موڑ کر پھاٹک کے سامنے روکی اور ہارن بجادیا۔ تعاقب کرنے والی گاڑیاں رینگتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ اس نازک مرحلے پر میرے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز سے تیز تر ہونے لگی تھیں۔

ہارن کے جواب میں سیاہ آہنی پھاٹک کے ایک حصے میں مختصر سی چوکور کھڑکی نمودار ہوئی۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی گاڑی کی کیبن لائٹ جلادی تاکہ جھانکنے والے کو مجھے پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

میری وہ کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ چوکور کھڑکی غائب ہوگئی اور وزنی بولٹ سرکنے کی قدرے تیز آواز کے بعد پھاٹک اندر کی طرف کھول دیا گیا۔ پھاٹک کھولنے والے گن مین کو جم نے بے آرام نگاہوں سے گھورا تھا۔

اندر پورچ میں تین گاڑیاں موجود تھیں جن میں دو جیپیں شامل تھیں۔ ایس ٹی ایف کی تمام گاڑیوں پر غیر سرکاری نمبر پلیٹیں استعمال کی جاتی تھیں لیکن ان گاڑیوں کی فوجی سج دھج فوراً توجہ کا مرکز بن جاتی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی اندر بڑھائی تو جم کلارک نے پہلی بار بے چینی سے اپنی نشست میں پہلو بدلا اور درشت آواز میں غرّایا "یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

"اسٹیشن فور!" میں نے اس سے زیادہ غرا کر جواب دیا اور وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

پھاٹک سے پورچ تک کا فاصلہ بمشکل چند ثانیوں کا تھا لیکن ان چند ثانیوں میں یکے بعد دیگرے متعدد واقعات رونما ہوتے چلے گئے۔ ویرا چلتی کار کا دروازہ کھول کر باہر کود گئی اور اوّل خان کو فوراً وہاں بلانے کا مطالبہ کرنے لگی۔ لان پر ستانے والے متعدد کارکن ہڑبڑا کر اپنی جگہوں سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ کوئی نیکر اور بنیان میں ملبوس تھا، کوئی صرف پتلون پہنے ہوئے تھا۔ متعدد رنگ برنگے لباس بھی نظر آرہے تھے۔

جم کلارک کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے اسٹیئرنگ میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ گاڑی لہرا کر برآمدے کی طرف چلی مگر میرا پیر بھی... ایکسلریٹر پر سے ہٹ گیا۔ گاڑی ہلکے سے جھٹکے سے اچھلی اور انجن بند ہوگیا۔ میں جم کلارک کے دیوہیکل وجود کو دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایس ٹی ایف کے ستانے والے اہل کاروں نے لمحہ بھر کے لیے اس منظر کو حیرت سے دیکھا پھر کئی آدمی کار کی طرف بڑھ آئے۔ اس دوران میں جم کلارک میرے سر پر ٹکریں رسید کرکے میرا گلا دبوچنے کی سرتوڑ کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اس کے جبڑوں پر اندھا دھند مکے رسید کرکے کامیاب نہیں ہونے دیا۔

ایس ٹی ایف والوں نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا اور جم کلارک کی ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی مویشی کی طرح باہر گھسیٹنے لگے۔ میری طرف والی کھڑکی میں سے بھی کسی نے پوری طاقت سے اس کے چہرے پر گھونسے مارے، وحشیانہ کراہوں کے ساتھ جم کلارک نے میرے شانے چھوڑدیے۔

ٹانگوں پر ہونے والی زور آزمائی کے نتیجے میں جم کلارک منہ کے بل گیئر لیور پر گرا اور بلبلا اٹھا لیکن باہر والوں نے رحم کا کوئی مظاہرہ کیے بغیر اسے باہر گھسیٹ لیا۔ سیٹ سے لپٹنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اگر وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر نہ جماتا تو ایک زبردست جھٹکے سے فرش پر گر کر اپنے کئی دانت گنوا بیٹھا ہوتا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جم کلارک غیر معمولی طاقت اور جسامت کا مالک تھا لیکن ایس ٹی ایف والے بھی اپنے کام میں طاق تھے۔ تین آدمیوں نے اسے فرش پر ہی دبوچا اور اس کی پشت پر سوار ہوگئے۔

"ہتھیار سنبھالو!" میں گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولا "باہر سفید لینڈ روور اور سرمئی سوک میں پانچ آدمی منڈلا رہے ہیں۔ انہیں بھی گھیر کر پکڑنا ہے۔"

شاید ویرا اس بارے میں پہلے ہی شور مچا چکی تھی۔ اسٹیشن فور میں افراتفری پھیل گئی اور چند ہی ثانیوں میں ہر ایک کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی خودکار ہتھیار نظر آنے لگا۔ اس صورتِ حال نے مجھے

بوکھلا کر رکھ دیا۔ وہاں کافی مسلح نفری دستیاب تھی، ہدف بھی موجود تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس کو کہاں مامور کیا جائے۔ اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ منظم جنگی حکمتِ عملی تیار کرنے کے لیے پیشہ ورانہ مہارت ناگزیر ہوتی ہے۔

ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے لیے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ایک شخص نے خود ہی بقیہ لوگوں کی کمان سنبھال لی۔ تین آدمی احاطے کی دیوار کی طرف چلے گئے۔ دو آدمیوں کو چھت پر بھیج دیا گیا۔

"صاحب کو فون کردیا ہے.... وہ گھر سے نکل رہے ہیں" ایک شناسا چہرہ مجھے وہ خبر دے کر مکان کے عقبی حصے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اوّل خان کے موجود نہ ہونے کے باوجود، اس کے آدمیوں نے مجھے پہچان کر بھرپور کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔

اچانک فضا میں چند بوکھلائی ہوئی، تحیر زدہ آوازیں ابھریں۔ میں تیزی سے پلٹا تو جم کلارک کسی طرح اپنے حریفوں کو جل دے کر بھاگ نکلا تھا۔ اس کا رخ پھاٹک کی طرف تھا۔ وہ پوری قوت سے دوڑتا ہوا ایک نیکر پوش کے قریب سے گزرا اور اس نے اپنی رائفل کی نال پکڑ کر اسے کسی لاٹھی کی طرح جم کلارک کے سر پر دے مارا۔ رائفل کا چوبی دستہ کھٹ کی آواز کے ساتھ جم کی کھوپڑی سے ٹکرایا اور وہ تیورا کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اسے دبوچنے والے مضبوط ڈوری کی لچھی سمیت وہاں آموجود ہوئے اور تیزی سے اس کے ہاتھ پیر باندھنے لگے۔

اس وقت تک اسٹیشن فور میں جو کچھ ہوا تھا وہ بہت پُرشور نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جم کلارک کے ساتھیوں کو اندر کی صورتِ حال کا ادراک نہ ہوسکا ہوگا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال ناقابلِ یقین سی معلوم ہورہی تھی کہ ٹی جیسی طاقت ور ریاستی تنظیم کا سربراہ جو اپنے فرائض کے سلسلے میں براہِ راست اپنے ملک کے صدر کو جواب دہ تھا، کسی حقیر چوپائے کی طرح اسٹیشن فور کے احاطے میں باندھا جارہا تھا۔

میں نے قریب جاکر دیکھا تو جم کلارک کے سر کے زخم سے بہنے والا خون اس کے بالوں میں پھیلتا جارہا تھا۔

"اسے باندھ کر کسی کمرے میں مقفل کردو!" میں نے اسے باندھنے والوں کو ہدایت دی اور سگریٹ سلگا کر برآمدے کی طرف ہولیا۔ مجھے فکر یہ تھی کہ ہم لوگ ایک مضبوط چاردیواری میں محفوظ تھے لیکن اوّل خان گڑبڑ کی خبر سن کر ادھر آرہا تھا۔ اسے باہر بھٹکتے ہوئے پانچ بھیڑیوں کے بارے میں نہیں بتایا جاسکا تھا۔ پھاٹک کے سامنے اپنی گاڑی روکتے ہی وہ ان درندوں کی کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن سکتا تھا۔

ریڈیائی آلات اور فون وغیرہ کی دیکھ بھال پر مامور آپریٹر نے یہ بتا کر مجھے تشویش میں مبتلا کردیا کہ اس وقت اوّل خان کے پاس کوئی لاسلکی اپریٹس نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے گھر کا نمبر ملایا تو وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ یعنی اسے خطرے سے خبردار کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔

میں اضطرار اور پریشانی کے عالم میں دوبارہ باہر نکل گیا۔ وہاں ویرا، ایس ٹی ایف کے عارف نامی اہل کار سے کسی سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھی۔ اس وقت عارف ہی نے جملہ کارروائیوں کی کمان سنبھالی ہوئی تھی۔

مجھے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ دونوں خاموش ہوگئے اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"دوربینوں سے ان دونوں گاڑیوں پر نگاہ رکھی جارہی ہے" میرے قریب پہنچنے پر عارف نے آگاہ کیا "وہ سامنے والی گلیوں میں ایک دوسرے سے دور ہیں۔ لینڈ روور میں رائفل کی نال کی جھلک بھی دیکھی گئی ہے۔"

"وہ باہر تیار ہیں اور ہم اندر محصور۔ یہ جمود کیسے ٹوٹے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر بعد ان کا صبر جواب دے جائے گا اور کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا" میں نے کہا "فی الحال مجھے یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ اول خان اسٹیشن فور میں اندر کے حالات کی خبر سن کر گھر سے روانہ ہوچکا ہے اسے باہر کے خطرے کا علم نہیں ہے اور اس کی گاڑی میں وائرلیس بھی نہیں ہے۔"

"عارف کا خیال ہے کہ باہر نکل کر ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی جائے" ویرا مجھے بتانے لگی "ہوسکتا ہے کہ زیادہ دیر ہونے کے بعد وہ خاموشی سے لوٹ جائیں اور رات کی تاریکی میں زیادہ تیاری کے ساتھ یہاں حملہ آور ہوں۔ اسی وقت ان کی کمر توڑ دی جائے تو یہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"وہ ہر قیمت پر جم کلارک کو نکال لینا چاہیں گے" میں نے اسے یاد دلایا "تم بھول رہی ہو کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں، ٹی جیسی طاقت ور تنظیم کا نیا سربراہ ہے۔ ایک بار مار کھا کر بھی وہ ہمت نہیں ہاریں گے۔ دوسری بلکہ تیسری کوشش بھی کرسکتے ہیں۔ ہاں، یہ فائدہ ضرور ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ ایک بار باہر نکل جائیں تو ان سے چھیڑ چھاڑ کے ساتھ ہی اول خان کو راستے میں خطرے سے آگاہ کرسکتے ہیں۔"

میرے جواب سے عارف خوش ہوگیا "ابھی ابھی میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"دو گاڑیوں میں کچھ آدمیوں کو پوری تیاری کے ساتھ باہر نکالو" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔

"انہیں زندہ پکڑنا ہے یا مجبوری ہو تو ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے؟" عارف نے پوچھا۔

"پہلی صورت بہتر ہوگی لیکن ان کے فرار سے موت بہتر رہے گی" میں نے اٹل لہجے میں جواب دیا۔

"اور ہاں" ویرا اسے روک کر بولی "پوری تیاری کا مطلب لباس کی تبدیلی نہیں بلکہ ہتھیاروں اور فاضل میگزین کے ذخائر سے ہے۔ جو جس لباس میں ہے، جلد از جلد اسی میں چل پڑے۔"

"میں سمجھتا ہوں مس!" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور ان کی طرف چل دیا۔

"اب ہم دونوں یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے؟" میں نے ویرا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"انتظار اور باتیں" ویرا میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔ "مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اپنے باپ سے محبت کرتی تھی لیکن اس کے ناگہانی قتل کی خبر نے مجھے اندر سے خالی اور اداس کردیا ہے۔"

"گھر چل کر اپنا غم غلط کرلینا" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "بڑے کھیل میں نقصان بھی بڑا ہی ہوتا ہے۔ شاید جمی لائیڈ نے سوچا ہوگا کہ وہ صدر کی کمزوری کا کوئی ناقابلِ تردید ثبوت حاصل کرلے تو اس کے سہارے عمر بھر ٹی کا بے تاج بادشاہ بنا رہ سکتا ہے۔ اقتدار کی جنگ میں جسے تخت نہیں ملتا پھر اس کا تختہ ہوجاتا ہے۔"

"شاید تخت یا تختہ اسی کو کہتے ہیں" اس کی آواز میں اداسی تیر رہی تھی "شاید میرے باپ کی موت میں جم کلارک کا کوئی قصور نہ ہو لیکن میں اس سے شدید ترین نفرت میں مبتلا ہوتی جارہی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ میں اپنے مقتول باپ کے جانشین کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کروں اور پھر اس کی بگڑی ہوئی لاش امریکی قونصل خانے کے آگے ڈلوادوں تاکہ وہ لوگ ایک بڑے باپ کی بیٹی کا وہ رنگین تحفہ اپنے صدر کو بھیج سکیں۔"

"وہ ان کا نہیں، تمہارا بھی صدر ہے" میں نے اسے چھیڑا۔

"عزت سے اس کا نام لو۔"

"کرسی پر بیٹھنے کے بعد کوئی کسی کا نہیں ہوتا" ویرا تلخی سے بولی۔

اسی وقت عارف نے آواز لگائی کہ اس کے آدمی تیار تھے۔

"میرا خیال ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاؤں۔ موقع پر موجود رہ کر میں ان کی کچھ رہنمائی بھی کرسکوں گا۔" میں نے عارف کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"پھر میں اکیلی یہاں رہ کر کیا کروں گی.... میں دوسری گاڑی میں بیٹھ جاؤں گی" وہ بھی میرے پیچھے ہولی۔

دونوں جیپیں روانگی کے لیے تیار تھیں۔ ہر جیپ میں ڈرائیور سمیت تین نفوس تھے۔ میں اگلی جیپ میں سوار ہوگیا۔ وہ مکمل آہنی باڈی والی بند اور محفوظ جیپیں تھیں۔ ڈرائیور کے برابر والے شخص کے ہاتھ میں لمبے میگزین والی خودکار رائفل تھی۔ جو آناً فاناً میں ہر طرف موت ہی موت پھیلا سکتی تھی۔ پچھلی سیٹ پر میرے برابر میں بیٹھے ہوئے نیکر پوش کے پاس لمبی رینج کی رائفل تھی جس سے کافی دور کا نشانہ لے کر فائر کیا جاسکتا تھا۔

"سر، سیٹ کے نیچے سے ایک کلاشنکوف آپ بھی لے لیں۔" بنیان اور نیکر میں ملبوس رائفل بردار نے مجھے مشورہ دیا اور میں نے بلاتوقف اس پر عمل کرڈالا۔ اس دوران میں ویرا دوسری جیپ میں غائب ہوچکی تھی۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے، پھاٹک کھولے اور ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر ان کے رخ موڑے گئے پھر سب افراد دور ہٹ گئے تاکہ پھاٹک کھلنے پر باہر سے انہیں نہ دیکھا جاسکے۔

پھاٹک تیزی سے کھولا گیا اور میری جیپ رینگتی ہوئی باہر نکل گئی لیکن وہ فٹ پاتھ کا مختصر سا قطعہ عبور کرکے سڑک پر گھومنے بھی نہ پائی تھی کہ آہنی چادر سے کسی ٹھوس چیز کے ٹکرانے کی آواز آئی اور میں چوکنا ہوگیا۔ وہ یقیناً کوئی بے آواز گولی تھی جو جیپ کی باڈی کے کسی حصے میں پیوست ہوئی تھی۔

گاڑی میں موجود تینوں آدمی تجربے کار تھے۔ انہوں نے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہیں کی۔ ڈرائیور نے یک بیک رفتار تیز کردی۔ میرے برابر والے نے اپنی رائفل کی نال کا سرا کھڑکی سے باہر نکال کر سڑک کے پار والی گلی میں فائر کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فضا کسی رائفل کے پُرہول فائر سے گونج اٹھی۔ پہلے فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی بیک وقت دو مزید فائر ہوئے اور فضا ایک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔

میرے برابر والے نے فائر کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ مجھے خیال گزرا کہ وہ فائر شاید پیچھے والی جیپ سے کیے گئے تھے لیکن نیکر والے نے میرا ذہن پڑھ لیا اور دھیرے سے بولا "چھت پر ہمارے آدمی ٹیلی اسکوپ رائفلیں لیے بیٹھے ہیں اسی لیے دشمن کا ایک آدمی مارا گیا ہے۔ وہ دونوں ہی غضب کے نشانے باز ہیں۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو سڑک خالی تھی۔ پھاٹک سے نکلنے کے بعد ہماری جیپ بائیں طرف مڑی تھی جب کہ دوسری جیپ داہنی طرف نکل گئی تھی۔ ان حالات میں وہی بہترین حکمتِ عملی تھی۔

فضا میں لرزہ خیز انسانی چیخ گونجنے کے بعد بس چند ثانیوں کے لیے سناٹا چھایا رہا پھر کوئی خودکار رائفل تڑاتڑ کی مسلسل آوازوں کے ساتھ آگ اگلنے لگی۔ اس طویل برسٹ کے درمیان وقفے وقفے سے رائفل بھی چلتی رہی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ جم کلارک کے ساتھ آنے والے جھلاہٹ کے عالم میں کلاشنکوف نما خودکار رائفل کے ساتھ ہی بے آواز رائفل بھی استعمال کررہے تھے جب کہ اسٹیشن فور کے نگہبان صرف دور مار رائفلوں کی مدد سے انہیں مار لینے کی کوشش کررہے تھے۔

کچھ دور جانے کے بعد ڈرائیور نے اتنی تیز رفتاری سے یوٹرن لیا کہ میں اپنا توازن کھو کر رائفل بردار پر لڑھک گیا۔ جیپ غراتی ہوئی آگے بڑھی، اس کے ہیڈ لیمپس بجھادیے گئے اور خطرناک گلی سے ذرا پہلے جیپ روک دی گئی۔ اس دوران میں رائفل بردار کارتوسوں کی پیٹی کے ساتھ ایک تھیلا اپنے شانے پر ڈال چکا تھا۔ کلاشنکوف والے نے میگزین کا تھیلا پہلے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ جیپ رکتے ہی وہ دونوں دروازے کھول کر نیچے رینگ گئے۔ میرے لیے گاڑی ہی میں بیٹھے رہنا محال تھا۔ میں بھی اپنی کلاشنکوف لے کر

نیچے اتر گیا۔

اس طویل سڑک کے بقیہ حصے کافی روشن تھے لیکن بلدیہ کی بے پروائی یا ایس ٹی ایف والوں کے کسی خاص بندوبست کی وجہ سے اسٹیشن فور کے قرب وجوار میں کوئی اسٹریٹ لائٹ روشن نہیں تھی۔

اس وقت تک دوسری جیپ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ لوگ اول خان کو راستے میں روک کر پوری طرح باخبر کرنے کے مشن پر نکل گئے تھے۔ میرے آگے جانے والوں میں سے ایک شخص ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ چکا تھا لیکن دوسرا کسی چوپائے کی طرح جھک کر تیزی سے آگے چلا جا رہا تھا۔

اس درخت کے پاس پہنچ کر مجھے اس پوزیشن کی اہمیت کا اندازہ ہوا کیونکہ وہاں سے گلی میں کھڑی ہوئی لینڈ روور صاف نظر آرہی تھی۔ اس کی اوٹ میں ایک دو انسانی ہیولے بھی متحرک نظر آرہے تھے۔ میں الجھن میں پڑ گیا کہ ہمارا آگے والا ساتھی کہاں جا رہا تھا لیکن پھر میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔

لینڈ روور کے قریب اس وقت سکون تھا۔ کلاشنکوف کے برسٹ کی آوازیں دوسری گلی سے آرہی تھیں۔ شاید مجرموں کی دوسری ٹولی اپنی سرمئی کار سمیت اسی گلی میں موجود تھی اور اپنا میگزین برباد کررہی تھی۔

"نہیں سر!" مجھے کلاشنکوف سیدھی کرتے دیکھ کر، تنے کی آڑ میں بیٹھے ہوئے نیکر پوش نے مجھے ٹوک دیا "ابھی ان کی ساری توجہ اسٹیشن فور پر مرکوز ہے.... وہ مجھے اچھی طرح نظر آرہے ہیں۔ میں ان میں سے کم از کم ایک کو ضرور مار لوں گا۔ مجھے رائفل سے پہل کرنے دیں پھر آپ بے شک پورا میگزین خالی کردیں۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان ہیولوں کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا جو لینڈ روور کی آڑ میں موجود تھے۔ ان میں سے ایک، اگلے فینڈر پر رائفل کی لمبی نال ٹکائے، اسٹیشن فور کی چھت پر کسی کی شست لینے کی کوشش کر رہا تھا، مجھ پر صورتِ حال واضح ہونے لگی۔ لینڈ روور والے بے آواز رائفل استعمال کررہے تھے جب کہ سرمئی کار والے خود کار رائفل چلا رہے تھے جب کہ اسٹیشن فور سے صرف رائفلوں کے فائر آرہے تھے۔

اس وقت تک دونوں جانب سے خاصا بارود جلایا جا چکا تھا لیکن قرب وجوار سے کسی نے باہر آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ سڑک پر ٹریفک بھی یک لخت معدوم ہوگیا تھا۔ اس دھواں دھار فائرنگ کو لوگ غالباً مورچا بند گروہوں کی باہمی محاذ آرائی سمجھ کر خود کو اس اندھی لڑائی کا ایندھن بنانے سے گریز کررہے تھے۔

ٹھک کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ ایک موہوم سا شعلہ، سفید لینڈ روور سے اسٹیشن فور کی طرف تیر گیا۔ ان کی رائفل کی نال پر چڑھے ہوئے سائلنسر نے فائر کی آواز کے ساتھ ہی بیشتر شعلے کو بھی نگل لیا تھا۔

فائر ہوتے ہی میرے ساتھی کو اپنے شکار کی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہوگیا اور اس نے بھی گولی داغ دی اور فضا ایک بار پھر کریہناک انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ چیخ ختم ہوتے ہوتے انگریزی میں کوئی بلند آہنگ گالی دی گئی اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس بار سی آئی اے کا کوئی امریکی ایجنٹ گولی کا شکار ہوا تھا۔

نیکر پوش نے اپنی رائفل دوبارہ لوڈ کرکے نال سیدھی ہی کی تھی کہ لینڈ روور ایک تیز جھٹکے سے آگے بڑھی اور پل بھر میں ہماری نگاہوں سے روپوش ہوگئی۔ میں نے لینڈ روور کی چھوڑی ہوئی جگہ کے رخ پر کلاشنکوف کا برسٹ مارا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کا کوئی ساتھی اگر وہاں موجود تھا تو وہ بھی کسی کونے کھدرے میں بھاگ نکلے تاکہ ہم اس گلی میں داخل ہوکر تفصیلی جائزہ لے سکیں۔

چند ثانیوں تک فریقِ ثانی کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تو میرا ساتھی گلی کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے کسی تربیت یافتہ کمانڈو کی طرح رک رک کر، مختلف رکاوٹوں کی آڑ لیتے ہوئے اور پینترے بدل بدل کر اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ میں بھی اس کی تقلید کرتا رہا۔ آخر کار ہم گلی کے سرے پر پہنچ گئے۔ وہاں دور دور تک کسی متنفس کا پتا تھا نہ ہی لینڈ روور کا کوئی نام ونشان باقی تھا۔

ایک محاذ خاموش ہوچکا تھا لیکن دوسرے محاذ پر بہت تیزی آگئی تھی۔ دونوں طرف سے کلاشنکوفیں چل رہی تھیں لیکن ان کی آوازوں میں فرق تھا۔ اپنے آدمی کے ہتھیار کی آواز پہچان کر اسٹیشن فور کے نشانچیوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ شاید انہیں خوف رہا ہو کہ کہیں وہ اپنے ہی ساتھی کو نقصان نہ پہنچا بیٹھیں۔

نیکر اور بنیان میں ملبوس شخص نے اپنی جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی تو ہمیں مٹی میں تازہ خون کا ایک بڑا سا دھبا نظر آیا۔ غور سے دیکھنے پر پھیلی ہوئی مٹی میں بھی خون نظر آیا۔ وہاں نظر آنے والے خون کی مقدار کافی زیادہ تھی جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ گولی کی زد میں آنے والے کو شدید زخم آیا تھا جو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے لمحوں ہی لمحوں میں حساب لگایا کہ ہماری جیپ پر پہلا فائر بے آواز ہوا تھا۔ اس کے جواب میں اسٹیشن فور کی چھت پر نصب ٹیلی اسکوپک رائفلیں جاگ اٹھی تھیں اور انہوں نے ایک آدمی کو چاٹ لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے زخمی کا تعلق بھی لینڈ روور والوں سے تھا۔ بعد کا واقعہ میرا چشم دید تھا۔ اس حساب سے لینڈ روور کے کھڑے ہونے کے مقام کے آس پاس دو زخمیوں کے خون کے دو واضح دھبے ہونے چاہییے تھے جب کہ وہاں ایک ہی دھبا نظر آرہا تھا۔ اپنے ذہن کی پیدا کردہ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے میں نے فرض کرلیا کہ دو میں سے ایک شخص کو معمولی زخم آیا ہوگا یا گولی اس کے جسم کے پچھلے حصے کو پھاڑ کر خون بہنے کا راستہ بنا کر گزرنے کے بجائے کسی ہڈی وغیرہ سے ٹکرا کر جسم ہی میں رہ گئی،

ہوگی۔

میرے ساتھی نے بہت پھرتی کے ساتھ وہاں کا جائزہ مکمل کیا اور ہم دونوں سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔ مجھے یاد آیا کہ ادھر ہمارا صرف ایک آدمی تھا جب کہ دشمن کی تعداد ایک سے زیادہ تھی۔ بھرپور فائرنگ سے بھی یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ برابر والی گلی کے آس پاس کم از کم تین خود کار آتشیں ہتھیار استعمال کیے جا رہے تھے۔

ہم سڑک کے رخ پر تھے اس لیے ہمیں فوراً ہی اپنے تیسرے ساتھی کی پوزیشن کا اندازہ ہوگیا۔

میرے ساتھی نے چیخ کر کوئی کوڈ ادا کیا تاکہ اپنے ساتھی کو اس سمت میں اپنی موجودگی سے آگاہ کرسکے۔

ہم دونوں نے فٹ پاتھ پر پودوں کے گرد بنی ہوئی سیمنٹ کی جالیوں کے پیچھے مورچا بند ہوکر ہلکے ہلکے برسٹ مارنے شروع کردئیے۔ رائفل شانے سے لٹکالی گئی تھی اور ہم دونوں باری باری ایک ہی کلاشنکوف استعمال کررہے تھے۔ میرے ساتھی کے شانے پر موجود تھیلے میں کلاشنکوف کا ایک بھرا ہوا میگزین اور گولیوں کے کئی ڈبے موجود تھے۔ جب اس نے نیا میگزین چڑھایا تو میں نے فوراً ہی خالی میگزین کو بھرنا شروع کردیا۔

ہماری طرف سے فائرنگ میں شدت اور تواتر پیدا ہونے کے چند منٹ بعد دوسری طرف سے ایک خود کار رائفل خاموش ہوگئی۔ مجھے خوش فہمی ہوئی کہ شاید وہ میگزین کی کمی کا شکار ہوچلے تھے لیکن چند ثانیوں بعد ہونے والے ایک بے آواز فائر نے میری طبیعت صاف کردی۔ وہ گولی میرے چہرے سے چند انچ دور سیمنٹ کی جالی میں پیوست ہوئی تھی اور اس کے اُڑائے ہوئے ذرات براہِ راست میری آنکھوں میں آئے تھے۔ میں اضطراری طور پر سینے کے بل پختہ فٹ پاتھ پر گر گیا کیونکہ بیٹھے رہنے کی صورت میں اگلی گولی میری کھوپڑی بھی اڑا سکتی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی کہ بے آواز رائفل صرف لینڈ روور والوں کے پاس تھی۔ سرمئی کار والے بھی ضروری ہتھیاروں سے لیس تھے۔ انہوں نے فائرنگ کے شعلوں کو مستقلاً ایک ہی جگہ سے نمودار ہوتے دیکھ کر میری اور میرے ساتھی کی کمین گاہ کا اندازہ لگالیا تھا اور ان میں سے ایک نے کلاشنکوف روک کر بے آواز رائفل سنبھال لی تھی۔

یقینی طور پر وہ صرف دو افراد تھے۔ تیسرا موجود ہوتا تو رائفل فائر کرنے کے لیے کلاشنکوف روکنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں نے فٹ پاتھ پر لیٹے ہی لیٹے اپنے ساتھی سے کلاشنکوف لی اور آگے رینگنے لگا۔

"یہیں رکیں سر!" میرا ساتھی غرایا "آگے خطرہ ہے، مارے جائیں گے۔"

میں اس پُرہول چویشن میں بھی اس کی گفتگو کے تضاد پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ احتراماً وہ مجھے سر کہہ رہا تھا لیکن عملاً پھٹکار رہا تھا۔ شاید وہی اس کا مزاج تھا کہ محاذ پر اپنے بڑے کی غلطی کو بھی برداشت کرنا اس کے اختیار سے یکسر باہر تھا۔

میں اس کی تادیب کی پروا کیے بغیر آگے رینگتا رہا۔ میری نگاہ زمین سے غیر معمولی حد تک ابھرے ہوئے مین ہول پر تھی۔ اس کی آڑ میں لیٹ کر میں بہت بہتر نشانہ لے سکتا تھا۔ میرے ساتھی نے اپنا غصہ رائفل پر نکالا اور میرے نہ رکنے پر نال سیدھی کرکے اندھا دھند ایک فائر کردیا۔

مجھے سرمئی کار کا عقبی حصہ صاف نظر آنے لگا۔ میں فٹ پاتھ سے رینگ کر ایسی جگہ پر آگیا تھا کہ مخالف سمت سے آنے والی گولیاں تڑاتڑ میرے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ میں ذرا بھی سر اوپر اٹھاتا تو میری کھوپڑی میں بیک وقت کئی کھڑکیاں کھل سکتی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ لوگ ایک ہی سمت میں فائرنگ نہیں کررہے تھے۔ بلکہ نال کو ایک مختصر سے زاویے پر گھماتے جا رہے تھے۔ بے آواز رائفل سے ایک نپا تلا فائر ہونے کے بعد دوسری کلاشنکوف پھر چل پڑی۔

میں حفاظت سے ابھرے ہوئے مین ہول کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہاں میں کسی خطرے کے بغیر اپنا سر کئی انچ اوپر اٹھا سکتا تھا۔ میں نے پہلو بدل کر سرمئی کار کا جائزہ لیا، اپنی کلاشنکوف کی نال سیدھی کی پھر جوں ہی ایک نال سے خارج ہونے والی گولیوں کے محدود شعلے تیرنے شروع ہوئے، میں نے اسی طرف ایک ہلکا سا برسٹ فائر کردیا۔

فضا ایک دلدوز چیخ سے لرز گئی۔ حریفوں کے ہتھیار یک لخت خاموش ہوگئے، کسی وزنی وجود کے گرنے کی دھمک واضح طور پر سنائی دی۔ چند سیکنڈ تک ایس ٹی ایف والا اپنی دُھن میں فائر کرتا رہا پھر کسی بڑی تبدیلی کا ادراک کرکے اس نے بھی ہاتھ روک لیا۔ بھاری فائرنگ سے گونجتی ہوئی فضا میں اچانک ہی غیر فطری سا سناٹا چھا گیا۔

معاً سرمئی کار کی سرخ بریک لائٹس جلیں اور پھر بجھ گئیں۔ میری چھٹی حس نے نعرہ لگایا اور میں نے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر، زمین چھوڑ کر سرمئی کار کی طرف دوڑ لگادی۔

اپنے ساتھی کے ناکارہ ہوتے ہی، زندہ و سلامت رہ جانے والے حریف نے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ شاید اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر بوکھلاہٹ میں اس کا پیر ایکسی لریٹر کے بجائے بریک پیڈل پر پڑ گیا اور کار کی عقبی روشنیاں جل اٹھیں۔ انجن سے پیر کے دباؤ کا جواب نہ ملنے پر اس نے اپنا پیر صحیح مقام پر منتقل کیا تو سرخ روشنیاں بجھ گئیں مگر میرے لیے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔

میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سرمئی کار کے ٹائر چیخے اور وہ دھول اڑاتی ہوئی نہایت تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں نے اس پر اپنا پورا میگزین خالی کردیا۔ لیکن اسے روکنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میری چلائی ہوئی گولیاں کار کے عقبی ٹائروں کے بجائے صرف باڈی کو اُدھیڑ کر رہ گئیں مگر میں آگے دوڑتا ہی چلا گیا۔

وہاں خون میں نہائے ہوئے دو انسانی جسم بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور دونوں ہی ...ی تھے یعنی غیر ملکی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ان دونوں ... قریب گولیوں کے بے شمار خول' کئی میگزین' ایک سب مشین ...ن اور ایک سائلنسر چڑھی ہوئی ہیبت ناک رائفل پڑی ہوئی تھی۔

"سر! تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا" نیکر والا میرے سر پر پہنچ کر غصے سے کانپتی ہوئی آواز ... غرایا "تم کو کچھ ہو جاتا تو ہمارا صاحب ہماری بوٹیاں ادھیڑ ڈالتا۔ اس طرح تو بے وقوف جانور بھی گولیوں کی باڑھ میں نہیں گھستے۔ تم کو کیا ہوگیا تھا؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ میرا گریبان ...تا۔ غصے میں وہ آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا" میں نے اس کے غصے کا برا مانے بغیر کہا۔ "یہ دیکھو کہ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔"

"نتیجہ نہیں' طریقہ دیکھا جاتا ہے.... لڑنے کا طریقہ ٹھیک ہونا چاہیے' کامیابی خود بخود مل جاتی ہے...."

اس کی تقریر ادھوری رہ گئی۔ فضا میں ایک ہولناک تصادم کی آواز گونجی تھی۔

"سرمئی کار کسی گاڑی سے ٹکرائی ہے۔" کلاشنکوف والا دور ہی سے چلایا۔

اس گلی میں کافی فاصلے پر دو گاڑیاں بری طرح ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

نیکر والے نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں زبان کے نیچے ڈال کر زور سے سیٹی بجائی۔ آناً فاناً میں ہمارا ڈرائیور جیپ لے آیا اور ہم تینوں پرانی ترتیب سے اس میں سوار ہوگئے۔

"سیدھے چلو.... دشمن کی گاڑی کا۔ ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" نیکر والا اضطراری لہجے میں بولا۔

جیپ حرکت میں آگئی۔ دوڑ لگانے کے لیے وہ فاصلہ بہت زیادہ تھا لیکن جیپ جیسے مشینی درندے کے لیے وہی فاصلہ لمحوں کی مار پر تھا۔ دونوں گاڑیوں کے خد و خال واضح ہوتے ہی سب تحیر زدہ آوازوں میں چیخ پڑے۔

وہ ہمارے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلنے والی دوسری جیپ تھی جو سرمئی کار سے ٹکرائی تھی۔

پھر ہمیں شناسا چہرے بھی نظر آنے لگے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ویرا اور اوّل خان کے علاوہ دو ایس ٹی ایف کے کارکن تھے۔ وہ چاروں تباہ شدہ سرمئی کار کے جام دروازے کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود میں موت کی سی ایک سرد لہر سرایت کرگئی۔ دوسری جیپ میں بھی فورس کے تین ارکان سوار تھے۔ دو نظر آرہے تھے۔ تیسرا غائب تھا۔ شاید وہ اس حادثے کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

جیپ رکنے سے پہلے ہی ہم تینوں غیر مسلح حالت میں نیچے کود گئے۔ ان لوگوں نے ہمیں خوشگوار حیرت سے دیکھا تھا۔

"معین الدین کہاں ہے سر؟" نیکر والے نے کسی تمہید کے بغیر' جذبات سے مغلوب آواز میں اوّل خان سے پوچھا۔ شاید وہ بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جو میرے ذہن میں آیا تھا۔

"فکر مت کرو" اوّل خان نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا "وہ میری گاڑی لے کر گھر گیا ہے.... تم لوگوں کی کیا رپورٹ ہے؟ مقابلہ کیسا چل رہا ہے؟ کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟"

وہ رپورٹنگ میں مصروف تھے' میں سرمئی کار کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اس تصادم میں بری طرح تباہ ہوئی تھی۔ جیپ بالکل سامنے سے اس سے ٹکرائی تھی جس کے نتیجے میں کار کا پورا انجن جیپ کے نیچے جا گھسا تھا۔ ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی۔ شیشے کے بے شمار ٹکڑوں نے تیز چھریوں کی طرح کار ڈرائیور کے پورے چہرے کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ اس کے چہرے سے بہنے والا خون اس کے لباس کو رنگین بنا رہا تھا۔ اسٹیئرنگ پچک کر اس کے سینے میں جا گھسا تھا۔ اسٹیئرنگ اور پشت گاہ کے درمیان دبنے سے شاید اس کی پسلیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ اس کا جسم بالکل ساکت تھا۔ دونوں بے جان ہاتھ پہلوؤں میں جھول رہے تھے' گردن ایک طرف ڈھلک چکی تھی۔

وہ موت سے بچ کر بھاگا لیکن اسے بھیانک تر موت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس گردن کی کچھ جلد اصل رنگ میں نظر آرہی تھی جس سے اس کے مقامی ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ جم کلارک کی مہم جوئی کے نتیجے میں تینوں مقامی دردناک موت سے دوچار ہوئے تھے' دونوں سفید فام بچ نکلے تھے۔ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد مجھے اتنا اطمینان تھا کہ نیکر پوش نے ان میں سے ایک کو ہلاک یا بری طرح زخمی کردیا تھا۔ اسی وجہ سے دوسرا سفید فام اپنے مردہ یا زخمی ساتھی کو لے کر فرار ہونے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"یہ اتفاقی حادثہ نہیں ہے" اوّل خان نے میرے قریب آکر نرمی سے کہا "ہم دانستہ اس گلی سے داخل ہوئے تھے۔ اس کی رفتار دیکھ کر ہی اسے ڈپر دیے گئے لیکن یہ سائیڈ دبا کر نکلنے کے چکر میں تھا۔ مجبوراً مجھے جیپ سامنے لانی پڑگئی۔ غنیمت ہے کہ ہم میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا کیونکہ ...ر اپنے زور میں نیچے جا گھسی اور میں پوری طاقت سے بریک لگا چکا تھا۔"

"وہ دیوانگی تھی تمہاری!" ویرا اپنے دونوں رخساروں پر ہتھیلیاں رکھ کے بولی "میری تو چیخ نکل گئی تھی۔"

"بعض فیصلے ایسے بھی ہوتے ہیں" اوّل خان مسکرا کے بولا "خطرناک مگر ناگزیر.... ایسے مواقع پر کچھ نہیں' بس نیت اور مقصد کی لگن کامیابی کا سبب بنتی ہے' ... کچھ دھرا ... جاتا ہے۔"

"اپنے صاحب کے خیالات سن رہے ہو؟" میں نے اپنے نیکر پوش ساتھی سے کہا۔ وہ میرے ... ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"کیا بات ہے؟" اوّل خان نے سنجیدہ اور تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں' ہماری آپس کی بات ہے۔" میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

"سب واپس چلو" اوّل خان نے ہماری جیپ کی طرف اشارہ کرکے اونچی آواز میں کہا "خداداد یہاں رکے گا" یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "میں بات ادھوری نہیں چھوڑتا.... جب کامیابی کے متبادل راستے سامنے ہوں تو جان بوجھ کر خطرہ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ غیر پیشہ ور لوگوں کی مہم جوئی بن جاتی ہے۔ موت یا کامیابی' دونوں کے امکانات برابر ہوتے ہیں۔ جب کامیابی کی کوئی راہ نظر نہ آئے تو ہر فیصلہ جائز ہوتا ہے.... میں تمہاری آپس کی باتوں میں دخل نہیں دیتا لیکن اس جنگی اصول کو ہمیشہ یاد رکھنا۔"

سب لوگ جیپ میں سوار ہوچکے تھے۔ نیکر پوش مستعدی سے تباہ شدہ گاڑیوں کے قریب کھڑا ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ خداداد اسی کا نام تھا۔

جیپ خاصی کشادہ تھی۔ اس میں سات آدمی بہت آسانی سے سما گئے پھر یہ کارواں اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس گلی سے سڑک پر جاتے ہوئے میں یہ دیکھ کر لرز اٹھا کہ ایک آوارہ کتا سی آئی اے کے مقامی مددگاروں کی بے گور و کفن لاشوں کو سونگھ رہا تھا۔ وہ غدار تھے ان کا انجام بھی یہی ہونا تھا۔

چند ثانیوں بعد ہم اسٹیشن فور میں پہنچے تو وہاں ہر شخص تجسس اور سنسنی میں جتلا تھا۔

"توڈ یتھ' نوانجری.... پرفیکٹ وکٹری" اوّل خان نے اپنے گرد جمع ہوتے ہوئے چہروں کی تحریریں پڑھ کر اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا۔ شاید وہ روایتی قسم کا کوئی انداز تھا کیونکہ اوّل خان کے خاموش ہوتے ہی سب لوگوں کے چہرے دمک اٹھے اور انہوں نے دبے دبے جوش کے ساتھ فضا میں مکّے اچھال کر "ہے" کا اجتماعی نعرہ لگایا۔ ان کی آوازیں زیادہ بلند نہیں تھیں لیکن ان آوازوں میں اتنا ولولہ موج زن تھا کہ زمین دہل اٹھی۔

"دو آدمی مکمل آؤٹ فٹ میں خداداد کی جگہ پوزیشن لیں گے' اسے واپس لے آؤ" اوّل خان نے کسی خاص آدمی کو مخاطب کیے بغیر ہدایت جاری کی اور عارف "یس سر!" کہہ کر اس کے سامنے آگیا۔

"مزید دو مسلح آدمی لاشوں پر جائیں۔ اسپیشل برانچ کے آدمیوں کے پہنچتے ہی چاروں کو واپس لوٹ آنا ہے" اوّل خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید ہدایات دیں۔

"صرف چار آدمی!" میں نے اس کے کان کے نیچے حیرت سے سرگوشی کی "اگر لوگ گھروں سے نکل پڑے تو یہ لوگ کیا کرسکیں گے؟"

"آؤ!" اوّل خان مجھے برآمدے کی طرف بڑھاتا لے گیا۔ پھر اپنے آدمیوں سے دور پہنچ کر بولا "اوّل تو یہ علاقہ بہت کم آباد ہے۔ جو بڑے بڑے گھر آباد ہیں ان میں نفری بہت کم ہے۔ ابھی تو فائرنگ کی دہشت ہی لوگوں کو گھر سے نہیں نکلنے دے گی۔ تین لاشوں کی خبر پھیل گئی تو دور دور تک کسی آدمی کا سایہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ بھیڑ بھاڑ' تبصرے اور تماشے میدان صاف ہونے کے بعد ہوتے ہیں۔ اجالا پھیلنے سے پہلے وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"ہمیں بلاوجہ ہی دوسری جیپ میں چلی گئی۔ تم لوگوں نے بہت

ہیجان خیز وقت گزارا ہوگا" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔ وہ ہم دونوں کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور ساری باتیں سن رہی تھی۔

"ویرا نے مجھے بہت کچھ بتایا ہے" اوّل خان ہم دونوں کو اپنے دفتر کی طرف لے جاتے ہوئے بولا "یہاں کی رپورٹ مجھے خداداد سے مل چکی ہے۔ اگر جم کلارک تم لوگوں سے بلف نہیں کر رہا تھا تو ہمیں پریشانیاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم خاموشی سے اس عمارت کو خالی کر کے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔"

"وہ کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے لیے اس کی تشویش ناقابلِ فہم تھی۔

"تم ان معاملات کو نہیں جانتے۔ جم کلارک امریکیوں کے لیے وی آئی پی ہے۔ اسے اس عمارت میں لاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ پھر تصادم میں سی آئی اے کے تین مقامی ایجنٹ مارے گئے ہیں۔ دو گورے ایجنٹوں کو بھاگنا پڑا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ان میں سے بھی ایک ہلاک یا زخمی ہوا ہے۔ امریکی قونصل خانہ حکومت کو نیچے سے اوپر تک ہلا کر رکھ دے گا۔"

"لیکن ان لوگوں کے جرائم بھی تو سنگین ہیں۔ تم سے کام لینے والے تمہارا دفاع نہیں کریں گے؟"

اوّل خان تلخی سے ہنس دیا "ہماری ملازمت کی بنیادی شرط یہی ہے کہ ہمیں اپنا دفاع خود کرنا ہوتا ہے۔ ہمیں کسی قانون کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ہم لاکھ کہتے رہیں کہ جم کلارک ہیروئن فروشوں کی تنظیم 'شی' کا سربراہ ہے۔ مرنے والے تینوں آدمی سی آئی اے کے ایجنٹ تھے' شکایت کرنے والے امریکی خود سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں' کون یقین کرے گا؟ ہم ثبوت کہاں سے لائیں گے۔ بالفرضِ محال ہمارے پاس سارے ثبوت موجود ہوں تب بھی واقعات کو ان کے اصل روپ میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ہماری وجہ سے حکومت پر ریاستی دہشت گردی کا الزام لاد دیا جائے گا۔ مقابلے کو جعلی قرار دے کر یہ تاویل پیش کی جائے گی کہ انتظامیہ کا کام صرف اتنا ہے کہ ملزموں کو ثبوت کے ساتھ عدالت میں پیش کرے۔ انہیں بری کرنا یا مجرم قرار دے کر سزا سنانا عدالت کا کام ہے۔ یہ بہت خطرناک گورکھ دھندا ہے۔ مجھ سے ذرا سی چوک ہو گئی تو کل کو اوّل خان کو قاتل قرار دے کر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ قوانین کتابوں میں سوتے رہیں تو بہت آسان اور بے ضرر لگتے ہیں۔ ایک بار کسی کے خلاف حرکت میں آجائیں تو آدمی دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بن جاتا ہے۔"

اپنے دفتر میں پہنچ کر وہ مضمحل انداز میں اپنی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ہم دونوں اس کے سامنے پڑی ہوئی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے ہر قانون سے ماورا ہو کر ملکی مفاد کے لیے اپنے ضمیر کے مطابق کام کرتے ہیں۔ حساس' پُرپیچ اور تباہ کن معاملات میں سرعت سے پیش رفت کر کے طے شدہ ہدف حاصل کرنے کے مقصد ہی کے لیے وہ فورس تیار کی گئی تھی لیکن اپنے ہی ملک میں وہ محب وطن لوگ اتنے مجبور اور بے آسرا ہوں گے' اس بات کا مجھے قطعی کوئی اندازہ نہیں تھا۔

"اگر تمہاری باتیں درست مان لی جائیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عمارت سے کہیں اور منتقل ہو کر تم محفوظ و مامون ہو جاؤ؟ یہاں والے ہر وقت اور ہر جگہ تمہارا کھوج لگا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم بات نہیں سمجھ رہے" وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا "یہاں والے ہمارے معاون اور مددگار ہیں لیکن ان کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ وہ اپنی ساکھ اور عزت کو بچاتے ہوئے ہمارا پورا پورا ساتھ دیں گے' ان کی ساکھ یا عزت کو کوئی خطرہ لاحق ہوگا تو آنکھ بند کر کے ہماری گردنیں کٹوا دیں گے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ امریکیوں کی طرف سے سفارتی سطح پر شکایت کی گئی تو انتظامیہ اس عمارت کی تلاشی لینے پر مجبور ہو جائے گی؟" چند ثانیوں کے غور کے بعد بات میری سمجھ میں آنے لگی۔

"شاید نہیں بلکہ میں یقیناً یہی کہہ رہا ہوں۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے اور یہاں دھاوا بول دیا گیا تو رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے اور کوئی ہماری مدد کو نہیں آسکے گا" اپنی بے بضاعتی پر اوّل خان جھلّانے لگا۔

"یہاں والے مدد کرنی چاہیں تو رپورٹ دے سکتے ہیں کہ اس عمارت کے مکین شکوک و شبہات سے بالاتر ہیں۔"

"پھر تم امریکیوں کو نہیں جانتے" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا "کسی امریکی شہری کے مفاد کا معاملہ درپیش ہو تو سفارتی افسران ہر مرحلے پر اپنے مبصروں کی شمولیت ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ کسی بھی ایسے اجلاس' تفتیش یا چھاپے کی کارروائی کو تسلیم نہیں کرتے جس میں ان کے مبصر شامل نہ رہے ہوں۔ جم کلارک کی تلاش کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ صبح ہونے تک اس عمارت کو کھنگالا جا رہا ہوگا۔"

"لیکن یہاں سے کہیں اور منتقل ہو کر تم لوگ کیسے بچ سکو گے؟" ان انکشافات پر ویرا بھی حیران تھی۔

"وہ آئیں گے تو یہاں میدان صاف ہوگا۔ ہمارے ہمدرد حکام بظاہر پوری سرگرمی سے ان دہشت گردوں کو تلاش کرتے رہیں گے جن پر جم کلارک کے اغوا کا شبہ ظاہر کیا گیا ہوگا۔ کچھ عرصے تک یہ چھان بین زور و شور سے چلتی رہے گی پھر رفتہ رفتہ فائلوں میں دفن ہو کر رہ جائے گی" اوّل خان کو کھل کر وضاحت کرنی پڑ گئی۔

"لیکن یہ مکان آباد ہے۔ قرب و جوار کے لوگ تمہارے بارے میں جانتے ہیں...."

اوّل خان نے ویرا کی بات کاٹ دی "مجھے پوری بات بتانی پڑے گی.... کاش تم دونوں کل صبح آکر اس عمارت کو دیکھ سکو۔ ہر چیز دھول مٹی میں اس طرح اٹی ہوئی ملے گی جیسے مہینوں سے یہاں کسی انسان کا قدم نہ آیا ہو۔ رہی بات اس علاقے کے مکینوں کی تو وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہم وردیاں بہت کم استعمال کرتے ہیں' گاڑیوں پر عام نمبر پلیٹیں ہیں' فورس کا نام لیا ہی نہیں جاتا' ہمارا اسٹاف لوگوں سے بالکل نہیں ملتا۔ لوگ ہمیں پیرا ملٹری فورس اور نجی سیکیورٹی سے لے کر ڈکیت اور تاوان خور تک سمجھتے ہیں۔ علاقے کے تھانے کو کئی بار ہماری بھاری اور مشتبہ نقل و حرکت کی طرف متوجہ کیا جا چکا ہے۔ ہمارے بارے میں جب کوئی کچھ جانتا ہی نہیں تو بتائے گا کیا؟ بتائے گا تو ثبوت کہاں سے لائے گا۔ یہاں فرش' فرنیچر اور قالینوں پر جمی ہوئی گرد کی تہیں ہر ایک کو جھوٹا ثابت کر دیں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس وقت کم اور کام بہت زیادہ ہے" میں نے کہا "شاید تم جم کلارک سے باز پرس بھی نہیں کر سکو گے۔ تمہاری منتقلی کی صورت میں اس مردود کا کیا بنے گا؟"

"اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ وہ ہمارے ساتھ جائے گا" اوّل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"شہر سے بالکل ہی الگ تھلگ ویرانہ ہے۔ سپرہائی وے پر سہراب گوٹھ سے آگے ایک متروک فائرنگ رینج اور اس سے ملحقہ نیم بوسیدہ بیرکیں مدت سے خالی پڑی ہیں۔ انہیں آباد کرنے کا ارادہ ہے۔ وہاں ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر دو چار سال گزار سکیں گے۔"

اوّل خان کا آدمی چائے لے آیا جس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اوّل خان سے فوری خیال کے تحت پوچھا "تمہیں جمی لائیڈ کے قتل کے بارے میں تو معلوم ہو چکا ہوگا؟"

"ہاں' ویرا نے بتا دیا تھا اور میں اس سے دلی تعزیت بھی کر چکا ہوں۔"

ویرا اچانک ہی ہنس پڑی۔ ہم دونوں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ ذکر اس کے اکلوتے باپ کے قتل کا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ ہی ناقابلِ فہم ہو کر رہ جاتی تھی۔

"میں ہمیشہ تعزیت اور عیادت میں گڑبڑا جاتی ہوں" وہ خود ہی اپنی ہنسی کی وضاحت کرنے لگی "لاکھ کوشش کے باوجود یاد نہیں رہتا کہ بیماروں کے لیے کیا ہوتا ہے اور مرنے والوں سے کیا کہا جاتا ہے۔"

اوّل خان زیرِ لب کچھ بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے چائے کی پیالی اٹھالی۔

ایس ٹی ایف والے نہایت سکون سے عرصۂ دراز سے اس عمارت کو آباد کیے ہوئے تھے اور شہر کے تقریباً وسط میں رہ کر اپنی تمام کارروائیاں کر رہے تھے لیکن ناگہانی طور پر جم کلارک کے سامنے آنے اور اسے اسٹیشن فور لائے جانے کے نتیجے میں وہ لوگ سخت مشکلات سے دوچار ہو گئے تھے لیکن یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ جم کلارک کے مشن کی تباہی میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔

اس کی بدترین ناکامی سے ان ہی مقاصد کو تقویت ملتی تھی جن کی سربلندی کے لیے ایس ٹی ایف والے دن رات کوشاں رہتے تھے۔

اوّل خان نے امریکی سفارت کاروں کے طریقۂ کار کے بارے میں جو کچھ کہا' وہ پرانی اور مسلّمہ باتوں کے مربوط اظہار سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب سامنے کی باتیں تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ میں نے واقعات کی ان کڑیوں کو کبھی بھی یکجا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جب کہ اوّل خان نے تمام حالات اور واقعات کو ایک لڑی میں پرو کر امریکیوں کے طریقۂ واردات کے بارے میں ایک واضح تصویر بنالی تھی۔

چائے نوشی کے دوران میں مجھے یہاں تک یاد آگیا کہ امریکی اپنے شہریوں کے بیرونِ ملک مفادات کے معاملے میں اتنے سرگرم' حساس اور فعال تھے کہ مقامی تحقیق و تفتیش پر اعتبار نہ کرتے ہوئے' کئی ممالک میں اپنی ٹیموں کے ذریعے مجرموں کی تلاش کا کام سرانجام دے چکے تھے اور مقامی انتظامیہ کی کسی بھی جانب داری کی صورت میں وہ جم کلارک کی تلاش کے لیے امریکا سے اپنے ماہرین کو طلب کر سکتے تھے۔

اوّل خان نے کئی فون کیے۔ وہ سامنے والی گلی میں موجود تین لاشوں اور دو تباہ حال گاڑیوں کے علاوہ اسٹیشن فور کی منتقلی کے انتظامات کے بارے میں بھی فکرمند تھا۔ اس نے اپنے کسی اعلیٰ افسر کو ان تمام ممکنہ خطرات سے آگاہ کر دیا جو ان لوگوں کے وہیں جمے رہنے کی صورت میں ظہور میں آسکتے تھے۔ وہ سب سامنے کی

باتیں تھیں اس لیے اوّل خان کو غیر معمولی جرح کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اسے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت مل گئی۔

مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ سی آئی اے کے ایجنٹ مار کھانے کے بعد فوری طور پر کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکیں گے۔ وہ محاذ پر اپنے مقامی مددگاروں سے بالکل ہی کٹے ہوئے تھے اور دونوں حلیفوں کو ایک دوسرے کے انجام کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ ہمارے بدترین دباؤ کے نتیجے میں ان دونوں امریکیوں نے سب سے پہلے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ منطقی طور پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد اپنے مقامی نمک خواروں کی رپورٹ کا انتظار کریں اور ایک معقول وقفے کے بعد ہی ان کی ناکامی' قید یا موت کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔

مکمل اور دندان شکن ناکامی کا اندازہ لگانے کے [illegible] قونصل خانے سے رجوع کرتے۔ انہیں اپنا ہم نوا بنانے کے بعد ہی وہ مقامی انتظامیہ کو اپنی شکایات سے باخبر کر سکتے تھے۔

امن و امان اور شہریوں کی شکایات کے بارے میں مقامی انتظامیہ کتنی فعال اور مستعد تھی' وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ جو لوگ دفتری اوقات کار میں بھی شہریوں کے مسائل کو التوا میں ڈال کر اپنے نجی اور خانگی معاملات کو سرکاری وسائل کی مدد سے طے کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہوں' ان سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی گہری نیند میں خلل انداز ہونے والوں کے ساتھ کوئی مفاہمانہ رویّہ اختیار کریں گے۔ امریکی قونصل خانے کے اہل کار اپنی شکایت کسی بھی رتبے کے مرکزی یا صوبائی بیورو کریٹ کو ریکارڈ کراتے' اس پر عمل درآمد کا انحصار مقامی ڈپٹی کمشنر اور ڈی آئی جی پر ہی ہوتا۔ کسی بھی سیکریٹری کی سطح سے اپنے سفر کی ابتدا کرنے والی شکایت' آناً فاناً میں ان عہدے داروں تک نہیں پہنچ سکتی تھی کیوں کہ بیشتر اعلیٰ عہدے دار نچلے درجے کے سرکاری ملازمین اور اپنے ماتحتوں سے براہِ راست ہم کلامی کو اپنے شرف و اعزاز کی کھلی توہین تصور کرتے ہیں۔ یوں مراتب و مناصب کی سیڑھیوں سے مرحلہ وار سفر کرنے کے بعد وہ سفارتی شکایت' عملی کارروائی کے ذمے داروں تک پہنچنے میں پوری رات بھی لے سکتی تھی۔ اس طرح اوّل خان کے پاس کافی وقت نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا ٹھکانا تبدیل کرنے کا عمل سرانجام دے سکتے تھے۔

’’اس وقت جم کلارک سمیت تین قیدی ہیں‘‘ اوّل خان نے فون سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں آگاہ کیا ’’ایک وہی ہے جو سلطان شاہ کے اغوا میں شریک تھا۔ دوسرا اس کا ایک معاون ہے۔ اس نے تھوڑے سے تشدد کے بعد ہی اپنے معاون کا نام اگل دیا تھا۔ سب سے پہلے ان قیدیوں کو یہاں سے ہٹانے کا ارادہ ہے۔‘‘

’’تم لوگ ناقص اور ردّی چیزوں کو بھی ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتے ہو‘‘ ویرا نے استہزائیہ انداز میں کہا ’’کاٹھ کباڑ کو لادنے اور لے جانے پر اس کی اصل مالیت سے کہیں زیادہ رقم برباد کر دیتے ہو اور آخر میں اسے کوڑے دان پر ہی پھینکنا پڑتا ہے۔ امریکا وغیرہ میں لوگ نقل مکانی کرتے ہیں تو سب سے پہلے ناکارہ اور ردّی اشیا کو ضائع کرتے ہیں تاکہ اخراجات اور جگہ کی بچت ہو۔ اس وقت امریکی انداز تمہارے لیے بہت مناسب رہے گا۔‘‘

’’یہاں ساز و سامان ہی کیا ہے؟‘‘ اوّل خان نے قدرے حیرت سے کہا ’’کوئی بھی چیز ضرورت سے زیادہ نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نقل و حمل کے لیے ٹرک اور سامان اتارنے چڑھانے کے لیے آدمی بھی ہمارے ہوں گے۔ ہمارے لیے وقت کا مسئلہ ہے اور نہ اخراجات کا.... پتا نہیں تم کیا شوشے چھوڑ رہی ہو۔‘‘

’’میں جم کلارک کی بات کر رہی تھی‘‘ اپنے استہزا کے رائگاں جانے پر ویرا قدرے جھلا کر بولی ’’تم اسے اپنے گلے کا ڈھول کیوں بنانا چاہتے ہو.... تم لوگوں کی نگاہ میں اس کا کیا مصرف ہے؟‘‘

’’ہائیں.... وہ اتنا اہم قیدی ہے اور تم اس کا مصرف پوچھ رہی ہو‘‘ اوّل خان بولا۔

’’وہ امریکیوں کے لیے اہم ہو سکتا ہے.... تمہارے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہے؟‘‘

اوّل خان بغلیں جھانکنے لگا۔ میرے پاس بھی ویرا کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ بعض اوقات وہ اتنی دو ٹوک اور جارحانہ باتوں پر اتر آتی تھی کہ اپنے مخاطب کو کڑے امتحان میں ڈال دیتی تھی۔

’’کھل کر بات کرو۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟‘‘ میں نے اپنی خفت کو خفگی میں چھپاتے ہوئے کہا۔

’’تم لوگ جم کلارک کو کسی مرحلے پر بینڈ باجے کے ساتھ امریکیوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو بلاشبہ اسے اپنے ساتھ لیے پھرتے رہو۔ وہ مر جائے تو اس کی ممی بنوا کر محفوظ کر لو اور تابوت اٹھائے بھاگتے رہو لیکن مجھے اس بے وقوفی کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اسے زندہ رکھ کر ہم کوئی بھی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ شی کے بارے میں جو کچھ وہ اگلے گا' اس سے کہیں زیادہ باتیں میں تم کو بتا چکی ہوں۔ آخر کار تمہیں اس کو ہلاک ہی کرنا ہو گا۔‘‘

وہ بول رہی تھی اور میں ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک ایک لفظ کا تجزیہ کرتا جا رہا تھا۔ اس کی باتوں میں وزن تھا۔ امریکیوں کے لیے جم کلارک بہت اہم تھا لیکن ہمارے لیے وہ صرف بوجھ ہی تھا۔ میں نے اس کے دلائل سے تجاہلِ عارفانہ برتتے ہوئے نرمی سے کہا ’’مجھے تمہارے جذبات کا پورا پورا پاس ہے۔ وہ تمہاری [illegible] کے نتیجے میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ تمہیں اس سے نفرت ہونی چاہیے۔ کھل کر بتاؤ کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو۔‘‘

وہ بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور زہریلی آواز [illegible]

’’بھاڑ میں گئی میری یتیمی... میرا باپ زندہ تھا تو کون سا مجھے دنیا سونپ رہا تھا.... میں تمہارے فائدے کی بات کر رہی ہوں ورنہ تم میری ہی نیت پر شبہ کر رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ آج نہیں تو چند روز بعد تم جم کلارک کو ختم کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ جب تک یہ زندہ ہے' امریکی سفارت کار اس کی بازیابی کے لیے سردھڑ کی بازی لگائے رہیں گے۔ اس کی لاش مل جانے کے بعد ان کے سارے ارمان ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔‘‘

’’اوہ‘ میں اب سمجھا‘‘ اوّل خان ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ’’تم چاہتی ہو کہ جم کلارک کو ایک فالتو بوجھ کی طرح ڈھونے کے بجائے فوراً ختم کر دیا جائے۔ تمہاری بات قابلِ فہم ہے۔ اگر ڈینی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اسی وقت ایک گولی جم کلارک کے نام کی جا سکتی ہے۔ اس کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب و جوار میں ڈال دی جائے گی۔‘‘

’’تم اپنی منتقلی شروع کرو۔ ہم اسے دیکھتے ہیں‘‘ میں نے پُرخیال آواز میں کہا۔

اوّل خان نے اپنا ایک آدمی ہمارے حوالے کیا اور ہم سب ایک ساتھ ہی اس کے دفتر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اوّل خان ہنگامی ہجرت کے انتظامات کرنے کے لیے باہر کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں اس کے آدمی کے ساتھ مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیے جہاں جم کلارک کو رکھا گیا تھا۔

جم کلارک کے ہاتھ پیر باندھے گئے تو وہ مکمل بے ہوشی کے عالم میں تھا لیکن اسے پوری طرح بے دست و پا کرنے کے باوجود اس کمرے کو مقفل کر دیا گیا تھا جس میں اسے ڈالا گیا تھا۔

شاید دروازے کے ہفضی قفل میں چابی کے دخول اور پھر گھومنے کی آوازوں نے اسے چوکنا کر دیا تھا کیونکہ جب ہم اس بے سروسامان کمرے میں داخل ہوئے تو جم کلارک انتہائی غضب ناک انداز میں فرش پر لڑھک رہا تھا۔ ہم تینوں اس کمرے میں داخل ہوئے تو جم کلارک ایک دیو پیکر جنگلی کی طرح اس کمرے کی آخری دیوار سے لڑھکتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ ویرا کمرے میں دو قدم بڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر جم کر کھڑی ہو گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے رک گیا۔

جوں ہی جم کلارک فرش پر گول گول لڑھکنیاں کھاتا ہوا ویرا کے قریب پہنچا' ویرا کی داہنی لات گردش میں آ گئی۔ جم کلارک کے چہرے پر پڑنے والی وہ ٹھوکر اتنی شدید تھی کہ وہ اپنا مداری پن بھول کر بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ ویرا کی بے دردانہ ٹھوکر کے لگائے ہوئے زخم سے خون رواں ہو چکا تھا۔

جم کلارک کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اس لیے تمام تر جسمانی ردِعمل کے باوجود اس کے دہانے سے کوئی آواز برآمد نہیں ہو سکی۔ ویرا اس کے کرب سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ اسے غور اور دلچسپی سے دیکھتی رہی پھر اس نے آگے بڑھ کر اچانک اتنی مضبوطی سے جم کلارک کے سینے پر اپنا داہنا پیر

جمایا کہ وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود کوئی بھی کروٹ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

ویرا نے جھک کر اس کے داہنے رخسار پر ایک بھرپور تھپڑ لگایا اور بے رحمی کے ساتھ اس کے دہانے سے وہ کپڑا باہر کھینچ لیا جو شاید اس مردود کے حلق تک ٹھنسا ہوا تھا۔

اپنے دہانے کو اس ہولناک عذاب سے نجات ملتے ہی جم کلارک نے خالص امریکی انداز میں نہایت پُرپیچ مغلظات بکنی شروع کردیں جن کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ ویرا نے اس کے سینے پر سے پیر ہٹالیا۔

"تم خالص امریکن کتیا ہو جو ایک وقت میں دس کُتوں کے پاس جاتی ہے" وہ اپنے دہانے کے آزاد ہوتے ہی غضب ناک آواز میں دہاڑا "میں تم کو دیکھ لوں گا... فنا کردوں گا۔ تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہوا ہے؟"

"تم اپنی ماں بہنوں کی تعریف کررہے ہو" ویرا نے تحقیر آمیز غرّاہٹ کے ساتھ کہا "کل رات سے میں امریکن نہیں رہی ہوں۔ میں اس بے فیض، مشینی سرزمین سے اپنا رشتہ توڑ چکی ہوں۔"

"بکواس!" وہ حلق کے بل دہاڑا "تمہاری آوارہ امریکی ماں سے زنا کرنے والا بھی ایک امریکی ہی تھا۔ تم مر کر بھی اپنی اس بے ہودہ شناخت کو نہیں مٹاسکتیں۔ میرے ہاتھ آزاد ہوتے تو میں ابھی تمہارا گلا گھونٹ دیتا۔"

"پھر یہی سہی" ویرا کاٹ دار آواز میں بولی "آزاد ہو کر بھی اپنی حسرتیں پوری کرلو۔ امریکا کے صدر کو آخر کار جمی لائیڈ کی جگہ اپنے نام زد کیے ہوئے شخص کی لاش ہی وصول کرنی پڑے گی" جم کلارک کو پھٹکار کر وہ اچانک ہی ایس ٹی ایف کے آدمی سے مخاطب ہوگئی "اس ولدالحرام کے ہاتھ پیر کھول دو۔"

اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر کی جنبش سے اسے اجازت دے دی اور وہ پیشہ ورانہ انہماک کے ساتھ جم کلارک کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنی بیلٹ سے ایک تیزدھار چاقو نکال کر کھول لیا تھا۔

ہاتھ پیروں کی رسیاں کٹتے ہی جم کلارک کسی دیو قامت بن مانس کی طرح اچھل کر فرش سے کھڑا ہوگیا۔

وہ اپنے قدموں پر پوری طرح جمنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا کسی برق کوندے کی طرح لپکی اور پوری قوت سے اپنی دونوں لاتیں جم کلارک کے چہرے پر رسید کرکے ہتھیلیوں کے بل فرش پر آرہی۔

جم کلارک کے لیے ویرا کا وہ وحشیانہ حملہ غیر متوقع تھا۔ ضرب کی شدت سے اس کا منہ پھرگیا اور حلق سے ایک غرّاہٹ بھی آزاد ہوئی لیکن بس وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ ویرا کی نرم و نازک سی فلائنگ کک بھی اس کے دیو ہیکل وجود کا توازن نہیں بگاڑ سکی تھی۔

وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر، اپنے حلق سے وحشیانہ آوازیں نکالتا ہوا، ویرا کی طرف جھپٹا۔ میں خود کو اس تصادم سے الگ رکھنے کے ارادے سے ایک طرف سرک گیا۔ ویرا نہایت سکون سے اپنی جگہ پر رک کر اس کے قریب آنے کا انتظار کرتی رہی
اچانک ہی اس کی لات گردش میں آئی اور قیامت بن کر جم کلارک کے پیٹ کے نچلے حصے پر ٹوٹ پڑی۔ وہ ایک کریہہ آواز کے ساتھ فرش پر الٹ گیا۔ ویرا لپک کر اس کے سینے پر سوار ہوگئی۔

وہ ایک مرد اور ایک عورت کی جسمانی زور آزمائی تھی۔ جم کلارک کو نبرد آزما ہونے کے باوجود اس حقیقت کا پوری طرح ادراک تھا۔ اس نے ویرا کی دونوں پنڈلیوں کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی داہنی ٹانگ کے نرم ترین حصے میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ ایک مضبوط اور حوصلہ مند حریف کی جانب سے وحشیانہ اقدام ویرا کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ جم کلارک کے منہ پر مُکّے برسانے شروع کردیے۔

جم کلارک سے یوں بھڑ جانا ویرا کی بدترین غلطی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جسمانی طور پر جم سے دور رہ کر وہ اسے خون میں نہلا سکتی تھی لیکن اس سے ہاتھاپائی میں الجھ کر ویرا نے مصیبت کو دعوت دی تھی۔ وہ کتنی بھی ماہر اور پھرتیلی سہی لیکن ایک عورت ہی تھی جو مرد کے مقابلے میں بہرحال نرم و نازک ہوتی ہے۔

جم نے ویرا کی پنڈلیوں کو اپنی گرفت میں لینے کے بعد اسے ایک کھلونے کی طرح نوچنا بھنبھوڑنا شروع کردیا اور کمرے کی محدود فضا ویرا کی دردناک چیخوں سے لرزنے لگی۔ جم کلارک جسمانی طور پر، اس عمارت میں موجود ہر شخص سے برتر تھا۔ ویرا بے چاری کسی قطار و شمار میں نہیں تھی۔ جب جم کے مقابلے میں ویرا کمزور پڑنے لگی تو میں نے اس کی مدد کے لیے دخل اندازی کا ارادہ کیا لیکن میرے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ویرا کو ایک سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ بلند کرکے پوری قوت کے ساتھ اپنی کہنی سے جم کلارک کی بائیں آنکھ میں ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ ویرا کو اچھل کر اس کی گرفت سے نکلنے کا موقع مل گیا۔

جم کلارک، ویرا کی لگائی ہوئی اس ضرب سے سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا نے اس کے سر کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ جم کلارک ہر ضرب پر کسی اندھے کی طرح ویرا کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہا اور چند ہی ثانیوں میں اس کی نیم گنجی کھوپڑی سے جابجا خون رسنے لگا۔

اسے کھوپڑی کی ضربات سے نیم پاگل کردینے کے بعد وہ پھرتی سے اس کے پیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مار کھانے کے بعد ویرا کے بدن میں شیطانی قوت حلول کرچکی تھی۔ چند ہی ثانیوں میں جم کلارک اذیت سے بے حال ہونے لگا۔

میں نے ایس ٹی ایف والے کا کھلا ہوا چاقو لے کر ویرا کی طرف بڑھایا تاکہ وہ جم کلارک کو ذبح کرکے اس قصے کو وہیں ختم کرسکے لیکن ویرا نے چاقو کو نظرانداز کردیا۔ اس وقت ویرا کے ذہن پر بھی انا کا خول مسلط ہوچکا تھا۔ شاید وہ کسی ہتھیار کی مدد کے بغیر ہی اپنے حریف کو عبرت ناک شکست سے دوچار کرنا چاہتی تھی۔

جم کلارک نے لڑکھڑا کر دوبارہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کی اور اس بار ویرا نے ہوا میں اڑ کر اپنے پیروں سے اس کی گردن پر ایسی قینچی لگائی کہ اسے لے کر دوبارہ فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ جم کلارک نے اپنی گردن کو آزاد کرانے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ویرا کی سبک پنڈلیاں بہت تیزی کے ساتھ اس کی گردن کو کس رہی تھیں۔

"شی کا سپر آئی مین، ایک آوارہ کُتّے کا پلّا" ویرا ہانپتے ہوئے ہذیانی آواز میں بولی "اب دیکھتی ہوں کہ تُو کس طرح میرے چنگل سے بچتا ہے.... موت آنی ہوتی ہے تو اسی طرح آکر رہتی ہے۔"

جم کلارک کی شہ رگ پر ویرا کی پنڈلیوں کا دباؤ بے رحمانہ انداز میں بڑھتا ہی رہا۔ جم تڑپ تڑپ کر خود کو اس کی گرفت سے بچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کا دہانہ کھل گیا اور زبان اس کھلے ہوئے دہانے سے باہر لٹکنے لگی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ویرا اسے بے بس کرچکی تھی اور اس کی زندگی بس چند سانسوں کا افسانہ رہ گئی تھی۔

جم کلارک کا پورا وجود پیروں کے بل فضا میں اچھلا۔ اس نے جھٹکا دے کر خود کو آزاد کرانے کی آخری کوشش کی تھی لیکن ویرا ہوشیار تھی۔ اس نے اپنی پنڈلیوں کو جنبش دی، فضا میں ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز بلند ہوئی اور جم کے بدن پر موت کا تشنج طاری ہوگیا۔

شاید ویرا نے زور لگا کر اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ عذابِ مرگ میں مبتلا ہوچکا تھا۔

وہ لحہ بہ لحہ کمزور پڑتا رہا، ویرا کی پنڈلیوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ آخر کار وہی ہوا جو ہونا تھا۔ تڑپتے تڑپتے، جم کلارک کا عفریت نما وجود ساکت ہوگیا۔ اسے جہنم واصل کرنے کی کوششوں میں ویرا کا دل فریب چہرہ پسینوں میں شرابور ہوچکا تھا۔

جم کلارک کے ساکت ہونے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کی پنڈلیوں کے پٹھے اینٹھے ہوئے تھے۔ وہ بدقت تمام سیدھی کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی "حرام زادہ سانڈ کی طرح طاقت ور تھا..."

"ہر قریب المرگ آدمی غیر معمولی طور پر طاقت ور ہوجاتا ہے" میں نے کہا "خوشی کی بات یہ ہے کہ تم نے کسی سے مدد لیے بغیر، تن تنہا اسے ہلاک کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"یہی میری آرزو تھی" اس کے ہونٹوں پر جمی ہوئی پھیکی مسکراہٹ قدرے گہری ہوگئی "میں اپنے مردہ باپ کے کسی جانشین کو قبول کر ہی نہیں سکتی تھی۔ جم کلارک کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون سا اتر رہا تھا۔"

"تم نے اس بے چارے کو ماردیا لیکن کوئی نہ کوئی اس کی جگہ لے لے گا... تم کس کس کو موت کے گھاٹ اتارتی پھروگی۔ جمی لائیڈ کی موت کے ساتھ شی ختم نہیں ہوسکتی۔ کسی نہ کسی کو اسے سنبھالنا ہوگا۔"

"جم کلارک، جمی لائیڈ کا جانشین تھا" وہ فتح مندانہ لہجے میں بولی "اب جو بھی آئے گا وہ جمی لائیڈ کا نہیں، جم کلارک کا جانشین ہوگا۔ اس خبیث کو مار کر میرا دل ٹھنڈا ہوچکا ہے۔ اب میری بلا سے کوئی بھی آئے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ میرے لیے اب شی کی وقعت ایک بھولے ہوئے افسانے سے زیادہ نہیں ہوگی۔"

"اوّل خان کو بتادو کہ قیدی راہیٔ ملکِ عدم ہوچکا ہے" میں نے ایس ٹی ایف والے سے کہا "فوری طور پر اس کے کریا کرم کا بندوبست ہونا چاہیے۔"

"ٹھہرو!" ویرا نے اسے دروازے کی طرف بڑھنے سے روک دیا اور مجھ سے بولی "اسے میں ٹھکانے لگاؤں گی۔"

"کہاں؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا "تم تین من کی اس لاش کو کہاں لیے پھروگی؟"

"میں اسے فریئر ہال کے قرب و جوار میں ڈالوں گی" وہ ایک عزم کے ساتھ بولی "جم کلارک کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب و جوار ہی میں ملنی چاہیے۔ اسی طرح انہیں اندازہ ہوسکے گا کہ ویرا کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔"

بادی النظر میں جم کلارک عبرت ناک موت سے ہم کنار ہوچکا تھا۔ ویرا نے وہ کمرا چھوڑنے سے پہلے ایک بار پھر اپنا اطمینان کیا کہ اس کی نبضیں ساکت تھیں پھر ہم تینوں واپس چل دیے۔

ہمیں جم کلارک سے نمٹنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا لیکن

میں واپسی پر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس عمارت کے تمام کمرے بالکل خالی اور ویران ہو چکے تھے۔ ایس ٹی ایف والوں نے نہایت سرعت کے ساتھ اپنا سازو سامان کمروں سے باہر نکال لیا تھا اور ویکیوم کلینرز کی مدد سے خالی کمروں کے فرش و دیوار پر گرد کی تہیں جمانی شروع کردی تھیں۔

اوّل خان ہمیں برآمدے میں ملا۔ اس نے دور ہی سے ہمیں دشمن کی موت کی مبارک باد دی تو میں حیران رہ گیا۔ اس کا واحد آدی ابتدا سے اس وقت تک ہمارے ساتھ تھا پھر اسے کس نے جم کلارک کی موت سے باخبر کیا؟

"میں اتنا باخبر نہ رہوں تو مجھے اپنے اسٹیشن کی کمان سے سبکدوش ہوجانا چاہیے" اس نے لاابالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کوئی بتائے یا نہ بتائے، تم دونوں کے چہروں سے کامیابی پھوٹی پڑ رہی ہے۔"

باہر پورچ میں دس پہیّوں والا ایک بھاری اور لمبا ٹرک موجود تھا جس پر اسٹیشن فور کا سامان لادا جارہا تھا۔ وہ کارروائی اتنی سرعت سے شروع ہوئی تھی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ نصف باڈی والے اس ٹرک میں اتنی گنجائش تھی کہ ایک ہی چکر میں اس عمارت سے سارا ضروری سامان منتقل کیا جاسکتا تھا۔

"ویرا چاہتی ہے کہ جم کلارک کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب وجوار میں پائی جائے" میں نے اوّل خان سے کہا "اس خطرناک خواہش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"خطرناک نہیں، یہ تو بڑی نیک خواہش ہے" اوّل خان نے خوش دلی سے کہا "امریکیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کے ادنیٰ لوگ بھی ان کے مردوں کو مناسب جگہوں تک پہنچانے کا دھیان رکھتے ہیں۔"

"پھر اس تجویز پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

"تم دونوں فلیٹ لوٹ جاؤ۔ یہ بندوبست میں خود کرلوں گا۔" اس نے فراخ دلی سے کہا "قونصل خانے کے پہرے دار غافل ہوئے تو میری کوشش ہوگی کہ جم کلارک کی لاش ان کے دروازے پر ہی دریافت ہو۔"

"نئے ٹھکانے پر تم سے رابطے کی کیا صورت رہے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"چند گھنٹوں میں وہاں فون فراہم کردیا جائے گا" اوّل خان نے پُریقین لہجے میں کہا "میں فون کرکے اپنا نمبر دے دوں گا۔"

ہم دونوں وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو ایس ٹی ایف کے دو مسلح آدمی جیپ میں ہمارے پیچھے آرہے تھے۔ سڑک پر آنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ خونریز تصادم سے متاثر ہونے والی گلی بدستور ویران پڑی ہوئی تھی۔ گلی کے نکڑ پر ایس ٹی ایف کے دو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ کسی بھی سرکاری ایجنسی کے کسی اہل کار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

ہم شرف آباد پہنچے تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ایس ٹی ایف والوں کی جیپ ہمیں منزلِ مقصود پر پہنچانے کے بعد رکے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی اور میں گاڑی کو براہِ راست پارکنگ فلور پر لیتا چلا گیا۔ ڈوربیل کے جواب میں فلیٹ کا دروازہ کھولا گیا تو اس کے پیچھے تین وحشت زدہ چہرے موجود تھے۔

"بہت دیر لگادی، کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟" سلطان شاہ نے فوراً ہی پہلا سوال داغ دیا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم لوگ جلدی واپس آگئے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اگر اواری ٹاورز ہی میں ڈرامے کا اختتام ہوجاتا تو ویرا خانم آج کی رات وہیں گزارنے کے موڈ میں تھی۔"

"اور تمھاری نیت کیا تھی؟" غزالہ نے فوراً ہی چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کرڈالا۔

"میری نیت صاف تھی" میں نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا "رکنا پڑتا تو رک جاتا، حالات سازگار ہوئے تو فوراً ہی لوٹ آیا۔ اس میں دور دور تک کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"اگر کھیل بگڑ جاتا تو ان لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ہمیں رات باہر ہی گزارنی پڑتی" ویرا نے صورتِ حال بھانپ کر وضاحت پیش کرڈالی "غنیمت ہے کہ ہم حالات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے میں کامیاب رہے اور معاملات نمٹانے کے بعد اس وقت یہاں نظر آرہے ہیں۔"

"اس امریکی کا کیا بنا جس نے تمہیں بلایا تھا؟" جہانگیر کے چہرے پر بھی تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"امریکا کے لیے یہ سرزمین بہت ناموافق ہے" ویرا نے [illegible] ہوئے کہا "مل جونز اور پال ایتھرٹن آئے تو ڈیتھ نے انھیں [illegible] رکھ دیا۔ جم کلارک یہاں تک کے طویل سفر کی تھکان [illegible] اتارنے پایا تھا کہ جہنم رسید ہوگیا۔ یہ لوگ خود کو برتر بلکہ [illegible] خان سمجھ کر آتے ہیں اور آتے ہی منہ کی کھاتے ہیں۔"

"شاید یہی وہ غنچے ہیں جو بن کھلے مرجھا جاتے ہیں" جم کا[illegible] کی موت کی خبر سن کر غزالہ بھی کھل اٹھی تھی "پتا نہیں انھیں [illegible] جلدی مرجھانے کے لیے یہاں کیوں بھیجا جارہا ہے۔"

"بظاہر وہ سلور آئیز کی واپسی کا مطالبہ لے کر آیا تھا" [illegible] اچانک خیال آیا کہ ویرا نے اپنے باپ کی موت کا گہرا [illegible] اور میں نے اس وقت تک اس اہم واقعے کا کوئی ذکر نہیں [illegible] میں نے فوراً ہی بات گھماتے ہوئے کہا "لیکن بات اتنی [illegible] تھی۔ اہم ترین خبر یہ ہے کہ امریکا میں جمی لائیڈ کو موت کے گھاٹ اتارا جاچکا ہے اور....."

ان سب کی تحیّر زدہ آوازوں میں میری بات ادھوری [illegible] ان میں سے کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ جمی لائیڈ جیسا [illegible] بارسوخ گروہ بند اتنی خاموشی سے ہلاک کیا جاسکتا ہے۔

اپنے باپ کے قتل کا ذکر چھڑنے پر ویرا کے ہونٹوں پر سے [illegible]سکراہٹ رخصت ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں مایوسی نے ڈیرے [illegible]ال دیے۔ میں، غزالہ، سلطان شاہ اور جہانگیر کے پے در پے [illegible]والات کے جواب میں جمی لائیڈ کی اچانک موت کے اسباب پر روشنی ڈالنے لگا۔

"وہ مارا گیا تو جم کلارک کس اختیار کے تحت سلور آئیز لینے [illegible]یا تھا؟" جمی لائیڈ کے قتل کے محرکات سے مطمئن ہونے کے بعد جہانگیر نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اسے جمی لائیڈ کا جانشین نامزد کیا گیا ہے" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا "اب وہی ٹی کا دوسرا سپر آئی مین تھا۔ ویرا نے اس کی گردن توڑ کر اپنے باپ کی موت کا انتقام لے لیا۔ چند روز کے وقفے میں آج ٹی دوسری بار لاوارث ہوچکی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ اس کی جگہ کسے نامزد کیا جاتا ہے۔"

"اگر سلور آئیز اتنی ہی اہم ہیں تو تم نے جم کلارک کی سلور آئیز بھی اپنے قبضے میں لے لی ہوں گی؟" غزالہ نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا "اسے لینے کے دینے پڑ گئے ہوں گے۔"

"نہیں....." میں نے ویرا کی طرف دیکھا اور وہ فوراً ہی بول پڑی "ہوٹل میں اس کی جامہ تلاشی لیتے ہوئے میں نے سلور آئیز کا خیال رکھا تھا لیکن وہ اس کے پاس نہیں تھیں۔ میں بھی یہ بات سمجھ رہی تھی کہ ہمیں سلور آئیز سے کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے، سپر آئی مین کی دو سلور آئیز چھن جانے سے ٹی کے بڑوں میں صفِ ماتم بچھ جائے گی۔"

"جم کلارک کی موت ان کے لیے اس سے بڑا صدمہ ثابت ہوگی" سلطان شاہ پُرجوش لہجے میں بولا "اب پوری بات میری سمجھ میں آتی جارہی ہے۔ جمی لائیڈ کے مرتے ہی ٹی کے بڑوں نے ویرا پر سختیاں شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہوگا..... جمی لائیڈ اسے اپنی بیٹی تسلیم نہ کرنے کے باوجود بہت ڈھیل دیتا رہتا تھا جو ان بڑوں کو ناگوار گزرتی ہوگی۔ جمی لائیڈ کی زندگی میں وہ دم بھی نہیں مار سکتے تھے۔ اس کا صفایا ہوتے ہی انہیں اپنی کدورتیں نکالنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ جم کلارک سلور آئیز کی واپسی پر ہی اکتفا نہ کرتا۔ وہ یقیناً اور ہی ارادے لے کر آیا ہوگا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں جمی لائیڈ کی موت پر تم سے ہمدردی کروں یا جم کلارک کے مرنے پر خوشی کا اظہار کروں" غزالہ نے ویرا کو گلے لگا کر نہایت دردمندانہ لہجے میں کہا "وہ زندہ تھا تب بھی تم باپ کے سائے اور اس کے شفقت بھرے دو بولوں کے لیے ترستی رہیں..... وہ زندہ تھا تو اس کے سدھرنے کی ایک موہوم سی امید زندہ تھی، لیکن آج وہ امید بھی دم توڑ گئی ہے۔ میں تمہارا دکھ سمجھ رہی ہوں..... وقت گزرنے کے ساتھ خدا ہی تم کو صبر دے گا۔"

ایک محبت بھرا سہارا میسر آتے ہی ویرا کا جذباتی ابال آنکھوں کے راستے بہہ نکلا۔ اس نے غزالہ کے شانے پر چہرہ ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں لیکن بند پپوٹوں کے نیچے سے سفید موتی اُمڈے چلے آرہے تھے۔

سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی، مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مداخلت کرنے سے روک دیا۔ اس نازک جذباتی موڑ پر گھٹن ویرا کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی تھی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا تھا کہ وہ اپنے دل کا غبار ہلکا کررہی تھی۔ غزالہ بہت محبت کے ساتھ اسے اپنی آغوش میں لیے کھڑی تھی۔

ویرا کوئی آواز پیدا کیے بغیر، کئی منٹ تک خاموشی سے روتی رہی۔ اس کے بدن کی لرزشوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے وجود میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایک سفاک اور خود غرض باپ کے لیے کسی مغربی دوشیزہ کے دل کا وہ گداز میرے لیے حیرت ناک تھا۔ ویرا مغرب نژاد اور مغرب پرست ضرور تھی لیکن اس کے اندر وہ انسانی روح تھی جو خون کے رشتوں کو ہر حال میں خراج پیش کرنے کو فرض عین سمجھتی ہے۔

غزالہ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ آخر ویرا نے غزالہ کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے خود کو سنبھالا، سلطان شاہ کے پیش کیے ہوئے یخ پانی سے اپنا حلق تر کیا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کس طرح تم سب کا شکریہ ادا کروں۔ آج میں تم لوگوں کے درمیان نہ ہوتی تو شاید رو رو کر خود کو ختم ہی کرلیتی..... میں جانتی ہوں کہ وہ میرا باپ تھا۔ آخری ملاقاتوں میں اس نے خود مجھ سے اعتراف کیا تھا کہ میں اس کی ایک بھول کا شاخسانہ تھی لیکن یہ کیسا ظلم ہے کہ وہ مجھے میری پہچان دیے بغیر مر گیا..... مجھے اس کی موت پر ذرا بھی قلق نہیں ہے۔ مجھے اس بات

کا دکھ ہے کہ اس نے چار آدمیوں میں مجھے کبھی اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ مجھ سے بھی کم عمر لڑکیوں سے دوستی کرکے' ان کی زندگیاں تباہ کرنے کے شوق میں وہ خود کو ہمیشہ لاولد ظاہر کرتا رہا اور آخر کار لاولد ہی مرگیا....."

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو" جہانگیر نے نہایت بردباری سے کہا "وہ تمہیں بھولا رہا۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ تم نے اپنی زندگی بے مصرف نہیں گزاری۔ ماں اور باپ کے سائے سے محروم ہونے کے باوجود تم نے اپنی شناخت بنائی ہے۔ ہماری نظروں میں ویرا ایک نام نہیں' لیجنڈ ہے.... عظمت اور بڑائی کی علامت۔"

"اتنا مکھن نہ لگاؤ" سلطان شاہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں آئندہ بھی ایک ساتھ رہنا ہے۔ ویرا کے آنسوؤں سے ڈر کر اسے اتنا چڑھادیا تو کل یہ ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔ قصہ زمین برسرِ زمین ہی رہنا چاہیے۔ زمینی مخلوق کو آسمانی بلندیاں راس نہیں آتیں کیونکہ وہاں کا درجۂ حرارت بہت کم ہوتا ہے۔"

ویرا کی آنکھیں نم اور چہرہ اداس تھا مگر اس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تیر گئی "یہ شخص مجھے خوش دیکھ سکتا ہے نہ اداس" وہ بھرائی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے بولی "مجھے بتاؤ کہ میں اس کے مسخرے پن کا کیا جواب دوں۔"

"اپنی باری آنے پر جواب دینا' فی الحال میں سلمیٰ بھابی والے جہانگیر بھائی سے مخاطب ہوں۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا۔

"لعنت ہو تم پر" جہانگیر دانت پیستے ہوئے غرّایا "اب تم میرے پیچھے پڑ گئے؟"

سلطان شاہ نے فوراً اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیا کر کہا "میں یہ گستاخی نہیں کرسکتا۔ مجھے اپنے کولھوں کے جوڑ عزیز ہیں۔ لی وانگ کے ستم سہتے سہتے تم نے بھی اس فن میں کچھ درک حاصل کرلیا ہوگا۔"

جہانگیر کا چہرہ بگڑ گیا کیونکہ اس کے سوا سب ہی دل کھول کر ہنس رہے تھے۔ جہانگیر کا دل جلانے والی بات یہ تھی کہ ویرا کا قہقہہ سب سے بلند آہنگ تھا۔

"ہنسی مذاق بعد میں بھی چلتا رہے گا۔ فی الحال ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیے" مذاق کے طول پکڑنے پر مجھے مداخلت کرنی پڑ گئی کیونکہ ماحول پر چھایا ہوا جمود ختم ہوتے ہی وہ چاروں بے فکری کے مظاہرے پر تل گئے تھے۔

"کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم سب یہاں جم کلارک کی موت کا جشن منا رہے ہیں؟" جہانگیر نے پوچھا۔ اس وقت وہ بھی اپنی ابتدائی برہمی کو بھول کر بدلے ہوئے ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وہ اکیلا نہیں تھا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اس کے ساتھ سی آئی اے کے دو امریکی ایجنٹ بھی آئے ہوئے ہیں۔ جم کلارک انہیں ہماری صورتیں دکھانی چاہتا تھا اور وہ مرنے سے قبل یہ کام کرچکا تھا۔ اب وہ ہم دونوں کی گردنیں کاٹے بغیر یہاں سے نہیں لوٹیں گے۔ پہلے ہمارا جرم صرف اتنا تھا کہ جمی لائیڈ اپنی بعض ناگزیر مصلحتوں کی بنا پر ہمیں رعایتیں دے رہا تھا۔ اب دوسرا سنگین تر جرم یہ ہے کہ ہم نے ان کے نئے مہرے' جم کلارک کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا ہے۔"

"وہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے...." سلطان شاہ نے بولنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ نہ سوچو کہ وہ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے کھل کر کام نہیں کرسکیں گے۔ آج ان کی طرف سے لڑتے ہوئے جو تین مقامی مارے گئے ہیں' انہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے اردگرد ان کے پروردہ اور لوگ بھی ہوسکتے ہیں۔ وہ خود سامنے آئے بغیر ہم پر کاری وار کرسکتے ہیں.... آج ہی کی بات دیکھ لو کہ ان میں سے ایک زخمی ہوا تو دوسرا اسے اپنے ساتھ لے کر فرار ہوگیا۔ انہیں اپنے لیے لڑنے والے مقامیوں کی فکر تک نہیں تھی۔ وہ ہر قیمت پر خود کو بچانا اور پس پردہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی دوغلی لڑائی میں تم مقامیوں سے کہاں تک بچوگے؟"

"تم مدافعانہ جنگ کے بارے میں سوچتے رہوگے تو مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا" ویرا نے نرم آواز میں کہا "میں ان خبیثوں کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ تم ان سے دور بھاگو گے تو یہ خون آشام بھیڑیوں کی طرح تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم بڑھ کر ان پر وار کروگے تو یہ تم سے چھپتے پھریں گے۔ میری رائے مانو تو آج کی رات آرام سے بسر کرکے صبح کوئی منصوبہ تیار کرو اور کہیں نہ کہیں انہیں گھیر لو۔ اس بات کی پروا نہ کرو کہ وار اوچھا پڑا تو کیا ہوگا۔ وہ مارے گئے تو قصہ ہی پاک ہوجائے گا اور کسی وجہ سے زندہ بچ گئے تو دہشت زدہ ہوجائیں گے۔ دہشت زدہ امریکی ایک چوہے سے زیادہ بدتر ہوجاتا ہے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے مسکرا کے کہا "یہ اسی وقت ممکن ہے جب آرام سے رات بسر ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو۔ یہاں تو فی الحال دن نکلا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔"

"ابھی موتی لال کی دھمکیوں کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ یہ لوگ بیچ میں آکودے" غزالہ ایک گہرا سانس لے کے بولی "دیکھو موتی لال کیا گل کھلاتا ہے۔ پہلے صرف اسی کی فکر تھی اب ایک نیا محاذ کھل جائے گا۔"

"یہ مسائل ختم ہونے والے نہیں ہیں" سلطان شاہ نے کہا۔ "جب تک دونوں ملکوں کے دوستانہ مراسم استوار نہیں ہوجاتے' یہ جھگڑے یوں ہی چلتے رہیں گے۔ مار دھاڑ سے صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ ان کی پیش رفت سست پڑجاتی ہے' چہرے بدل جاتے ہیں لیکن محاذ آرائی جاری رہتی ہے۔ اب اوّل خان کے آدمی موتی لال کو پکڑ بھی لیں تو وہ کسی رمیش کمار کو آگے لے آئیں گے۔ ان

مسائل کو اب ہمیں ایک معمول سمجھ کر قبول کرلینا چاہیے۔"

"شی کا معاملہ بھی ایسا ہی پیچیدہ ہے" ویرا بولی "مقابلہ چھوٹے موٹے گروہوں سے ہو تو ایک دو بڑے بدمعاشوں کو مار دینے کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ گروہ بکھر جاتے ہیں۔ زندہ بچنے والے روپوشی اختیار کرلیتے ہیں۔ لیکن شی کی سب سے بھیانک خرابی یہی ہے کہ اس میں ایک ڈراؤنا تسلسل ہے۔ یہ بکھر نہیں سکتی کیونکہ اس کی پشت پناہی کرکے ایک ریاستی طاقت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اس کی طاقت میں جمی لائیڈ کی موت سے فرق پڑا نہ جم کلارک کا قتل شی والوں پر زیادہ اثر انداز ہوسکے گا۔ وھائٹ ہاؤس کی بند دیواروں میں سے کوئی نیا فرمان جاری ہوگا اور شی پر ایک نیا سپر آئی مین مقرر کردیا جائے گا۔ نیا آنے والا بھی ہمیں آسانی سے نہیں بھول سکے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں" جہانگیر نے میری اور ویرا کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا "کسی شیطانی چکر میں آئے ہوئے ہو۔ جہاں جاتے ہو' وہاں مصائب کی برسات شروع ہوجاتی ہے۔ تمہیں کچھ دنوں کے لیے ہمالیہ کی کسی برفانی چوٹی پر ڈیرا جمالینا چاہیے تاکہ تمہارے دشمن تمہیں بھول سکیں....."

"ان کے دشمن وہاں بھی پہنچ جائیں گے" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔

"اللہ معاف کرے!" جہانگیر اپنے کانوں کو چھو کر بولا "کبھی میں بھی شی میں ہوا کرتا تھا اور کراچی مین خاصا اہم آدمی ہوا کرتا تھا۔ شی سے جان چھوٹی تو خاموشی سے کنارہ کشی کرلی۔ اب کوئی میرا پیچھا نہیں کرتا۔"

"یہ تمہاری زیادتی ہے" ویرا نے اسے ٹوکا "تم اپنا اور ڈینی کا موازنہ نہیں کرسکتے۔ کراچی میں اپنی اہمیت کے باوجود' تم شی کے ایک عام کارکن تھے۔ شی کو یہاں سے اکھاڑنے والا ڈینی ہے۔ اس نے پاکستان ہی میں نہیں' دنیا کے کئی حصوں میں شی اور اس کے سربراہ کو بھاری نقصانات پہنچائے ہیں۔ ڈی ڈی یا دلدار آغا کو اسی نے تباہ کیا تھا.... اس نے تو غزالہ کو ڈینی سے چھین بھی لیا تھا۔ اگر تم واقعات کے اس تسلسل پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ شی والے مرکر بھی ڈینی کو نہیں بھلا سکتے۔ یہ ایک عذاب بن کر انہیں ڈراتا رہے گا۔"

"تم میری بات کو غلط سمجھ رہی ہو" جہانگیر نے احتجاج کیا "میں اپنا اور ڈینی کا موازنہ نہیں کررہا تھا۔ ڈینی سے پوچھ لو کہ جب اس کے ذہن میں شی سے بغاوت کے جراثیم پیدا ہوئے تو میں اس کا ہم نوا تھا۔ یہ دنیا سے برائیاں مٹانے کا ٹھیکا لے بیٹھا ہے اس لیے عذاب میں ہے۔ اسے اس قدر کھل کر سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"پھر کون سامنے آتا؟" ویرا نے سوال کر ڈالا "شی کو ختم کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو کام کرنا ہی تھا۔ ڈینی پہل نہ کرتا تو شی آج پاکستان میں ایک لرزہ خیز طاقت بن چکی ہوتی اور تم اس کے بے دام غلام ہوتے۔ شاید تم کو علم نہیں کہ شی ہیروئن کی بے حساب آمدنی سے کیسے کیسے گل کھلاتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو" جہانگیر نے کمزور سی آواز میں کہا "میں تو....."

"شی سماج دشمن اور ملک دشمن عناصر کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرتی ہے" ویرا تیز اور قدرے غصیلی آواز میں بولی۔ "سرکاری اہل کاروں میں رشوت کے بگاڑ کو ترقی دیتی ہے' اپنے مفادات کے لیے ابھرتی ہوئی پوری نسل کو تباہ کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر بدعنوان سیاست دانوں کو خریدتی ہے۔ پیسے کے زور پر ان کو اقتدار کے ایوانوں میں پہنچاتی ہے۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جب کسی ملک کے مقتدر ایوان میں منشیات فروشوں' رسا گیروں اور بدمعاشوں کی ایک بڑی تعداد براجمان ہو تو ملک کس رخ پر چل پڑتا ہے؟ کولمبیا کی مثال سامنے ہے۔ وہاں قانون تاراج کیا جارہا ہے۔ شرفا کی عزتیں غیر محفوظ ہیں۔ قانون کی بالا دستی کا طبل بجانے والے ججوں کو عدالتوں میں گولیوں سے بھونا جارہا ہے.... جہاں بھی شی کے قدم جمتے ہیں وہاں ایسی ہی کہانیاں دہرائی جاتی ہیں۔ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ اس پودے کو یہاں سے بروقت اکھاڑ پھینکا گیا۔"

ویرا کی باتیں سن کر فرطِ حیرت سے جہانگیر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا قدرے توقف کے بعد تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "صدمے سے میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔ آج میں اس لیے کھل کر بات کررہی ہوں کہ آج شی سے میرا رہا سہا تعلق بھی ختم ہوگیا۔ میں نے شی سے نہیں' جمی لائیڈ سے وفاداری کا ذاتی حلف اٹھایا تھا۔ اس کے مرجانے کے بعد میں بالکل آزاد ہوچکی ہوں۔ اب کوئی آئی مین اور سپر آئی مین میری زبان بند نہیں کرسکے گا۔"

"عورتوں کی زبان کوئی بند نہیں کرسکتا" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اس کی بس ایک ہی صورت ہے کہ تم روشنیاں گل کرکے بستر پر دراز ہوجاؤ.... رات بہت تیزی سے ڈھل رہی ہے۔"

ایک بار پھر سب ہنس پڑے اور اپنے اپنے کمروں کا رخ کرنے کے ارادے سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اسی لمحے فلیٹ کی ڈوربیل پوری قوت سے چیخ پڑی۔ سب خاموش ہوکر فکرمندانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ میں محتاط انداز میں بند دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

میں نے پوری احتیاط کے ساتھ دروازے کا بولٹ گرانے کے بعد قفل کھولا۔ دروازے کو ایک مختصر سی حد سے آگے نہ کھلنے دینے والی مضبوط زنجیر پہلے ہی اپنی سلائیڈ میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے زنجیر کی حد کے مطابق دروازے میں جھری پیدا کی تو مجھے ایک معصوم سا باوردی نوجوان سامنے نظر آیا۔ اس کے شانے سے جھولتے ہوئے بیگ پر شہر کی ایک معروف کوریر سروس کے نام کے ابتدائی حروف نمایاں تھا۔ ناوقت آمد پر وہ خود بھی شرمندہ سا نظر آرہا تھا۔

اس کے پیچھے بلڈنگ کا چوکیدار بھی موجود تھا۔ اس کی خواب آلود آنکھوں سے غصے اور بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ ہم لوگوں کی وقت ناوقت آمد سے بہت پریشان رہتا تھا۔ ہم سے نجات ملی تو ہمارے حوالے سے اس پیغام رساں نے شاید چوکیدار کو گہری نیند سے اٹھا دیا تھا۔

"سوری سر!" بیگ والے لڑکے نے نہایت تہذیب اور شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے' اپنے بیگ میں سے ہلکے نیلے رنگ کا ایک لفافہ اور بال پین نکال کر میری طرف بڑھا دیا "اپنے بہت سے سرپرستوں کی بے آرامی اور تلخ تجربات کے بعد ہماری کمپنی نے ڈلیوری کے اوقات 9 بجے صبح سے شام کے پانچ بجے تک محدود کردیے ہیں پھر بھی بعض اہم ترین پیغام کی ترسیل کے لیے اوڈ ٹائم سروس بھی مہیا کرنی پڑتی ہے۔ عام خطوط کے مقابلے میں اس کا معاوضہ دس گنا سے بھی زیادہ لیا جاتا ہے لیکن لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس خطیر رقم کی بھی پروا نہیں کرتے۔ خدا کرے کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔"

میں نے لفافے سے منسلک رسیدوں پر بے زاری سے دستخط کیے۔ دو رسیدیں پھاڑ کر' بال پین سمیت اسے لوٹا دیں۔ وہ ان چیزوں کو اپنے بیگ میں اڑستا ہوا' سلام کرکے بعجلت زینے اترنے لگا۔ چوکیدار بڑبڑاتا ہوا اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں ان دونوں پر مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر' دروازہ بند کرکے اندر لوٹ آیا۔

"کوریر سروس کی چٹھی..... اس وقت؟" ویرا میرے ہاتھ میں دبا ہوا لفافہ دیکھ کر تحیر زدہ آواز میں بولی۔

"اسے تکنیکی زبان میں اوڈ ٹائم سروس یا بے وقت کی خدمت کہتے ہیں جو خطیر معاوضے پر بھی مشکل ہی سے ملتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ خط تمہارے نام آیا ہے۔ اجازت ہو تو کھول لوں؟" میں نے پوچھا۔

"کھول لو..." وہ بے زاری سے بولی "میرے کون سے محبت نامے آتے ہیں؟"

"دل چھوٹا نہ کرو" سلطان شاہ نے گرہ لگائی "اب میں بھیج دیا کروں گا۔"

لفافے پر اسی فلیٹ کے پتے کے ساتھ ویرا کا نام لکھا ہوا تھا۔ خط بھیجنے والے کا نام ایچ ڈی نارمن تھا۔ اس کے پتے میں کلفٹن کا لفظ سب سے نمایاں تھا۔ بظاہر وہ غیر سرکاری اور نجی خط معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر وہ بند لفافہ ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

لفافے میں سے برآمد ہونے والا کاغذ بھی لفافے کا ہم رنگ تھا۔ تحریر پر نظر پڑتے ہی ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور چند ثانیوں کے تحیر زدہ سکوت کے بعد اس نے اس خط کے مندرجات بلند آواز میں پڑھنے شروع کردیے۔ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا اور اس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

"ویرا ڈارلنگ!

"تم جانتی ہو کہ جم کلارک تمہارا خیر خواہ ہے۔ وہ تمہارے کچھ اہم معاملات نمٹانے کے لیے امریکا سے یہاں آیا تھا۔ آج شام وہ ہوٹل میں تم سے ملا۔ تمہارا ایک بدنام مقامی دوست بھی تمہارے ساتھ تھا۔ ہوٹل میں تم تینوں کی ملاقات کے کئی گواہ مل جائیں گے۔ وہاں سے تم جم کلارک کو ایک مکان میں لے گئیں۔ وہاں کیا کچھ ہوا' یہ تم ہی کو معلوم ہوگا۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ جم کلارک جو ایک اہم امریکی شہری ہے' ابھی تک گھر نہیں لوٹا۔ میں فوری طور پر اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ مکان جہاں جم کو لے جایا گیا تھا' حیرت ناک سرعت کے ساتھ خالی کردیا گیا ہے۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم جم کلارک کی دوست نہیں رہی ہو؟ یہ خط ملتے ہی مجھ سے فون پر رابطہ کرو۔ تمہارے فلیٹ کا فون نمبر میری سیکریٹری' جینی کی ڈائری میں محفوظ ہے اور وہ اپنی میز کی درازیں مقفل کرکے دو دن کے لیے اسلام آباد گئی ہوئی ہے۔ میں تمہاری خاموشی کو کھلی مخاصمت کا اعلان تصور کروں گا۔ امید ہے کہ تم ایسی نوبت نہیں آنے دوگی اور فوری طور پر نیچے دیے ہوئے فون نمبر پر مجھ سے بات کروگی۔ ایک بار مقامی حکام کو ملوث کرلیا گیا تو میں اپنی تمام تر خواہشات کے باوجود بھی تمہاری کوئی قابل ذکر مدد نہیں کرسکوں گا۔"

دستخط کے نیچے کلفٹن کے علاقے کا ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ ویرا نے خط پڑھ کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور وہ خط بے پروائی سے فرشی قالین پر اچھال دیا۔

"اب حرام زادے بلبلا رہے ہیں" وہ اسی قہقہے کے دوران بولی "میں تم کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ خوف زدہ امریکی کسی چوہے سے زیادہ بدتر اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ سی آئی اے والوں نے اپنے زخموں کی دیکھ بھال اور اوسان کی بحالی کے بعد' دوبارہ اسٹیشن فور کا چکر لگایا ہوگا تو میدان صاف پاکر ان کے فرشتے کوچ کرگئے ہوں گے۔"

"لیکن یہ ایچ ڈی نارمن کون ہے؟" غزالہ نے قالین پر سے لفافہ اٹھا کر' نام پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ عرصے پہلے تک امریکن قونصل خانے میں سیکنڈ سیکریٹری ہوا کرتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ جم کلارک اور اس کے ساتھ آنے والوں کا پروٹوکول افسر بھی یہی ہو" وہ خط پڑھنے کے بعد ویرا تروتازہ نظر آنے لگی تھی "ان لوگوں نے ہمیں بے یارو مددگار سمجھ کر

بڑی چالاکی سے اپنا جال بچھایا تھا لیکن ان کی بازی الٹ گئی۔ جم کلارک جیسے وی آئی پی کو گنوا دینے کے بعد ان کے ہاتھ پیر پھول گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جم کلارک کسی سفارتی بہروپ میں یہاں آیا ہو۔"

"اپنے ایک اہم شہری کی گمشدگی کے حوالے سے وہ مقامی انتظامیہ کو ہلا دینے کی طاقت رکھتے ہیں" غزالہ بولی۔

"اتنا آسان نہیں ہے" میں بولنے پر مجبور ہوگیا "وہ گھیرا ڈالا جاتا یا راستہ چلتے مارا جاتا تو کچھ نہ کچھ بات بن سکتی تھی۔ اب وہ مقامی حکام کو کیا کہانی سنائیں گے..... ؟ میرا خیال ہے کہ اول تو ان لوگوں نے بھی سوچے سمجھے بغیر اسٹیشن فور چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ شاید وہ امریکنوں کے رعب میں آگیا تھا۔ وہ لوگ مر کر بھی اسٹیشن فور کا حوالہ نہیں دیں گے۔ وہاں زبردست کشت و خون ہوا ہے۔ سامنے والی گلی میں تین مقامی غنڈوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان لاشوں کے آس پاس سے امریکی ساخت کے ہتھیار' میگزین اور گولیوں کے ان گنت خول ملیں گے۔ اسٹیشن فور کی نشان دہی کرنے کے بعد وہ ان تمام چیزوں کے بارے میں کہاں سے جواز لائیں گے؟"

"بدترین بات یہ ہے کہ ہم لوگ جم کلارک کو مار بیٹھے ہیں اور وہ ہمارے فون نمبر کے علاوہ اس ٹھکانے سے بھی واقف ہیں" جہانگیر پُرتشویش آواز میں بولا "وہ اسٹیشن فور کا ذکر کیے بغیر' جم کلارک کی گمشدگی کی رپورٹ میں مشتبہ ملزموں کے طور پر تم دونوں کے نام دے دیں تو یقین رکھو کہ تم لمبے چکر میں آجاؤ گے۔"

"جہانگیر ٹھیک کہہ رہا ہے" ویرا نے مجھے بولنے سے روکتے ہوئے کہا "جب تک ان لوگوں کا ردِعمل سامنے نہ آجائے' ہمیں پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے..... یہ فلیٹ چھوڑ دینے کی صورت میں ہمیں کچھ عرصے کے لیے موتی لال سے بھی نجات مل جائے گی۔ یہ فلیٹ ہمارے دشمنوں میں ضرورت سے زیادہ شہرت پاچکا ہے۔"

"لیکن موتی لال سے تو ہم خود چھیڑ چھاڑ جاری رکھنے کا فیصلہ کرچکے ہیں" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"تم مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرلینا" ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کے سر کو قدرے خم دیا اور بولی "اس کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جب چاہوں گی' اسے دفتر سے نکال کر سڑک پر لے آؤں گی۔"

"لیکن تمہیں ایک بار نارمن سے بات کرلینی چاہیے" غزالہ نے سنجیدگی سے لقمہ دیا۔

"ہاں!" میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی "کم از کم پتا تو چلے کہ وہ کس نہج پر سوچ رہا ہے۔"

"مجھ سے بات کرکے اسے کچھ نہ کچھ تسلی ہوجائے گی" ویرا میرے نقطہ نظر سے متفق نہیں تھی "میری خاموشی اس خبیث کو اعصاب شکن بے یقینی میں مبتلا رکھے گی۔ انہیں اذیت پہنچا کر اب مجھے خوشی ہونے لگی ہے۔"

"تم سے بات کر کے وہ کیا جان لے گا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اسے معلوم ہو جائے گا کہ جم کلارک اب ایک بھولی ہوئی کہانی بن چکا ہے۔"

"تم اسے اصل واقعات کی ہوا بھی نہ لگنے دینا۔ وہ سمجھتا رہے گا کہ جم اب بھی تمہارا قیدی ہے لیکن یہ بلاوجہ کی بات ہے چند گھنٹوں بعد دن طلوع ہونے والا ہے۔ اوّل خان نے وعدہ کیا ہے کہ دن نکلنے سے پہلے وہ جم کلارک کی لاش امریکن قونصل خانے کے آس پاس پھنکوا دے گا۔ چند گھنٹوں بعد نارمن کو بھی اس کے قتل کا علم ہو جائے گا۔ جو بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہ سکے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی جانی چاہیے" میرے جواب نے ویرا کو خاموش کر دیا۔

بقیہ تینوں بھی میرے ہم نوا ہو گئے۔ ویرا کا مؤقف ویسے ہی کمزور پڑ چکا تھا۔ وہ شکست خوردہ انداز میں اسپیکر فون کی طرف بڑھ گئی۔ ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کیا تو غزالہ نے مستعدی سے نارمن کا ہلکا نیلا خط اس کی طرف بڑھا دیا کیونکہ نارمن کا فون نمبر اسی پر لکھا ہوا تھا۔

نمبر ملتے ہی پہلے بزر پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا گیا۔ ہیلو کے بجائے خالص امریکن لہجے میں ہائے کہا گیا تھا لیکن بولنے والے کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔

"مجھے نارمن سے بات کرنی ہے اور اگر تم ہی نارمن ہو تو سن لو کہ میرا نام ویرا ہے" ویرا نے ترش اور جارحانہ لب و لہجے میں اپنی بات سننے والے کے کانوں تک پہنچائی۔

"اوہ! ویرا ڈارلنگ!" اس کا نام سنتے ہی، دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز کھل اٹھی "میں ہنری بول رہا ہوں۔ تم بے تکلفی سے مجھے میرے پہلے نام سے پکار سکتی ہو۔ میرا پورا نام ہنری ڈریک نارمن ہے۔"

"تمہارا نام بہت لمبا اور بے ہودہ ہے" ویرا خشک لہجے میں بولی "نام کی طرح تمہارا خط بھی غیر معیاری اور واہیات تھا۔ اگر وہ رات گئے موصول نہ ہوتا تو میں اسے بالکل نظرانداز کر دیتی۔"

"کیا خرابی تھی اس میں؟" وہ ویرا کی زبان سے اپنی غلطی کے بارے میں جاننے کا خواہاں تھا۔

"خط کی ابتدا میں تم نے ڈارلنگ کے ساتھ مجھے میرے پہلے نام سے مخاطب کیا تھا لیکن اپنا پہلا نام کہیں نہیں لکھا تھا جو امریکی رواج کے یکسر خلاف ہے۔۔۔۔ کیا تم خود کو مجھ سے کچھ برتر سمجھتے ہو؟"

"اوہ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ بالکل نہیں" وہ ہکلا کر انکار کی تکرار کیے چلا گیا "بس پریشانی میں مجھ سے چوک ہو گئی۔ میں اپنی اس لغزش پر سخت شرمندہ ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میری اتنی بڑی غلطی کے باوجود تم نے فون کر کے مصالحت کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ میں اس بارے میں بدترین وسوسوں کا شکار ہو چلا ہوں۔"

"میں ساری رات فون پر نہیں بیٹھی رہ سکتی۔ وقت ضائع کرنے کے بجائے اصل بات شروع کرو" ویرا غرائی۔

"جم کلارک کہاں ہے؟" لحظہ بھر کے توقف کے بعد دوسری طرف سے متجسس آواز میں پوچھا گیا۔

"اگر تم اس کے پروٹوکول افسر تھے تو اس سوال کا جواب تمہارے علم میں ہونا چاہیے۔"

"بدقسمتی سے میں ہی اس کا افسر مہمان داری ہوں لیکن اس کے بارے میں بے خبر ہوں۔"

"یہ تمہاری بدترین نااہلی ہے۔ میں اس بارے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"وہ تم سے ملنے کے لیے ہوٹل گیا تھا۔ تم ضرور میری مدد کر سکتی ہو۔"

"وہ اکیلا نہیں تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے ایک جلوس لے کر آیا تھا۔ اس کے ساتھیوں سے پوچھو کہ انہوں نے اس مردود کو کہاں چھوڑا تھا۔ میں نے یہاں لاوارث امریکنوں کو ڈھونڈنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا ہے۔"

"وہ کہتے ہیں کہ جم کلارک آخر تک تمہاری اور ڈیزی کی گاڑی میں تھا۔"

"میری گاڑی پارکنگ لاٹ میں موجود ہے۔ آکر دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کونے کھانچے میں گھس گیا ہو۔"

"اتنی بے رحمی سے میرا مضحکہ نہ اڑاؤ" اسپیکر فون... ابھرنے والی آواز میں بے بسی امڈ آئی "ماضی میں، میں کئی... تمہارے کام آچکا ہوں۔"

"ماضی میں تم مجھ سے اپنی خدمات کا معاوضہ بھی وصول... کرتے رہے ہو" ویرا کے پاس اس کی ہر بات کا جواب موجود تھا "تمہاری کار میں جم کو ایلس روڈ کی اسی عمارت میں لے گیا تھا جو اب ویران پڑی ہوئی ہے۔"

"پتا نہیں تم کس عمارت کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں... معلوم ہوا کہ وہ عمارت ویران ہو چکی ہے؟"

"پہلے وہاں چپے چپے پر مسلح آدمی دندناتے پھر رہے تھے۔... کی سرسراہٹ پر بھی گولیاں برسا رہے تھے۔ وہاں بہت خون... ہوا تھا لیکن اب وہاں پھاٹک پر کئی فائر کیے گئے تب بھی اندر کوئی جواب نہیں آیا۔ عمارت مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اور دور سے آسیب زدہ معلوم ہو رہی ہے۔"

"پھر وہ عمارت آسیب زدہ ہی رہی ہوگی" ویرا نے بے پر... سے کہا "ان علاقوں میں ایسے چکر چلتے رہتے ہیں۔ آسیبی نظر... کا شکار ہونے والے حقائق کے بجائے وہی کچھ دیکھتے رہتے ہیں... آسیب انہیں دکھانا چاہتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو اس عمارت... داخل ہو کر دیکھ لو۔ تمہارے شبہات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

"تم بلاوجہ مجھے چکر دے رہی ہو" وہ جھلا گیا "یہ بہت لمبا... ہے۔ اس ویران مکان کے سامنے والی گلی میں سے مقامی پو...

ان تینوں مقامیوں کی لاشیں اٹھا رہی ہے جو جم کلارک کو اس عمارت سے بازیاب کرانے کی کوششوں میں مارے گئے تھے۔ دو آدمی زخمی ہو کر لوٹے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ بتایا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تمہاری پوزیشن بہت مضبوط ہے اور تم اسی گھمنڈ میں میرے سوالات کو جائز اہمیت نہیں دے رہی ہو۔"

"میں تمہارے احمقانہ مفروضات پر اپنی رات برباد نہیں کر سکتی۔"

"میں جم کلارک کی بازیابی کا قصہ پولیس کے حوالے کر دوں گا" اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا۔

"تین لاشوں اور ہتھیاروں کا جواز پیش کر سکو تو یہ ہمت بھی کر ڈالو۔ یہ یاد رکھنا کہ یہاں کی پولیس غیر ملکیوں سے پوچھ گچھ بہت رغبت سے کرتی ہے۔ تفتیش کے سلسلے میں مرد یا عورت کی پروا کیے بغیر کم و بیش ہر خوب رو ملزم کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تم ویسے بھی نو عمر اور خوش شکل ہو۔ تمہاری چمک دار نیلی آنکھیں اپنے حلقوں....."

"شٹ اپ!" اس نے جھنجلا کر ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میرے ساتھ بے ہودہ مذاق کی کوشش مت کرو۔ یہاں کی پولیس مجھے انگلی بھی نہیں لگا سکتی۔ ابھی تک ہم سرکاری طور پر اس معاملے میں سرگرم نہیں ہوئے ہیں مگر ہمارے چند آدمی موقع پر پہنچ چکے ہیں اور اپنا کام دکھا رہے ہیں۔"

"وہاں موجود پولیس والوں نے تمہارے آدمیوں کو آسیبی عمارت کے پھاٹک پر چاند ماری کرنے کی اجازت دے دی تھی؟" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ غیر مسلح ہیں" اسپیکر فون سے تکبر آمیز لہجے میں آواز ابھری "پولیس والوں کو مخصوص راہ پر ڈالنے کے لیے وہ اپنے ذہن اور زبانیں استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے ایما پر پولیس والوں نے تمہاری کمین گاہ پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"وہ میری کمین گاہ تھی تو تم نے خط دوسرے پتے پر کیوں بھجوایا ہے؟"

"خط بھیجنے تک میں پورے واقعات سے باخبر نہیں ہو سکا تھا" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تم جھوٹے ہو" ویرا اس پر برس پڑی "اپنے خط میں تم نے صاف لکھا ہے کہ وہ مکان جہاں جم کو لے جایا گیا تھا' حیرت ناک سرعت کے ساتھ خالی کر دیا گیا ہے۔ خط لکھتے ہوئے تم ہر بات سے باخبر تھے۔"

"میری بات پکڑ کر فردعات میں نہ الجھو!" اس کی آواز دھیمی اور سخت ہو گئی "میں صرف جم کلارک کی واپسی چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہوا' میں اسے بھول جاؤں گا۔ کسی سے ذکر تک نہیں کروں گا۔"

"بھول جانے اور گھر جا کر کسی سے ذکر نہ کرنے کا تعلق بچپن اور لڑکپن کی لغزشوں سے ہوتا ہے۔ اپنی ناسمجھی کے زمانے کے ان کلیوں کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی پر لاگو نہ کرو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے' تم اس کے بارے میں ڈھول بھی بجاتے پھرو تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ساری رسوائی تمہارے حصے میں آئے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم جم کلارک کی واپسی کے مسئلے پر بات کرنے پر آمادہ نہیں ہو؟" آواز تیز اور غصیلی ہو گئی۔

"جم کلارک میرے نزدیک قطعی غیر اہم مہرہ ہے۔ مجھے قطعی علم نہیں کہ اس وقت وہ کہاں ہو گا۔ اگر وہ تمہارے لیے گلے کی ہڈی ہی بن گیا ہے تو میں دیکھتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ تم اس کے بارے میں کیا چاہتے ہو؟"

"میں بار بار کہہ چکا ہوں اور اب پھر دہراتا ہوں کہ میں اس کی واپسی چاہتا ہوں۔"

چند لمحوں کے ڈرامائی توقف کے دوران ویرا زہریلے انداز میں مسکرائی پھر اسپیکر فون میں بولی "میری کوشش ہو گی کہ وہ صبح تک تم لوگوں میں واپس پہنچ جائے۔ اس نے مجھے جو کچھ بتایا ہے' اس کے بارے میں تمہارے کسی بڑے سے بات کی جائے گی۔ اونچی سطح کی ان باتوں کے لیے تم بہت چھوٹے افسر ہو۔"

"تم مجھے بتاؤ" وہ یک بیک جوش میں آ گیا "میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ کسی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکا تو کم از کم تمہارا سوال متعلقہ عہدے دار تک ضرور پہنچا دوں گا۔"

"جمی لائیڈ کو کس کے حکم پر قتل کیا گیا؟ یہ میرا پہلا سوال ہے" ویرا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا..... وھائٹ ہاؤس کے باہر ایک نامعلوم قاتل نے اسے ہلاک کیا۔ وہ کس کے اشارے پر کام کر رہا تھا؟ اس سوال کا جواب تو فی الحال صدر کے پاس بھی نہیں ہو گا" نارمن نے ایک ایک لفظ ناپ تول کر ادا کیا تھا "مم..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جم کلارک پہلی ہی ملاقات میں یہ بری خبر تمہیں سنا دے گا۔"

"وہ کم ظرف اور کمینہ تھا..... وہ مجھ پر جلد از جلد اپنی برتری اور تحکم جتانا چاہتا تھا..... وہ ٹی میں بس میرا ہم منصب ہی تو تھا۔ وہ آئی مین اور میں آئی ٹو مین۔ جب وہ مجھے اپنے اختیار کی دھونس میں نہ لے سکا تو معاملہ اس کی بساط سے باہر ہو گیا۔ اسے کہنا پڑا کہ وہ آئی مین نہیں' ٹی کا سپر آئی مین ہے کیونکہ ٹی کے بانی' جمی لائیڈ کو موت چاٹ گئی تھی۔"

"تم جم کلارک کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کر رہی ہو؟" نارمن کی سہمی ہوئی آواز ابھری "کیا تم نے جمی لائیڈ کے قتل کا انتقام اس سے لیا ہے؟ وہ زندہ تو ہے نا؟"

"بات ماضی کی ہو تو ماضی کا صیغہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہ انگریزی زبان کی خرابی ہے۔ مجھے اتنا یقین ہے کہ جم کلارک ابھی تک موجود ہے۔ کس حال میں ہے؟ میں یہ نہیں جانتی۔ ویسے ہر انسان پیدائش سے موت کے بعد تک موجود رہتا ہے۔ وہ غائب

اسی وقت ہوتا ہے جب اسے مٹی میں دفن کر دیا جائے یا آگ میں بھسم کر دیا جائے۔ جم کلارک کو چلتا پھرتا اور سوتا جاگتا دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ جم کلارک ہے۔ اس کی بے جان لاش کو دیکھنے والے بھی اسے بالکل ان ہی الفاظ سے پہچانیں گے۔ فرق آخری رسوم کے بعد پڑتا ہے جب آدمی ایک بھولا ہوا خواب بن جاتا ہے۔"

"تم مجھے دہلا رہی ہو..... امید دلا دلا کر ناامیدی کے شوشے چھوڑ رہی ہو....."

"یہ میرے چھوڑے ہوئے شوشے نہیں' تمہارے ذہن میں کلبلاتے ہوئے وسوسوں کے بچھو ہیں جو تمہارے احساسات میں اپنے زہریلے ڈنک مار رہے ہیں۔ تمہیں خود جم کلارک کی زندگی کا کامل یقین نہیں ہے۔ تم میرے الفاظ میں اس کی زندگی اور موت تلاش کر رہے ہو۔ اپنے ان پالتو بچھوؤں کو سلا دو۔ میری باتوں سے تمہیں سکون ہی سکون ملنے لگے گا..... لیکن اب میں زیادہ باتیں نہیں کر سکتی..... فون بند کر رہی ہوں۔"

"مجھے اپنا نمبر تو دے دو۔ میری سیکریٹری نہ جانے کب واپس آئے۔"

"نہیں" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "موڈ ہوا تو میں خود بات کر لوں گی۔"

"مجھے ایک بار پھر کوریر سروس کا سہارا لینا پڑے گا کیونکہ سفارتی پابندیوں کی وجہ سے میں خود تمہارے فلیٹ پر نہیں آ سکتا۔ یہاں کے حالات ہمارے لیے اکثر مخدوش رہتے ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ یہاں بھی کوئی کوریر سروس رات گئے کی ایسی ڈیلیوری سروس فراہم کرتی ہے" ویرا کو اپنی حیرت کے اظہار کا موقع مل گیا "باہر کے ممالک میں تو بھاری ہرجانوں کے مقدمات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہی ہو چکا ہے۔"

"خاص لوگوں کے لیے خاص سروس ہر جگہ اور ہر وقت میسر رہتی ہے..... مجھے یہ سہولت صرف اپنے عہدے کی وجہ سے حاصل ہے لیکن کوریر سروس والے اپنی شرائط پر دستخط کروا کے خود کو ہر ہرجانے اور ذمے داری سے بچا لیتے ہیں۔ مرسل الیہ کے سارے غیظ و غضب' مقدمے بازی اور ہرجانے وغیرہ کا بوجھ پیغام بھیجنے والے کو اٹھانا پڑتا ہے..... مجھے خوشی ہے کہ پاکستان جیسے پس ماندہ ملک میں بھی ترقی یافتہ ملکوں کی بعض سہولتیں میسر ہیں۔ لیکن میں ایک بار پھر تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بلاوجہ پریشان نہیں کروں گا۔"

"میری دانست میں تم نے اس وقت بھی بلاوجہ مجھے پریشان کیا ہے۔ میری بلڈنگ کا چوکیدار بھی اپنی نیند خراب کیے جانے پر بہت برہم تھا۔ فی الحال آرام کرو۔ اب کل بات ہو گی" ویرا نے فون بند کر دیا۔

"میں نے تم لوگوں کی خواہش پوری کر دی" ویرا ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اکتائے ہوئے لہجے میں بولی "میرا خیال ہے کہ اب مجھے آزادی سے سونے کا حق حاصل ہے۔ اجازت ہو تو میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟"

"نارمن سے گفتگو ہونے کے بعد بھی تم سونے کے بارے میں سوچ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پھر کیا کروں؟" وہ چڑ کر بولی "وہ رات میں تو ٹینک لے کر یہاں دھاوا بولنے سے رہا۔"

"تم بلاوجہ مشتعل ہو رہی ہو" میں نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا "تمہارا مشورہ بالکل درست تھا کہ جم کلارک کو زندہ رکھنا ہم میں سے کسی کے مفاد میں نہیں تھا۔ جب تک وہ زندہ رہتا یا اس کی بازیابی کی کوئی موہوم سی امید بھی زندہ رہتی' اس کے ہمدرد اس کی آزادی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے رہتے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کرتے رہتے۔ کل صبح انہیں جم کلارک کی لاش ملے گی تو ان کا سارا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا مگر یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اپنے زندہ خواب کی مردہ تعبیر سامنے دیکھ کر وہ سب آتش انتقام میں سلگنے لگیں گے۔ وہ ہر اس شخص کو پیس ڈالنا چاہیں گے جو جم کلارک کے قتل میں حصے دار تھا۔ وہ دوسروں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں' میرے اور تمہارے بارے میں پوری طرح باخبر ہیں۔ ہم دونوں ہی اس بد زبان موذی کو ہانک کر اس کے مقتل کی طرف لے گئے تھے اور وہ ہمارے اس ٹھکانے سے بھی باخبر ہیں۔"

ویرا چند ثانیوں تک الجھن زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتی

رہی پھر سرد لہجے میں بولی "تمہاری تقریر خاصی اچھی اور پُر پیچ تھی لیکن میں اب بھی تمہارا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں.....“

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "سیدھی سی بات ہے۔ ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔ اب بستروں پر گرے تو گدھے گھوڑے بیچ کر سوئیں گے اور اگلی دوپہر کی خبر لائیں گے جب کہ ہمارے دشمن جم کلارک کی لاش دریافت کرتے ہی حرکت میں آجائیں گے اور ادھر دوڑ لگائیں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ وہ یہاں آئیں تو اس فلیٹ کو بالکل غیر آباد پا کر اپنے سر پیٹنے پر مجبور ہو جائیں؟“

ویرا اس وقت واقعی خالی الذہنی کے عالم میں تھی۔ میری وضاحت پر ایک گہرا سانس لے کر بولی "اوہ! تو تم ٹھکانا بدلنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو۔ نیند میں گردن کٹوانے سے بہتر ہوگا کہ ہم مزید چند گھنٹوں کی بے خوابی برداشت کرلیں۔ نئی جگہ پر ہم پوری بے خوفی سے اپنی نیند پوری کرسکیں گے۔“

"لیکن اس وقت ہم کہاں جائیں گے؟“ جہانگیر نے پُر تشویش آواز میں پوچھا۔

"ویسے تو سلمٰی کی واپسی تک تمہارا گھر بھی خالی ہے“ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "مکاؤ والوں کے پھیلائے ہوئے گند کے باوجود تمہارا گھر اس قابل ہے کہ ہم پانچوں فوری طور پر محنت کیے بغیر وہاں آرام کرسکیں لیکن وہاں کل ہی خاصا ڈھول دھپا ہوا ہے۔ ایس ٹی ایف کی طرف سے معاملات کو دبا دیے جانے کے باوجود اس علاقے کی پولیس اپنے طور پر بہت کچھ جاننے کی کوشش کررہی ہوگی۔ ہم ان کی نظروں میں آگئے تو دشواریوں سے دوچار ہوسکتے ہیں..... یہ بتاؤ کہ آج کل تمہاری گارمنٹ فیکٹری میں کیا صورتِ حال ہے؟“

میری زبان سے جہانگیر کی گارمنٹ فیکٹری کا ذکر سن کر سب ہی مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے گھورنا شروع کردیا پھر بے بسی سے بولا۔ "شہر میں ہر درجے کے ہزاروں ہوٹلوں کی بھرمار ہے۔ کیا ہم ان میں پناہ نہیں لے سکتے؟“

"اگر فیکٹری چل رہی ہے تو ہمیں ہوٹلوں کا ہی رخ کرنا پڑے گا“ میں نے بھانپ لیا کہ وہ کسی وجہ سے ہمیں فیکٹری لے جانے سے گریز کررہا تھا۔ میں نے براہِ راست اصرار کرنے کے بجائے مایوسی سے کہا "بیک وقت پانچ افراد کسی ایک ہوٹل میں پہنچے تو ہر ایک کی نظروں میں آجائیں گے۔ ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا ہوگا۔ تمہاری فیکٹری میں ہم اکٹھے اور زیادہ محفوظ رہیں گے۔ کیا آج کل کام زیادہ زوروں پر ہے؟“

"فیکٹری میں اُلو بول رہے ہیں“ وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "حکومت کی ایک پالیسی پر زور و شور سے عمل نہیں ہونے پاتا کہ کوئی سرکاری بزرجمہر نئی پالیسی لے آتا ہے۔ ری بیٹ میں کمی ہونے سے سارے منافع بخش سودے خسارے میں چلے گئے ہیں اور فیکٹریاں بند ہوگئی ہیں۔ میں نے بھی فیکٹری میں تالا ڈلوا دیا ہے۔“

"میں نے سنا ہے کہ گارمنٹ فیکٹریوں میں مزدوروں اور کاریگروں کی بڑی تعداد کام کرتی ہے۔ فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں تو یہ سب کہاں جائیں گے؟“ ویرا کی آنکھوں میں یک بیک دلچسپی عود کر آئی۔

"بوجھ ڈھوئیں گے، ٹھیلے لگائیں گے یا پھر چوریاں اور ڈکیتیاں کریں گے“ جہانگیر نے لاتعلقانہ بے زاری کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ کچھ نہ کچھ کرکے اپنے پیٹ کا جہنم بھرلیں گے۔ کارخانوں والے تو کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ بازار میں مندی ہو تو دس ہزار کی مشین کو کوئی دو ہزار میں بھی نہیں پوچھتا۔ سب میری طرح گھر سے کھانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے۔ بعض لوگ تو اپنا کاروبار جمانے کے شوق میں سب کچھ بیچ باچ کر داؤ پر لگا دیتے ہیں.....“

"اس موضوع پر ہم کسی اور وقت بات کرلیں گے“ میں نے ایک بار پھر درمیان میں ٹانگ اڑا دی "فیکٹری بند ہے تو تم ہمیں وہاں لے جانے میں کیوں ہچکچا رہے ہو؟“

"اور میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم فیکٹری ہی میں گھسنے پر کیوں تُل گئے ہو“ وہ جھلا کر اشتباہ آمیز لہجے میں بولا "اس غیر آباد صنعتی علاقے میں تم چار دن بھی آرام سے نہیں رہ سکو گے۔“

"میرے اصرار کی وجہ صاف اور معقول ہے کہ ہمارے لیے تمہاری فیکٹری بہت محفوظ رہے گی“ میں نے بدستور تحمل اور نرمی سے کہا "تمہارے انکار کی وجہ معقول ہوئی تو ہم ہوٹلوں کا رخ کرلیں گے۔“

اس نے سخت اور نہایت غیر دوستانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا اور مجھے تقریباً کھینچتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر لیتا چلا گیا۔ اس وقت وہ کسی غصیلے سانڈ کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"تم مجھے زچ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟“ ایک خواب گاہ کے دروازے پر رک کر اس نے دھیمی مگر غصیلی آواز میں مجھ سے وہ تلخ سا سوال کیا "اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں نکلے گی اور اپنا بستر بوریا سمیٹ کر کہیں اور چل دے گی..... تم یہ بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کررہے؟“

میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو نہایت صفائی سے اپنے سینے میں دفن کیا اور معصومیت سے پوچھا "تم کس کی بات کررہے ہو؟ وہ کون ہے جو ہم لوگوں کو تمہارے ساتھ دیکھ کر برہم ہو جائے گی؟“

"تم جھوٹ بول رہے ہو“ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں تمہیں مسز خان کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں اور اب تم مجھ سے اڑنے کی کوشش کررہے ہو۔“

"مسز خان کے بارے میں تم نے بتایا تھا“ میں نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا "دراصل وہ کنواری یعنی مس ہی ہے لیکن آسانی سے ملازمت حاصل کرنے کے لیے خود کو مسز خان ظاہر کرتی ہے۔ شاید وہ آج کل تمہارے پاس کام کررہی ہے؟

لیکن ہم لوگوں سے اس کو کیا لینا؟ ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں ہم لوگ بھی معزز اور خود کفیل نظر آتے ہیں۔ ہم بھول کر بھی اسے منہ لگانے کی حماقت نہیں کریں گے۔“

"تم بہت مردود اور ضدی ہو“ وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا۔ "تمہاری عقل پر جمی ہوئی برف پگھلانے کے لیے مجھے شروع سے پوری بات بتانی پڑے گی..... فیکٹری چل رہی تھی تو وہ روز گھر سے دفتر آتی اور شام کو چلی جاتی تھی۔ فیکٹری بند ہونے کے بعد وہ مستقل طور پر ریسٹ ہاؤس میں رہ رہی ہے۔ اس نے اپنے گھر والوں سے ایک بڑے ایکسپورٹ آرڈر کی تکمیل میں مصروف ہونے اور بھاری اوور ٹائم کمانے کا بہانہ کرکے یہ موقع نکالا ہے۔ وہ عزت دار عورت ہے۔ تمہارے پہنچتے ہی فیکٹری کے ریسٹ ہاؤس سے نکل بھاگے گی۔“

"وہ تمہاری رکھیل ہونے کے باوجود اتنی ناک والی بنتی ہے تو تم خود ہی اسے ایک ہفتے کے لیے گھر بھیج دینا۔ اس کے سامنے ویرا اردو نہیں بولے گی۔ تم کہہ دینا کہ وہ یورپ سے ایک بڑے سودے کے لیے آئی ہے۔ اسے دوسرے دلالوں اور کارخانے والوں کے چنگل سے محفوظ رکھنے کے لیے تم نے اسے فیکٹری کے ریسٹ ہاؤس میں لا ڈالا ہے۔ ہم تینوں ویرا کے مقامی ایجنٹ بن جائیں گے۔ ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور مس خان بھی ایک ہفتے بعد تمہارے سینے پر مونگ دلنے کے لیے آموجود ہوگی..... ویسے یہ بہت شرم کی بات ہے کہ لی وانگ سے بارہا اپنے کولھوں کی ہڈیاں اتروانے اور چڑھوانے کے باوجود تم اپنی بدمعاشیوں سے باز نہیں آئے۔ سلمٰی کو پتا چل گیا کہ تم نے فیکٹری کو اپنی عیاشیوں کا گڑھ بنا لیا ہے تو وہ زمین اور آسمان ایک کردے گی۔“

"اس کے فرشتوں کو بھی ان چکروں کا علم نہیں ہے“ وہ آنکھیں نکال کے غرایا "تم نے اس سے میری چغلی کھائی تو یاد رکھنا کہ میں بھی غزالہ کے سامنے تمہارے کرتوتوں کے پشتارے کھول کر رکھ دوں گا۔“

"مجھے تم سے ایسی ہی کمینگی کی امیدیں ہیں“ میں نے شکایتی لہجے میں کہا "فی الحال یہاں سے منتقلی کا معاملہ طے کرو۔ میں تم سے بعد میں نمٹوں گا..... مس خان بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوگی۔“

"یعنی تم اسے میرے خلاف بھڑکاؤ گے؟“ وہ اسی وقت لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگیا۔

"میں ایسی چھچھوری حرکتیں نہیں کرتا“ میں نے اطمینان سے کہا "جو کچھ کروں گا، پہلے سے تمہیں بتا کر کروں گا۔“

"اندر کیا ہو رہا ہے؟“ اچانک ڈرائنگ روم کی طرف سے ویرا نے ہانک لگائی "کوئی مسئلہ ہے تو جہانگیر کی فیکٹری پر لعنت بھیجو ہم کینٹ اسٹیشن کے فٹ پاتھی ہوٹلوں میں بھی رات گزار سکتے ہیں۔“

جہانگیر نے مجھے خوں خوار نظروں سے گھورا پھر نہایت خوش ولانہ لہجے میں وہیں سے ویرا کو جواب دیا "ہم بس ابھی فیکٹری چل رہے ہیں۔ ہم لوگ وہاں غسل خانوں کی کمی کے بارے میں تبادلۂ خیال کررہے تھے۔“

ویرا ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور بولی "غسل خانوں کی باری آئے گی تو اس مسئلے کا حل بھی نکال لیا جائے گا۔ گالان سے ہم بہت سے تجربات ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اس وقت کا اہم ترین مسئلہ پانچ عدد نرم اور آرام دہ بستروں کا ہے جو تمہاری فیکٹری میں کپڑے کے تھان جما کر بھی تیار کیے جاسکتے ہیں۔“

"تم گارمنٹ فیکٹریوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو“ جہانگیر نے اسے اپنے روبہ رو پا کر سعادت مندی سے دانت نکال دیے "شفٹوں میں کام کرنے والے کاریگر واقعی موٹے موٹے تھان پھیلا کر اپنے آرام کے لیے ایسے نرم بستر تیار کرتے ہیں کہ پھر سپروائزر ہی انہیں جھنجوڑ کر نیند سے بیدار کرتا ہے۔“

رات دن کی بھاگ دوڑ اور جان سوزی نے ہم لوگوں کو زندگی کی بہت سی ضروریات سے اس حد تک بے نیاز کردیا تھا کہ بھول کر بھی ان کا خیال نہیں آتا تھا۔ ہم سب فوراً ہی فلیٹ کو خیرباد کہہ کر کورنگی کے صنعتی علاقے میں واقع، ایس جے گارمنٹ فیکٹری کے لیے روانہ ہونے کے لیے تیار ہوگئے۔ مگر ویرا اور غزالہ نے ہماری روانگی میں عارضی تعطل پیدا کردیا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ ہم بے سروسامانی کے عالم میں فرار نہیں ہو رہے تھے اس لیے دو چار روز کی ضروریات کے لیے کپڑے وغیرہ ساتھ لے لینے چاہییں تھے تاکہ

ہمیں جہانگیر کی فیکٹری کے مسترد کیے ہوئے شوخ اور بد وضع ملبوسات پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ میں نے اس مہلت کو غنیمت جانا اور فون پر پہنچ گیا۔

نارمن سے اسٹیشن فور کی ویرانی کی خبر مل چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اوّل خان اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی بیوی اپنے فرض شناس شوہر کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے مجھ سے اوّل خان کی خیریت کے بارے میں استفسار کیا۔

میں نے اسے پوری طرح تسلی کرانے کے بعد بتایا کہ اوّل خان اپنا ٹھکانا تبدیل کر رہا تھا اور ہم خود بھی اسی عمل سے گزرنے والے تھے۔ میں نے اپنے آئندہ رابطے کے طور پر جہانگیر کی فیکٹری کے دونوں فون نمبر اسے لکھوا دیے تاکہ اوّل خان گھر پہنچتے ہی مجھ سے رابطہ کر سکے۔

ویرا اور غزالہ نے چند ہی منٹ میں ' ہجرت کے لوازم کے نام پر دو وزنی تھیلے تیار کر لیے۔ چلتے چلتے مجھے اسپیکر فون کا خیال آیا۔ اس آلے کے ذریعے جملہ حاضرین دونوں فریقوں کی گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکتے تھے لیکن جہانگیر نے مجھے منع کر دیا کیونکہ اس کے دفتر میں اس سے بھی بہتر دو آلات موجود تھے۔

وہ ایک آباد رہائشی عمارت تھی جس کے بیشتر فلیٹوں میں عیال دار شرفا آباد تھے۔ پڑوسیوں کی بے آرامی کے خیال سے ہم پانچوں اپنی نقل و حرکت میں حتی الامکان احتیاط سے کام لے رہے تھے لیکن جب ہم اپنے فلیٹ کا دروازہ مقفل کر کے پارکنگ فلور کی سیڑھیاں اتر رہے تھے تو نیچے سے چوکیدار کی خواب آلود نگاہیں قریب آتی نظر آئیں۔ اس کے تیور بہت خشمناک تھے۔ وہ زمانہ لد چکا تھا جب نچلے درجے کے ملازمین ہر حال میں اور ہر وقت اپنے مالکوں کے احسان مند نظر آنے کی کوشش کرتے تھے۔ سیاسی نعروں اور پھر خود رو ترقی کے نتیجے میں ہر فرد کی خودی اس درجے بلند ہو چکی تھی کہ بعض پشتینی نمک خوار بھی اپنے آقاؤں پر دانت نکوستے نظر آنے لگتے تھے۔

پارکنگ فلور پر اس مشتعل چوکیدار سے براہِ راست آمنا سامنا ہونے سے پہلے ہی میں نے اپنی جیب سے ایک سرخ نوٹ نکال کر اس طرح نمایاں کر لیا کہ چوکیدار اسے دیکھے بغیر میرے چہرے پر نظریں ہی نہ ڈال سکے۔ جب میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو نہ صرف تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ چکے تھے بلکہ چوکیدار کی باچھوں سے ایک نرم اور خلیقانہ سی مسکراہٹ جنم لے کر موٹے موٹے ہونٹوں پر پھیلنے کا آغاز کر چکی تھی۔

اس نے میرے داہنے ہاتھ سے نوٹ لے کر رواروی میں ہاتھ بھی ملالیا پھر ہمدردانہ لہجے میں بولا "خیر ہے؟ تم لوگ اتنا سویرے سویرے کدھر جاتی ہے؟"

"میری عورت کا ماما بیمار ہے۔ ابھی اسی کا چٹھی آیا تھا" میں نے منہ لٹکا کے کہا۔

"فکر مت کرو... اللہ صحت دے گی" معمر چوکیدار نے ہمدردی سے میری پشت پر تھپکی دی اور میں اس کی مزید جرح سے بچنے کے لیے پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سلطان شاہ قابض تھا۔

گاڑی عالمگیر روڈ پر آنے کے بعد میں نے پچھلی نشست کا جائزہ لیا تو ویرا' غزالہ اور جہانگیر کے درمیان پھنسی بیٹھی تھی۔ ویرا کو جگہ دینے کے لیے غزالہ ایک گوشے میں سکڑی سمٹی ہوئی تھی لیکن وہ کسر جہانگیر نے بصد اہتمام پوری کر دی تھی۔ ویرا کا اتنا قرب میسر آجانے کے بعد وہ کسی لڑاکا مرغے کی طرح پھول اور پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔

"یار' ذرا دروازے کی طرف سمٹ جاؤ" میں نے جہانگیر سے کہا "ویرا تم دونوں کے درمیان میں کیسی بے آرامی سے بیٹھی ہوئی ہے؟ اسے تھوڑی سی جگہ دو۔"

"اوّل تو یہ جاپانی گاڑیاں اندر سے بہت تنگ ہوتی ہیں" جہانگیر گہرے گہرے سانسوں کے درمیان ڈھٹائی سے بولا "پھر میرے کولھے میں بھی تکلیف ہے۔ سمٹتا ہوں تو تکلیف بڑھ جاتی ہے.... ویسے ویرا آرام سے ہے۔"

"چوکیدار سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں آنکھیں بند کر کے آگے گھس گیا تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "تم چاہو تو آگے آجاؤ۔ ایکسل کے ابھار پر پیر جما کر بیٹھنا آسان نہیں ہوتا۔"

"بس اب چلتے ہی رہو" ویرا سے پہلے جہانگیر بول پڑا "کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔ دس پندرہ منٹ کی بے آرامی سے کوئی قیامت نہیں آجاتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے گہری سنجیدگی سے اس کی تائید کی "بس اتنی مہربانی کرو کہ اپنا داہنا بازو میری پسلیوں اور پہلو سے نکال کر پشت گاہ پر پھیلا لو۔ یہ لحظہ بہ لحظہ میرے بدن میں پیوست ہوا جا رہا ہے۔"

چار بے ساختہ قہقہوں سے گاڑی لرز کر رہ گئی۔ جہانگیر نے بوکھلا کر اپنا داہنا ہاتھ پشت گاہ پر پھیلا لیا۔ کیبن میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اس پھٹکار کا اندازہ نہیں لگا سکا جو جہانگیر کے چہرے پر برس رہی ہوگی۔

"تمہیں بلاوجہ چوٹیں کرنے میں مزہ آتا ہے.... میرا بازو تو تمہارے بدن سے بہت دور تھا" جہانگیر اپنی خفت مٹانے کے لیے تلخ لہجے میں بڑبڑا رہا تھا۔

"غلطی ہو گئی" چند ثانیوں بعد غزالہ دھیرے سے بولی "فلیٹ سے روانہ ہونے سے پہلے ہمیں جہانگیر کی فیکٹری فون کر دینا چاہیے تھا۔ ایسا نہ ہو کہ چوکیدار کسی دور افتادہ کونے میں پڑا بے خبر سوتا رہے اور ہم فیکٹری کے پھاٹک پر اپنا سر مارتے رہیں۔"

"بات معقول ہے" سلطان شاہ نے فوراً اس کی تائید کی "لیکن ذرا دیر سے سوجھی ہے۔"

"بے کار بات ہے" ویرا نے سلطان شاہ کی رائے سے اختلاف کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ وہ فون اپنی آغوش میں لے کر سو رہا ہو.... گھنٹی بجتی رہتی اور ہم اپنا خون سکھاتے رہتے۔ فیکٹری پہنچنے کے بعد اندر داخل ہونے کا معاملہ بھی کسی نہ کسی طرح طے کر لیا جائے گا...."

"ریشم خان بہت فرض شناس ملازم ہے" جہانگیر نے اپنے چوکیدار کی حمایت کرتے ہوئے کہا "وہ گیٹ اور دفتر سے ملحقہ کمرے میں سوتا ہے' پہلے ہی ہارن پر پھاٹک کھول دے گا۔ تم لوگوں کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

بقیہ سفر تقریباً خاموشی سے طے ہوا۔ وقفے وقفے سے کوئی ایک آدھ بات ہو جاتی تھی ورنہ کیبن میں گمبھیر سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم پانچوں میں سے ہر ایک کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہے۔

کورنگی روڈ اس وقت نیم روشن اور ویران تھا۔ سڑک پر صنعتی ساز و سامان کی بار برداری کرنے والے دیو ہیکل ٹرکوں کے علاوہ دوسری سواریاں بہت کم نظر آرہی تھیں۔ سلطان شاہ نے پل عبور کرنے کے بعد گاڑی بائیں طرف جانے والے راستے پر ڈال دی جو سیدھا صنعتی علاقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں ہم ایس جے گارمنٹ فیکٹری کے خوب صورت آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ سلطان شاہ نے گاڑی کا انجن بند کیے بغیر وقفے وقفے سے تین مرتبہ ہارن بجایا لیکن دوسری طرف کسی بھی قسم کی نقل و حرکت کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے تو جہانگیر مضطرب ہو کر کار سے نیچے اتر گیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' گاڑی میں بیٹھے رہو۔ ریشم خان بہت فرض شناس ملازم ہے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں جہانگیر کو اس کے کہے ہوئے الفاظ یاد دلائے "وردی وغیرہ پہن کر بس باہر آتا ہی ہوگا۔"

ویرا کے الفاظ نے جہانگیر کی کھوپڑی پر تازیانے کا کام کیا اور وہ جھنجلا کر دونوں مکوں سے پھاٹک پیٹنے لگا۔

"اب بھی ریشم خان باہر نہ نکلا تو جہانگیر اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائے گا" ویرا ہنس کر بولی۔

وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی اندر سے چوکیدار کی خمار آلود' مستفسرانہ آواز گونجی۔ جواب میں جہانگیر حلق کے بل دہاڑنے لگا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ بڑی بڑی فیکٹریوں پر مشتمل صنعتی علاقہ تھا۔ فضا میں مشینوں کا شور رچا ہوا تھا اور ایس جے گارمنٹ سے متصل فیکٹریوں کے پھاٹک بھی اتنی دور تھے کہ جہانگیر کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی ورنہ اس کی غصیلی آوازوں پر وہاں اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو سکتی تھی۔

شاید اپنے مالک کی بگڑی ہوئی آواز پہچانتے ہی ریشم خان پر زلزلہ طاری ہو گیا کیونکہ فوراً ہی آہنی پھاٹک کی پُرشور آوازیں بلند ہونے لگیں پھر ذیلی کھڑکی کے بجائے ایک جھٹکے سے پھاٹک کا ایک پٹ اندر کھلتا چلا گیا۔ جہانگیر غیر محسوس لنگڑاہٹ کے ساتھ ریشم خان کی طرف جھپٹا اور اس کا گریبان تھام کر اس پر برسنے لگا۔

ریشم خان بس نام کا ریشم خان تھا۔ اس کی ذات میں ریشم جیسی کسی صفت کا وجود نہیں تھا۔ وہ اس قدر جسیم اور قد آور تھا کہ جہانگیر اس کے سامنے بونا نظر آرہا تھا۔ سوا چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے وجود کے بائیں شانے سے لٹکی ہوئی رائفل کسی کھلونے کی طرح بے وقعت معلوم ہو رہی تھی۔

سلطان شاہ نے گاڑی اندر لے جا کر عمارت کے ساتھ پارک کی اور انجن بند کر دیا۔ ہم چاروں اپنی اپنی سمت کے دروازوں سے بیک وقت باہر نکل آئے۔ اس وقت تک جہانگیر' ریشم خان کا گریبان جھنجوڑ جھنجوڑ کر اس پر گرج برس رہا تھا اور ریشم خان آدابِ ملازمت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے سر جھکا کر سب کچھ سن رہا تھا۔

"زیادہ پھیلنے کی کوشش نہ کرو" میں نے جہانگیر کے پیچھے پہنچ کر آہستگی سے کہا "یہ مت بھولو کہ ویرا تمہاری غیر ملکی خریدار ہے۔ تم کسی بدمست سانڈ کی طرح یوں ہی ڈکراتے رہے تو مس خان تمہاری کہانی پر کبھی یقین نہیں کرے گی اور تم ہمیشہ کے لیے اس کی رفاقت سے محروم ہو جاؤ گے۔"

جہانگیر نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ریشم خان کے گریبان پر اس کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ ریشم خان ممنونیت سے لبریز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

جہانگیر کے دفاتر پھاٹک کے قریب ہی ایک خوبصورت عمارت میں واقع تھے۔ ان دفاتر کو فیکٹری کے پیداواری شعبوں سے ملانے کے لیے ایک بند راہداری تھی۔ دفاتر کی اوپری منزل پر وہ ریسٹ ہاؤس واقع تھا جہاں ان دنوں مس خان کا بسیرا تھا۔ ریشم خان کی رہنمائی میں ہم دفاتر والی عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک کشادہ استقبالیہ بیٹھک اور وسیع دفتری ہال سے گزر کر ہم جہانگیر کے کمرے کے قریب پہنچے تو اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے خنک ہوا کے جھونکے باہر آرہے تھے۔ اس بند فضا میں پھیلی ہوئی گھوں گھوں کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جہانگیر کے کمرے کا ائر کنڈیشنر چل رہا تھا۔

ریشم خان مجرمانہ انداز میں سر جھکائے باہر کھڑا رہا۔ ہم سب اس کشادہ اور نظر فریب دفتر میں داخل ہوئے تو وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ کمرا بہت بڑا تھا۔ فرش پر دبیز قالین پڑا ہوا تھا اور تین میزوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ قالین کا بڑا حصہ خالی پڑا ہوا تھا لیکن ریشم خان کی خود دار طبیعت نے سطح زمین پر پڑاؤ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس کمرے میں جہانگیر کی میز ہی سب سے بڑی تھی۔ ریشم خان نے اس میز کی آرائش کا سارا سامان سمیٹ کر کمپیوٹر ٹیبل پر ڈھیر کیا ہوا تھا اور میز پر دبیز بستر لگایا ہوا تھا۔ وہ بند

اور ائرکنڈیشنڈ کمرے میں اپنے صاحب کی میز پر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا اسی وجہ سے اسے ہماری گاڑی کے ہارن کا شور متوجہ نہیں کرسکا تھا۔

اس بار ہم کھلی فضا کے بجائے دفتر کے درودیوار میں محبوس تھے۔ اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ دفتر میں ہونے والی باتوں کی بھنک مس خان کے کانوں تک پہنچ سکے۔ جہانگیر شیر ہو کر ایک مرتبہ پھر ریشم خان پر برس پڑا۔ وہ اپنا سر جھکائے' ندامت اور بے بسی سے وہ پھٹکار سنتا رہا۔

اس دوران میں ویرا کے ہونٹوں پر دبی دبی استہزائیہ مسکراہٹ مچلتی رہی۔ شاید اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ جہانگیر کے اعتماد کے ایک آدمی نے اس کی توقعات کے بالکل برعکس رویئے کا مظاہرہ کیا تھا۔

قصہ طول پکڑتے دیکھ کر مجھے مداخلت کرنی پڑی۔ میں نے درشت لہجے میں ریشم خان سے کہا "اب اداس اونٹ کی طرح منہ لٹکائے کیوں کھڑے ہو؟ صاحب کی میز پر سے بستر اٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔"

ریشم خان شاید ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے لپک کر میز پر سے اپنا وزنی بستر سمیٹا اور آناً فاناً میں اسے لے کر وہاں سے غائب ہوگیا۔

ان کے جاتے ہی ہم سب آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ جہانگیر بڑبڑاتے ہوئے اپنی میز کی درازوں کا جائزہ لینے لگا۔ ویرا نے اس پر کوئی چوٹ کرنے کے ارادے سے زبان کھولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے متوقع تلخی کو ٹالنے کی نیت سے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش کردیا۔

"کمرا بہت آرام دہ اور ٹھنڈا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سب مل جل کر یہیں آرام کرلیں گے" غزالہ نے جہانگیر کے دفتر کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد موضوع بدلتے ہوئے کہا "کل متبادل انتظامات کرلیے جائیں گے۔"

"ریشم خان یہاں چارپائیوں کا بندوبست کردے گا" جہانگیر نکاس کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہو' بلا تکلف اسے بتادینا۔"

"چارپائیاں کھٹملوں کے بغیر ہونی چاہئیں" ویرا کسی بھی وقت فقرے بازی سے نہیں چوکتی تھی۔

"جب فیکٹری دن رات چلتی تھی تو ہر رات پچاسیوں کاریگر یہاں سوتے تھے" جہانگیر تلخ اور اونچی آواز میں بولا "اب وہ چارپائیاں دن بھر کڑی دھوپ میں پڑی رہتی ہیں۔ تم دوربین کی مدد سے بھی ان میں کچھ تلاش نہیں کرسکو گی۔"

"اب یہ مس خان کو منانے گیا ہے۔ وہاں بھی اس کے سر پر کھٹمل سوار رہیں گے" ویرا بولی۔

جہانگیر کے دفتر میں اشیائے خورونوش سے بھرا ہوا جہازی سائز کا ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔ کمرے کے ایک سرے پر نفیس ٹائلوں' ولایتی فٹنگز اور باتھ ٹب سے مزین باتھ روم بنا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر وہ دفتر عارضی تو کیا' قدرے طویل قیام کے لیے بھی بہت مناسب تھا۔ میں نے دفتر میں موجود دیگر ساز و سامان اور الماریوں وغیرہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک کیبنٹ کے پٹ پر طبع آزمائی کی تو اندر کی ایک جھلک نظر آتے ہی میں نے اسے دوبارہ بند کردیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت ویرا میری طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ سلطان شاہ کو کوئی بات سمجھانے میں منہمک تھی۔ اگر وہ کیبنٹ میں سجی ہوئی بھانت بھانت کی قیمتی شراب کی بوتلوں کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتی تو اسی لمحے مختلف حیلوں بہانوں سے مے نوشی کا دور شروع کر بیٹھی ہوتی۔

ریشم خان کھجور کے بان کی اکڑی ہوئی چارپائیاں لایا تو وہ اس کمرے میں بالکل بے جوڑ نظر آرہی تھیں۔ لیکن ان پر معقول بستر لگ جانے کے بعد ان چارپائیوں کی بدنمائی سفید براق چادروں کے نیچے چھپ گئی۔

بستر لگتے ہی ویرا نے دراز ہونے میں پہل کی پھر ہم تینوں بھی یکے بعد دیگرے بستروں پر ڈھیر ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد جہانگیر بھی وہیں آگیا۔ میزبان کی حیثیت سے اس نے ہر ایک کی ضروریات کے بارے میں پوچھ گچھ کی' ریشم خان کو ترش لہجے میں آخری ہدایات دیں اور روشنیاں گل کرکے خالی بستر پر دراز ہوگیا۔

"تم چاہو تو یہاں کروٹیں بدلنے کے بجائے اوپر ریسٹ ہاؤس میں چلے جاؤ..... اس بے ہنگم چارپائی پر تمہارے کولہے کا جوڑ تمہیں ستائے گا" اندھیرے میں ویرا کی ہمدردانہ آواز ابھری۔

"میرے خدا!" جہانگیر دردناک آواز میں کراہا "میں کہاں جاؤں؟"

"بلاوجہ خدا کو تکلیف دے رہے ہو" اس بار ویرا بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ بولی "کہہ تو رہی ہوں کہ اوپر ریسٹ ہاؤس میں چلے جاؤ۔ وہاں تن کے ساتھ تمہاری آتما کو بھی خاصا سکون مل سکے گا۔"

"ڈینی! اسے چپ کراؤ" جہانگیر نے اندھیرے ہی میں مجھ سے فریاد کی "معلوم ہوتا ہے کہ یتیم ہونے کی خبر نے اس بے چاری کے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے۔ مسلسل بے مقصد باتیں کیے جارہی ہے۔"

"خود سونے کی کوشش کرو اور دوسروں کو بھی سونے دو" میں نے دھیمے لہجے میں ویرا کو سرزنش کی "تھوڑی دیر میں اجالا پھیلے گا تو ہم میں سے کوئی بھی گہری نیند نہیں سوسکے گا۔"

"اجالے کی فکر نہ کرو" جہانگیر موقع محل سمجھے بغیر بول پڑا "تمام کھڑکیوں پر بلائنڈز پڑے ہوئے ہیں۔ اجالے کی ایک کرن بھی اندر نہیں آسکے گی۔ یہ عموماً گرے ہوئے رہتے ہیں"

"پھر بھاڑ میں جاؤ اور ویرا کی تقریریں سنتے رہو" میں نے جل کر کہا اور اپنا منہ نرم تکیے میں لپیٹ لیا۔

☆

پچھلی سرگرمیاں اتنی بھیانک اور روح فرسا تھیں کہ گہری نیند میں بھی مجھے ان ہی کے بارے میں خواب نظر آتے رہے لیکن میں نیند بر قرار رہی پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دور کسی مندر کی مترنم گھنٹیاں دھیمے دھیمے بج رہی ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ آوازیں قریب آنے لگیں پھر مجھے یوں لگا جیسے کوئی گھنٹی میری کھوپڑی ہی میں چیخ رہی ہو اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز اور بے ربط ہورہی تھیں۔ اسی لمحے مجھے ادراک ہوا کہ وہ میرے وہم و خیال کا پھیلایا ہوا فتور نہیں تھا بلکہ اندھیرے کمرے میں ایک فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

دفتر کی کھڑکیوں پر پڑے ہوئے بلائنڈز بہت عمدہ تھے اور سب ہی بند تھے لیکن ان کے بارے میں جہانگیر کا یہ دعویٰ کہ ان سے روشنی کی کوئی کرن نہیں گزر سکتی' یکسر غلط تھا۔ کمرے میں باہر کے اجالے کا اتنا انعکاس پھیلا ہوا تھا کہ قرب و جوار کی چیزیں صاف دیکھی جاسکتی تھیں۔ میں نے پھرتی سے بستر چھوڑ دیا۔

"یہ میرا تیسرا فون ہے۔ کیا تم لوگ ابھی تک سو رہے ہو؟" میری خواب ناک ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے اوّل خان کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس وقت دن کے بارہ بج رہے ہیں۔"

"سب لوگ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شام ہی کی خبر لائیں گے۔"

"اس وقت تم کہاں ہو؟ تمہارا دیا ہوا فون نمبر تو کورنگی کا معلوم ہوتا ہے۔"

"معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ کورنگی ہی کا فون نمبر ہے۔ ہم اس وقت جہانگیر کی فیکٹری میں پناہ گزین ہیں۔"

"وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میرا جواب سن کر اس کی حیرت میں اضافہ ہوگیا۔

مجھے اپنے خوابیدہ اوسان کو یکجا کرکے امریکن قونصل خانے کے سیکنڈ سیکریٹری ہنری ڈریک نارمن کا قصہ دہرانا پڑ گیا۔ اوّل خان کے لئے ہنری کی وہ دیدہ دلیری ناقابلِ یقین ثابت ہوئی۔

"میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ان لوگوں کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے ہوں گے" میری کتھا سننے کے بعد اس نے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہنری ہمارے ملک کو اپنی نو آبادی اور خود کو یہاں کا وائسرائے سمجھ رہا ہو۔ مجرمانہ سازشوں کے بارے میں ایسی کھلی خط و کتابت قانون کے لئے چیلنج ہے۔ وہ خط کہاں ہے؟"

"اس بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا خون نہ جلاؤ۔ وہ خط ہم فلیٹ ہی میں پھینک آئے ہیں" میں نے کہا "ہنری خود بھی ایک چالاک آدمی ہے۔ پیغام سرکاری لیٹرہیڈ پر نہیں بلکہ سادہ کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تحریر بھی اس کی اپنی نہ ہو۔ یہ کھیل اسی طرح چلنے دو جیسے وہ لوگ چلانا چاہتے ہیں......"

"خط کوریئر سروس سے آیا تھا" اوّل خان نے میری بات کاٹ کر کہا "خط' لفافے اور کوریئر سروس والوں کی مدد سے سب کچھ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کو کہیں نہ کہیں تو لگام دینی ہی ہوگی۔"

"یہ لگام دینے کا موقع نہیں ہے۔ یہ کون ثابت کرتا پھرے گا کہ ہنری کے بھیجے ہوئے لفافے میں سے وہی تحریر برآمد ہوئی تھی جو ہم پیش کررہے ہیں..... دوسری بات یہ ہے کہ ہنری نے وہ خط ایک امریکن شہری کو لکھا تھا۔ ہمیں ان بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو ایس ٹی ایف اپنائی ہے۔ مختصر اور محفوظ!"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم رات ہی فلیٹ سے نکل آئے ورنہ تمہارے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا......"

میں نے اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر کاٹ دیا "تم غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہو۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ جم کلارک کے بارے میں تمہارے منصوبے کا کیا بنا؟ اگر اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں تو اب تک اس کا نتیجہ سامنے آجانا چاہئے تھا۔"

"اس کی لاش ریفریجریٹر کے ایک ڈبے میں باقاعدہ سیل کرکے فریئر ہال کے سامنے سڑک کے کنارے پھینک دی گئی تھی۔ ایک پولیس موبائل نے اسے کسی گاڑی سے گرا ہوا ریفریجریٹر سمجھ کر اٹھالے جانا چاہا لیکن غیر معمولی وزن کی وجہ سے پولیس والے چکرا گئے۔ خاصے ہنگامے اور بم ڈسپوزل اسکواڈ کی آمد کے بعد وہ مشتبہ کارٹن کھولا گیا تو تماشائیوں میں امریکن قونصل خانے کے دو سکیورٹی افسر بھی شامل تھے" اوّل خان مزے لے لے کر اپنی کارکردگی دہرانے لگا "لاش کے سامنے آتے ہی تماشائیوں میں

سنسنی پھیل گئی مگر امریکنوں میں کہرام برپا ہوگیا۔ لاش کے اسپتال منتقل کئے جانے سے پہلے ہی قونصل خانے کے متعدد سینئر ارکان لاش دیکھنے کے لئے پہنچ چکے تھے۔"

"کچھ پتا چلا کہ جم کلارک کس حیثیت میں پاکستان آیا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جب یہ سنا کہ وہ ڈپلومیٹک پاسپورٹ پر پاکستان آیا تھا تو میری عقل چکرا کر رہ گئی۔"

"شی کا سربراہ اور ڈپلومیٹک پاسپورٹ.... کیا یہ لوگ اب کھل کر سامنے آنے پر تل گئے ہیں؟"

"جم کلارک کو شی کا سربراہ ثابت کرنا تو بڑی بات ہے ہم شاید شی کا وجود بھی ثابت نہ کرسکیں۔ ایسی صورت میں جم کلارک کو سفارتی سفری دستاویزات کے استعمال سے کیا چیز روک سکتی تھی؟"

"اس کے بارے میں ان لوگوں نے کیا مؤقف اختیار کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک اہم سرکاری افسر جو پچھلی رات اواری ٹاورز میں کسی سے ملنے گیا تھا اور پھر لاپتا ہوگیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال پر مامور افراد تشویش کا شکار ہونے کے باوجود' رات بھر اس امید پر خاموشی اختیار کئے رہے کہ کہیں وہ اپنے شناساؤں کے ساتھ پینے پلانے نہ بیٹھ گیا ہو۔ نو بجے دفاتر کھلنے سے پہلے ہی اس کی لاش ملنے کی اطلاع آگئی۔ اس سے آگے انہوں نے سختی سے اپنی زبانیں بند کی ہوئی ہیں" اوّل خان کی طرف سے جواب آیا۔

"پراسرار گمشدگی کی وہی گھسی پٹی کہانی جو شرلاک ہومز کے زمانے سے چلی آرہی ہے" میں نے منہ بنا کے کہا "اسٹیشن فور کے قرب و جوار میں وہ اپنی موجودگی کے ایسے سنگین شواہد چھوڑ آئے تھے کہ اب اس کا نام تک لینے سے گریز کررہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہنری ڈریک نارمن کی دھمکیاں بالکل بے وزن تھیں۔"

"یہ علاقے کے تھانے کی سطح کی اطلاعات ہیں" اوّل خان نے میری بات مکمل ہونے پر کہا "اصل کارروائی کے لئے وہ صوبائی ہوم کے سر پر سوار ہیں۔ وہاں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ رازداری برتی جارہی ہے۔ وہاں ہوم سیکریٹری کے علاوہ صوبے کا آئی جی' تین سینئر ڈی آئی جیز کے ساتھ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسٹیشن فور کی کہانی اس اجلاس میں بیان کی گئی ہو۔ ایسا ہوا تو شام سے پہلے وہ عمارت پولیس کے محاصرے میں ہوگی۔"

"لیکن انہیں گرد و غبار میں اٹے ہوئے متروک ساز و سامان کے سوا کیا ملے گا؟"

"کچھ بھی نہیں.... اس سے الٹا یہ نقصان ہوگا کہ اس عمارت اور ایس ٹی ایف کے تعلق سے واقف افسران اسے ایس ٹی ایف کا کیس سمجھ کر محتاط ہوجائیں گے اور پھر اپنی گلوخلاصی کے لئے ایسی ایسی نادر الوجود کہانیاں سامنے لائیں گے کہ سب کچھ الجھ کر رہ جائے گا لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم ان لوگوں کو بری طرح الجھا لینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ علاقے کے تھانے اور ہوم سیکریٹری کے علاوہ تم بھی ان کی فہرست میں شامل ہو۔"

"وہ کیسے؟ تم نے یہ رائے کس بنیاد پر قائم کی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"حقائق" اوّل خان کی آواز کی سنجیدگی برقرار رہی "اسٹیشن فور سے نئے ٹھکانے پر منتقل ہونے کے بعد مجھے دھیان آیا کہ تم لوگوں کے فلیٹ کی حفاظت یا نگرانی کا بندوبست ہونا چاہئے۔ وہاں فون نہیں تھا اس لئے میں نے ایک پک اپ میں دو مسلح آدمی روانہ کردیے۔ اس وقت تک مجھے شبہ بھی نہیں تھا کہ تم لوگ فلیٹ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوجاؤ گے۔ میرے آدمی اپنی دانست میں تمہاری حفاظت کرتے رہے۔ آج صبح دس بجے یعنی جم کلارک کی لاش دریافت ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے بعد بکتربند پولیس کار جیسی ایک عجیب گاڑی شرف آباد پہنچی۔ اس پر ہر طرف بڑے بڑے ریڈ کراس بنے ہوئے تھے اور وہ کوئی اسپیشل ایمبولینس معلوم ہورہی تھی۔ اس میں سے سات عجیب الخلقت افراد نمودار ہوئے۔ ان کے جسموں پر جراثیم وغیرہ سے بچاؤ کرنے والے مکمل سوٹ منڈھے ہوئے تھے' چہروں پر مکمل اور نیم تاریک ماسک تھے جن کی وجہ سے انہیں پہچاننا ناممکن ہوگیا تھا۔ ہر ایک کی پشت پر آکسیجن یا جراثیم کش دوا کا سلنڈر لدا ہوا تھا اور ہاتھ میں دوا کا چھڑکاؤ کرنے والی لمبی لمبی نلیاں تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے چہرے پر سے ماسک ہٹا کر لوگوں سے بات کی اور انہیں بتایا کہ وہ لوگ طاعون کے جراثیم سے لتھڑے ہوئے تین مردہ چوہوں کی موجودگی کی اطلاع پاکر اس علاقے میں آئے ہیں اور چوہوں کو تھیلوں میں بند کرنے اور جراثیم کش دواؤں کا چھڑکاؤ کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ لوگوں سے بات کرنے والا مقامی تھا۔ دوسروں کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ غیرملکی تھے۔ وہ خبر اتنی ہولناک تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ علاقہ ویران ہوگیا اور وہ ساتوں تمہاری بلڈنگ میں گھس گئے۔ میرے آدمیوں کو بعد میں پتا چلا کہ وہ ساتوں تمہارے فلیٹ پر گئے تھے۔ انہوں نے ہر سوراخ اور جھری سے فلیٹ میں تیز ادویات کا بھاری چھڑکاؤ کیا اور چند منٹ بعد تالا کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ وہ کافی دیر تک اوپر رہنے کے بعد واپس لوٹے تو خالی ہاتھ تھے۔ وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوئے تو میرا ایک آدمی پک اپ میں ان کے پیچھے ہولیا۔ وہاں رکنے والا آدمی اوپر گیا تو تمہارا فلیٹ غیر مقفل تھا۔ وہاں اس قدر تیز اور ناقابل برداشت بدبو پھیلی ہوئی تھی کہ میرا آدمی دیر تک اندر نہ جاسکا۔ وہ اندر گیا تو تمہارا فلیٹ حشرات الارض اور کیڑوں کا مقتل بنا ہوا تھا۔ چھپکلیوں اور مکڑیوں سے لے کر کاکروچ اور چیونٹیاں تک اپنی کمین گاہوں سے باہر آکر مرچکی تھیں.... بدقسمتی سے تم لوگ وہاں ہوتے تو تمہارا حشر بھی مختلف نہ ہوتا اور وہ نہایت اطمینان سے طاعون زدہ لاشوں کے حوالے سے تمہارے بے جان جسموں کو اٹھالے جاتے۔"

اوّل خان کی زبانی وہ تفصیل سن کر میں اندر ہی اندر لرز اٹھا۔

"وہ پوری درندگی کے ساتھ ہمیں ختم کرنے کا فیصلہ کرکے آئے تھے لیکن خدا ہم پر مہربان تھا۔ میری تجویز پر سب ہی فلیٹ چھوڑنے پر متفق ہوگئے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ بکتربند ایمبولینس کے تعاقب میں جانے والا کس خبر کے ساتھ واپس آیا۔"

"ایمبولینس پر مقامی نمبر پلیٹ آویزاں تھی۔ وہ یو ایس آئی سی کے وسیع عقبی احاطے میں داخل ہوئی اور بلند آہنی پھاٹک بند کردیا گیا۔ مزید کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد میرا آدمی واپس لوٹ آیا۔"

"وہ ایمبولینس ان کے ورکشاپ یا پارکنگ لاٹ میں پکڑلی جاتی ہے تو ان پر وقت پڑجائے گا۔ ہمارے فلیٹ کا سرسری سا تجزیہ ہی یہ ثابت کردے گا کہ وہاں طاعون کش دوا کا نہیں بلکہ زہریلے سیال کا غیر معمولی اسپرے کیا گیا تھا۔ اس گاڑی کو علاقے کے بے شمار لوگوں نے حیرت اور دلچسپی سے دیکھا ہوگا۔"

"انہیں گاڑی پکڑے جانے کا خوف ہوتا تو وہ ایمبولینس اپنے اصل ٹھکانے پر ہرگز نہیں جاتی۔ سفارتی جرائم بہت تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ گاڑی کی جعلی نمبر پلیٹ تلف کی جاچکی ہوگی۔ گاڑی کا رنگ بدلنے کے لئے استعمال ہونے والے اسٹکر ریڈ کراس کے نشانات سمیت کسی برقی بھٹی میں جھونک دیے گئے ہوں گے۔ گاڑی پر امریکا کا سرکاری نشان نمایاں ہوگا.... میں جانتا ہوں کہ کسی بھی فساد زدہ علاقے سے اپنے شہریوں کے محفوظ اور تیز ترین انخلا کے لئے بیشتر ایشیائی ممالک میں امریکی مشن ایسی بکتربند گاڑیاں تیار رکھتے ہیں۔ ویسے بھی پاکستان کے بڑے سے بڑے افسر کو ان کی پیشگی اجازت کے بغیر' ان کی کسی سفارتی عمارت میں داخلے کا حق نہیں ہے۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں طے شدہ سفارتی عمارات کو مقامی قوانین سے مکمل استثنٰی حاصل ہوتا ہے۔"

"پھر تو یہ گوریلا لڑائی زور پکڑے گی" میں نے پُرتشویش آواز میں کہا "دونوں فریق ایک دوسرے پر چھپ چھپ کر وار کرتے رہیں گے اور وہی پہچانے جائیں گے جو کسی لڑائی میں مارے جائیں یا زخمی ہوکر گرفتار ہوں۔"

"جم کلارک کے قضیے میں تین لاشیں ہمارے ہاتھ لگیں لیکن وہ بے سود ہیں۔ ایک امریکن زخمی ہوا تھا تو اسے اس کا ساتھی لے بھاگا۔ دراصل ایسی اندھی لڑائی میں بہت معمولی مہرے جھونکے جاتے ہیں۔ اپنی بدقسمتی سے کوئی پکڑا بھی جائے تو اس کے بڑے فوراً ہی اس سے لاتعلقی کا اعلان کردیتے ہیں۔ کسی بھی سیکرٹ ایجنٹ کی زندگی کا بدترین المیہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ زندہ رہے تو ہیرو بنا رہتا ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قید یا ناکامی کی صورت میں اس کی پشت پر ایک اور لات رسید کردی جاتی ہے۔ یہ جم کلارک کی اہمیت کا کھلا ثبوت ہے کہ اسے ہماری تحویل سے نکالنے کے لئے سی آئی اے کے دو اہلکار ذاتی طور پر مقابلے پر اتر آئے تھے۔"

"تم اس وقت گھر پر ہو یا دفتر سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یار یہ بک بک ختم کرو" اچانک جہانگیر نیند ہی میں پہلو بدل کر منمنایا "تھوڑی دیر چین سے سونے دو۔"

میں جہانگیر کو غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ دوسری طرف سے اوّل خان ہنس کر کہہ رہا تھا "بس ابھی گھر پہنچا ہوں۔ دفتر میں شام تک ٹیلی فون کی گھنٹی بج سکے گی۔ میں تازہ دم ہونے اور ستانے کے بعد ہی ادھر واپس جاؤں گا۔"

"تم نہا دھو کر کچھ پیٹ پوجا کرلو۔ میں بعد میں فون کروں گا۔"

"تم باتیں کرتے رہو...... کسی کی نیند میں خلل نہیں پڑرہا۔" اچانک ویرا کی آواز ابھری مگر میں اس وقت تک فون بند کرچکا تھا۔ میں اس کی طرف پلٹا تو وہ چارپائی سے پیر نیچے لٹکائے ہوئے بیٹھی تھی۔

"میری بھی نیند اچاٹ ہوچکی ہے" سلطان شاہ بھی انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا "شاید تم اوّل خان سے مذاکرات کررہے تھے۔ میں کافی دیر سے تمہاری بھن بھن سن رہا تھا لیکن اس خنک ماحول میں بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تم بھی اٹھ گئے ہو تو غزالہ کو اٹھالو....." ویرا نے سلطان شاہ سے کہا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی "میں بہت دیر سے جاگ رہی ہوں۔ تم میری فکر مت کرو۔"

ویرا نے اٹھ کر چٹا چٹ کئی سوئچ دبائے اور جہانگیر کا کمرا متعدد جھماکوں کے بعد ٹیوب لائٹوں کی دودھیا روشنی سے بھر گیا۔ نیم تاریکی میں تیز روشنی سے جہانگیر ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور منہ بگاڑ کے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ہم چاروں کو گھورنے لگا "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں دوسرے کے آرام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے......"

میں نے اسے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا اور ہنس کے کہا۔ "اُلو کو گہری تاریکی سے پکڑ کر روشن دھوپ میں پھینک دیا جائے تو وہ اسی طرح آنکھیں پٹپٹاتا ہے۔ ابے اُلو! اس وقت بارہ بج چکے ہیں۔ ہمارے معدے ناشتا مانگ رہے ہیں۔"

"ناشتا اوپر تیار رہوگا" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولا "ریشم خان تمہیں اوپر لے جاتا۔ ناشتا کے لئے میری نیند خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ٹھیک ہے پھر تم سو جاؤ" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "یہ اچھا ہے کہ ہمیں اس سے تخلیے میں کچھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اگر اس نے ہمارے لئے ناشتا تیار کیا ہے تو وہ ذہنی طور پر ہمیں قبول کرچکی ہے۔"

"نہیں' میں بھی تمہارے ساتھ ناشتا کروں گا" جہانگیر نے

غراتے ہوئے اپنا ارادہ فوراً تبدیل کردیا اور ہم چاروں کو ہکّا بکّا چھوڑ کر سب سے پہلے غسل خانے کی طرف چل دیا۔

"یا عورت!" سلطان شاہ چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کے بڑبڑایا "تیرے بھی بڑے کمالات ہیں۔"

جہانگیر کی غیر حاضری میں' میں نے ان تینوں کو امی اور اوّل خان کی سنسنی خیز گفتگو کے نچوڑ سے آگاہ کردیا۔ ان کے لئے جم کلارک کی لاش کے ساتھ کیا جانے والا ڈرامائی سلوک بہت زیادہ غیر متوقع نہیں تھا لیکن فلیٹ پر بکتر بند ایمبولینس کے ذریعے طاعون کے انسداد کے لئے آنے والوں کی کہانی چونکا دینے والی تھی۔

"بعض اوقات موت ہمارے سروں کو یوں چھو کر گزرتی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں" غزالہ ایک پھریری لے کر بولی۔ "ہم فلیٹ میں ہوتے تو ہمارا حشر بھی چھپکلیوں اور تل چٹوں سے مختلف نہ ہوتا۔"

"اچھا ہوا۔ اس بہانے فلیٹ کی بھرپور صفائی ہوگئی" ویرا بے پروائی سے بولی "دوبارہ وہاں جائیں گے تو اطمینان سے رہ سکیں گے۔ پتا نہیں جہانگیر نے کب سے وہاں جراثیم کش دواؤں کا اسپرے نہیں کرایا تھا۔"

"ہمیں ان کی اس حرکت کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور دینا ہوگا" سلطان شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"ان کی مکمل ناکامی ہی ان کے حربے کا مسکت جواب ہے" ویرا نے کہا۔

جہانگیر نہا دھو کر غسل خانے سے تازہ دم ہو کر برآمد ہوا تو ویرا اندر گئی اور فوراً ہی بھنّا کر باہر آگئی۔ اس نے لپک کر پیچھے سے جہانگیر کا بازو تھاما اور اسے دوبارہ باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا "بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ٹب میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ فرش اور دیواریں اس طرح شرابور ہیں جیسے وہاں کسی ہاتھی نے غسل کیا ہے۔ صابن نالی میں پڑا ہوا ہے.... چلو' چل کر ہر چیز صاف کرو۔ جب ایک باتھ روم مشترکہ استعمال میں ہوتا ہے تو ہر شخص کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے استعمال کے بعد اسے پہلے کی طرح صاف کرکے باہر آئے۔"

"میرا ہاتھ چھوڑو!" جہانگیر نے زور آزمائی میں ناکام رہنے کے بعد برہمی سے کہا "نہانے میں پانی نہیں تو کیا تیل پھیلے گا؟ جب ہم سب کو نہانا ہے تو بار بار صفائی کا فائدہ؟ جو آخر میں غسل خانہ استعمال کرے گا' وہ ایک دفعہ محنت کرے گا اور باتھ روم پھر چمک اٹھے گا۔"

میں ویرا کے ساتھ رہ کر اس کے مزاج کی ہر ٹیڑھ سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ چیغا سرائے' شنگرا دیلی اور گالان میں درپیش مجبوریوں کی اور بات تھی۔ وہاں اس نے بدترین رہائشی سہولتوں کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا تھا لیکن آزاد شہری فضا میں وہ [illegible] کسی حق پر کوئی سمجھوتا کرنے کی عادی نہیں تھی اور اسی فکرمندی کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتی تھی کہ دوسروں کو اس کی وجہ سے کسی ناگواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جہانگیر اپنی احمقانہ دیسی دلیل پر اڑا رہا۔ ویرا شائستگی کے قرینوں سے خوب واقف تھی۔ اس نے پے در پے کئی چوٹیں کرکے جہانگیر کو اس قدر بدحواس کردیا کہ وہ قائل نہ ہونے کے باوجود باتھ روم صاف کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ویرا کسی سنگ دل مالکن کی طرح دروازے پر کھڑی اس کی کارکردگی کا جائزہ لیتی رہی۔

جہانگیر سخت کوفت کے عالم میں باہر آیا تو ویرا نے خود کو باتھ روم میں مقفل کرلیا۔

"تم تینوں نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا" اپنی خفت مٹانے کے لئے وہ قریب آکر ہم پر برس پڑا "یہ ولایت نہیں' کراچی ہے یہاں ایسا ہی چلتا ہے۔ جس کے دماغ میں نفاست کے زیادہ کیڑے ہوں وہ خود صفائی کرلے۔"

"ولایت اور کراچی سے کوئی فرق نہیں پڑتا" میں نے اسے سمجھانا چاہا "اچھی بات زمین سے چاند تک' ہر جگہ اچھی ہوتی ہے۔ اسے فراخ دلی سے قبول کرلینا چاہئے۔ یہی معقولیت کی دلیل ہوتی ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ غصے میں اسے یہ پوچھنا بھی یاد نہیں رہا کہ میں کس سے اور کیا بات کررہا تھا۔

ہم لوگ گھر سے جن کپڑوں میں نکلے تھے' ان ہی میں سو گئے تھے۔ غزالہ نے چاروں کے لئے صاف ستھرے کپڑے نکالے' ویرا کے کپڑے باتھ روم میں پہنچائے اور جہانگیر کے لئے بھی میرا ایک قمیص شلوار سوٹ نکال دیا۔

ہم چاروں تیار ہو کر پوری سج دھج سے باہر نکلے تو راہ داری میں ریشم خان ہمارا منتظر تھا۔ اس کے پیچھے زینوں کی طرف جاتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا اور میں نے انگریزی میں ویرا کو یاد دلایا کہ مس خان کے سامنے اسے اردو کے اِکا دُکا' ٹوٹے پھوٹے فقروں سے آگے صرف انگریزی ہی بولنی تھی۔

جہانگیر کو قدرت نے پیسے کے ساتھ اچھے ذوق سے بھی نوازا تھا۔ اس لئے ریسٹ ہاؤس بہت خوب صورت بنایا گیا تھا۔ زینوں کا اختتام ایک وسیع دالان میں ہوا جہاں خوب صورت اور قیمتی پودوں سے لدے ہوئے گملے قطار در قطار سجے ہوئے تھے۔ دالان کے بعد شیشے کی دیواروں والا وسیع و عریض ڈرائنگ روم تھا جہاں بیک وقت بیس سے زائد افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اسی سے ملحق کمرے میں بارہ نفری میز پر ناشتا سجا ہوا تھا۔ میز کے آخری سرے پر جہانگیر ایک خوب صورت اور متناسب الاعضا لڑکی کے ساتھ براجمان تھا۔ لڑکی کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بھیگی بھیگی مسکان مچل رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں کیڑے کلبلانے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہوا تھا۔ کہاں؟ اس سوال کا جواب میں کوشش کے

باوجود نہ پاسکا۔

ہماری آوازیں سن کر وہ دونوں ہماری پیشوائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہانگیر کے چہرے پر بھی خلیقانہ مسکراہٹ ابھری تھی جو لمحہ بھر میں ہی معدوم ہوگئی۔ اپنے شب خوابی کے مسلے ہوئے، شکن آلود کپڑوں کے مقابلے میں ہمارے بے داغ لباسوں کو دیکھ کر اس کی طبیعت بے مزہ ہوگئی تھی۔

جہانگیر کی تعلیم جو بھی رہی ہو، اسے انگریزی میں کوئی خاص درک حاصل نہیں تھا۔ اس نے اپنی لٹھ مار انگریزی میں فرضی ناموں سے ہم سب کو مسز خان سے متعارف کرایا۔ اس مسکراتی ہوئی قیامت نے دونوں عورتوں سے ہاتھ ملایا لیکن ہماری باری آنے پر اس نے شاید جہانگیر کی پیشگی ہدایت پر دونوں ہاتھ باندھ لئے۔ جہانگیر نے پہلے سے اوپر پہنچ کر اس بات کا پورا بندوبست کرلیا تھا کہ مجھے یا سلطان شاہ کو مسز خان کے لمس سے آشنائی حاصل نہ ہوسکے۔

وہ جہانگیر کی فیکٹری کا ریسٹ ہاؤس تھا۔ اس کی تعمیر و تزئین میں مسز خان کا دور دور تک کوئی دخل نہیں تھا لیکن ویرا اخلاقاً مسز خان کے ذوق اور قرینے کی تعریف کرتی رہی اور وہ خاتون بھی سرہلا ہلا کر، منکسرانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ سب یوں سنتی رہی جیسے سارا کیا دھرا اسی کا ہو۔

ہم چاروں نے کرسیاں سنبھال لیں تو ناشتے کا آغاز ہوا۔ مسز خان نے جہانگیر کی سگی بیوی کی طرح میزبانی کے فرائض انجام دینے شروع کردیے۔ اس نے ویرا پر انگریزی میں مہربانیاں نچھاور کیں۔ اس سے فارغ ہوتے ہی وہ اردو پر اتر آئی۔ میں نے دانستہ اپنی پلیٹ میں کوئی ٹوسٹ وغیرہ نہیں لیا تھا۔

مسز خان کی نظر میری خالی پلیٹ پر پڑی تو اس نے ہمک کر بے اختیار مجھ سے استفسار کیا "انڈا دوں؟"

"ابلا ہوا دے سکیں تو بڑی نوازش ہوگی" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

ویرا اس تیزی سے ہنسی کہ اسے بری طرح اچھو لگ گیا۔ ہنسی روکنے کے چکر میں غزالہ اور سلطان شاہ کے چہروں پر زلزلے کے آثار لہرا رہے تھے۔ ویرا کی بے ساختہ ہنسی کے بعد وہ بھی اپنے بے اختیار قہقہوں پر قابو نہ رکھ سکے اور ناشتے کی سنجیدہ محفل چند ثانیوں میں کشت زار زعفران بن گئی۔

مسز خان خفت کے عالم میں اٹھ کر ڈائننگ روم سے ملحق کچن میں چلی گئی۔

"تم بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو" مسز خان کے جاتے ہی جہانگیر دبی زبان میں مجھ پر برس پڑا۔

"میں نے کیا بدتمیزی کی ہے؟" میں نے بھی آنکھیں نکال کے کہا "ان تینوں سے پوچھو جو بلاوجہ جنگلیوں کی طرح ہنسے جارہے ہیں..... میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکا کہ کیا ہوا ہے۔ ہوسکے تو تم ہی مجھے کچھ سمجھا دو۔"

"دنیا کے کس خطے میں عورتیں انڈے دیتی ہیں جو تم نے اس سے ابلا ہوا انڈا دینے کی فرمائش کی تھی؟" جہانگیر کے لئے اپنے غصے پر قابو رکھنا دشوار ہورہا تھا۔

اس کے سوال پر میری رکی ہوئی ہنسی کو بھی نکاس کا بہانہ مل گیا اور میں نے کہا "تم نے غور نہیں کیا۔ وہ خود انڈا دینے کو مری جارہی تھی۔ مجھ سے پہلے غزالہ سے بھی یہی سوال کرچکی تھی۔ اسی سے پوچھو کہ اس کا تعلق کس خطے سے ہے اور وہ کب سے انڈے دے رہی ہے۔ میں نے تو اس خوف سے ابلے ہوئے انڈے کی فرمائش کی تھی کہ کہیں وہ اچانک ہی میری پلیٹ میں تازہ انڈا نہ ڈال دے۔"

ان تینوں کی ہنسی رکتے رکتے پھر تیز ہوگئی۔ ویرا کو یہ تک یاد نہیں رہا کہ وہ وہاں اردو سے برائے نام واقف ہونے کی اداکاری کررہی تھی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آنے لگا تھا۔

"ہنسی بند کرو!" اچانک جہانگیر غصے سے مٹھیاں بھینچ کر حلق کے بل دہاڑا "میری چھت کے نیچے بیٹھ کر تم میرا مذاق نہیں اڑا سکتے۔ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا" وہ دھمکی سب کے لئے تھی لیکن تخاطب مجھ سے تھا۔

وہ غصے سے باؤلا ہورہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ بات بڑھانے پر ہی تل گیا تھا تو بات بڑھنی چاہئے تھی۔ میں نے اس کے غصے کی پروا کئے بغیر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسز خان کے دیئے ہوئے انڈوں سے تمہارا کیا تعلق ہے....."

"ہینڈز اپ!" نفرت سے دہکتی ہوئی ایک تند نسوانی آواز نے سب کو یک لخت خاموش کردیا۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو مسز خان کچن سے برآمد ہونے کے بجائے اندرونی حصے سے چلی آرہی تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک سیاہ ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال ہم لوگوں کی طرف تھی۔

اس اچانک اور خوف ناک تبدیلی پر سب حیران رہ گئے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اپنے ایک بے تکے سوال کا مزاحیہ جواب اس عورت کے مزاج پر اتنا گراں گزرے گا کہ وہ ہم پر ریوالور تان لے گی۔

"ہم..... نم..... مم..... یہ تم کیا کررہی ہو؟" جہانگیر خوف زدہ اور پھنسی پھنسی آواز میں ہکلایا۔

"اب تمہیں ان کی گردنیں توڑنے کی ضرورت نہیں" وہ ڈائننگ ٹیبل سے چند قدم دور رک کر غراتی ہوئی آواز میں جہانگیر سے بولی "میں ان کا کام تمام کروں گی اور اگلواؤں گی کہ انہوں نے تمہیں کیوں گھیرا ہے۔"

بات آناً فاناً میں ہنسی مذاق کی حدود سے نکل کر کشت و خون تک جا پہنچی تھی۔ شاید اس نے میرے اور جہانگیر کے آخری مکالمات سن لئے تھے اور یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جہانگیر ہم میں سے نہیں تھا۔ جہانگیر نے ویرا کے کاروباری دورے کے بارے میں طے شدہ باتوں کے سوا آپس کے پرانے مراسم کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

جہانگیر نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس وقت مسز خان، جہانگیر کی طرف متوجہ تھی۔ میں نے جہانگیر کو آنکھ ماری اور وہ لاتعلقانہ انداز میں اپنی دونوں کہنیاں میز پر جما کر بیٹھ گیا۔

"ہاتھ اٹھاؤ" مسز خان ریوالور کی نال لہرا کر درشت آواز میں غرائی "تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا۔"

ہم چاروں نے بے بسی سے اپنے ہاتھ اٹھالئے۔ مسز خان کے متبسم ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہوچکی تھی، پیشانی پر کئی بل نظر آرہے تھے۔ آنکھوں میں قہر کے کوندے لپک رہے تھے مگر وہ پھر بھی خوب صورت نظر آرہی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ گداز و جمال کے بجائے اس کے حسن پر قہر و جلال کے سائے پڑنے لگے تھے۔

"مذاق کی بات اگر تمہیں بری لگی ہو تو ہم سب اپنے دل کی گہرائیوں سے معافی مانگنے کو تیار ہیں" میں نے لجلجا کر کہا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ فتنہ گر اس وقت سامان قتل سے لیس تھی جب کہ ہم پانچوں بالکل غیر مسلح تھے۔ فلیٹ سے ساتھ لائے ہوئے ہتھیار جہانگیر کے دفتر میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس عورت پر کسی تدبیر سے جلد ہی قابو نہ پایا گیا تو وہ کسی بھی لمحے خون آشام شیرنی کا روپ دھار لے گی۔

"شٹ اپ!" اس نے مجھے تحقیر آمیز لہجے میں ڈانٹ دیا اور جہانگیر کی طرف مڑ کر بولی "یہ سب فراڈ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص تمہاری بند فیکٹری کو چلانے میں تمہاری مدد نہیں کرسکے گا۔ یہ سفید کتیا جو اصلی غیر ملکی خریدار بن کے آئی ہے، کوئی فاحشہ ہے۔ یہ اردو سے بے خبر بن رہی تھی پھر انڈے والا باریک لطیفہ اس کی سمجھ میں کیسے آگیا؟"

"ریوالور رکھ لو!" جہانگیر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "اگر یہ لوگ کسی بری نیت سے یہاں آئے ہیں تو میں ان سے سب کچھ اگلوالوں گا۔ میری وجہ سے تمہیں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔"

"خطرہ تو مجھ ہی کو مول لینا پڑے گا" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا پھر ریوالور کی نال سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "میری اصل دشمنی اس سے ہے۔ باقی تین سے پوچھ گچھ تم کرلینا۔"

"اس سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟" جہانگیر نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور آہستہ آہستہ مسز خان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جہانگیر کو ہم سے الگ اور اپنا ہم نوا سمجھ رہی تھی اس لئے اس نے بھی جہانگیر کی اس پیش قدمی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"اسے دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا" مسز خان زہریلے لہجے میں کہنے لگی "مجھے اس کی قابل نفرت صورت جانی پہچانی معلوم ہورہی تھی۔ تم نے اسے شاہد حسین کے نام سے متعارف کرایا ہے لیکن یہ ابھی اگل دے گا کہ اس کا اصل نام شاہد حسین نہیں، ڈینی ہے اور یہ سینڈو کا قاتل ہے۔ مجھے اس کو پہچاننے میں دیر ضرور لگی لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے آخر کار سینڈو کے قاتل کو تلاش کرہی لیا ہے۔"

ویرا اور جہانگیر کے لئے مسز خان کی وہ باتیں ناقابلِ فہم تھیں لیکن اس کی زبان سے اپنی اصل عرفیت سنتے ہی میرے ذہن کے بند دریچے تیزی سے کھلتے چلے گئے۔

مجھے بھی پہلی نظر میں مسز خان کا چہرہ جانا پہچانا معلوم ہوا تھا لیکن میں اپنے ذہن پر زور دینے کے باوجود یہ یاد کرنے سے قاصر رہا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا لیکن اس کی زبان سے سینڈو کا نام سنتے ہی مجھے سب کچھ یاد آگیا تھا۔ اس کا براہِ راست مافیا سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن مافیا کے سیٹھ حبیب جیوانی نے شہر کے اعلیٰ سرکاری حکام اور معزز شہریوں کی اخلاقی کمزوریوں کو قلم بند کرکے انہیں بلیک میل کرنے کے مقصد سے جو رسوائے زمانہ کلب قائم کیا تھا، مسز خان اس کی تنخواہ دار ملازمہ تھی اور میں مس پارسن اور مس شوچان وغیرہ کے ساتھ متعدد بار اسے اس اڈے پر دیکھ چکا تھا۔ وہاں کام کرنے والی ہر عورت اخلاق باختہ اور بے کردار ہوتی تھی۔ ان ہی عورتوں کے حسن و انداز کے جال میں پھنس کر لوگ پُرتعیش خلوت کدوں کا رخ کرتے تھے جہاں پوشیدہ کیمروں کی آنکھ ان کی ہر بے راہ روی کو مقناطیسی فیتے پر محفوظ کرلیتی تھی۔

شاید کلب کا شیرازہ بکھرنے کے بعد نادیہ نامی اس خاتون نے مسز خان کا نام اختیار کرکے ایک خانہ دار عورت کا روپ دھار لیا تھا اور اس کی آڑ میں شکار کھیلتی پھرتی تھی۔ اس کا تعلق دنیا کے اس قدیم ترین پیشے سے تھا جو پتھر کے زمانے سے خلائی دور تک پھلتا پھولتا رہا تھا۔ وہ اپنا روپ بدل سکتی تھی، ہزار بہروپ دھار سکتی تھی لیکن چڑھتی عمر کے کشش انگیز چہرے اور کسے ہوئے بدن کے ساتھ اپنے اصل پیشے کو خیرباد نہیں کہہ سکتی تھی۔

"تم بھی مسز خان بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکو گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "قحبہ خانے کی نادیہ اپنا نام بدل کر جہانگیر کو اپنی پارسائی کا فریب دے سکتی ہے، مجھے نہیں۔"

"ہائیں!" جہانگیر پر ایک مرتبہ پھر بوکھلاہٹ کا حملہ ہوا "تم دونوں ہی ایک دوسرے کے اصل نام جانتے ہو؟"

"نام ہی نہیں، کام بھی جانتے ہیں۔" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا "غنیمت ہے کہ مسز خان نے تمہیں اپنا اصل نام بتایا ہوا

ہے ورنہ یہ اپنے دام چکانے والوں کی خوشنودی کے لئے ہر روز نئے نام سے اپنے جلووں کا بازار سجاتی تھی.....“

”میں مجبور تھی اور تم میری مجبوریوں کے خریدار۔“ وہ میری بات کاٹ کے تحقیر سے بولی ”پہلے سینڈو اس کی کلب کا مالک ہوا کرتا تھا پھر تم اس کے اوپر آگئے۔ وہاں جو کچھ ہوتا تھا تم اس کے ذمے دار تھے۔“

”تو کیا تم ڈینی سے اپنی اس تذلیل کا انتقام لینا چاہ رہی ہو؟“ جہانگیر نے پوچھا۔

”وہ نئی لڑکیوں کی تربیت گاہ نہیں تھی۔“ میں نے جہانگیر کو آگاہ کیا ”وہ دنیا جہان کی تجربے کار اور گھاگ عورتوں کی جنت تھی۔ نادیہ وہاں نوکری کرنے سے پہلے ہی عورت کی ذلت کا اشتہار بن چکی ہوگی۔“

”میں جو کچھ تھی‘ اپنے لئے تھی۔“ نادیہ نے زخم خوردہ لہجے میں کہا ”سینڈو نے اسی روپ میں مجھے ٹوٹ کر چاہا۔ وہ میرا پہلا اور آخری محبوب تھا جو میری برائیوں کو نظرانداز کرکے صرف میری خوبیوں کو پوجتا تھا۔ اس کے بعد میں خود کو اس بھری دنیا میں اکیلا اور بے سہارا محسوس کرنے لگی ہوں۔ میرے چاہنے والے بے شمار مل جاتے ہیں لیکن مجھے کوئی بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اپنی نظروں اور حرکتوں سے وہ سب بھوکے بھیڑیے نظر آتے ہیں جو میرے وجود کو بھنبھوڑ ڈالنے پر تلے رہتے ہیں۔ سینڈو کو مار کر اس نے میرے اوپر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ سینڈو کا قاتل ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار کر سینڈو کے قتل کا انتقام لوں گی۔“

آخرکار بات واضح ہوگئی تھی۔ بات اپنے محبوب کے قتل کے انتقام کی تھی۔

”اسے مار کر تم بھی قانون کی بے رحمانہ گرفت سے نہیں بچ سکو گی۔“ جہانگیر نے اس کے قریب پہنچ کر اسے سمجھانا چاہا ”لاؤ‘ یہ ریوالور مجھے دے دو۔ غصے اور اشتعال کے عالم میں یہ تمہارے کسی ارادے کے بغیر چل پڑا تو دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔ ڈینی سے ہم کسی اور طرح بھی سینڈو کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ اب یہ چاروں میری مرضی کے بغیر فیکٹری سے باہر نہیں جاسکیں گے۔ جب تک تم چاہو گی‘ یہ یہیں پر ہمارے قیدی بنے رہیں گے۔“

”خبردار! مجھ سے دور رہو۔ اس وقت مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔“ نادیہ نے دو قدم پیچھے سرک کر اسے رکنے پر مجبور کردیا اور ریوالور کی نال میرے سینے کی طرف کرکے اپنا ہاتھ سیدھا کرلیا ”اس وقت کسی نے بھی مجھے چھیڑنے کی کوشش کی تو میں ڈینی کو بے دریغ گولی مار دوں گی۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں فائرنگ میں اناڑی ہوں۔“

مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ میں نے سینڈو کو ڈیفنس فیز نمبر سات کے بالکل ویران اور غیر آباد علاقے میں پوری رازداری کے ساتھ قتل کیا تھا تو پھر نادیہ کو کیسے علم ہوا کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ میں نے نادیہ کے خاموش ہوتے ہی اپنی اس الجھن کو ایک سوال کا روپ دے دیا ”تم سے کس نے کہا کہ میں سینڈو کا قاتل ہوں؟“

”تمہاری سازش بہت مکمل تھی۔“ اس نے حقارت سے سر جھٹک کر کہا ”لیکن دنیا کا کوئی جرم مکمل نہیں ہوتا۔ جرائم مکمل اور بے داغ ہونے لگیں تو دنیا سے عدل و انصاف کا نام تک مٹ جائے گا۔ سینڈو اپنے قتل کی رات تمہارے ساتھ ڈیفنس کے ویران علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ دیکھنے والا ایک سرکاری افسر اور کی کلب کا رکن تھا۔ اس نے سینڈو کی لاش ملتے ہی مجھے پوری بات بتادی تھی مگر میں اپنی جان کے خوف سے خاموش رہی۔ اس وقت تم کی کلب والوں کے لئے ایک ہوّا بنے ہوئے تھے۔ اب کی کلب ہے نہ تمہاری بادشاہی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

اس وقت تک ویرا‘ غزالہ اور سلطان شاہ نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ ویرا کے لئے وہ باتیں تحیر خیز رہی ہوں گی کیونکہ میرے اور مافیا کے روابط کے بارے میں وہ بہت زیادہ باخبر نہیں تھی لیکن میری اور نادیہ کی گفتگو نے تقریباً ساری ہی گتھیاں سلجھادی تھیں۔ رہی سہی کڑیاں کوئی بھی اپنے اندازے سے جوڑ سکتا تھا۔

”تم مجھے مارنا ہی چاہتی ہو تو زیادہ دیر نہ کرو۔“ میں نے نادیہ کو مشتعل کرنے کے لئے بے پروائی سے کہا ”مجھے کچھ اور بھی ضروری کام نمٹانے ہیں۔ دوسری طرف ناشتا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

میرے تبصرے پر نادیہ کی کھوپڑی گھوم گئی۔ جہانگیر بوکھلائی ہوئی آوازوں کے ذریعے اسے روکنے کی کوششیں کرتا رہ گیا اور اس نے اپنا بازو تان کے میری طرف ایک فائر جھونک مارا۔

میں اس وقت دانستہ دوسروں سے الگ اور دور کھڑا ہوا تھا۔ فائر ہونے کی صورت میں دائیں بائیں جھکائی دینے کے لئے بھی تیار تھا لیکن میری کسی مدافعانہ کارروائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ شاید ریوالور کے دستے پر نادیہ کی گرفت مضبوط نہیں تھی۔ گو پچھلے فائر کے دھماکے سے ریوالور کی نال قدرے اوپر اٹھ گئی اور گولی میرے جسم کی طرف آنے کے بجائے شیشے کے ایک فریم کو توڑتی ہوئی دیوار میں پیوست ہوگئی۔

نادیہ فائرنگ کے معاملے میں ماہر نشانے باز تھی نہ ہی بالکل اناڑی۔ شاید اس کے کسی آشنا نے فرصت کے لمحات میں اسے آتشیں ہتھیاروں سے موت کا کھیل کھیلنے کی ہلکی پھلکی مشق کرائی ہو۔ وہ اچانک ہی پہلی گولی چلانے میں تو کامیاب ہوگئی لیکن اسے دوسرے فائر کے لئے خود کو سنبھالنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ان دنوں جہانگیر ایک امن پرور شہری کی سی پُرسکون زندگی گزار رہا تھا لیکن ایک زمانے میں وہ بھی بارودی ہتھیاروں کا نامور کھلاڑی رہا تھا اور اس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کا پتا پانی ہوتا تھا۔ اس کے سامنے نادیہ کی کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ اس

نے پہلے فائر کا دھماکا سنتے ہی جست لگا کر نادیہ کی داہنی کلائی اپنی گرفت میں لے کر اتنی سختی سے مروڑی کہ ریوالور اس کی ہتھیلی میں جھولنے لگا۔ غزالہ نے لپک کر ریوالور اس کی کمزور گرفت سے نکال لیا۔

جہانگیر نے اسے غیر مسلح کرنے کے بعد زور سے پیچھے دھکا دیا اور وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل قالین پر جاگری۔

جہانگیر مڑ کر مجھ پر برسنے لگا ”تم جہاں کہیں بھی قدم رکھتے ہو‘ تمہاری کوئی نہ کوئی رقیبانہ شناسائی نکل آتی ہے۔ اب مجھے بتاؤ کہ اس اُلو کی پٹھی کا کیا کیا جائے۔ اگر یہ میرے ریوالور سے تمہیں زخمی بھی کردیتی تو میں تو زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔“ اس نے غزالہ کے ہاتھ سے ریوالور لے کر سیفٹی کیچ چڑھادیا۔

اس اثنا میں فائر کی گونج سن کر ریشم خان بھی اپنی رائفل تانے اندر گھس آیا تھا۔

قالین پر بے طرح گرنے سے نادیہ کے جسم پر چوٹ آئی تھی یا وہ بے بسی کے احساس سے مغلوب ہوگئی تھی کہ اس نے وہیں پڑے پڑے اونچی آواز سے رونا شروع کردیا۔

جہانگیر غصیلی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ میں نے محبت سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر کہا ”فی الحال اس پر لعنت بھیجو‘ ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اس کا ریوالور تم چھین چکے ہو۔ یہ رو رو کر اپنا بقیہ میک اپ بھی برباد کرلے گی۔ روتی ہوئی عورت کی چتون بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”عورتوں کے سامنے تو لوفروں والی زبان استعمال نہ کیا کرو۔“ وہ تاؤ کھا کر بولا۔

”ویرا عاقل و بالغ اور آزاد خیال ہے‘ دوسری عورت نہیں بلکہ میری اکلوتی بیوی ہے۔ ان دونوں کے سامنے میں ہر زبان استعمال کرسکتا ہوں۔“ میں نے ایک آنکھ دبا کر کہا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے پر مجبور ہوگیا۔

ریشم خان کو باہر جانے کی ہدایت دے کر ہم میز پر ناشتے میں مصروف ہوگئے۔

”اس ریسٹ ہاؤس میں کتنی خواب گاہیں ہیں؟“ ویرا نے جہانگیر سے پوچھا۔

”تین!“ اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا ”اب تم نیچے سے اوپر ہی آجاؤ تاکہ مجھے تمہارے لئے باتھ روم کی صفائی کا خیال نہ رکھنا پڑے۔ میں چند روز تک اپنے دفتر میں گزارہ کرلوں گا۔“

”اگر یہاں تین کمرے میسر تھے تو تم نے ہم سب کو دفتر میں رہنے پر کیوں مجبور کیا؟“ میں نے پوچھا ”ہم اس کے آرام میں خلل ڈالے بغیر دو کمروں میں آرام سے رہ سکتے تھے۔“

”مجھے کیا خبر تھی کہ نادیہ کے کیا کرتوت رہے ہیں۔ میرے سامنے تو یہ عزت دار بنی رہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک دم اتنے اجنبیوں کو دیکھ کر بھڑک جائے گی۔ اب یہ جائے جہنم میں‘ میں ایسی کتیوں کی پروا نہیں کرتا۔“

”بالکل بالکل“ میں نے اس سے بھرپور اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ جائے گی تو تمہیں کوئی اور مل جائے گی۔ خدا بھی شکر خورے کو شکر فراہم کرتا ہے۔ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

جب نادیہ کو مسلسل رونے کے باوجود ہم میں سے کسی کی توجہ نہ مل سکی تو رفتہ رفتہ اس نے رونا موقوف کردیا پھر قالین سے اٹھ کر وہیں اکڑوں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح اپنے گھٹنوں پر ٹکایا ہوا تھا۔

”نادیہ ہمارے سامنے کچن میں گئی تھی۔ پھر یہ اندر سے ریوالور کیسے لے آئی؟“ غزالہ کو اچانک ایک باریک نکتہ سوجھ گیا۔

”کچن میں دوسری طرف بھی دروازہ ہے جو بغلی راہداریوں کے ذریعے خواب گاہوں تک جاتا ہے۔ یہ اسی طرف سے نکل گئی ہوگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ نرم و نازک سی عورت گولی چلالیتی ہوگی۔“

”اصول کے طور پر ہمیشہ یہ بات یاد رکھو۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا اور جہانگیر ہمہ تن گوش ہوگیا۔ میں نے بلاتوقف اپنی بات جاری رکھی ”کہ جو عورت انڈا دینے پر قادر ہو وہ گولی سے توپ تک ہر چیز چلا سکتی ہے۔“

جہانگیر نے برا سا منہ بنا کر کوئی ترش جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ نادیہ نے اٹھ کر چلّانا شروع کردیا ”تم سب حرام زادے‘ خود غرض اور ایک تھیلی کے چٹے بٹّے ہو۔ میں تمہیں ہتھکڑیاں نہ لگوادوں تو میرا نام بدل دینا۔“

”بچی! تیرا نام تو پہلے ہی بدلا ہوا ہے۔ ہم کیا بدلیں گے۔“ سلطان شاہ نے ہانک لگائی ”نادیہ اور مسز خان کے بعد تو اب تیرا نام ترکھان ہی رکھا جاسکتا ہے۔ آرام سے بیٹھ کر اپنا سر کھجاتی رہ!“

وہ تلملا کر پیر پٹختی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ اس بار بھی کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے استفہام طلب نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا تو اس نے خاموشی سے ہاتھ ہلا کر مجھے مطمئن کردیا کہ اندر کے کمروں میں ریوالور کے بعد کوئی ہتھیار موجود نہیں رہا تھا۔

ہم ناشتا ختم کرنے کے مراحل میں تھے کہ کچن میں سے خرخراتی ہوئی ایک وحشت ناک سی چیخ ابھری۔ سب ہی نے بیک وقت کچن کی طرف دوڑ لگادی۔ وہاں ماربل کے فرش پر نادیہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کی کٹی ہوئی گردن سے زندہ خون کی دھاریں ابل ابل کر فرش پر پھیل رہی تھیں۔ قریب ہی گوشت کے پارچے بنانے والی تیز دھار چھری پڑی ہوئی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مایوسی کے عالم میں نادیہ نے اپنی گردن کاٹ لی تھی۔

اس کی گردن سے ابلنے والے خون کی مقدار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ زخم بہت گہرا اور کاری تھا۔ اسے طبی امداد کے لئے

اسپتال لے جانے کی کوشش کی جاتی تب بھی وہ زیادہ مقدار میں خون ضائع ہونے کے سبب زندہ نہ رہتی۔ ہم پانچوں اس کے گرد کھڑے بے بسی سے تماشا دیکھتے رہے اور چند ہی منٹ میں اس کا جسم ساکت ہوگیا۔

"یہ ایک نئی مصیبت گلے پڑگئی۔" جہانگیر کمزور آواز میں کراہا "اب اس کی لاش کا کیا ہوگا؟"

میں نے بڑھ کر نادیہ کی نبض دیکھی۔ ہاتھ گرم تھا لیکن نبض خاموش تھی۔ بائیں پہلو کو جگہ جگہ سے دبا کر دیکھا لیکن دل کی دھڑکنیں مفقود تھیں۔ آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ چکی تھیں اور اُدھ کھلے پپوٹوں میں سے موت کی بھیانک سفیدی جھانک رہی تھی۔ وہ اتنی تیزی سے اپنے الم ناک انجام کو پہنچی تھی کہ ہم اسے طبی امداد کے لئے لے جانے کی کوشش کرتے تب بھی وہ فیکٹری سے گاڑی روانہ ہونے سے پہلے ہی ختم ہوچکی ہوتی۔

ریشم خان کو لاش کے گرد پھیلے اور جمتے ہوئے خون کو بہانے کی ہدایت کرکے ہم سب ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ جہانگیر کو اس مرحلے پر پولیس کی فکر لاحق ہوگئی۔ اپنے مشتبہ ماضی کی بنا پر وہ ہر حالت میں اس محکمے سے دور رہنے بلکہ بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں خود بھی پولیس سے دور رہنا پسند کرتا تھا۔

نادیہ کی دردناک خودکشی نے کسی نہ کسی حد تک سب ہی کو متاثر کیا تھا۔ اس قصے کے بارے میں بہت سی باتیں جہانگیر کے علم میں بھی نہیں تھیں لیکن وہ میرے معاملات میں کبھی بھی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔ جو کچھ میں بتا دیتا وہ اسی پر قناعت کرلیتا تھا۔ بقیہ باتوں کو سرے سے بھلا دیتا تھا لیکن ویرا کا مزاج بالکل ہی مختلف تھا۔ وہ ہربات میں بال کی کھال نکالنے پر تلی رہتی تھی۔ سینڈو اور کی کلب کے نام اس کے لئے نئے نہیں تھے۔ اس نے ان کے بارے میں بہت سے چبھتے ہوئے سوالات کئے مگر میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ میں نے کبھی بھی مافیا کے لئے کام نہیں کیا تھا بلکہ ان کی بیخ کنی کے لئے محدود پیمانے پر ان کی صفوں میں شمولیت اختیار کی تھی اور اپنے قدم جمانے کے بعد مافیا کے اہم ستونوں کو یکے بعد دیگرے گراتا چلا گیا۔ سینڈو کے قتل اور کی کلب کی مکمل بربادی کے بعد آخر کار مافیا کا مقامی سربراہ' سیٹھ حبیب جیوانی بھی میری اس مہم کا نشانہ بن گیا تھا۔

جہانگیر کو رہ رہ کر یہ خوف مارے ڈال رہا تھا کہ اس ریسٹ ہاؤس میں ایک فائر کے علاوہ نسوانی چیخ بھی گونجی تھی اور پھر کچن میں ایک عورت کی گردن بریدہ' تازہ لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ بڑی بڑی فیکٹریوں کے شور میں اکلوتے فائر کی آواز سنی جانے کا امکان بہت کم تھا۔ کوئی وہ آواز سن بھی لیتا تو اس کے لئے یہ تعین کرنا دشوار ہوجاتا کہ فائر کہاں ہوا تھا۔ جہاں تک نادیہ کی آخری چیخ کا تعلق تھا تو وہ دہشت ناک ہونے کے باوجود اتنی بلند نہیں تھی کہ اسے باہر تک سنا جاتا۔

نادیہ کی لاش کو ہم اپنے طور پر بھی ٹھکانے لگا سکتے تھے لیکن مجھے خودکشی کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی گوارا نہیں تھی۔ وہ بے کردار اور بازاری اطوار کی عادی ضرور تھی لیکن ہم میں سے کوئی بھی ان حالات سے باخبر نہیں تھا جن سے مجبور ہوکر وہ گناہوں کی اس دلدل میں جا پھنسی تھی۔

ایس ٹی ایف والے نادیہ کی لاش کو خاموشی سے غائب کرکے آبرومندانہ طریقے سے اس کی تجہیز و تکفین کرسکتے تھے۔ میں نے اول خان کو فون کرنے کا ارادہ کیا تو ویرا نے جہانگیر کے دفتر سے اسپیکر فون اوپر منگوانے کا مطالبہ پیش کردیا تاکہ ہر شخص براہِ راست دو طرفہ بات چیت سن سکے۔

فیکٹری کے دونوں فون نمبروں کی براہِ راست لائنیں اوپر بھی موجود تھیں لیکن وہاں اسپیکر فون موجود نہیں تھے۔ اس وقت تک ریشم خان کچن کی صفائی اور نادیہ کی لاش کو ایک صاف چادر میں لپیٹنے کے عمل سے فارغ ہوچکا تھا اور مشینی انداز میں ریسٹ ہاؤس سے باہر موجود تھا۔ اس نے نادیہ کی لاش یا اس واردات کے بارے میں کسی سے کوئی بات پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جہانگیر نے اسے نیچے سے اسپیکر فون نکال لانے کے لئے بھیج دیا۔

ٹیلی فون لائن سے اسپیکر فون منسلک کرنے کے بعد میں نے اول خان کے گھر کا نمبر ملایا۔ اس نے خود ہی میری فون کال وصول کی "تھوڑی دیر بعد میں خود تم سے رابطہ کرنے والا تھا۔ حالات دلچسپ رخ اختیار کرتے جارہے ہیں۔ جم کلارک کی بیان کی گئی پچھلی کہانی میں اب تبدیلی کی جاچکی ہے......"

"اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم یہاں نادیہ نامی ایک عورت کی لاش کے ساتھ موجود ہیں۔ اسے فوری طور پر ٹھکانے لگانا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"عورت کی لاش!" اول خان کی تحیر زدہ آواز ابھری "وہاں لاش کہاں سے آگئی؟"

"ڈینی کے قدموں کی برکت۔" مجھ سے پہلے جہانگیر بھرّائی ہوئی آواز میں بول پڑا "یہ جہاں بھی جاتا ہے' فساد اور کشت و خون شروع ہوجاتا ہے۔ میری سیکریٹری نے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرلی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈینی کو پہچان کر ڈر گئی ہو... میں نے تم لوگوں کی حفاظت کے لئے اپنے دو گارڈ فیکٹری کی طرف روانہ کئے ہیں۔ وہ باری باری چوبیس گھنٹے پہرے پر مامور رہیں گے۔ وہ جیسے ہی پہنچیں' انہیں لاش کے بارے میں بتادینا۔ وہ ایک دو گھنٹے میں لاش کو ٹھکانے لگا کر واپس آجائیں گے اور براہِ راست ڈینی کو جواب دہ ہوں گے۔"

"بظاہر ہمیں فیکٹری میں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن تم نے اچھا کیا کہ دو محافظ روانہ کردیے۔ اب ہم زیادہ بے فکری سے اپنا وقت گزار سکیں گے۔" میں نے تشکر سے لبریز لہجے میں جواب دیا۔

"ان لوگوں نے تھانے کی سطح پر صرف اتنی بات بتائی تھی کہ جم کلارک کسی سے ملنے ہوٹل گیا تھا اور واپس نہیں آیا لیکن ہوم ڈپارٹمنٹ سے سفارتی سطح پر کی جانے والی شکایت میں تمہیں اپنے پورے نام یعنی تنویر علی عرف ڈینی سے ملزم نامزد کیا گیا ہے۔ ویرا کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ انہوں نے ایک علیحدہ شکایت میں تم پر الزام لگایا ہے کہ تم نے ویرا لائیڈ نامی ایک امریکن لڑکی کو حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ تم ایک بدنام عالمی دہشت گرد ہو اور متعدد ممالک میں ان کے مفادات کو نقصان پہنچاتے رہے ہو۔ پاکستان میں کوئی خفیہ سرکاری یا نیم سرکاری تنظیم تمہاری پشت پناہی کررہی ہے۔ اسی کی حوصلہ افزائی پر تم نے جم کلارک کو دھوکے سے اغوا کرکے ہلاک کیا ہے۔"

"خوب!" میں نے اس تفصیل سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا "انہوں نے یہ بتانے کی ہمت نہیں کی ہوگی کہ میں جم کلارک کو اغوا کرکے کہاں لے گیا تھا اور انہوں نے اسے بازیاب کرانے کے لئے کیا جتن کئے تھے۔"

"واضح طور پر اسٹیشن فور والی عمارت کا پتا لکھنے کے بعد انہوں نے سامنے والی گلی میں پائی جانے والی تین لاشوں سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی ہے۔ ان کی ٹیم کے ساتھ اس عمارت پر ریڈ بھی کی جاچکی ہے۔ گرد و غبار میں اٹے ہوئے فرنیچر اور عمارت کی ویرانی نے انہیں حیران کردیا۔ آخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ شاید ڈینی جم کلارک کو لے کر پچھلی سمت سے فرار ہوگیا ہوگا۔ سی آئی اے والے دونوں چشم دید گواہ بھی بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ ان میں سے ایک کی پنڈلی زخمی تھی۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر پوچھا "قیاس آرائی کرنے والے نے یہ نہیں بتایا کہ جم کلارک جیسے گراں ڈیل کو اٹھا لے جانے کے لئے ڈینی کرین کہاں سے لایا ہوگا اور اس کی گاڑی کہاں غائب ہوگئی۔"

"خفیہ سرکاری یا نیم سرکاری تنظیم کا ذکر کرکے انہوں نے اپنے شبہات واضح کردیے ہیں۔ وہ کھل کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں لے سکے لیکن انہوں نے مختلف معاہداتی اور جمہوری حوالوں سے پُرزور مطالبہ کیا ہے کہ ڈینی کے ساتھ ویرا لائیڈ کو بھی ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ ویرا کی تصاویر نہیں فراہم کرسکے لیکن ڈینی کی ایک دھندلی تصویر حکام کو دی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کی اشک شوئی کے لئے دو چار دن میں محکمۂ داخلہ کوئی اشتہار بھی جاری کردے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اسپیکر فون پر بات کررہے ہو اس لئے میں سب ہی کو بتا رہا ہوں کہ حالات سدھرنے تک اپنی نقل و حرکت محدود رکھو۔"

"شاید تم نے ان ہی خطرات کے پیشِ نظر اپنے آدمی ادھر روانہ کئے ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"نہیں... وہ لوگ اپنے طور پر بہت تیزی سے کام کررہے ہیں۔ شرف آباد والے فلیٹ پر بکتر بند ایمبولینس کے عملے کی ناکام کارروائی کے بعد انہوں نے دوسری سمت میں سرگرمیاں شروع کردی ہیں۔ اس بلڈنگ کے مالک سے رابطہ کرکے انہوں نے سراغ لگالیا ہے کہ وہ فلیٹ جہانگیر کے نام پر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آج ہی جہانگیر کے گھر کا رخ کریں۔ میں نے وہاں بھی اپنا ایک آدمی لگادیا ہے جو وہاں چوکیدار کی جگہ لے لے گا... ایسے حربے انہیں عارضی طور پر مایوس تو کرسکتے ہیں لیکن وہ منظم انداز میں کام کررہے ہیں۔ کسی نہ کسی وقت جہانگیر کی فیکٹری کا سراغ بھی لگالیں گے۔ میں نے ایسی ہی کسی صورتِ حال کا سدِباب کرنے کے لئے اپنے دو آدمی ادھر بھیجے ہیں۔"

"انہوں نے فیکٹری تک رسائی حاصل کرلی تو دو آدمی ان کو نہیں روک سکیں گے۔" اول خان کی سنائی ہوئی آخری خبر نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا "بکتر بند ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح حملہ آوروں کا کون مقابلہ کرسکے گا؟ وہ ہر رکاوٹ کو روند کر اندر گھس آئیں گے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر از خود کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ ادھر کی سن گن لینے کے بعد محکمۂ داخلہ پر فوری اقدام کے لئے زور ڈالیں گے۔ سفارتی کوششوں میں ایسی غنڈا گردی نہیں کی جاتی۔"

"ان سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔" ویرا نے بلا تردّد کہا "جم کلارک شی کا نیا سربراہ تھا۔ اسے انہوں نے سفارت کار بنادیا۔ ڈینی کی لڑائی ہیروئن اور شی کے خلاف تھی۔ اس نے شی کے مفادات پر ضرب لگائی اور وہ شی کی جگہ اپنے قومی مفادات کا ذکر کرکے ڈینی کو عالمی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ سفارتی کوششوں اور غنڈا گردی کا فرق تمہیں ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ وہ جب چاہیں گے اپنی غنڈا گردی کو بہترین سفارتی مہم جوئی قرار دے کر تمہیں خاموش ہوجانے پر مجبور کردیں گے۔ ان سے نمٹنے کے لئے تم اصولوں سے چمٹے رہے تو تمہارا کیا کرم ہوجائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اول خان کی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ "کم ظرف دشمن سے پالا پڑجائے تو کہیں بھی حدِ فاصل قائم نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تم لوگوں کو پورے حالات سے آگاہ کرکے اپنا فرض پورا کردیا ہے۔ میں اپنی سی کوششیں کرتا رہوں گا۔ تم اپنی جگہ چوکنا رہو۔ ان نازک حالات میں ہمیں چاروں کھونٹ چوکس رہنا ہوگا۔"

"جہانگیر کے گھر پر چوکیدار کی جگہ سنبھالنے والے آدمی کا کوڈ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا تمہارا اس سے ملنے کا پروگرام ہے؟" اول خان کی آواز سے تحیر عیاں تھا۔

"فی الحال یوں ہی پوچھ رہا ہوں۔ بعد میں ملاقات کا پروگرام بن جائے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تمہارا یہ آپریشن بلیک ہاؤنڈز کے نام سے چل رہا ہے۔ میرا کوڈ بی ایچ ون ہے۔ جہانگیر کے گھر جانے والا بی ایچ نائن ہے۔ ویسے اس کا اصل نام نسیم الحسن ہے۔ وہ شاید تمہیں نہیں پہچانتا ہوگا۔"

"اسے پتا ہونا چاہیے کہ کوئی حقیقہ آدمی اس سے کوئی یادداشت کرے تو تمہارے ساتھ ہی مجھے بھی یہاں کے فون پر مطلع کر دے تاکہ ہم ہروقت پوری طرح باخبر رہیں۔" میں نے فرمائش کی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد حقیقت بیانی لہجے میں کہا "اس بار سارا جال تمہارے لئے بچھایا گیا ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس آپریشن سے بالکل باہر رکھنا چاہتا تھا۔ اب تم ان لوگوں میں سے کسی سے رابطہ کرنا ہی چاہتے ہو تو تمہیں بھی پاس ورڈ استعمال کرنا ہوگا۔ فورس کے اندرونی معاملات کی وجہ سے میں اس بار بہت زیادہ محتاط ہوں۔ میں نے اپنے اعتماد کے قریبی ساتھیوں کو ٹیم میں شامل کیا ہے۔"

"احتیاط کے طور پر تم مجھے پاس ورڈ دے ہی دو۔" میں نے اصرار کیا۔

"بی ایچ ففٹین۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی پُرتشویش آواز سنائی دی۔

"اور یہاں آنے والوں کے کیا پاس ورڈز ہیں؟" میں نے فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"ابھی جہانگیر کی فیکٹری اس آپریشن کے دائرے سے خارج ہے۔ ان دونوں کو کوئی نمبر نہیں دیا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس نفری کی کمی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" ویرا نے اچانک کہا "الیزٹو وینیسا کے رکھے ہوئے خفیہ آدمیوں کا کیا رہا؟ کیا وہ اب بھی تمہارے لئے کام کر رہے ہیں؟"

وہ اول خان کی دُکھتی رگ تھی۔ فون پر اس کے گہرے سانس کی آواز گونجی پھر اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "وہ صرف تین تھے۔ عارف، سلطان شاہ کے اغوا کے چکر میں مارا گیا۔ مقصود سرور پکڑا گیا۔ اس کی نشان دہی پر ایک اور کالی بھیڑ ہاتھ لگی ہے۔ یقیناً وہ خفیہ آدمی کلیئر ہو چکے ہیں لیکن احتیاطاً انہیں بھی حیدر آباد تبدیل کر دیا گیا ہے۔ وہاں وہ مزید ایک ہفتے تک خفیہ نگرانی میں رہیں گے۔ اب موتی لال کو میری فورس میں کوئی غدار نہیں مل سکے گا۔"

"کیوں نہ سلطان شاہ کے چھپتے ہوئے تیر (نشتر) پر موتی لال سے چھیڑ چھاڑ کی جائے؟" ویرا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ایک وقت میں سارے محاذ مت کھولو۔" اول خان کا لہجہ تلخ ہو گیا "شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ جم کلارک کے قتل کے بعد یہ قصہ کس قدر پیچیدہ ہو چکا ہے۔ فی الحال ہمارے لئے یہی قصہ کافی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "تم ویرا کی طرف سے بے فکر رہو۔ یہ زیادہ مُصر ہوئی تو معذرت کر کے اسے فون کر لے گی۔ موتی لال بے (چینی) سے اس کے دوسرے فون کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"ہاں میں تمہیں یہ بتانا بھول ہی گیا کہ جم کلارک کے (قت)ل جوتر اور پال ایتھرٹن کے قتل کے واقعات بھی اٹھائے ہیں۔" گفتگو کو اختتام تک لے جاتے ہوئے اول خان کو اچانک اہم بات یاد آگئی "ان دونوں کے قتل کی ذمے داری بھی تم پر ڈالی گئی ہے۔ وہ اصل میں کون تھے، یہ صرف ہم کو معلوم ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ اسلحے کے امریکی ماہرین تھے جو کے نواح سے پکڑے جانے والے بارودی بندروں پر تحقیق ہماری حکومت کی مدد کرنے کے لئے آئے تھے۔"

"لیکن ان کا معاملہ تو صاف ہو جانا چاہئے تھا۔" میں چونک کر کہا "ان کے لئے پیشہ ورانہ اوزاروں کے بہانے بنا بموں کے جو کریٹ آ رہے تھے، وہ انہیں بے نقاب کرنے کے لئے بہت کافی تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن بہت سے واقعات جاری ہوئی ترتیب کے مطابق رونما نہیں ہوتے۔ ان دونوں کے قتل کھل جانے کی وجہ سے ایمسٹرڈیم ائرپورٹ پر بموں کو بے الوداعوں سے بدل دیا گیا تھا جن میں پلاس سے تیج کس تک تھے۔ ان کریٹوں کو پکڑنے کے باوجود یہاں والے کچھ نہیں کر(سکے)۔ اس قصے کے فوراً بعد ہی تم لوگ سوار پائندہ گل کے چکروں (میں) الجھ گئے اور میں تمہیں اس ناکامی کے بارے میں نہیں بتا سکا۔"

"وہ لوگ پاکستان میں میری مسلسل موجودگی سے واقف (ہیں)، اس لئے یہ ساری الزام تراشیاں ہو رہی ہیں۔ میرا خیال (ہے) اب مجھے پاکستان سے نکل کر چند بھرپور کارروائیاں کرنی ہوں گی۔"

"موجودہ حالات میں، میں تمہیں پاکستان سے نکلنے کا (مشورہ) نہیں دوں گا۔"

اسی وقت رحیم خان نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو (کر) مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے فوراً ہی فون پر اول خان (کو) خبر سنائی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں اسی کے آدمی ہوں گے۔

اول خان کے ایما پر ان دونوں کو اوپر ہی بلوا لیا گیا۔ وہ (دونوں) میرے شناسا چہرے تھے۔ میرے اشارے پر وہ اسپیکر فون (کے) قریب آ گئے اور اول خان نے ان کو نادیہ کی لاش کے بار(ے میں) سمجھانا شروع کر دیا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر گردوپیش کا جائزہ لیا تو غزالہ (غائب) تھی۔ مجھے تجسس پا کر سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ خواب گاہ (میں) جائزہ لینے گئی ہوئی تھی۔ میں سکون سے صوفے کی پشت گاہ (سے) ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اول خان نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے بعد فو(ن)

منقطع کر دیا۔

"سر ہم باڈی لے جا رہے ہیں۔" اپنا تعارف کرانے کے بعد ان میں سے ایک نے کہا "اپنے ساتھ لائی ہوئی اسلحے اور میگزین ہم یہیں چھوڑ دیں گے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم واپس آ جائیں گے۔"

"تمہارے پاس کون سی گاڑی ہے؟" میں نے بے خیال لہجے میں پوچھا۔

"مٹسوبیشی گلانٹ۔" اسی نے ادب سے جواب دیا "لاش ڈکی میں سما جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میرا جواب (سن کر) وہ دونوں کچن کی طرف بڑھ گئے اور ویرا میرے پیچھے پڑ گئی۔ وہ اچانک روانگی کا سبب جاننے پر مصر تھی۔ میں نے ہوا خوری کا (بہانہ) کر کے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو جہانگیر اس کی مدد کے لئے (میدان میں) انداز ہو بیٹھا۔

"فیکٹری کے احاطے میں وسیع میدان پڑا ہوا ہے۔ تم لوٹ (پوٹ) ... اٹھا کر گھنٹوں اس میدان میں دوڑتے رہو تو کوئی تم کو (نہیں) روکے گا۔ تمہیں مخدوش حالات میں شہر جانے کی کیا (ضرو)رت ہے؟"

"میں ان لوگوں کے ساتھ جاؤں گا اور ان ہی کے ساتھ (واپس) آ جاؤں گا۔" میں اپنی ضد پر اَڑا رہا۔

تکرار جاری رہی۔ غزالہ بھی واپس آ کر ویرا کی ہم نوا بن گئی (تو می)ں نے ہٹ دھرمی کا رویہ اپنا لیا۔ مشکل یہ تھی کہ میں اپنے (دل) کی بات ان کے سامنے رکھ دیتا تو وہ کسی بھی قیمت پر مجھے تھانے (جا)نے دیتے جب کہ بھیڑ بھاڑ کی صورت میں کام خراب ہونے کا (امکا)ن اندیشہ موجود تھا۔ مجھے کسی بھی طرح پسپائی پر آمادہ نہ پا کر (انہو)ں نے شرط عائد کر دی کہ میں سب کو نہ سہی، کم از کم ویرا کو (ضرو)ر اپنے ساتھ لے جاؤں تاکہ وہ مجھے کسی احمقانہ مہم جوئی سے (رو)ک سکے۔ میرے لئے وہ تجویز بڑی حد تک قابل قبول تھی لیکن (میں) اس تجویز پر پکا کرنے کے لئے میں خاصی دیر تک اس تجویز کی (مخ)الفت کرتا رہا۔ اس دوران میں ایس ٹی ایف کا ایک آدمی (چادر) کی چادر میں لپٹی ہوئی لاش کو اپنے شانے پر لاد کر باہر نکل گیا۔ (دوسرا) مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا۔ لاش (کی) روانگی کا منظر دیکھ کر رحیم خان مکمل صفائی کے ارادے سے کچن (کی) طرف بڑھا لیکن جہانگیر نے اسے ایس ٹی ایف والوں کی مدد کے (لئے) نیچے بھیج دیا۔

(می)ں روانگی کے ارادے سے اٹھا تو سب مخالفانہ انداز میں (میر)ے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں مجھے (منا)نے کی کوششیں کرنے لگے۔ غزالہ بے چاری تھک ہار کر (آنسوؤں) پر اتر آئی تھی۔

"اس وقت مجھے ہر قیمت پر جانا ہے۔" آخر کار میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا "تم اسی قدر مُصر ہو تو میں ویرا کو چوکیدار کے طور پر اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں لیکن اس نے کوئی حماقت کی تو اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا کا چہرہ کھل اٹھا لیکن غزالہ کی آنکھوں میں شبہات جھلکنے لگے۔

ہم لوگوں کا سامان سلطان جہانگیر کے دفتر میں تھا۔ بیم گن لینے کے لئے دفتر میں جانے سے پہلے میں نے اول خان کے آدمیوں سے ہتھیاروں کی پوزیشن دریافت کی تو انہوں نے ایک لمبی فہرست گنوا دی۔

میں نے انہیں صندوق میں سے عشاریہ تین آٹھ کے دو پستول اور چار بھرے ہوئے فاضل میگزین نکالنے کی ہدایت کی تو غزالہ ایک بار پھر مجھ سے الجھ پڑی "سچ سچ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ سیر یا ہوا خوری کے لئے اتنی گنوں کی کیا ضرورت ہے؟ تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

"احتیاط کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "اتفاقاً کوئی بری صورتِ حال سامنے آ گئی تو اور بات ہے ورنہ یہ میگزین اسی طرح واپس آ جائیں گے۔ ویرا کو میرے زیرِ مطالعہ کرنے کے بعد تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

میرا وار کارگر رہا اور گلو خلاصی ہو گئی۔ میں نے جہانگیر کے دفتر میں اپنا سامان منتقل کر کے بیم گن تلاش کی اور اسے جیب میں اڑس کر باہر آ گیا۔

اس وقت تک نادیہ کی لاش گلانٹ کی کشادہ ڈکی میں منتقل کی جا چکی تھی۔ ایس ٹی ایف والوں کو اگلی نشستیں دے کر میں ویرا کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور پھاٹک کھلتے ہی گاڑی روانہ ہو گئی۔

"اب بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے پوچھا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "مجھے معلوم تھا کہ تمہاری کھوپڑی کسی تخریبی راستے پر چل رہی ہوگی۔ تم خود ہی بتاؤ کہ موجودہ حالات میں، میں کیا سوچ سکتا ہوں؟"

اس وقت شام ہو چلی تھی لیکن فضا میں کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ویرا چند ثانیوں تک غور سے میری آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر دھیمے لہجے میں بولی "تو تم اصل ٹھکانے پر حملہ یا پھر جہانگیر کے گھر پر گھات۔"

میری ہنسی تیز ہو گئی "تمہیں ڈھیل دے کر میں نے اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ اب تم آسانی کے ساتھ میرے ذہن میں بھی جھانک لیتی ہو۔ ہمیں رات ہونے تک جہانگیر کے گھر پر گھات لگا کر بیٹھنا ہوگا۔"

"اور اگر وہ لوگ آج وہاں نہ پہنچے تو تم کیا کرو گے؟" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"نامکمل باتیں مت سوچو۔ وہ جتنی تیزی سے چل رہے ہیں

انہیں آج ہی وہاں پہنچنا چاہئے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے اپنا کام پورا کر کے نہ نکل گئے ہوں۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کیا۔

"ایسا ہوتا تو اول خان کو خبر مل چکی ہوتی۔ بہرحال اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

ایس ٹی ایف والوں نے ہماری گفتگو میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ کورنگی سے نکلنے کے بعد میں نے انہیں ڈیفنس کی طرف چلنے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ تاکید کردی کہ فیکٹری واپس پہنچنے پر وہ ہمیں ڈیفنس کے بجائے صدر کے علاقے میں اتارنے کی کہانی سنائیں۔

ہم دونوں نے جہانگیر کے گھر سے کچھ دور ہی گاڑی رکوالی۔ گاڑی ہم دونوں کو اتار کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ ہم دونوں چہل قدمی کے انداز میں مخالف سمت میں بڑھتے چلے گئے۔ آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ایک لمبا طواف کر کے اس گلی میں داخل ہوئے جو جہانگیر کے گھر کے سامنے گزرنے والی سڑک سے ٹی کی شکل میں ملتی تھی۔ اسی گلی میں وہ مکان واقع تھا جس میں لی وانگ اور چیانگ فاؤ سے ہمارا آخری معرکہ ہوا تھا۔ اس گلی کی خوبی یہ تھی کہ بائیں سرے پر چلتے ہوئے بہت دور سے جہانگیر کے گھر کے پھاٹک پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس علاقے کی بجلی بہت سرعت سے بحال کی گئی تھی۔

راستے ہی میں ہم نے اپنی حکمتِ عملی طے کرلی تھی۔ میں اول خان کے آدمی کو اپنا پاس ورڈ بتا کر پھاٹک سے مکان میں رسائی حاصل کرتا۔ ویرا کو پچھلی دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہونا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد ویرا داہنی طرف پھٹنے والی گلی میں مڑ گئی۔ میں رکے بغیر سیدھا چلتا رہا۔ اس وقت تک جہانگیر کے مکان کے قرب وجوار میں کوئی مشتبہ آثار نظر نہیں آئے تھے۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کی اور سڑک عبور کر کے جہانگیر کے گھر کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔

گھنٹی بجانے کے بجائے میں نے تیز دستک پر اکتفا کیا۔ نیا چوکیدار شاید پھاٹک سے لگا بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی بی ایچ نفتھین کے الفاظ ادا کئے اور فوری طور پر ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ میں لپک کر اندر داخل ہوا اور وہ کھڑکی کھولنے والے پریشان حال شخص نے پٹ دوبارہ بند کر کے بولٹ کردیا۔

میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ لباس میلا اور خستہ حال تھا جس پر اس نے میلی سی چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ چہرے سے بھی وہ مفلوک الحال اور پریشان نظر آرہا تھا۔ مجموعی طور پر اس کا حلیہ وہی تھا جو جہانگیر کے گھریلو چوکیدار کا ہوسکتا تھا۔

میری چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں کا مشاہدہ کر کے اس کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ پھیل گئی "میں بی ایچ نائین ہوں۔ مجھے اپنے اپریٹس پر بی ایچ نفتھین کے اضافے کی اطلاع مل چکی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ تم اتنی جلدی یہاں تک پہنچ جاؤ گے۔ چاہو تو تم میرا اپریٹس استعمال کرسکتے ہو۔"

مجھے اس کا بے تکلفانہ اندازِ گفتگو پسند آیا۔ اس کا چہرہ میرے لئے اجنبی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ ڈینی کے نام سے ناواقف نہیں رہا ہوگا۔ کراچی میں ایس ٹی ایف کے سارے ہی اہلکار مجھے جاننے لگے تھے۔

"یہاں کی پوزیشن جلدی سے بریف کرڈالو۔ کسی بھی وقت کوئی آسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"پرانے چوکیدار کو میں نے گاؤں روانہ کردیا ہے۔ مکان مقفل ہے۔ پاور سوئچ آف ہے بس لان اور گیٹ کی بتیاں جلائی جاسکتی ہیں۔ میرے پاس ایک خودکار رائفل، ایک ریوالور اور ایک خنجر موجود ہے۔"

"میرے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا پستول ہے۔ میرے ساتھ ایک عورت بھی ہے جو پچھلی دیوار پھاند کر اندر آئے گی۔ وہ بھی پستول سے لیس ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ ہم دونوں کے پاس صرف تین تین میگزین ہیں۔"

"یہاں کچھ ہو ہی گیا تو ایک عورت کیا کرسکے گی؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ایس ٹی ایف کا کوئی بھی رکن مجھ سے ایسے لہجے میں بات کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے پستول جیب سے نکال کر ایک کھٹکے سے لوڈ کیا اور اس سے اپریٹس طلب کیا۔

میرا ذہن فوراً ہی موتی لال اور اس کے خریدے ہوئے غداروں کی طرف گیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ اول خان اپنی صفوں میں مزید ایک کالی بھیڑ کی نشاندہی سے چوک گیا تھا۔

بی ایچ نائین نے اپنی چادر میں سے ہاتھ نکال کر اپریٹس میری طرف بڑھا دیا۔ اس کا سوئچ بند تھا اور انٹینا بہت چھوٹا تھا۔

میرے شبہات گہرے ہوگئے۔ میں نے اپریٹس آن کیا ہی تھا کہ وہ میرے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات کو بھانپ کر بول پڑا "کیا تم میرے اوپر کسی قسم کا شک کررہے ہو؟"

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا کر پستول سے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لے لیا۔

اس نے چادر اتارے بغیر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور احتجاجی آواز میں بولا "وجہ کیا ہے؟"

"میرا نام ڈینی ہے۔ فورس کا کوئی شخص مجھ سے اس لب و لہجے میں بات نہیں کرتا جو تم نے اختیار کیا ہے۔"

فوراً ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور وہ خوف زدہ آواز میں بولا "معاف کرنا سر! میں تمہیں نہیں پہچانتا۔۔۔ صبح ہی میرپور خاص سے بدلی ہو کر کراچی آیا ہوں۔۔۔ آپریشن میں ہم کو نام نہیں، بس پاس

ورڈ بتائے جاتے ہیں لیکن میں نے اپنے بڑوں سے تمہارا بہت ذکر سنا ہے۔ میرے بارے میں تم بی ایچ ون سے اپنی تسلی کرسکتے ہو۔"
اس کا لہجہ سچائی کا غماز تھا۔ میرا شبہ دور ہوگیا۔ دل کی کدورت دُھل گئی اور میں نے اپنا پستول والا ہاتھ نیچے گرالیا۔ اس نے بھی مشینی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ نیچے کرلئے۔
معاً مجھے یاد آیا کہ اول خان نے مجھے اس کا نام بتاتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ شاید وہ مجھے نہ پہچانتا ہو۔
"تمہارا نام نسیم الحسن ہے؟" میں نے اس سے پوچھا اور اس کے چہرے پر حیرت تیر گئی۔
"ہاں سر!" وہ تحیر آمیز مسرت کے ساتھ بولا "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے کراچی آتے ہی تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا۔ میری کسی بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"
"پچھلی دیوار کا خیال رکھو۔ وہ سفید چمڑی والی عورت ہے۔ اسی طرف سے اندر کودے گی۔" اسے یہ ہدایت دے کر میں اس کے اپریٹس سمیت لان کی طرف چلا گیا تاکہ میری آوازیں باہر تک نہ سنی جاسکیں۔ میں نے انٹینا کا سرا کھینچنا چاہا لیکن اس کا سائز وہی رہا۔
"بی ایچ نفتین کالنگ بی ایچ ون... اوور!" اپریٹس آن کرکے میں نے بٹن دبایا اور اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لاکر اول خان کے لئے اپنا پہلا پیغام نشر کردیا۔ اس وقت فضا پر اندھیرا محیط ہوچلا تھا۔
بٹن چھوڑتے ہی اپریٹس پر پہلے جیسا سکوت چھا گیا۔ بس ہلکا سا ریڈیائی شور گونج رہا تھا۔
"بی ایچ ون کالنگ" چند ثانیوں بعد ہی اول خان کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم کہاں پہنچے ہوئے ہو؟"
اس کا سوال مکمل ہوتے ہی میں نے بٹن دبا کر اپنی بات شروع کردی "بی ایچ نائین کے پاس کچھ وقت گزارنے کا ارادہ ہے۔ سفید چمڑی میرے ساتھ ہے دوسروں کو علم نہیں ہونے دینا کہ میں کہاں ہوں۔"
"تمہارا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کیا کرنے والے ہو۔" اول خان کی آواز غصیلی تھی "وہ آتے ہیں تو انہیں بی ایچ نائین سے اپنا سر پھوڑ کر جانے دو۔ اس وقت انہیں چھیڑو گے تو بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔"
"بات بگڑنے کے بجائے سنبھل بھی سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دہشت زدہ ہوجائیں۔"
"تم پاگل ہوگئے ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ سرکاری سطح پر کیسی دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔"
"کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "وہ اگر یہ ساری کارروائیاں چوری چھپے اور اپنی ذمے داری پر کررہے ہیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ ایس ٹی ایف ان کا پیچھا کررہی ہے۔ مجھے سفید چمڑی کی بس ایک بات یاد ہے کہ خوف زدہ امریکن کسی چوہے سے زیادہ حقیر اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ میں انہیں خوف زدہ نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ مٹی کے نمک خوار یہاں فساد پھیلانے کے ارادوں سے توبہ کرلیں۔"
"ٹھیک ہے... تم سے بعد میں بات ہوگی۔ جو کرنا ہے کرتے رہو۔ اوور اینڈ آل۔"
اول خان میری پیش رفت پر بھڑک گیا تھا مگر میں اسے منانا بھی جانتا تھا۔ میں اپریٹس آف کرکے نسیم کی طرف لوٹ آیا۔ وہ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں ٹکٹکی باندھ کر عقبی دیوار کو گھورے جارہا تھا۔
"سر! اندھیرا گہرا ہورہا ہے۔ اجازت دو تو کچھ بتیاں جلادوں۔ میں نے پرانے چوکیدار سے باہر کے سوئچوں کی ساری جگہیں معلوم کرلی تھیں۔" میرے قریب پہنچنے پر اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
"خود اندھیرے میں چھپے رہو گے تو اچھا شکار کھیلو گے۔ آنے والوں کو اندھیرے ہی میں آنے دو۔"
ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ اس اندھیرے میں تاریک تر عمارتی ہیولا آسیب زدہ نظر آرہا تھا۔
میں نے نسیم کو اپریٹس لوٹانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے روک دیا "میں گیٹ پر تھا اس لئے اسے بند رکھا ہوا تھا۔ پتا نہیں باہر کیا کھیل چل رہا ہو۔ تم اسے لان پر لے جاکر کھلا رکھو۔ ذرا باہر کی خبریں ملتی رہیں گی۔ اپنے لئے کوئی ہدایت یا پیغام ہو تو تم ہی بات کرلینا۔"
اس نے بہت دور کی بات سوچی تھی۔ میں اپریٹس سمیت لان کی طرف چل دیا۔ اس وقت تک مجھے اندر آئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ میرے حساب سے ویرا کو کئی منٹ پہلے دیوار پھاند کر اندر آجانا چاہئے تھا لیکن وہ غائب تھی۔ باہر سے کسی فائر یا ہنگامے کی آواز نہ آنے کے باوجود مجھے اس کے بارے میں تشویش ہونے لگی تھی۔
میں نے چند ثانیوں تک ویرا کے بارے میں سوچنے کے بعد غیر ارادی طور پر اپریٹس کا سوئچ آن کیا تو اس پر پہلے سے کوئی پیغام نشر ہورہا تھا۔
"...... جارہی ہے۔ اس کی رفتار تیز ہے۔ میں اس کے پیچھے ہوں..... اوور!"
"بی ایچ ون کالنگ موبائل یونٹس" پیغام ختم ہوتے ہی اول خان کی آواز گونجنے لگی "ہوٹل کے گرد موجود چاروں موبائل یونٹس بی ایچ تھری کے پیچھے جائیں۔ فارمیشن نمبروں کے حساب سے ہوگی۔ سب سے آگے بی ایچ تھری اور سب سے پیچھے بی ایچ سیون ہوگا۔ تھوڑے فاصلے کے بعد بی ایچ تھری رپورٹ دے کر کسی بھی سڑک پر مڑجائے گا۔ بی ایچ فور سرخ کار کا پیچھا کرتا رہے۔

بی ایچ تھری چکر کاٹ کر بی ایچ سیون کے پیچھے پہنچنے کی کوشش ے گا۔ اس سرخ کار میں موجود دونوں گورے بہت چالاک اور راک ہیں۔ تیسرا ان کا ڈرائیور ہونے کے ساتھ مقامی ترجمان ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کلومیٹر کے بعد پیچھا کرنے والی گاڑی بدل ی چاہئے تاکہ گوروں کو تعاقب کا شبہ نہ ہو۔ چکر کاٹ کر لوٹنے ی گاڑی اپنی فارمیشن کھو بیٹھے تو اسے اپنی رفتار کم کرکے پیغام کا ظار کرنا چاہئے.... اوور!"
"بی ایچ تھری رپورٹنگ..... میں آگے بائیں طرف مڑرہا ں۔ سرخ کار سیدھی جارہی ہے.... اوور!"
"بی ایچ فور رپورٹنگ ... اب میں سرخ کار کے پیچھے ہوں۔ رخ کار اب کلفٹن کے پل سے گزر رہی ہے۔ ٹریفک کے رش کی بہ سے رفتار کم ہوچکی ہے.... اوور!" اول خان کے بعد وہ تیسری واز تھی۔
بظاہر وہ عام سے ریڈیائی پیغامات تھے جو ایس ٹی ایف کی ایک خصوص فری کوئنسی پر نشر کئے جارہے تھے لیکن میرے لئے ان میں یب ہی لذت اور سنسنی پوشیدہ تھی۔ نسیم الحسن نے مجھے اپریٹس ن کرنے کا بروقت مشورہ دے کر چوہے اور بلی کے اس دلچسپ ھیل میں شریک ہونے کا موقع فراہم کردیا تھا۔
میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ ی آئی اے کے دونوں اہلکار کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ول خان نے اپنے پانچ آدمی الگ الگ گاڑیوں میں ہوٹل کے گرد پھیلائے ہوئے تھے تاکہ ان دونوں کی روانگی کی صورت میں انتہائی نظم انداز میں ان کا تعاقب کیا جاسکے۔ وہ دونوں سرخ کار میں مقامی ڈرائیور کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہوئے تو ان کا پیچھا شروع کردیا گیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ کلفٹن کا پل عبور کررہے تھے یعنی وہ ہماری طرف بھی آسکتے تھے کیونکہ پل کے بعد ہی کلفٹن' گزری اور ڈیفنس کے مشترکہ راستے شروع ہوجاتے تھے۔
"بی ایچ فور رپورٹنگ..... میرے پیچھے آنے والی سفید کار میں تین مشتبہ آدمی سوار ہیں۔ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کی روشنی میں' میں ان کے عکس دیکھ چکا ہوں۔ وہ ٹریفک کے ہجوم کے باوجود مجھ سے آگے نکلنے کے لئے بے چین ہیں۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ یہ سرخ کار والوں کے محافظ یا ساتھی نہ ہوں..... اوور!"
اچانک نشر ہونے والے اس پیغام نے مجھے چونکا دیا۔ اگر بی ایچ فور کا خیال درست تھا تو ان کی نفری ایس ٹی ایف کے آدمیوں سے زیادہ تھی۔
"بی ایچ ون کالنگ بی ایچ فور..... نئی صورت حال میں تمہیں مڑنے کی ضرورت نہیں۔ سفید کار کو آگے نکلنے دو۔ اگر وہ سرخ کار کو اوور ٹیک کرتی ہوئی آگے نکل جائے تو اسے بھول جاؤ اور اپنا فاصلہ پورا کرکے سروس لین میں گھس جاؤ۔ وہ تمہارے اور سرخ کار کے درمیان آئے تو تم اس کے برابر میں جاکر اسے اس بری طرح سائیڈ دو کہ وہ کئی گاڑیوں میں تصادم کا سبب بن جائے۔ سفید کار الجھ جائے گی۔ تم تیزی سے آگے نکل جانا۔ بی ایچ فائیو لیڈ لے گا..... اوور!"
شاید ان لوگوں نے اپنی گاڑیوں کے شیشے چڑھائے ہوئے تھے کیونکہ ان کے پیغامات کے درمیان میں ٹریفک کا زیادہ شور نہیں گونج رہا تھا لیکن میں ان کے حوصلے پر حیران تھا کہ وہ لوگ اتنے ٹریفک میں سے گزرنے اور دشمن کی نگاہوں میں ہونے کے باوجود بار بار اپریٹس استعمال کرنے کا خطرہ مول لے رہے تھے۔
مجھے رہ رہ کر ویرا کی فکر ستا رہی تھی۔ ان سنگین لمحات میں اس پر نہ جانے کیا افتاد پڑی تھی کہ اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا اور میرے ذہن میں برے برے خیالات آنے شروع ہوگئے تھے۔
کافی دیر تک اپریٹس پر اعصاب شکن سکوت طاری رہا۔ کچھ اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ کلفٹن روڈ پر حادثے کی جگہ پر کیا ہورہا تھا۔ نہ ہی سرخ کار کی کوئی خبر تھی۔ آخر اپریٹس بیدار ہو ہی گیا۔
"بی ایچ فائیو رپورٹنگ..... میں سرخ کار کا پیچھا کررہا ہوں۔ اس میں مقامی ڈرائیور کے ساتھ صرف ایک گورا رہ گیا ہے۔ حادثے کے بعد بہت سی گاڑیاں رک گئی تھیں۔ سرخ کار بھی بائیں کنارے پر رکتے رکتے کچھ دور نکل گئی۔ دونوں گورے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے اور پریشان تھے۔ پھر ایک گورا اتر کر سفید کار کی طرف چل دیا۔ سرخ کار آگے بڑھ آئی۔ مجھے ابھی تک بی ایچ سکس اور سیون نظر نہیں آئے ہیں.... اوور!"
"بی ایچ ون ٹو بی ایچ سیون..." اول خان کی اضطراری آواز ابھری "تم وہیں ٹھہرو اور ہر قیمت پر دوسرے گورے کو گھیرنے کی کوشش کرو۔ بقیہ افراد بی ایچ فائیو کے پیچھے جائیں۔ وہ اکیلا رہ گیا ہے۔ جائے حادثہ کے بارے میں جو بھی رپورٹ دینے کی پوزیشن میں ہو' لائن پر آئے۔ اوور۔"
"بی ایچ تھری سر!" سب سے پہلے والی آواز ابھری "گاڑیاں ٹکراتے ہی لوگ باہر نکلے۔ سفید گاڑی والوں نے بدکلامی شروع کردی اور یہاں مارپیٹ شروع ہوگئی۔ پل تک ٹریفک جام ہے۔ میں اس میں پھنس گیا ہوں۔ یہاں ابھی تک مار دھاڑ ہورہی ہے۔ کسی نے آتشیں ہتھیار بھی نکالا تھا مگر دو مردوں نے اسے پکڑلیا.... اوور!"
"بی ایچ سکس کالنگ" اس بار ایک نئی آواز سنائی دی "میں گاڑی نکال لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ بی ایچ فائیو کی عقبی روشنیاں مجھے نظر آرہی ہیں۔ آخری لمحات پر میں نے بی ایچ سیون کو گورے کے پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سفید گاڑی کے الجھ جانے سے گورا سخت پریشان تھا.... اوور!"
وہ تفصیلات سن کر میرا دورانِ خون تیز ہورہا تھا اور سر پر جنگی جنون سا سوار ہوا جارہا تھا۔
"ہم سن سیٹ بلے وارڈ پر آگئے ہیں۔ پیچھے ٹریفک جام ہونے

سے سڑک پر گاڑیاں کم رہ گئی ہیں۔ اگر سرخ کار سیدھی دوڑتی رہی تو میں ٹریفک سگنل سے پہلے بی ایچ سکس کے لئے جگہ خالی کردوں گا اور اس کے پیچھے چلتا رہوں گا۔ ابھی تک سرخ کار کی منزل کا اندازہ نہیں ہوسکا ہے..... اوور!" یہ پیغام بی ایچ فائیو کی طرف سے تھا۔

"شاباش! تم سب بہت اچھے جارہے ہو۔" اول خان کی پُرجوش آواز ابھری "تمہارے اندازے درست معلوم ہورہے ہیں۔ سرخ کار یقیناً زیرو پوائنٹ کا رخ کرے گی جہاں بی ایچ ٹائین اور تھرٹین پوری طرح تیار ہیں۔ ان کی منزل کا یقین ہوتے ہی تم لوگ گلیوں میں گھسنے کے بجائے تعاقب ترک کرکے سرخ کار کو زیرو پوائنٹ پر گھیرنے کی کوشش کرو۔ ناکا بندی ہوتے ہی وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ غیرضروری کشت و خون نہیں ہونا چاہئے..... اوور!"

اول خان کی زبان سے اپنا ذکر سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ میں کسی احمق کی طرح سب کی باتیں سنتا چلا جارہا تھا۔ خود خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے فوراً ہی لائن لے لی "بی ایچ تھرٹین ٹو بی ایچ ون..... معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ کیا اب کوئی دشواری پیدا نہیں ہوگی؟ اوور!"

"یہ فضول باتوں کا وقت نہیں ہے بی ایچ تھرٹین!" اول خان کی غراہٹ سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے اریٹس پر ایسی بات نہیں کرنی چاہئے تھی کیونکہ اس وقت اول خان کے بہت سے ماتحت وہ تمام باتیں سن رہے تھے۔ اول خان کہہ رہا تھا "اپنی جگہ تیار رہو۔ ہم انہیں کسی خون ریزی کے بغیر پکڑ سکے تو یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ میں اسی کے لئے دعاگو ہوں۔ اوور!"

"لیکن ایک گڑبڑ ہوگئی ..... سفید چڑی ابھی تک لاپتا ہے۔ اوور!" میں نے پرتشویش آواز میں کہا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اوور۔" میرا مسئلہ سن کر اول خان بھڑک اٹھا۔

"میں پھاٹک سے آیا تھا۔ اسے پچھلی دیوار چڑھ کر اندر کودنا تھا مگر وہ غائب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں ہمارے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں ماری جائے۔ اوور!" اس امکان کا ذکر کرتے ہوئے میری پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"یہ اس کا نصیب ہوگا۔ میں اب کچھ نہیں کرسکتا۔ اوور اینڈ آل" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہوگیا۔

خوف اور سنسنی میں وقت بہت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اتنی دیر گزر گئی تھی لیکن ویرا کی کوئی خیرخبر نہیں تھی۔ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا۔ پتا نہیں وہ زندہ تھی یا کسی خاموش حادثے کا شکار ہوگئی تھی۔ اگر زندہ تھی تو کس حال میں تھی۔ جہانگیر کے مکان کے قرب و جوار میں ایس ٹی ایف کے کارکن پھیلنے شروع ہوگئے تھے۔ وہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ ان سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ویرا کو مکان میں گھسنے کی کوشش کرتے دیکھ لیتا تو اسے بے دریغ گولی مار سکتا تھا۔

"میں سات نمبر بول رہا ہوں۔ دوسرے گورے کو میں اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔" اچانک ٹرانسیٹر پر بی ایچ سیون کی آواز سنائی دینے لگی "میں ولایتی زبان کے الفاظ بولنے سے گریز کررہا ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتادیا جائے کہ اس بندر کا کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد میں اپنا لاسلکی آلہ بند کردوں گا... اوور!"

"بھیڑ صاف ہونے کے بعد اسے ساحل کی طرف لے جاؤ۔" اول خان کی بے رحمانہ آواز ابھری "اور اسے الجھانے کی کوشش کرو۔ میں کسی کو تمہاری مدد کے لئے بھیجتا ہوں۔ بندر زیادہ پریشان کرے تو تم اسے بے ہوش کرسکتے ہو۔ لیکن اسے زندہ رہنا چاہئے۔ اس کی موت ہمارے لئے مصائب پیدا کرسکتی ہے۔ بس اتنا ضرور بتادو کہ اپنے اریٹس کے بارے میں تم نے اسے کیا بتایا ہے۔ اوور۔"

"میری گاڑی پرائیویٹ ریڈیو ٹیکسی ہے۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب آیا "یہ اس کال اور ابھی ابھی کہے گئے تین الفاظ کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ میں کوئی نہ کوئی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردوں گا۔ اس پیغام کے بعد میں اپنا آلہ بند کردوں گا تاکہ یہ بندر دوسروں کی باتیں نہ سن سکے.... اللہ حافظ۔"

سرخ کار کا تعاقب کرنے والوں نے وقفے وقفے سے اطلاع دی کہ وہ جہانگیر کے مکان کے سامنے سے گزرے بغیر دو اطراف میں پوزیشن لے چکے تھے۔ اول خان نے انہیں ہدایت کی کہ سرخ کار ان کے قریب سے گزر کر زیرو پوائنٹ یعنی جہانگیر کے گھر کی طرف جائے تو وہ کوئی تعرض نہ کریں البتہ واپسی میں اس کا راستہ روک لیں۔ اس نے امید ظاہر کی تھی کہ سرخ کار کے سواروں کو زیرو پوائنٹ والے آسانی سے واپس نہیں لوٹنے دیں گے اور انہیں پکڑنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

چند ہی ثانیوں بعد بی ایچ فائیو کی پُرجوش آواز ابھری۔ سرخ کار ایک گلی سے نمودار ہوکر جہانگیر کے مکان کی طرف گھومی تھی۔ اس کی رفتار سست تھی اور اس میں موجود غیرملکی عقبی نشست چھوڑ کر ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر منتقل ہوچکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں وہ دونوں واضح طور پر دیکھے گئے تھے۔

"ہوشیار!" میں نے دبی آواز میں بی ایچ ٹائین کو خبردار کیا "وہ لوگ بہت قریب آچکے ہیں۔"

میرا پستول پہلے سے لوڈ تھا۔ میں نے اریٹس کی آواز اتنی کم کردی کہ بس میں پیغامات واضح طور پر سن سکوں۔ پھر میں لان کے سرے پر پہنچ گیا جو پھاٹک سے قریب تھا۔

اچانک قریب ہی سے ایک فائر کی ہولناک آواز گونجی۔ اسی کے ساتھ ایک لرزہ خیز انسانی چیخ سنائی دی۔

اریٹس بیدار ہوگیا۔ بی ایچ فائیو ہذیانی آواز میں بول رہا تھا

"سرخ کار پر کہیں سے فائر ہوا ہے اور کوئی ہلاک یا زخمی ہوا ہے۔ کار سڑک پر لہرا کر جھٹکے سے رک گئی ہے۔ شاید اس گاڑی کا ڈرائیور نامعلوم گولی کا نشانہ بنا ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ اوور!"

"فائر کرنے والے کو دیکھنے کی کوشش کرو....." میں پیغام کا صرف اتنا ہی حصہ سن سکا کیونکہ فضا دوسرے اور پھر تیسرے فائر سے لرز اٹھی تھی۔ تیسرے فائر کے ساتھ ایک چیخ بھی گونجی تھی۔

"باہر تین فائر ہوچکے ہیں۔" میں نے بٹن دبا کر اضطراری لہجے میں بولنا شروع کردیا "دو کربناک چیخیں بھی سنائی دی ہیں۔ وہ دونوں ہلاک یا زخمی ہوچکے ہیں۔ میں باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ ویرا ابھی تک لاپتا ہے۔ کہیں وہ ان گولیوں کی زد میں آکر نہ ماری جائے.... اوور۔"

"ویرا کا خیال ذہن سے نکال دو۔" اول خان کی سخت آواز گونجی "جو دارڈسپلن کی پروا نہ کرے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں صرف زخمی ہوئے ہوں اور تمہیں زیرو پوائنٹ سے نکلتے دیکھ کر باڑھ پر رکھ لیں۔ جب تک باہر پھیلے ہوئے میرے آدمی کلیرنس نہ دیں، تم باہر نہیں نکلو گے.... اوور!"

اسی لمحے چوتھا فائر ہوا۔ چاروں آوازیں یکساں اور بڑے بور کے کسی پستول کی تھیں۔ چوتھے فائر کے جواب میں ایک نقاہت زدہ اور ادھوری انسانی چیخ گونجی تھی۔ شاید وہ کوئی زخمی تھا جو چوتھی گولی کی زد میں آیا تھا۔

"چوتھا فائر ہوا ہے۔" اریٹس پر اس بار بی ایچ سکس بول رہا تھا "میں نے فائر کرنے والے کی پوزیشن دیکھ لی ہے۔ گولیاں اوپر سے آرہی ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے، زیرو پوائنٹ کے قریب ایک گھنے درخت پر چڑھا بیٹھا ہے۔ اگر میں اس درخت کے پتوں میں ایک ہلکا سا برسٹ چلادوں تو وہ گھبرا کر نیچے آنے پر مجبور ہوجائے گا... اوور!"

"ابھی درخت پر فائر نہ کرنا۔" وہ اول خان کی آواز تھی۔ "ایک وقت میں دو محاذ مت کھولو۔ درخت والا خود پھنس چکا ہے۔ اب وہ تم سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ فی الحال تم سرخ کار والوں پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھو۔ کار کی کیا پوزیشن ہے؟ اس کے دونوں سوار کیا کررہے ہیں؟ غور سے دیکھ کر مجھے رپورٹ دو۔ اوور۔"

"کار سڑک کے بیچ میں رکی ہوئی کھڑی ہے۔ کار میں بالکل سناٹا ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دونوں مرچکے ہیں، بے ہوش ہوئے ہیں یا کار میں چھپ کر کوئی موقع تلاش کررہے ہیں۔ ابھی تک ان میں سے کسی نے کار سے نکل کر قرب و جوار میں پناہ لینے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اوور۔"

"بی ایچ فائیو! سرخ گاڑی تمہاری طرف سے گزری تھی۔" اول خان کو اپنے مہروں کی ترتیب اچھی طرح یاد تھی "اس وقت بھی سرخ کار کا پچھلا حصہ تمہاری طرف ہوگا۔ تم اپنی گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاؤ اور سرخ کار سے چند گز پیچھے روک کر اچانک ہیڈ لیمپس کھول دو۔ اس موقع پر تمہیں ڈیش بورڈ سے نیچے جھک جانا چاہئے تاکہ کوئی جوابی گولی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ چند سیکنڈ تک نیچے جھک کر ہیڈ لیمپس کو ہائی اور لو بیم پر کرتے رہو۔ ردِعمل کی صورت میں بی ایچ سکس تمہارا ساتھ دے گا۔ کوئی ردِعمل نہ ہونے کی صورت میں تم اپنی گاڑی سرخ کار کے قریب لے جاؤ گے اور اپنی صوابدید کے مطابق دیکھ بھال کرکے مجھے مسلسل رپورٹ دیتے رہو گے۔ اوور۔"

"او کے سر!" بی ایچ فائیو کی آواز پُراعتماد تھی۔ پھر اس نے پوچھا "اگر اس موقع پر درخت پر چھپے ہوئے شخص کی طرف سے مداخلت ہوئی تو میں اپنی اے کے چھپن استعمال کروں گا..... اوور۔"

"ہاں، ایسی صورت میں اس کے نیچے گرنے تک اپنا برسٹ نہ روکنا۔ اوور۔" اول خان کا لہجہ بے رحمانہ تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ ویرا طے شدہ پروگرام سے انحراف کرکے کہاں رہ گئی تھی؟ کہیں آخری لمحات میں اس کی کھوپڑی نے کوئی گل تو نہیں کھلایا تھا؟ سرخ کار والوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے والا کون ہوسکتا تھا؟ کہیں ویرا ہی تو درخت پر چڑھ کر ان کی گھات میں نہیں بیٹھ گئی تھی؟ میں ٹہلتا ہوا نسیم کے قریب پہنچ گیا۔

میں ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ دھمک کی ایک تیز آواز پر نسیم نے بھڑک کر اپنی چادر میں سے چھوٹی نال والی ایک خودکار سب مشین گن برآمد کرلی اور اسے میرے عقب میں کسی پر سیدھا کرکے غرایا "کون ہے؟ وہیں رکو!"

میں سرعت سے پلٹا تو احاطے کی دیوار کے قریب اندھیرے میں سیدھا ہوتا ہوا ایک ہیولا نظر آیا۔

"ویرا!" اس طرف سے مدھم سی سرگوشی سنائی دی۔

اس بار میں نے آواز کے ساتھ اس ہیولے کو بھی پہچان لیا۔ وہ ویرا ہی تھی۔

میں نے ہاتھ سے نسیم کی سب مشین گن کی نال نیچے کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں ویرا سے کہا "تم کہاں مرگئی تھیں۔ تمہیں پتا ہے کہ یہاں کیا ہورہا تھا۔ اس وقت یہاں ہر طرف موت اور دہشت کا راج ہے۔"

"اس میں چار گولیاں کم ہوچکی ہیں۔" ویرا نے اپنا پستول جیب سے نکال کر خوش دلی سے کہا "مجھے خوشی ہے کہ کافی عرصے سے مشق نہ ہونے کے باوجود میرا نشانہ خراب نہیں ہوا......"

"تت..... تو کیا درخت پر تم ہی چڑھی بیٹھی تھیں" میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ نسیم بھی اندھیرے میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ویرا کو دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

"مکان کا طواف کرتے ہوئے اتفاقاً ہی میری نظر اس گھنے درخت پر پڑ گئی تھی۔" وہ ہنس کر سرسری انداز میں بتانے لگی "اس درخت کا بیشتر پھیلاؤ باہر کی طرف ہے لیکن کئی گنجان شاخیں اس احاطے میں بھی آئی ہوئی ہیں۔ اپنا کام ختم کرکے میں ان ہی کے ذریعے اندر کودی ہوں۔ حیرت ہے کہ جہانگیر کو کبھی یہ شاخیں کٹوانے کا خیال نہیں آیا۔"

ویرا کی باتوں پر چند ثانیوں قبل ہونے والی خون ریزی کا کوئی اثر نہیں تھا۔

اسی وقت اپریٹس پر بی ایچ فائیو کی آواز ابھرنے لگی۔ "ہیڈ لیمپس کو دھیما اور تیز کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ سرخ کار میں بدستور سناٹا ہے۔ اب میں اپنی گاڑی آگے لے جارہا ہوں۔ اب بھی ادھر سناٹا ہی ہے... اوہ! یہ دونوں ہی بے سدھ پڑے ہیں۔ ڈرائیور کا سر لہولہان ہے۔ اور وہ اسٹیئرنگ سے الجھا ہوا ہے۔ سفید فام کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ بھی ڈرائیور کے پہلو پر ڈھلکا ہوا ہے۔ ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہوچکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ گولیوں کے ساتھ شیشے کے ٹکڑوں نے بھی ان دونوں کو بہت زخمی کیا ہے۔ ابھی تک درخت والے کی طرف سے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں ہوا لیکن میں اس سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ سامنے سے شاید بی ایچ سکس کی گاڑی بھی چل پڑی ہے۔ وہ صرف پارکنگ لائٹس جلا کر میری طرف آرہا ہے۔ حالات پوری طرح قابو میں نظر آرہے ہیں۔ اوور!"

"بی ایچ ففٹین!" اپریٹس پر اول خان کی آواز گونجی "اب تم بھی باہر نکل کر ان لوگوں کی مدد کرو اور درخت والے کو تلاش کرو۔ اوور!"

اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اپنی بات شروع کردی۔ "ویرا واپس آچکی ہے۔ درخت پر سے اسی نے فائرنگ کی تھی۔ یہ اسی درخت کی شاخوں کے سہارے گھر میں کود چکی ہے۔ میرے ساتھ یہ بھی باہر جارہی ہے.... اوور!"

"یہ کسی دن تم کو تباہ کردے گی۔" وہ انکشاف سن کر اول خان کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا "اس کا نشانہ ذرا بھی چوک جاتا تو یہ پورا آپریشن برباد ہوسکتا تھا۔ آئندہ میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا.... بی ایچ فائیو!" ویرا پر اپنی برہمی کا مختصر سا اظہار کرکے وہ اپنے آدمی سے مخاطب ہوگیا "تم اپنی گاڑی بی ایچ ففٹین کے حوالے کردو اور سرخ گاڑی کو دونوں لاشوں یا زخمیوں سمیت ساحل کے کسی ویران حصے کی طرف نکال لے جاؤ۔ میں خود بھی راستے میں ہوں۔ کسی بھی لمحے بی ایچ سیون کا پیغام آسکتا ہے۔ تمہارے پاس خصوصی شناخت ہے۔ راستے میں روک ٹوک ہو تو تم بلا جھجک اپنی شناخت استعمال کرسکتے ہو۔ اس گاڑی کو چھوڑ کر تمہیں واپس آنا ہے۔ بی ایچ تھری اور فور جہاں بھی ہوں، فوراً اسٹیشن واپس لوٹیں۔ اب وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور!"

"سر! یہ دونوں مرچکے ہیں۔" اپریٹس پر بی ایچ فائیو کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک ہم تینوں گھر سے باہر نکل چکے تھے "حیرت کی بات یہ ہے کہ فائرنگ کے باوجود یہاں کوئی گھر سے باہر نہیں نکلا۔ حد یہ ہے کہ آس پاس کے بیشتر گھروں کی روشنیاں گل کی جاچکی ہیں۔ اوور۔"

ہم تینوں سرخ کار تک پہنچے تو وہاں موجود دونوں آدمی، ڈرائیور کی ڈراؤنی لاش کو عقبی پائیدان میں ڈال چکے تھے۔ وہ ٹرانسیٹر پر ساری گفتگو سنتے رہے تھے اس لئے انہوں نے ویرا کو خوشگوار حیرت سے دیکھا۔ ویرا رسمی سی مسکراہٹ کے بعد ایک کپڑا لے کر ڈرائیونگ سیٹ اور اسٹیئرنگ پر سے خون صاف کرنے لگی۔

آناً فاناً میں دونوں لاشیں عقبی پائیدان میں پہنچ گئیں۔ ونڈ شیلڈ کا بیشتر حصہ فائرنگ کے نتیجے میں الگ ہوکر اندر بکھر چکا تھا۔ شیشے کے جو ٹکڑے ربر اور فریم میں پھنسے رہ گئے تھے انہیں پھرتی سے نکالا جانے لگا تاکہ بادی النظر میں ونڈ شیلڈ ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ ہی نہ ہوسکے۔ خاص بات یہ تھی کہ سفید فام کی داہنی پنڈلی پر بھاری پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

مجھے معلوم تھا کہ ہمارا پالا کیسے خبیث لوگوں سے پڑا ہوا تھا اس لئے میں بہت محتاط انداز میں کام کررہا تھا۔ موقع پاکر میں نے ویرا کو بھی سمجھادیا تھا کہ وہ کار کے کسی حصے میں اپنے فنگر پرنٹس چھوڑنے کی حماقت نہ کرے۔ میرے اور ویرا کے فنگر پرنٹس ان لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہوسکتے تھے۔ اس دہرے قتل کے بارے میں ایسا واضح ثبوت مل جانے کے بعد بات قیاس آرائیوں تک محدود نہ رہتی اور وہ لوگ اعلیٰ سطح پر ہماری جلد از جلد گرفتاری کا دباؤ ڈال سکتے تھے۔

اس دوران میں ایک مرتبہ پھر اول خان کا پیغام آیا۔ بی ایچ سکس کو اپنی گاڑی میں سرخ کار کے پیچھے جانا تھا۔ نسیم اس کے ساتھ سوار تھا۔ مجھے ویرا کے ہمراہ بی ایچ فائیو کی گاڑی میں اس کارواں میں شامل ہونا تھا۔ سرخ کار کو کسی ویرانے میں ٹھکانے لگانے کے بعد بی ایچ فائیو، نسیم اور اس کے ساتھی کے ساتھ لوٹ جاتا۔ مجھے نسیم کے اپریٹس کے ساتھ کلفٹن کے قرب و جوار میں رک کر اول خان کے پیغام کا انتظار کرنا تھا۔

حالات اس قدر گمبھیر ہوچلے تھے کہ ہم سب کو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے بس ایک لمحے کے لئے سوچا کہ ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد جہانگیر کا گھر بالکل ہی غیر محفوظ ہوکر رہ جائے گا۔ وہاں جہانگیر کے جو کچھ بھی اثاثے رہے ہوں وہ اپنی جگہ تھے لیکن میری بہت بڑی رقم ڈالروں کی شکل میں اس کی تجوری میں محفوظ تھی اور میں ضرورت کے وقت اس میں سے پیسے لیتا رہتا تھا۔ یہ وہ خطیر رقم تھی جو میں نے شی والوں کی گن بوٹ کی فروخت

سے حاصل کی تھی اور پاکستان پہنچنے کے بعد امانت کے طور پر سلمیٰ کے پاس رکھوادی تھی۔

ویرا کے چاروں فائر اتنے بے خطا ثابت ہوئے تھے کہ ان سے سرخ کار کے انجن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بی ایچ فائیو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اگنیشن میں چابی گھمائی تو انجن ایک اشارے سے بیدار ہوگیا۔

جہانگیر کے گھر کے قرب و جوار میں اتنے تواتر کے ساتھ فائرنگ کے خون ریز واقعات رونما ہوچکے تھے کہ اس علاقے کے باسیوں نے دہشت زدہ ہوکر ان سے الگ رہنے کو اپنا وتیرہ بنالیا تھا۔ ہم لوگوں کے روانہ ہونے تک کسی نے اپنے گھر سے باہر آکر کوئی بات جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بی ایچ فائیو پیشہ ورانہ معاملات میں خاصا کائیاں تھا۔ کلفٹن کا رخ کرنے کے لئے اس نے کسی بھی بڑی سڑک پر نکلنے کی حماقت نہیں کی بلکہ اندر ہی اندر پتلی پتلی سڑکوں سے ہوتا ہوا پہلے نسبتاً کم آباد علاقے میں داخل ہوا پھر بالکل ہی غیر آباد حصے میں پہنچ گیا جہاں زیرِ تعمیر سڑکوں کے سوا کسی دوسری سہولت کا نام و نشان نہیں تھا۔

○☆○

بی ایچ پانچ، چھ اور نو کی روانگی کے بعد ہم دونوں نہ صرف بالکل فارغ تھے بلکہ ہمارے پاس اپنی سواری بھی موجود تھی۔ اول خان کی ہدایت کے مطابق ہمیں اسی علاقے میں موجود رہ کر اس کے اگلے پیغام کا انتظار کرنا تھا جو اپریٹس پر کسی بھی وقت موصول ہوسکتا تھا۔

سرخ کار نیو کلفٹن اور ڈیفنس کے میرینا بیچ کے درمیانی علاقے میں چھوڑ دی گئی تھی جہاں سست رفتاری سے ہونے والی ساحلی تعمیرات کے باوجود اس وقت پُر ہول سناٹے کا راج تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد ہم دونوں نے ساحل سمندر کے ساتھ بنی ہوئی طویل سڑک کا پورا چکر لگالیا لیکن ہم ایسی کسی کار کو تلاش کرنے سے قاصر رہے جس میں بی ایچ سیون یا دوسرے سفید فام قیدی کی موجودگی کا شبہ کیا جاسکتا۔

ویرا کا آئس کریم کھانے کا موڈ ہورہا تھا۔ میرے لئے وہ بعض اوقات بالکل ہی ناقابلِ فہم ثابت ہوتی تھی۔ دشمن کیسا ہی خطرناک مجرم کیوں نہ ہو لیکن بہرحال ایک انسان ہی ہوتا ہے اور کسی بھی انسان کے قتل کے بعد ایک نارمل شخص گھنٹوں بلکہ کئی کئی دنوں تک شدید اعصابی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ بسا اوقات تو اسی ذہنی تناؤ کی وجہ سے رات کی پُرسکون نیندیں تک حرام ہوکر رہ جاتی ہیں لیکن ویرا کا مزاج ہی عجیب تھا۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے اپنے ہاتھوں سے سرخ کار کے دو سواروں کو ہلاک کیا تھا لیکن وہ ذرا بھی مضمحل، مضطرب یا پشیماں نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے جب آئس کریم کھانے کی خواہش ظاہر کی تو میں بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"اول خان کے پیغام کا انتظار نہ ہوتا تو میں فن لینڈ میں اسکائی وہیل کے جھولے میں بیٹھ کر یخ بستہ آئس کریم کھاتی۔" میری چبھتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں اس نے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دشمن کو مار کر اس کا سوگ منانا بزدلی کی نشانی ہے۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ اب میں ان دونوں کی ناگہانی موت پر پچھتاتے ہوئے اپنا کھانا پینا حرام کرلوں گی۔ یہ کام ہنری ڈریک نارمن بہتر طور پر کرے گا۔"

"اول خان تمہاری من مانی پر بہت غصے میں ہے۔ سامنا ہوتے ہی وہ تمہارا دماغ درست کردے گا۔"

"کیا فرق پڑے گا؟" وہ ڈھٹائی سے بولی "مجھے جو کرنا تھا، میں نے کرلیا۔ اب اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنی ہے تو وہ نکالتا رہے۔ میں کان دبا کر سب کچھ سن لوں گی۔ میں اپنے مخلص دوستوں کی زبانی چاندماری کا کبھی بھی برا نہیں مناتی۔ تھک ہار کر وہ خود ہی خاموشی اختیار کرلے گا۔"

"لیکن جب سب کچھ ایک منظم منصوبے کے تحت چل رہا تھا تو تمہیں درمیان میں الگ راستہ اپنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم ان سب کو احمق سمجھتی ہو جو انہیں گھیرنے کی کوشش کررہے تھے۔"

"مجھے بس ایک ہی خدشہ تھا کہ تم لوگ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کروگے اور انہیں اپنے منہ کی چھچھوندر بنالوگے۔ طاقت کے نشے میں بدمست دشمن کا بس ایک ہی علاج ہوتا ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑو اور بے دردی سے ذبح کرڈالو۔ وہ جھنجلا کر اپنے بال نوچنے پر مجبور ہوجائے گا۔ اس کے آدمیوں کو پکڑ کر پالوگے تو وہ ان کی بازیابی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تمہاری زندگی اجیرن کردے گا۔ جم کلارک کے بارے میں، میں نے یہی کہا تھا اور اب بھی میری سوچ یہی تھی۔ دشمن کو چارچوٹ کی ایسی مار مارو کہ اسے اپنے زخم سہلانے سے ہی فرصت نہ مل سکے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ سرخ کار کی دریافت پر وہ حواس باختہ ہوجائیں گے۔"

میں نے ڈیفنس کے علاقے میں جانے والی سڑک پر واقع ایک فاسٹ فوڈ ریستوران پر کار روک لی۔

آئس کریم آتے ہی مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا۔ میں انہیں کچھ بتائے بغیر ایس ٹی ایف کے ان محافظوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا تھا جو نادیہ کی لاش ٹھکانے لگانے کے لئے نکلے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ دونوں اپنے کام سے نمٹ کر بہت دیر پہلے فیکٹری واپس لوٹ چکے ہوں گے۔ ان کے پہنچنے کے بعد بقیہ لوگوں کا میرے اور ویرا کے لئے پریشان ہونا فطری امر تھا۔ اس ریستوران میں پبلک فون نہیں تھا لیکن کاؤنٹر والے نے میری درخواست پر فون اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے سلطان شاہ لائن پر آیا۔ میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی کہا "ہمارے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ شہر کے بعد اب ہم کلفٹن میں اوزون سے لبریز ہواؤں میں سیر کررہے ہیں۔ سواری بھی اپنی ہے۔ واپسی میں دیر

سویرہو سکتی ہے۔"

وہ شاید اسپیکر فون پر بات کر رہا تھا کیونکہ فوراً ہی غزالہ کی پُرتشویش آواز سنائی دی "اندھیرا پھیلنے کے بعد تمہیں باہر نہیں رکنا چاہئے۔ تم خود تمام خطرات سے باخبر ہو۔ میں پریشان ہو کر دو مرتبہ اول خان کے گھر فون کر چکی ہوں مگر وہ بھی کہیں غائب ہے۔ اب تم فوراً واپس آجاؤ۔ تمہارے بغیر ہم تینوں خود کو اداس اور تنہا تنہا محسوس کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج تم کو بے وقت تفریح کی کیا سوجھی ہے۔"

"میں زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا۔" میں نے ماؤتھ پیس میں آہستگی سے کہا "اول خان ہم سے ملنے اسی طرف آرہا ہے۔ اس سے ملاقات ہوتے ہی میں واپس چل دوں گا۔ اداسی دور کرنے کے لئے تم تینوں کٹ تھروٹ کھیلنا شروع کردو...... اس طرح تمہاری پریشانیوں کو خاصا افاقہ ہوگا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

فون کال کے پیسے ادا کر کے میں واپس آیا تو ویرا غیر معمولی تیزی سے آئس کریم ختم کرنے میں مصروف تھی۔

"اتنی پھرتی کیوں دکھا رہی ہو۔ کیا دوبارہ آئس کریم منگوانے کا ارادہ ہے؟" میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے ازراہِ تفنن سوال کیا۔

"ابھی اول خان کا پیغام آیا تھا۔" وہ اپنی گود میں رکھے ہوئے اپریٹس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "وہ مزار کے قریب پہنچنے والا ہے اور وہیں ہمارا انتظار کرے گا۔ آواز سے وہ پریشان معلوم ہورہا تھا۔"

میں نے فوراً ہی بیرے کو طلب کر کے فارغ کیا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ویرا سے کہا "اس کی پریشانی قابلِ فہم ہے۔ میں خود بھی بی ایچ سیون کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی طرف سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں آیا۔ مجھے خوف محسوس ہورہا ہے کہ گورے کو پھانسنے کے چکر میں کہیں وہ خود ہی نہ پھنس گیا ہو۔"

"اوہ!" ویرا نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سمیٹ کر کہا "اسے تو میں بھول ہی گئی تھی۔ یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ وہ ابھی تک گورے کو شہر میں چکر دیتا پھر رہا ہو۔ اگر وہ اپنے حریف کو گاڑی میں بے ہوش کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے تو اب تک اس کی طرف سے سگنل آجانا چاہئے تھا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میرا ذہن الجھ گیا تھا۔

میں نے مزار کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی دیکھ لیا کہ اول خان کی گاڑی مزار کے سامنے، شہر سے آنے والے راستے پر کھڑی ہوئی تھی لیکن جس بات نے مجھے چونکایا، وہ یہ تھی کہ اول خان کے برابر والی نشست پر بڑی بڑی مونچھوں والا ایک صحت مند شخص براجمان تھا۔

میں آگے سے چکر کاٹ کے اول خان کی گاڑی کے عقب میں پہنچا تو وہ مونچھوں والے سمیت باہر آچکا تھا۔

ہماری کار رکتے ہی وہ دونوں پچھلی نشست پر سوار ہوگئے۔ ویرا، اول خان کے لئے جگہ خالی کرنے کی کوشش کرتی ہی رہ گئی اور میں نے کار آگے بڑھادی۔

"یہ سجاد یعنی بلڈ ہاؤنڈ سیون ہے۔" گاڑی چلنے کے بعد اول خان بولا "آج اس نے میری جان نکال دی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"ہم بھی فکر مندی کے ساتھ اس کے پیغام کے منتظر تھے۔ اس کا شکار کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

"چوراہے پر بائیں طرف جس کار کا بونٹ اٹھا ہوا ہے اسی کے پاس گاڑی روک لینا۔" اول خان نے آگے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کا شکار اسی گاڑی کی ڈکی میں ہے۔ باقی کہانی ابھی سناتا ہوں۔"

میں نے کار روکی تو سجاد نے اپنی کار کے قریب جاکر انجن سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا، باہر نکل کر بونٹ بند کیا اور گاڑی لے کر ساحل کی طرف چل دیا۔ اول خان کے ایما پر میں نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے ڈال دی۔ اول خان ہمیں سجاد کی کہانی سنانے لگا۔

سفید کار کے تصادم کے بعد کلفٹن روڈ پر شروع ہونے والی ہنگامہ آرائی آناً فاناً میں زور پکڑ گئی تھی۔ ٹریفک میں تعطل کی وجہ سے فوراً ہی ایک ٹریفک سارجنٹ اور پولیس موبائل موقع پر پہنچ گئی۔ اس وقت تک سفید کار والوں میں سے کسی نے لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے پستول نکال لیا۔ اسے پستول استعمال کرنے سے پہلے پکڑ لیا گیا۔ پولیس والوں نے اس کے ساتھیوں کو بھی گھیر لیا۔ شہر میں ہتھیاروں کے ساتھ چلنے پر پابندی ہونے کے باوجود وہ چاروں مسلح تھے۔ ان کی کار سے بغیر لائسنس کی ایک کلاشنکوف بھی برآمد ہوئی اور پولیس نے موقع پر ہی انہیں حراست میں لے لیا۔ اس صورتِ حال پر وہ گورا بہت پریشان تھا۔ قرب و جوار میں کوئی خالی ٹیکسی بھی موجود نہیں تھی۔ سجاد نے گورے کو پرائیویٹ ریڈیو ٹیکسی میں چلنے کی پیشکش کی تو وہ فوراً تیار ہوگیا۔

ٹریفک رواں ہونے کے بعد سجاد نے اول خان کو رپورٹ دے کر اپنا اپریٹس بند کیا تو گورے کو شبہ ہوگیا۔ اصولاً ریڈیو ٹیکسی کا اپریٹس مسلسل آن رہنا چاہئے تھا۔ اس بارے میں سجاد کا جواب اسے مطمئن نہیں کرسکا۔

سجاد نے بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے بہانے اپنی کار گلیوں میں گھمائی تو ایک سنسان مقام پر گورے نے اپریٹس پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ سجاد نے خطرہ بھانپ کر اپریٹس بچانے کے بجائے گورے کے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کردیا۔ اس جدوجہد میں اپریٹس کو نقصان پہنچا اور سجاد اپنے آدمیوں سے رابطے کی سہولت سے محروم ہوگیا۔

وہ فوری طور پر اپنی کار ایک ویران تجارتی علاقے میں نکال

...کیا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ گورے کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس کر ...کے ہاتھ پیر باندھے اور میدان صاف دیکھ کر اسے نشست پر ...ڑی میں منتقل کردیا۔ اس بندوبست کے بعد اس نے اول خان ...گھر فون کیا تو وہ وہاں سے نکلا ہوا تھا۔ اس موقع پر سجاد نے اپنی ...حس سے کام لیا۔ وہ کلفٹن کے علاقے میں اپنی پیشہ ورانہ ...ات کے سلسلے میں پہلے بھی دو مرتبہ مزار کے قرب و جوار کے ...کو خفیہ ملاقاتوں کے لئے استعمال کرچکا تھا۔ اسے امید تھی ...اول خان اس کی طرف سے کوئی خبر نہ پاکر شاید اسی طرف کا ...خ کرے گا۔ اس نے اپنی گاڑی خراب ہونے کے بہانے ایک ...روکی اور اول خان کے انتظار میں مزار کی سیڑھیوں وغیرہ کے ...ب منڈلانے لگا۔ اول خان مزار کے قریب پہنچا تو چند ہی ثانیوں ...سجاد نے اسے جالیا اور یوں ان دونوں کا طے شدہ پروگرام ...تے بگڑتے رہ گیا۔

اول خان نے وہ کہانی ختم کرلی تو میں نے اسے چھیڑنے کی نیت ...ے کہا "یہ سب تو ٹھیک ہوگیا لیکن تم نے ابھی تک ویرا کے ساتھ ...ی ڈانٹ پھٹکار نہیں کی۔ زیرو پوائنٹ والی مہم میں اس نے ...خری لمحات پر ہم سب کو اعصاب شکن بے یقینی میں مبتلا کر کے ...ھ دیا تھا۔ تم بھی اس پر خاصے برہم تھے۔"

"میری برہمی بلاوجہ نہیں تھی۔" وہ تاؤ کھائے بغیر گہری ...جیدگی سے بولا "ہماری فورس کی اصل قوت ڈسپلن میں ہے۔ حکم ...یح ہو یا غلط، ہر قیمت پر اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس وقت ...برے علاوہ فورس کے مزید چھ افراد اس آپریشن میں شریک تھے ...ور گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے۔ انجام بہت عمدہ ہو تو بہت ...ی حماقتیں بھی اعلیٰ کارکردگی کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ یہی ویرا ...کے ساتھ بھی ہوا۔ لیکن یہ سوچو کہ میرا کوئی آدمی اضطرار کی حالت ...میں مشتبہ پیڑ پر گولیوں کی باڑھ مار بیٹھتا تو ویرا کا کیا حشر ہوتا؟ مجھے ...یرا کے علاوہ تمہارے ساتھ بھی کچھ ترش لہجہ اختیار کرنا پڑا لیکن ...وہ سب تمہارے لئے نہیں، اپنے آدمیوں کو سنانے کے لئے تھا تاکہ ...ڈسپلن کا بنیادی سبق ان کے ذہنوں سے محو نہ ہوسکے۔"

"میں ابھی تک خاموش ہوں۔" ویرا کھنکھارکر چڑانے والے لہجے میں بولی "مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ تمہیں بھی کوئی ...خوراک مل چکی ہے۔ اب ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے تلخی ...سے اس کی بات اڑا کر ویرا سے کہا "ہمارے درمیان بدمزگی کی وجہ ...بھی تمہاری ذات ہی تھی۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم اول خان کے ...آدمیوں ہی کے ہاتھوں نہ ماری جاؤ اور اول خان نے اس بارے ...میں اپنے آدمیوں کو پابند کرنے سے معذوری ظاہر کردی تھی۔"

اول خان موقع کی نزاکت بھانپ کر ویرا سے بولا "ڈینی نے ...وہی کچھ کیا جو ہمارے درمیان طے ہوچکا تھا۔ جہانگیر کے گھر میں ...داخل ہوتے ہی اس نے مجھ سے اپریٹس پر رابطہ کرلیا تھا۔ ساری الجھنیں تمہاری پیدا کی ہوئی تھیں۔ تم باہر رہ گئی تھیں اور تمہیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہاں کیا کھیل شروع ہونے والا ہے۔"

"میرے ذہن میں بس ایک بات تھی کہ ہم لوگوں کے کھوج میں جو بھی جہانگیر کے گھر کا رخ کرے، اسے زندہ نہیں لوٹنا چاہئے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ سی آئی اے کے دونوں چالاک ایجنٹ خود ہی اس جال میں آپھنسیں گے۔ اس کام کے لئے وہ کسی اور کو بھی جہانگیر کے گھر بھیج سکتے تھے۔" ویرا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"جب کسی کا برا وقت آتا ہے تو خود بخود عقل پر پردے پڑجاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں اپنی برتری کے گھمنڈ میں مارے گئے۔ ان کے مقدر کا فیصلہ اسی وقت ہوگیا تھا جب سفید کار والوں میں سے کسی نے پستول نکالا تھا۔ وہ چاروں ان کے پیچھے آئے ہوتے تو حالات کا رخ ہی پلٹ سکتا تھا۔" اول خان بولا۔

اس وقت تک سجاد کی کار ساحلی چوراہے تک پہنچ کر بائیں طرف مڑ چکی تھی۔ اس کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی۔

"اب سجاد اپنے قیدی کو کہاں لئے جارہا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا "تمہارے آدمیوں کو ساحل کا بایاں حصہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پسند ہے۔ سرخ کار بھی انتہائی بائیں سرے پر، زیرِ تعمیر ویرانے میں چھوڑی گئی ہے اب شاید ہم ایک مرتبہ پھر اسی طرف جارہے ہیں۔"

"اس طرف جانے سے پہلے ہم تاریک اور ویران کاسینو کی رکاوٹ تک پہنچیں گے۔" اول خان ہنستے ہوئے بولا "وہاں سناٹا ہوا تو ہم آگے نہیں جائیں گے۔ نرخرا دبا کر اسے سمندر میں ڈال دیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم بھی میرے ہم نوا بن گئے ہو۔" میں نے تحیر آمیز مسرت سے کہا "اگر تم نے اسے مارنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو میری جیب میں بیم گن بھی موجود ہے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اول خان وہ اطلاع پاکر خوش ہوگیا "میں ٹائر کے شور سے بچنے کے لئے گلا گھونٹنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بیم گن سے خاموشی کے ساتھ معاملہ نمٹ جائے گا۔"

"بیم گن کے استعمال سے سرکاری پوزیشن بھی محفوظ ہوجائے گی۔ ٹی کے رازداں اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ایک بیم گن پر قابض ہوں۔ بیم گن کا شکار میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔" ویرا بھی اس فیصلے پر خوش تھی "میرے لئے یہ بات بہت آسودگی کا باعث ہوگی کہ جم کلارک اور اس کے ساتھ آنے والوں میں سے کوئی بھی پاکستان سے زندہ واپس نہیں لوٹ سکے گا۔ جمی لائیڈ کو قتل کرنے والے تین تابوتوں کا جلوس دیکھ کر میری دہشت میں مبتلا ہوجائیں گے۔"

وہ چاند کی آخری راتیں تھیں۔ پرانی ساحلی دیوار کے کاسینو

والے حصے میں واقعی خوف آور اندھیرے اور ویرانی کا راج تھا۔ اگر کوئی اکا دکا رومان زدہ جوڑا کسی کنج میں چھپا بیٹھا ہو تو اور بات تھی ورنہ بادی النظر میں وہاں دور تک کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ سجاد کی تجربے کار نگاہیں بھی ماحول کی اس موزونیت کو بھانپ چکی تھیں۔ اس نے اپنی کار کو گھما کر اس طرح سڑک کے ریتیلے کنارے پر لگایا کہ ڈکی کا رخ سمندری دیوار کی طرف تھا۔ میں نے اپنی کار اسی کے برابر میں اس طرح لگادی کہ اتفاقاً اُدھر آنکلنے والی کسی کار کی روشنیاں براہِ راست سجاد کی کار پر نہ پڑسکیں۔

ہم چاروں اپنی گاڑیوں سے نکل کر چہل قدمی کے انداز میں دیوار تک گئے۔ پانی اترا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے چٹانی ٹکڑوں اور بڑے بڑے پتھروں میں پھنسی رہ جانے والی سمندری آلائشوں سے ہلکی ہلکی عفونت پھوٹ رہی تھی جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ گھٹتی بڑھتی محسوس ہورہی تھی۔

"اسے سمندر میں جانا چاہئے تھا لیکن پانی کافی دور ہے۔" اول خان سمندر کا جائزہ لے کر بڑبڑایا۔

"ایک دفعہ اس کا دم نکل جائے تو میں آسانی کے ساتھ کندھے پر لاد کر اسے گہرے پانی میں ڈال آؤں گا۔" سجاد نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا "وہ منحنی سے وجود کا متوسط قامت آدمی ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

اول خان' ویرا کے ساتھ چوڑی ساحلی دیوار پر بیٹھا رہا۔ ہم دونوں کار تک گئے۔ سجاد نے ڈکی کھولی تو شکار بدستور بے ہوش تھا اور ایک گٹھڑی کی صورت میں ڈکی کے وسط میں پڑا ہوا تھا۔

میں نے عقابی نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لے کر اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور اس کی نال بے ہوش قیدی کی پیشانی کے وسط میں جما کر ہولے سے ٹریگر دبا کر فوراً ہی انگلی ہٹالی۔ اس کی پیشانی کی جلد اور نال کے درمیان پیدا ہونے والی خفیف سی نیلگوں روشنی نے لمحہ بھر کے لئے اس کے چہرے کو نیلا کردیا۔ اس کے بدن نے خفیف سی جھرجھری لی اور میں نے بیم گن دوبارہ اپنی پتلون کی جیب میں اڑس لی۔ فضا میں جلے ہوئے گوشت کی چراند پیدا ہوگئی تھی۔

"کیا ہوا؟" سجاد نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں حیرت سے سوال کیا۔

"اس کا بھیجا تباہ ہوگیا۔ اس کے ہاتھ پیر کھول کر اسے اس کی منزل پر پہنچادو۔"

سجاد بجلی کی طرح پھرتیلا تھا۔ اس نے میری توقع سے پہلے اسے اپنے شانے پر لاد کر ڈکی بند کی اور تقریباً دوڑتے ہوئے دیوار تک جاکر اس لاش کو ڈھلان دار پتھروں پر پھینک دیا۔ وزنی لاش کے جھٹکے سے ایک دو پتھروں نے اپنی جگہ چھوڑی اور لاش کے ساتھ لڑھکتے ہوئے نیچے ریت تک چلے گئے۔ فضا میں پھیلنے والی چراند کو ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ اڑا کر لے گئے تھے۔

سجاد اپنی پھینکی ہوئی لاش کو دوبارہ کندھے پر لاد کر پانی تک پہنچانے کے ارادے سے پتھروں پر اترا ہی تھا کہ اول خان نے اسے روک لیا "رات اندھیری ضرور ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی کو کھانچے میں کیکڑوں وغیرہ کا کوئی شکاری بھٹکتا پھر رہا ہو اور اس پر نظر پڑجائے۔ خطرہ مول لینے کے بجائے ہمیں چل دینا چاہئے۔"

سجاد ڈسپلن کا پابند تھا۔ اول خان کے الفاظ پر اس نے جواب میں اپنی رائے پیش کی نہ اپنی مہارت کا کوئی بلند بانگ دعویٰ کیا خاموشی سے دیوار پھاند کر باہر آگیا۔

"تم جاؤ!" اول خان اسے ہدایت دے کر ہماری گاڑی میں آبیٹھا۔ اس بار وہ میرے ساتھ والی نشست پر اور ویرا پیچھے ہوئی تھی۔ ہمارے نکلنے سے پہلے ہی سجاد وہاں سے روانہ ہوچکا تھا۔

"آج کا آخری کام بھی خوش اسلوبی سے نمٹ گیا۔" واپسی پر اول خان یک بیک تروتازہ نظر آنے لگا "اب میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے کورنگی چلتا ہوں۔ وہاں فیکٹری میں بیٹھ کر گپ ہوگی۔"

"گپ شپ سے پہلے تمہیں سنگین جھگڑے نمٹانے ہوں گے۔" ویرا شوخی سے بولی "ڈینی' غزالہ سے ہوا خوری کا بہانہ کرکے نکلا تھا۔ میں زبردستی اس کے ساتھ ہولی ورنہ یہ آج اکیلا ہوتا۔ غزالہ کو آج کے واقعات کا علم ہوگا تو وہ بہت بھنائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈینی کے جھوٹ کو میری اور اس کی ملی بھگت کا نام دے بیٹھے۔"

"اس سے سامنا ہوگا تو یہ سب بھی بھگت لیا جائے گا۔ شکوے شکایت سے ہی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ تم لوگ خوش قسمت ہو کہ اتنی مفاہمت کے ساتھ اکٹھے رہ رہے ہو ورنہ آج کے دور میں تو کوئی اپنے سگے خون کو بھی اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہیں کرتا۔" سر سے بوجھ اتر جانے کے بعد اول خان موج میں آگیا تھا۔

اسے عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار کے قریب اتار کر ہم روانہ ہوگئے۔

"شاید تم نے غور نہ کیا ہو۔ اول خان آخر میں بڑے کی بات کہہ گیا ہے۔" ویرا نے میرے اور اپنے لئے سگریٹ سلگا کر بعد سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اول خان کے اترنے کے بعد وہ میرے ساتھ والی سیٹ پر براجمان ہوچکی تھی۔

"میں اس وقت اپنے ذہن پر زور دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ صاف صاف بتاؤ کہ اس کی کس بات کا حوالہ دے رہی ہو؟" میں نے اس کے ہاتھ سے جلی ہوئی سگریٹ لے کر کہا۔

"خوش قسمتی اور اکٹھے رہنے والی بات۔ تم نے کبھی اس بارے میں سوچا ہے؟"

"جو نعمتیں میسر ہوں' ہم ان کے بارے میں سوچ کر وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔"

"میرے نزدیک یہ بڑی بات ہے۔" وہ سگریٹ کا کثیف دھواں اُڑاتے ہوئے بولی "میں اول خان کی کہی ہوئی بات کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھ رہی ہوں۔ ایمان داری سے غور کرو کہ میرا اور غزالہ کا کیا رشتہ ہے...... بظاہر کوئی بھی نہیں لیکن زیادہ گہرائی میں جاؤ تو میرے اور تمہارے درمیان موجود بے تکلفی کی وجہ سے وہ مجھے اپنی رقیب سمجھ کر حسد اور جلن کا شکار ہوجائے تو میں اسے کوئی الزام نہیں دوں گی۔ اس دور میں جب اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ اور بھائی' بھائی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو' مجھے غزالہ کی ذہنیت پر رشک آتا ہے کہ میں کسی پابندی یا رقابت کے بغیر تم دونوں کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ اس میں کسی کی نہیں صرف غزالہ کی بڑائی کارفرما ہے۔ وہ اپنا دل چھوٹا کرلے تو اسے پورا حق حاصل ہے کہ وہ تمہیں مجھ سے ترکِ تعلق پر مجبور کرے اور ہروقت تمہیں اپنی ذات کے حصار میں قید رکھے......"

"اتنی لمبی تقریر میں تم نے میرا کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "ہوسکتا ہے کہ غزالہ دل ہی دل میں بہت کچھ سوچتی ہو لیکن میرے متوازن اور شائستہ رویّے کی وجہ سے اپنے شبہات کو الفاظ کے روپ میں ڈھالنے کی ہمت نہ کرپاتی ہو۔"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرانے لگی "تم بلاوجہ اپنا اور اس کا مقابلہ کررہے ہو۔ میں دلائل پر اتر آئی تو تم ایک لمحے میں بحث سے نکل جاؤ گے...... آج ہی کا واقعہ لے لو۔ اسے میرے اور تمہارے مراسم کا نہیں تو بے تکلفی کا پوری طرح علم ہے۔ اس کے باوجود جب میں نے ہوا خوری کے لئے تمہارے ساتھ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ وہ مجھے روک کر خود آنے پر اصرار کرتی تو کوئی اس کی مخالفت نہ کرتا لیکن اس نے اعلیٰ ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی بدمزگی کی نوبت نہیں آنے دی۔"

"میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم میری بیوی کی بڑائی کا اعتراف کررہی ہو لیکن اس مفاہمت میں میرے کردار کو نظرانداز کرکے تم میرے ساتھ زیادتی کررہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"چلو' تو پھر میں ذرا کھل کر بات کئے لیتی ہوں۔" وہ چیلنج کرنے والے لہجے میں بولی "ذرا سی دیر کے لئے غزالہ کو اپنی جگہ اور خود کو غزالہ کی جگہ رکھ کر سوچو۔ اگر اس کا ماضی کا کوئی بے تکلف دوست ہو تو تمہارا رویّہ کیسا ہوگا؟ اول تو تم اسے غزالہ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دو گے چہ جائیکہ فراخ دلی سے اسے غزالہ کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دو۔ پھر غزالہ کا اس کے ساتھ ہوا خوری کے لئے کہیں جانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو مار دو گے لیکن ایسی اجازت ہرگز نہیں دو گے...... یہ سب......"

"یہ کیا بے ہودہ مفروضات نکال لئے تم نے۔" میں نے بگڑ کر اس کی بات کاٹ دی "دنیا میں کہیں ایسا نہیں ہوتا۔ اس بارے میں مغرب کا مادر پدر آزاد معاشرہ بھی عورت کو کھلی آزادی نہیں دیتا......"

اس نے بھی مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی اور بولی "دنیا کے سارے مرد متعصب' خودغرض اور مفاد پرست ہوتے ہیں۔ خود گناہوں کی پوٹ بن کر زندہ رہتے ہیں اور اپنی عورتوں کو بالکل پارسا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اسی لئے میں کہہ رہی ہوں کہ غزالہ جیسی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ تمہارے بس سے باہر ہے۔"

اس وقت وہ جھاڑ کے کسی کانٹے کی طرح مجھ سے الجھ رہی تھی۔ میں نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور اپنی پوری توجہ سڑک اور عقب نما آئینے پر مرکوز کردی۔ پیچھے آنے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کی وجہ سے میرے لئے کار کو پہچاننا ممکن نہیں تھا لیکن مخالف سمت سے آنے والی بعض گاڑیوں کی تیز تر روشنی میں' میں نے یہ دیکھ لیا کہ اول خان ہمارے پیچھے چلا آرہا تھا۔

میں نے کورنگی جانے کے لئے ڈیفنس کے دور افتادہ اور ویران علاقے سے ہوکر گزرنے والا مختصر راستہ اختیار کرنے کے بجائے کلفٹن روڈ اور سن سیٹ بلے وارڈ کا صاف ستھرا اور بارونق راستہ اختیار کیا تھا۔ ہم سن سیٹ بلے وارڈ کے تقریباً وسط میں پہنچے تھے کہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی پولیس پارٹی کے ایک باوردی رکن نے مجھے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے فوری طور پر انڈی کیٹر روشن کرکے اپنی کار بائیں جانب دبانی شروع کردی۔ اول خان نے بھی میری تقلید میں اپنی کار کی رفتار کم کرنی شروع کردی تھی۔

میں نے اپنی کار روکتے ہی کیبن لائٹ آن کردی اور نیچے اترنے کے بجائے اپنی جگہ بیٹھ کر کسی سپاہی کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ اول خان کے آدمی کورنگی سے نادیہ کی لاش لے کر بھرے پُرے شہر میں داخل ہوگئے اور ایک شخص سرخ کار میں دو لاشیں لے کر ویران ساحل تک پہنچ گیا تو قانون کے کسی محافظ نے ان سے کوئی بازپرس نہیں کی لیکن ہمیں راستے میں روک لیا گیا تھا۔

اس وقت ویرا کی تحویل میں بھرے ہوئے پستول کے علاوہ دو لوڈ کئے ہوئے میگزین موجود تھے۔ اسی طرح میری جیبوں میں بھی بیم گن اور پستول کے ساتھ فاضل میگزین موجود تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی نیچے اترتا تو جیبوں کے کسی نامعقول ابھار کی وجہ سے ہمارے ہتھیاروں کی نشان دہی ہوسکتی تھی۔ کار میں بیٹھے رہنے کی صورت میں قوی امکان تھا کہ وہ عورت' خصوصاً ایک سفید فام عورت کی وجہ سے مجھے بلاتعرض روانہ ہونے کی اجازت دے دیتے۔

چند ہی ثانیوں میں ایک پستول بردار اے ایس آئی میرے سر

پر آپہنچا۔ اس نے جھک کر متجسسانہ نظروں سے روشن کیبن کا جائزہ لیا اور ویرا کی دل کش مسکراہٹ کے سحر میں آئے بغیر مجھے کاغذات سمیت کار سے نیچے اترنے کی ہدایت کی۔ میرا لائسنس میری جیب میں تھا لیکن بی ایچ فائیو کی گاڑی کے کاغذات کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ میں نے خالی الذہنی کے عالم میں ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھولا اور اس میں بے مقصد ہاتھ مارنے لگا۔

میری وہ تدبیر کارگر رہی۔ اس اثنا میں اوّل خان بھی وہیں آپہنچا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے آتے ہی تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

ویرا کی مسکراہٹ کے سحر سے بچ نکلنے والا اے ایس آئی' اوّل خان کے لہجے سے مرعوب ہوگیا اور مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "گاڑی کے کاغذات چیک کرکے تلاشی لینی ہے۔ آپ اپنی گاڑی میں جائیں۔"

"ہم دونوں ایک ساتھ ہیں۔" اوّل خان نے بے پروائی سے کہا اور اپنی جیب سے کوئی کارڈ نکال کر اے ایس آئی کے سامنے کردیا۔ اس کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ مسلح افسر دو قدم پیچھے سرکا اور پھر پختہ سڑک پر اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ اس نے اوّل خان کو سلیوٹ کرکے ہم کو جانے کی اجازت دے دی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہاں سے روانہ ہونے کے بعد ویرا تھکی ہوئی آواز میں بولی "یہاں کی پولیس کی کارکردگی میں ذرا بھی یکسانیت نہیں ہے۔ آدمی قتل کرکے بچ جاتا ہے' کسی کو مُکا مارنے پر پکڑ لیا جاتا ہے۔"

"پولیس یا اس جیسے کسی بھی محکمے کی کارکردگی حالات پر ہوتی ہے۔" میں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا "مجرم خود کو کامیابی سے اچھے بہروپ میں چھپالے تو اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین بھی اسے سونگھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حلیہ ذرا بھی مشکوک ہو تو عزت دار آدمی کا گریبان پکڑ لیا جاتا ہے۔ سب اسی طرح چلتا ہے۔"

اس بار جہانگیر کی فیکٹری کا سفر مزید کسی رکاوٹ کے بغیر طے ہوگیا۔ میری فون کال کے نتیجے میں بقیہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں ہی تھے لیکن ریشم خان شاید پھاٹک سے لگا بیٹھا تھا۔ اس نے ہیڈ لیمپس کی روشنی پر ہی کھڑکی کھول کر باہر دیکھا اور پھر میری آواز پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔

پھاٹک کھلنے کے شور اور گاڑیوں کے انجن کی آواز سن کر غزالہ بے تابانہ انداز میں اوپر سے نیچے آئی۔ اس وقت تک ہم انجن بند کرکے گاڑیوں سے باہر نکل چکے تھے۔ غزالہ اس وقت تشویش' وسوسوں اور جذبات سے اس حد تک مغلوب ہورہی تھی کہ اس نے ویرا' اوّل خان اور ریشم خان کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ کر رو پڑی۔ میں مشفقانہ انداز میں اس کی پیٹھ تھپک کر اسے دلاسا دیتا رہا۔

چند لمحوں میں اس کا جذباتی ابال کمزور ہوا تو میں نے نرمی سے اسے خود سے الگ کردیا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟" میں نے پیار بھرے لہجے میں اسے ڈانٹا۔ "میں کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر واپس آیا ہوں اور تم کسی بچے کی طرح رو رہی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہارے جانے کے بعد سے میرے ذہن میں مسلسل برے برے خیالات آرہے تھے۔" وہ رقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم یہاں سے صرف تفریح کے لئے نہیں گئے ہو۔ تمہارے تیور بتا رہے تھے کہ تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے۔ چلتے وقت میں نے بحث کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ میرا بس چلتا تو میں اسی وقت تم کو روک لیتی۔ آنکھیں بند کرکے خطرات میں چھلانگ لگانے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔"

"ڈینی کی عادتیں پختہ ہوچکی ہیں۔" اوّل خان ایک جان دار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "اس کی جو سمجھ میں آتا ہے' کر گزرتا ہے۔ میری بات تک نہیں مانتا۔ میں یہ جان کر حیران رہ گیا تھا کہ ڈینی جہانگیر کے گھر پہنچا ہوا ہے۔"

سیڑھیوں پر ہی جہانگیر اور سلطان شاہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ جہانگیر نے شاید اوّل خان کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔ اس نے خیر خیریت دریافت کئے بغیر لٹھ دے مارا اور آنکھیں نکال کر پوچھا "تو تم ہوا خوری کے بہانے میرے گھر جا پہنچے تھے؟ وہاں کیا کام تھا تمہارا؟"

"کام ہی نہ پوچھو۔" اوّل خان اس کا ہاتھ تھام کر اسے اوپر لے جاتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے کہ روز کی مارا ماری سے تمہارے محلّے والے عاجز آچکے ہوں گے۔ اب تمہیں اپنا گھر بدلنا ہوگا۔"

"میں کتنے گھر بدلوں گا؟" جہانگیر بے بسی سے بولا "ابھی مجھے اس نئے گھر میں چھ مہینے بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔"

"میری مانو تو گھر بدلنے کے بجائے ڈینی سے دوستی ختم کردو۔" ویرا نے سنجیدگی سے لقمہ دیا "روز روز گھر بدلنے اور دوسری بہت سی پریشانیوں سے بچ جاؤ گے۔ ڈینی کسی دن تمہیں مروا دے گا۔"

"مروا دے" جہانگیر بڑبڑایا "میں چھوٹی موٹی باتوں کی وجہ سے اتنی پرانی دوستی نہیں چھوڑ سکتا...... سلمٰی اپنے میکے میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں بھی ڈینی کی طرح بھاگتا اور چھپتا پھروں گا......"

"شاباش!" اوّل خان نے اس کی بات کاٹ کر اس کی پیٹھ پر تھپکی دی "مرد کی دوستی ایسی ہی ہوتی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں گھر بدلنے کی بات مذاق میں کہہ گیا تھا۔ محلّے والوں پر اب تک تمہاری دھاک بیٹھ چکی ہوگی۔ آج وہاں صرف چار گولیاں چلی ہیں اور وہ

دشمن جہنم واصل ہو گئے۔ لاشیں وہاں سے ہٹادی گئی ہیں۔“
اس وقت تک ہم سب ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکے تھے۔ سلطان شاہ نے پلٹ کر پوچھا ”آج وہاں کون مرنے کے لئے آپہنچا تھا؟ کہیں یہ آپریشن بلڈ ہاؤنڈز کا تسلسل تو نہیں تھا؟“

”تم ٹھیک سمجھے!“ میں نے مسکرا کر اس کے قیاس کی تائید کی۔ ”اوّل خان کا اندازہ سوفیصد درست ثابت ہوا۔ جم کلارک کے ساتھ آئے ہوئے سی آئی اے ایجنٹ ادھر پہنچے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک مقامی بھی مارا گیا۔ اتنے بڑے کشت و خون کے بعد اب وہ لوگ زیادہ اچھل کود نہیں کریں گے۔“

”ابھی تو تم دو دشمنوں کے مرنے کی بات کر رہے تھے۔ یہ تین کیسے ہو گئے؟“ سلطان شاہ نے پوچھا۔

”دو جہانگیر کے گھر کے باہر مارے گئے۔ تیسرا الگ سے گھیر کر مار دیا گیا۔“ میرے بجائے اوّل خان نے وضاحت کی ”ان تینوں کی لاشیں کلفٹن کے ساحل سے دستیاب ہوں گی۔ کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ تینوں بدمعاش کہاں مارے گئے اور انہیں ساحلِ سمندر پر کیوں چھوڑا گیا۔“

”اس واقعے نے میرے چوکیدار کو تو دہلا کر رکھ دیا ہوگا۔“ جہانگیر نے رائے ظاہر کی۔

”تمہارے چوکیدار کو آج لمبی رخصت پر گاؤں بھیجا جا چکا ہے۔“ اوّل خان نے اسے آگاہ کیا۔

اچانک ہی مجھے دوسری بار اپنی رقم کا خیال آیا اور میں نے اوّل خان سے پوچھا ”چوکیدار کو لمبی رخصت پر بھیج دیا گیا۔ میں واپس آگیا۔ نسیم الحسن بھی بی اچ سکس کے ساتھ چلا گیا۔ جہانگیر کا مکان تو اب بالکل غیر محفوظ اور لاوارث پڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی اندر گھس کر پورے مکان کا صفایا کر سکتا ہے۔“

”قسمت میں مفلوک الحالی لکھی ہوئی ہے تو ایسا ہو کر رہے گا۔“ جہانگیر پر اس وقت مایوسی طاری ہو چلی تھی ”دس چوکیدار بھی میرے مقدر کے لکھے کو نہیں ٹال سکیں گے۔ یہ میرا پختہ ایمان ہے۔“

”بدفال منہ سے نہ نکالو۔“ میں نے غرا کر اسے ٹوکا ”اس وقت میرا مقدر بھی تم سے وابستہ ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ میری ساری پونجی سلمیٰ کی تجوری میں امانت کے طور پر محفوظ ہے۔ تمہارے مکان میں کوئی واردات ہوئی تو ہم لوگ بھی پیسے پیسے کو محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔“

اوّل خان جو ہماری گفتگو خاموشی سے سن رہا تھا، مسکرا کے بولا ”تم دونوں میں سے کسی کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، میرے کام ادھورے نہیں ہوتے۔ جہانگیر کے مکان کی دیکھ بھال کی ذمے داری ایک نجی سکیورٹی ایجنسی کو سونپی جا چکی ہے۔“ اس نے ایک نگاہ اپنی رسٹ واچ پر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تک دو گارڈز وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ صبح نو بجے دوسری ٹولی آجائے گی۔ وہاں ہر وقت دو مسلح اور چاق و چوبند گارڈ موجود رہیں گے جو پاس کے بغیر کسی کو مکان میں گھسنے کی اجازت نہیں دیں گے۔“

”پاس؟“ جہانگیر نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اوّل خان نے کریڈٹ کارڈ سے ملتا جلتا پلاسٹک کا ایک چھپا ہوا ٹکڑا اپنی جیب سے نکال کر جہانگیر کو تھما دیا ”اب اس کارڈ کے بغیر تم بھی اپنے گھر میں نہیں پھٹک سکو گے۔“

سلطان شاہ نے ہم لوگوں کی کارگزاری کی تفصیلات جاننے کے لئے اصرار شروع کر دیا۔ اس موقع پر اوّل خان نے ویرا سے چائے بنانے کی فرمائش کر ڈالی۔ وہ ابتدا سے آخر تک پوری مہم میں شریک رہی تھی اس لئے اوّل خان کی کہانی میں اس کے لئے کوئی نئی بات نہ ہوتی۔ وہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

اوّل خان نے آرام سے صوفے پر دراز ہو کر اس شام کی کہانی شروع کر دی۔ سلطان شاہ اور جہانگیر کے ساتھ غزالہ بھی پورے انہماک سے اس کی کہانی سننے میں مصروف تھی۔

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے نئی سگریٹ سلگائی پھر خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف چل دیا۔

نادیہ کی خودکشی کے بعد ریشم خان نے کچن کو اس طرح صاف کیا تھا کہ وہاں ہونے والے حادثے کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا لیکن کچن میں قدم رکھتے ہی میرے نتھنوں میں ایک مخصوص سی بُو آئی اور میں چونک کر دروازے پر ہی رک گیا۔ ویرا میری طرف پشت کئے چولہے پر مصروف تھی۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ گھومی تو مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی ”کسی چور کی طرح خاموشی سے وہاں کیوں کھڑے ہو؟ کیا اندر آکر مجھ سے بات کرتے ہوئے شرم آرہی ہے؟“

”شرم نہیں، الکحل کی سی بُو آرہی ہے۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ”معلوم ہوتا ہے کہ اسی بُو سے بے چین ہو کر ادھر آئے ہو۔“

”تم کچن میں چائے بنانے آئی ہو یا چھپ کر اپنا شوق پورا کر رہی ہو؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”شش!“ وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی ”آہستہ بولو۔ یہ اوّل خان عجیب اور تندخو آدمی ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے اپنی آزادیاں سلب ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس نے چائے پینے کی خواہش ظاہر کر کے مجھے خود ہی حلق تر کرنے کا موقع دیا ہے۔“

اس نے دیوار کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی ماربل کی کچن ٹیبل کے نیچے بنی ہوئی الماریوں میں سے ایک کا پٹ کھولا اور مجھے شیواز ریگل کی نصف سے زیادہ بھری ہوئی بوتل نظر آگئی۔ اس جھلملاتی ہوئی بوتل کے برابر میں ویرا کا اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا جس میں برف کے کئی ڈلے تیر رہے تھے۔ ویرا نے گلاس نکال کر اس تلخ سیال کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور منہ بناتے ہوئے گلاس دوبارہ اندر رکھ کر پٹ بند کر دیا۔

”موڈ ہو تو تم بھی فریج میں سے ایک گلاس میں برف ڈال لو۔“ اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے اکسایا ”اس وقت تمہارے اعصاب بھی الکحل کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں گے۔ یہ بوتل میں ابھی ایک خواب گاہ میں سے لائی ہوں۔“

”اور اگر کوئی ادھر آنکلا؟“ میں نے رغبت کے باوجود خشک لہجے میں کہا۔

”تو کیا؟“ وہ آنکھیں نکال کے ترکی بہ ترکی بولی ”کیا ہم کسی کی چوری کر رہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ ہم پیتے ہیں اور خاصی پیتے ہیں۔ ذرا میں دو گلاس پورے کر لوں پھر اوّل خان کی پروا بھی نہیں کروں گی۔“

”چلو، میرے لئے بھی گلاس میں برف ڈالو۔“ میں نے ہنس کر کہا ”اوّل خان کی کہانی اتنی دلچسپ ہوگی کہ اس کے ختم ہونے تک کسی کو کچن کی خیر خبر لینے کا دھیان نہیں آئے گا۔ میرے گلاس میں اسکاچ ذرا زیادہ ڈالنا۔“

ویرا نے کسی بحث کے بغیر میرے لئے بھی ایک گلاس تیار کر دیا۔ میں نے تلخ سیال کا ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد اپنا گلاس اسی کچن کیبنٹ میں رکھ دیا جہاں ویرا کا گلاس پہلے سے موجود تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ جم کلارک اور اس کے ساتھیوں کا تمت بالخیر ہونے کے بعد کیا ہوگا۔“ میں نے پوچھا۔

”قونصل خانے والے اودھم مچائیں گے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ یہاں والے ان کو کیسے خاموش کراتے ہیں۔“

”وہ لوگ مقامی حکام کے ساتھ مل کر کوئی کارروائی کرتے اور اس میں جانی نقصان اٹھانا پڑتا تو صورتِ حال بگڑ سکتی تھی۔ لیکن وہ بالا ہی بالا من مانی کر گزرنے کے چکر میں مارے گئے ہیں۔ انہیں منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مخدوش حالات میں انہوں نے کسی تحفظ کے بغیر باہر نکلنے کا خطرہ مول لیا اور اپنی حماقت کا نتیجہ بھگت لیا۔ اس واقعے کی پوری ذمے داری ان ہی پر عائد ہوگی۔ معمول کی تحقیقات دھیرے دھیرے چلتی رہیں گی۔“

”مقامی حکام یہ کہانی بنا سکتے ہیں لیکن قونصل خانے میں بیٹھے ہوئے لوگ حقائق کا اندازہ لگالیں گے۔ بیم گن کا شکار ان کے لئے ایک کھلا اشتہار ہوگا۔ اس واقعے میں میرا اور تمہارا نام ضرور آئے گا۔“

”آیا کرے“ میں نے کیبنٹ کھول کر اپنے گلاس سے آتشیں سیال کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد کہا ”وہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود حقائق کی تشہیر نہیں کر سکیں گے۔ تشہیر سے ان کا مؤقف کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ عام سمجھ بوجھ والا ایک مقامی پولیس افسر بھی یہ ضرور پوچھے گا کہ مقتولین خطرناک ملزموں کے پیچھے گئے تھے تو انہوں نے حفاظتی اقدامات سے مجرمانہ غفلت برتنے کا ارتکاب کیوں کیا؟ ان کا یہ فعل بداعتمادی اور اپنی صلاحیتوں پر گھمنڈ کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔“

”میں کچھ اور ہی سوچ رہی ہوں۔“ اس نے اپنا پہلا گلاس خالی کر کے اپنے لئے دوسرا گلاس بناتے ہوئے کہا ”اگر ہم میں سے کسی کو ہنری ڈریک نارمن کے گھر کا فون نمبر یاد ہو تو اس کی قیاس آرائی کی نوبت آنے سے پہلے ہی میں اسے فون پر بتا دوں کہ اس کے امریکا سے آئے ہوئے مہمان کس انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔“

میں اس کا خیال سن کر پھڑک اٹھا ”ان درندوں کو ان کے کچھار ہی میں زخمی کیا جانا چاہئے۔ شاید نارمن کا فون نمبر غزالہ کو یاد ہوگا۔ نمبروں کے معاملے میں اس کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ نمبر اسے یاد نہ ہو تب بھی ٹیلی فون ڈائریکٹری سے کام چل جائے گا۔ اس فیصلے پر فوری عمل ہونا چاہئے۔“

”فوری نہیں، دوسرا گلاس خالی ہونے کے بعد۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی ”پہلے میں ان چاروں کو چائے دے آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ اوّل خان چائے کی طلب سے مجبور ہو کر یہاں پہنچ جائے۔“

وہ ایک ٹرے میں چائے کے لوازم سجانے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے اسکاچ والے کیبنٹ کے قریب پہنچ کر دو گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کر کے دوسرا گلاس بنا لیا تاکہ آخر تک ویرا کا ساتھ دے سکوں۔

ویرا چائے لے کر چلی گئی تو مجھے خیال آیا کہ سی آئی اے کے دونوں آدمیوں کا جہنم واصل ہونا ہر اعتبار سے بہتر رہا تھا۔ جم کلارک والے قصے میں تین مقامی غدار ان کی مدد کر رہے تھے اور وہ تینوں ہی مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ صرف وہی دو ایجنٹ تھے۔ ان ہی کے بیان پر ایس ٹی ایف کے سابقہ اسٹیشن فور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ ان کی موت کے بعد جم کلارک کو اس بظاہر غیر آباد اور ویران عمارت میں لے جائے جانے کا معاملہ بھی آسانی سے مشکوک بنایا جا سکتا تھا۔ یہ اتفاق بلکہ قدرت کا انوکھا انتظام تھا کہ اس گھناؤنے ڈرامے کے سارے ہی سرگرم کردار صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ سفید کار والے جن چار مقامیوں کو کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا وہ ناجائز ہتھیاروں کے چکر میں پھنس کر مقامی پولیس کی تحویل میں آچکے تھے۔ تشدد کے ذریعے ان کی زبانیں کھلوا کر جو اہم معلومات حاصل کی جاتیں ان کے سہارے مقامی انتظامیہ قونصل خانے والوں پر بدترین جوابی دباؤ ڈال سکتی تھی۔

ویرا جلد ہی لوٹ آئی اور اپنی بے ساختہ ہنسی کو دباتے ہوئے بولی ”اوّل خان بہت مردود ہے۔ کافی فاصلہ ہونے کے باوجود وہ

چونک کر یوں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس وقت اس کی عقابی نظریں میرے ہی چہرے پر مرکوز تھیں۔ غنیمت یہ ہے کہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔"

"وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ نازک مواقع پر اپنی زبان بند ہی رکھتا ہے۔"

ویرا نے اپنا گلاس اتنی تیزی سے خالی کیا کہ اس کی آنکھیں فوراً ہی نشیلی نظر آنے لگیں۔ گلاس دھونے کے بعد اس نے اسکاچ کی بوتل اسی خانے میں بالکل پیچھے سرکا دی۔

"بوتل یہاں سے ہٹا دو۔ مسالا وغیرہ نکالتے ہوئے غزالہ نے بوتل دیکھ لی تو کیا سوچے گی؟" میں نے کہا۔

"جو کچھ سوچے گی' جہانگیر کے بارے میں سوچے گی۔" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی "سب لوگ ایک جگہ جمع ہوں تو کھل کر پینے پلانے میں کوئی ہرج نہیں لیکن خواب گاہ میں صرف غزالہ کے سامنے مے نوشی اچھی نہیں لگے گی۔ کچن میں آتے جاتے ایک آدھ گھونٹ لے کر میں خاموشی سے اپنا کوٹا پورا کرلوں گی۔"

"اور میں کیا کروں گا؟" میں نے اسے گھور کر تیز لہجے میں پوچھا۔

"مردانہ خواب گاہ میں اسکاچ' واڈکا' جن اور بیئر کی بوتلیں بھری ہوئی ہیں۔ وہاں جہانگیر تمہارا ساتھ دے گا۔ چاہو تو تم میری بوتل بھی استعمال کرسکتے ہو۔ اس کی جگہ تم نے دیکھ ہی لی ہے۔"

وہ میری طرف ہاتھ لہرا کر کچن سے نکل گئی۔ میں اپنا گلاس خالی کرکے عقبی راستے سے نکلا اور راہداری میں ملنے والے پہلے ہی دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ وہ ڈبل بیڈ پر مشتمل ایک آراستہ اور کشادہ خواب گاہ تھی جہاں ہینگر پر ویرا اور غزالہ کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ شاید غزالہ نے ہماری غیر حاضری میں وہ سب کیا تھا۔

زنانی خواب گاہ سے ملحق کمرے میں موجود اشیا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کمرا میرے اور سلطان شاہ کے لئے تھا۔ میں نے خاصی بے تابی سے پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا لیکن بنتِ عنب کا سراغ لگانے میں ناکام رہا۔

تیسری خواب گاہ پہلے دو کمروں سے بھی بڑی اور نیم شاہانہ انداز میں آراستہ تھی۔ وہاں ڈریسنگ ٹیبل پر بکھری ہوئی میک اپ کی اشیا وغیرہ سے بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ جہانگیر نے نادیہ کو اسی کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں متعدد زنانہ ملبوسات کے ساتھ بہت سے مردانہ جوڑے بھی موجود تھے جو یقیناً جہانگیر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمرے میں درمیانے سائز کا ریفریجریٹر بھی موجود تھا جس کے دو خانوں میں ولایتی بیئر کے بہت سے ڈبے اور بوتلیں بھری ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک دیوار گیر کیبنٹ میں بھانت بھانت اور رنگ رنگ کی شرابوں کی اکیس بوتلیں موجود تھیں۔

اس ریسٹ ہاؤس کی اقامتی اور دیگر سہولتوں کا جائزہ مکمل کرنے کے بعد میں لابی میں کھلنے والے دروازے سے باہر نکلا تو ڈرائنگ روم سے سب کے ملے جلے قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو قہقہے یک بیک تیز ہوگئے۔ ویرا کی آواز سب سے بلند تھی۔ وہ ہنس ہنس کر دہری ہوئی جارہی تھی۔ وہ نشے میں کبھی بھی نہیں ہوتی تھی لیکن اس کی کیفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ معدے میں اتری ہوئی الکحل اس پر اپنا تھوڑا بہت رنگ دکھا رہی تھی۔

"کیا لطیفے چل رہے ہیں جو سب ہنس رہے ہیں؟" میں نے ان کے ساتھ شامل ہو کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"تمہاری تلاش تھی۔" اوّل خان نے ہنسی کے درمیان میں کہا "ویرا نے خیال ظاہر کیا کہ تم باتھ روم میں بیٹھے بیٹھے تھکان سے اونگھ گئے ہوگے۔ بس اسی پر ہنسی کا سلسلہ چل پڑا۔ اب ویرا اپنے اسی قیاس میں ندرتیں پیدا کررہی ہے۔ یہ اس وقت خاصے خوشگوار اور ہلکے پھلکے موڈ میں معلوم ہوتی ہے۔"

"اسے صحیح خوراک ملتی رہے تو ایسے ہی موڈ میں رہتی ہے۔" میں نے ذو معنی فقرہ کسا۔

"مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس نے کہیں نہ کہیں منہ مارا ہے۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

اس سے پہلے کہ وہ نوک جھونک کوئی سنجیدہ رخ اختیار کرتی' ویرا خود ہی سنجیدہ ہوگئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "سب سامنے کی باتیں ہیں۔ اوّل خان کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ تازہ ترین واقعات سے کیا کیا فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ تم بھی اپنے نکتہ وار خیالات بیان کرڈالو۔ مجھے ان میں وزن نظر آتا ہے۔"

اوّل خان کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور میں نے سی آئی اے والوں کی موت کے حوالے سے ان سودمند پہلوؤں کو اجاگر کرنا شروع کردیا جن پر ویرا سے پہلے ہی بات ہوچکی تھی۔

اوّل خان اس پورے آپریشن میں اس بری طرح الجھا رہا تھا کہ اسے شاید گزرے ہوئے واقعات کی افادیت پر یکسوئی سے غور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا کیونکہ سفید کار سمیت پکڑے جانے والے مسلح مقامیوں کا ذکر آتے ہی اوّل خان کے چہرے پر جوش کی علامات نظر آنے لگیں۔ وہ خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا لیکن اس کی بے چین نگاہوں کی چمک لحہ بہ لحہ گہری ہوتی جارہی تھی جو ان پہلوؤں میں اس کی دلچسپی کی غماز تھی۔

"تم نے مجھے نئے راستے سجھائے ہیں۔" میرے خاموش ہونے پر وہ اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا "اب دیکھنا کہ قونصل خانے کے عملے کی کیا درگت بنتی ہے۔ یہاں والے مدافعانہ کے بجائے جارحانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ تمہارے ساتھ مل کر

کام کرتے ہوئے مجھے یہ اطمینان رہتا ہے کہ تمہارا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے اور مجھے بہت زیادہ سوچ بچار کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ میں ذرا عملی قسم کا آدمی ہوں۔ میری خوش قسمتی یہ رہی ہے کہ بیشتر مواقع پر کھوپڑی کے کام بھی ہاتھ پیروں کی اضافی محنت سے سیدھے ہوجاتے ہیں۔"

"ڈیبی کا دماغ تیز ضرور ہے لیکن اس کی کارکردگی میں میرا بھی دخل ہے۔" ویرا بولی۔

"کیا تم اس کے سر میں تیل کی مالش کرتی ہو؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"تم چپ رہو۔" ویرا نے منہ بنا کے اسے ڈانٹ دیا۔ پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر بولی "اڑیل بیل جہاں رک جاتا ہے وہاں سے ایک قدم بھی آگے چلنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ آگے بڑھانے کے لئے اس کی دُم کو مروڑنا پڑتا ہے اور بدک کر کافی دور تک چلتا چلا جاتا ہے۔ میں اسی طرح ڈیبی کو مہمیز دیتی رہتی ہوں۔"

جہانگیر اور اوّل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر سلطان شاہ اپنی ناگواری ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے ویرا سے کہا "میں تمہارے اس دعوے کو اس وقت سچ مانوں گا جب تم میرے ایک سوال کا صحیح جواب دے دوگی۔"

"تم سوال ہی کرسکتے ہو... چلو اپنے دل کا یہ ارمان بھی نکال لو۔" ویرا نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"ارمان نہیں' یہ تمہاری چڑیا جیسی عقل کا امتحان ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ تلخ ہوگیا "بیل کا منہ اگر مشرق کی طرف ہو تو اس کی دُم کس رخ پر ہوگی؟" وہ چیلنج کرنے والی نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم کوئی احمقانہ سوال کروگے۔ بیل کی دُم مغرب کے سوا اور کدھر ہوسکتی ہے۔" جواب دیتے دیتے وہ ایک دم چونک کر بولی "اوہ! کہیں تم مشرق اور مغرب کا استعارہ یورپ اور ایشیا کے لئے تو استعمال نہیں کررہے؟"

"میں تمہیں اتنا قابل نہیں سمجھتا کہ تم سے استعاروں میں بات کی جائے۔ تم تو سیدھی بات بھی مشکل سے سمجھتی ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ بیل کا منہ کسی بھی طرف ہو' اس کی دُم ہمیشہ زمین کی طرف رہتی ہے۔"

سلطان شاہ کی وضاحت پر سب نے ایک تعریفی قہقہہ لگایا مگر ویرا خفت آمیز جھلاہٹ سے بولی "اپنی ان احمقانہ باتوں سے آخر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ جو عورت بیل کی صحیح جیومیٹری تک سے واقف نہیں ہو' وہ بیل کو کیسے چلا سکتی ہے؟"

"شاباش! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جہانگیر نے سلطان شاہ کی حوصلہ افزائی کی "پتا نہیں ویرا آج تک کس چیز کو بیل کی دُم سمجھ کر مروڑتی رہی ہے۔ میں اس کے دعوے کے خلاف ہوں۔"

"ٹھیک ہے" میں نے ہاتھ اٹھا کر گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "ویرا بیل کی دُم کے صحیح جغرافیے سے واقف نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرے ذہن میں سارے نکات ویرا سے گفتگو کے دوران ہی آئے تھے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم ہمیشہ اسی کی حمایت کرتے ہو۔" سلطان شاہ بگڑ کے بولا۔

"اس وقت تمہیں بھی اس کی حمایت کرنی چاہئے۔" میں نے کہا "بے چاری تازہ تازہ یتیم ہوئی ہے۔"

بات ایک مرتبہ پھر ہنسی مذاق میں ٹل گئی اور گفتگو دوبارہ سنجیدہ ہوگئی کیونکہ ویرا ہلکے سے سرور میں تھی۔ وہ کسی بدمزگی میں الجھ کر اپنا لطف غارت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

جب میں نے ویرا کی جانب سے ہنری ڈریک نارمن کو فون کرنے کی تجویز پیش کی تو اوّل خان الجھن میں پڑ گیا "بظاہر اس فون کال کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ یہ نقصان ضرور ہوگا کہ وہ اپنے آدمیوں کے بارے میں صبح تک بے خبر رہنے کے بجائے ابھی باخبر ہوجائیں گے اور مقامی حکام کی رات کالی کرادیں گے۔"

"یہ ایک نفسیاتی حربہ ہوگا۔" ویرا اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "تم ان لوگوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میری دھمکی سے خوف زدہ ہو کر وہ اپنے دفاتر اور گھروں تک محدود ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک بار ان کے دل میں اپنی سلامتی کا ڈر بیٹھ گیا تو وہ کئی مہینوں تک اپنے معمولات کو اعتدال پر نہیں لاسکیں گے۔ ویسے بھی میں نے اس سے دوبارہ فون پر بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ گفتگو سی آئی اے والوں کی موت کے حوالے سے ہو تو خاصی اثر انگیز رہے گی۔ ہمیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ اب تک وہ کتنے پانی میں ہیں۔"

اوّل خان نے بحث کو طول نہیں دیا۔ خاموشی سے ہتھیار ڈال دیے۔

غزالہ کو نارمن کا فون نمبر واقعی یاد تھا۔ ویرا اسپیکر فون پر ہنری ڈریک نارمن کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔

فون اٹھانے والا نارمن نہیں تھا لیکن اس کا لب و لہجہ خالص امریکن تھا۔ ویرا نے بالکل اسی انداز میں ہنری کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ اس وقت وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ کہاں مل سکے گا۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" ویرا کٹکھنے انداز میں غرائی۔

اس کا مخاطب سہم گیا اور خوشامدانہ لہجے میں بولا "ہوسکتا ہے کہ ہنری اپنے دفتر میں ہو۔ تم مجھے اپنا پیغام اور فون نمبر دے دو۔ اگر بات اتنی ہی اہم ہے تو وہ خود تمہیں فون کرلے گا۔"

"تم کون ہو؟" ویرا نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد برہمی سے سوال کیا۔

"میں قونصل خانے میں ٹائپسٹ ہوں اور ہنری کے ساتھ ہی

رہتا ہوں۔" وہ ویرا کے پے در پے حملوں سے بوکھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا "اگر تم اپنا نمبر نہیں دینا چاہتیں تو اسے دفتر فون کرلو۔ آج اسے وہاں کوئی غیر معمولی مصروفیت درپیش ہے ورنہ وہ چھ بجے کے قریب گھر لوٹ آتا ہے۔"

"اس کو بتادو کہ جم کلارک کی ماں اس سے بات کرنے کی خواہاں ہے۔ وہ پندرہ منٹ کے اندر اندر گھر واپس نہ آیا تو اس موقع سے محروم رہ جائے گا۔" ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

"جم کلارک کی ماں؟" اسپیکر فون سے آنے والی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

"ہاں... اس سے یہی کہہ دو۔" ویرا نے جواب دے کر فون بند کردیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ تم اس کے دفتر بھی فون کرسکتی تھیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس کے دفتر میں ہزاروں الیکٹرانک شعبدے موجود ہوں گے جن کی مدد سے وہ میری اس کال کا سراغ لگا سکتا ہے۔ وہاں فون کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔" ویرا اپنے تجربات کی بنا پر صحیح کہہ رہی تھی۔ وہ کافی عرصے تک اپنے جسم میں امریکنوں کا نصب کیا ہوا ایک ایسا چپ لئے پھرتی رہی تھی جس کے سگنل وصول کرتے ہی وہ ویرا کی کمین گاہ سے واقف ہوجاتے تھے اور ویرا کے فرشتوں کو بھی اس چپ کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

"اور جم کلارک کی والدہ بننے میں کیا باریکی پوشیدہ ہے؟" سلطان شاہ نے طنز سے پوچھا۔

"سنسنی.... بے یقینی!" ویرا ہنس کر بولی "اصل نام بتادیتی تو وہ ذہنی اذیت سے بچا رہتا۔ اب میرا فون وصول کرنے تک وہ یہی سوچتا رہے گا کہ جم کلارک کی ماں کے نام اسے پیغام چھوڑنے والی ویرا تھی یا کوئی اور عورت۔ اس پریشانی میں اس کے اعصاب بکھر کے رہ جائیں گے۔ میں ان چوہوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تم اپنے ہم وطنوں کے لئے اتنے تواتر سے چوہے کا لقب استعمال کررہی ہو کہ مجھے ان کے انسانی وجود پر شبہ سا ہونے لگا ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "یہ لوگ کتنے ہی بزدل کیوں نہ ہوں اتنے گئے گزرے نہیں ہیں ورنہ پوری دنیا کو تگنی کا ناچ نہ نچا رہے ہوتے۔"

"پندرہ منٹ بعد اپنے کانوں سے ہنری کی آواز سن لینا۔" یہ کہہ کر ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ٹرے میں چائے کے خالی برتن سمیٹنے میں مصروف ہوگئی۔ غزالہ نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لینے کی کوشش کی لیکن اس نے بہت اپنائیت سے غزالہ کو روک دیا۔

"تم طویل انتظار سے تھک گئی ہوگی۔ اپنے کمرے میں جاکر کپڑے بدل ڈالو کیونکہ کھانے کا انتظام تم ہی کو کرنا ہے۔ کچن کے چھوٹے موٹے کام میں نمٹالوں گی۔" اس کا وہ مشورہ اتنا پُرخلوص تھا کہ غزالہ فوراً ہی اٹھ کر پہلی خواب گاہ کی طرف چل دی۔ ویرا کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بے چاری کام کاج میں بھی پوری طرح ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی ہے۔" ویرا کے کچن میں چلے جانے کے بعد اوّل خان نے توصیفی لہجے میں کہا "ورنہ اس قماش کی عورتیں گھرداری میں کہاں دلچسپی لیتی ہیں۔"

میں اوّل خان کی ناسمجھی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ ویرا نے ایک کچن کیبنٹ میں شیواز ریگل کی تقریباً آدھی بوتل چھپائی ہوئی تھی اور وہ ہنری سے فون پر بات کرنے سے پہلے اسکاچ کے مزید چند گھونٹ لینے کے موقع کی تلاش میں تھی۔

"وہ اناڑی پن میں برتن وغیرہ نہ توڑ ڈالے۔" اوّل خان کے تبصرے پر سلطان شاہ کے دل میں ویرا سے ہمدردی کا جذبہ پوری قوت سے بیدار ہوگیا "میں کچن میں جاکر اس کی مدد کرتا ہوں۔"

میں نے دانستہ اس احمق کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ بہتر یہی تھا کہ وہ ویرا کی چوری خود پکڑ لے۔

"لاحول ولا قوۃ!" سلطان شاہ نے کچن کے دروازے پر پہنچتے ہی بلند آواز سے کہا اور فوراً ہی ڈرائنگ روم کی طرف واپس لوٹ آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" جہانگیر نے اس کا ردِ عمل دیکھ کر معصومانہ حیرت سے پوچھا۔

"اسی سے پوچھ لو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اس کی لاحول سن کر ویرا اسی لمحے کچن سے باہر نکل آئی تھی۔

"شرم نہیں آتی۔ گھر میں بھی میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو۔" کسی کے کچھ پوچھنے سے پہلے ویرا سلطان شاہ پر برس پڑی "کچن میں تمہارا کیا کام تھا؟ وہاں کیا لینے آئے تھے تم؟"

ویرا اتنے تیکھے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھی کہ بوکھلاہٹ کے عالم میں وہ صرف ہکلا کر رہ گیا۔ ویرا کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ جہانگیر سے نہ رہا گیا اور وہ بول پڑا "اس پر اس قدر برہم کیوں ہو رہی ہو؟ وہ کچن ہی میں تو گیا تھا۔ تمہارے باتھ روم میں تو نہیں گھسا تھا۔"

"یہ طریقے رہے تو کسی دن ایسی نوبت بھی آجائے گی۔" ویرا نادم ہونے کے بجائے جہانگیر پر چڑھ دوڑی "میں تمہاری شراب کی بوتل دیکھ رہی تھی کہ یہ دروازے سے ہی لاحول پڑھ کر لوٹ آیا۔ میں تمہاری بوتل باہر چھوڑ آئی ہوں۔"

"میری شراب کی بوتل؟ کچن میں؟" ویرا کی الزام تراشی پر جہانگیر بھونچکا رہ گیا۔

"ہاں ہاں تمہاری۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "اب کہہ دو کہ وہ بوتل میں نے کچن کیبنٹ میں چھپائی ہے۔"

"پتا نہیں اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔" جہانگیر بڑبڑاتے ہوئے

ور کچن کی طرف چل دیا۔

"تم غلط کہہ رہی ہو۔" اتنی دیر میں سلطان شاہ خود کو سنبھال [illegible] "میں بوتل دیکھ نہیں رہی تھیں بلکہ وہ تمہارے منہ سے لگی [illegible] تھی۔ یہاں تمہیں کون روکتا ہے جو ایسی بدتمیزی سے پی رہی [illegible]"

"پینے کی چیز تھی۔ دو دن کے بعد نظر پڑی اور میں نے منہ لگالیا [illegible] برا کیا؟" ویرا نے ڈھٹائی سے کہا۔

"ختم کرو اس قصے کو۔" میں نے اوّل خان کو آنکھ مارتے [illegible] کہا "اس معاملے میں تم دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اپنے [illegible] حساب سے دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

اسی اثنا میں جہانگیر کچن سے شیواز ریگل کی بوتل لئے واپس [illegible] یا۔

اس کے چہرے پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ وہ بوتل میز پر رکھتے ہوئے بولا "یہ بوتل کچن میں کیسے پہنچی؟ اسے میری [illegible] ب گاہ میں ہونا چاہئے تھا۔"

"نادیہ تو مرچکی ہے اب ریشم خان ہی سے پوچھ سکتے ہو۔" ویرا [illegible] دار لہجے میں بولی۔

"اس کا نام نہ لو۔ وہ پکا مومن ہے۔" جہانگیر ناگواری سے بولا۔ وہ شراب کی خالی بوتل کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ یہ بوتلیں [illegible] رے کمرے کے ایک کیبنٹ میں ہوتی ہیں۔ نادیہ شراب کی بُو سے [illegible] تی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے بیڈ روم سے یہ بوتل کچن [illegible] ں کیسے آئی؟ یہ تین چوتھائی کے قریب تھی اب آدھی سے بھی کم [illegible] گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ کسی کے استعمال میں رہی ہے۔"

"لعنت بھیجو اس قصے پر.... ہوسکتا ہے کہ جھونک میں تم خود [illegible] ی اسے کچن میں چھوڑ گئے ہو۔" اوّل خان نے اکتانے کی اداکاری کرتے ہوئے جہانگیر کی بات کاٹ دی "یا پھر یہ خود ہی آگئی ہوگی۔ ہم تینوں گھر سے باہر تھے۔ یہاں تمہارے اور سلطان شاہ کے علاوہ صرف غزالہ تھی۔ اگر اس کی جگہ تبدیل ہوئی ہے تو تم تینوں میں سے کسی کو علم ہونا چاہئے۔"

جہانگیر نے مایوسانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور کسی اداس بکرے کی طرح اپنا سر جھکالیا۔

"پندرہ منٹ ہوگئے ہیں۔" اوّل خان نے اپنی رسٹ واچ دیکھ کر ویرا کو یاد دلایا "ہنری سے بات کرو۔ مجھے واپس بھی جانا ہے۔"

ویرا نے سب کی نظریں بچا کر لوفرانہ انداز میں مجھے آنکھ ماری اور کسل مندی کے ساتھ فون اپنے آگے سرکا کر ہنری کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے کچھ اور نمایاں ہوچکے تھے۔

ہنری کے گھر کا نمبر ملنے پر پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ فون اٹھانے والا چند ثانیوں تک دوسری طرف کی آواز کا منتظر رہا لیکن ویرا دانستہ خاموش رہی۔ وہ ہنری کے ساتھ حقیقی معنوں میں اعصابی جنگ لڑ رہی تھی۔ اس کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی نے ہنری کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا اور وہ مضطربانہ انداز میں یکایک بول پڑا "کون ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"میں تمہاری والدہ بول رہی ہوں" ویرا نے زہریلی آواز میں کہا۔

"اوہ!" اسپیکر فون پر ہنری کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا "شاید جم کلارک کی ماں کے نام سے تم ہی نے پیغام چھوڑا تھا۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اتنی دھونس کے ساتھ مجھے فون کرنے والی کون ہو سکتی ہے.... تم نے جم کلارک کے بارے میں میری التجاؤں کو ٹھکرا کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ مصالحت کے مشن پر آنے والے کو موت کا انعام کوئی سنگ دل ہی دے سکتا ہے۔"

"مصالحت کے لیے نہیں' وہ مجھ سے ہتھیار ڈلوانے اور پھر مجھے یرغمال بنانے کے ارادے سے آیا تھا۔ نیت صاف ہوتی تو اس کے پیچھے پانچ آدمیوں کا دستہ اور جدید ترین ہتھیاروں کے انبار نہ ہوتے۔"

"معاملہ صرف تمہارا نہیں تھا۔ تمہارے ساتھ ڈینی بھی تھا۔ وہ ہم سب کا بدترین دشمن ہے۔ جم کلارک نے ساری تیاریاں اسی کے لیے کی تھیں۔ اس کے بارے میں تمہیں بدترین مغالطہ ہوا ہے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ صبح تم تک پہنچ جائے گا اور وہ پہنچ گیا۔ اپنے انجام کا وہ خود ذمے دار تھا۔"

"لیکن اسے جس عمارت میں لے جایا گیا تھا وہ ویران اور غیر آباد ثابت ہوئی۔ وہاں ہر چیز پر منوں گرد و غبار جما ہوا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ جم کلارک کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا...."

ویرا نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "سی آئی اے کے ان ایجنٹوں سے پوچھو جو پہلا زخم کھاتے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ وہ بہت سے واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"ان کے بتائے ہوئے واقعات کو تم جھٹلا چکی ہو۔ انہوں نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ سارے مقابلے کا مرکز وہی عمارت تھی جو بعد میں ویران ملی۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی کی وجہ سے تمہیں یہاں کے کچھ بااثر لوگوں کی پشت پناہی مل گئی ہے اور وہی اس ڈرامائی صورتِ حال کے موجد ہیں۔ اتنا بڑا فراڈ چھوٹے پیمانے پر نہیں ہو سکتا۔"

"وہ دونوں اُلّو کے پٹھے کہیں مل سکیں تو ان کی تحلیلِ نفسی کراؤ۔ شاید ان کے معدے حلق تک بھرے ہوئے تھے جب ہی انہوں نے جاگتے میں ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ اپنے بڑوں سے کہو کہ سی آئی اے میں گدھوں کی بھرتی بند کرائیں ورنہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بھی رسوائی کے طوق ان کا مقدر بن جائیں گے" ویرا کا لہجہ بہت زیادہ تلخ ہو گیا "اس چکر میں پڑ کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو کہ جم کلارک کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے تھے بس اس کے عبرت ناک انجام کو ذہن میں رکھو۔ میرے پیچھے آنے والا ہر شخص اسی انجام سے دوچار ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اب بھی مصالحت پر آمادہ نہیں ہو۔" ہنری کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔

ویرا نے ایک استہزائیہ قہقہہ لگایا "تم نے خود کہا تھا کہ جم کلارک کی زندہ واپسی ہی مفاہمت کی ضمانت بن سکتی ہے۔ اسے گتے کے تابوت میں بند کرکے میں نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اگر تم اب بھی کسی سمجھوتے پر آمادہ ہو تو میں تمہاری مجبوریوں پر غور کر سکتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ میرے بغیر تمہارے کون سے کام بند ہیں؟"

"کسی کی وجہ سے کوئی کام بند نہیں ہوتا۔ یہ واشنگٹن کی خواہش ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ اپنی صفوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم اب بھی ضد چھوڑ دو تو وہ شاید جم کلارک کے قتل کو بھلانے پر آمادہ ہو جائیں۔"

"تم چارا لگا کر مجھے چوہے دان میں لے جانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اب میں اپنی امریکن شہریت تک پر لعنت بھیج چکی ہوں۔ تم مجھے اپنی سرزمین پر لے جا کر اپنی مرضی کی سزا دینے کا خواب کبھی پورا نہیں کر سکو گے۔ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہیں۔ تم میری گھات میں لگے رہو۔ میں تمہارے مذموم عزائم کو ناکام بنانے کی پوری پوری کوشش کرتی رہوں گی۔ یہ جنگ اسی طرح جاری رہے گی۔"

"اگر تمہارے خیالات میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے تو تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟" ہنری کی آواز شکست خوردہ سی ہو گئی۔

"زخموں کو بار بار کرید کر تم اپنی راہ میں کانٹے بو رہی ہو۔"

"میں جم کلارک کے ساتھ آئے ہوئے ایجنٹوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ جہاں بھی ہیں' سکھ اور چین سے ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ جم کلارک کے ساتھ ان دونوں کے بھی صندل کے تابوت بنوالو۔ تینوں ایک ساتھ اور زندہ حالت میں آئے تھے۔ ان کی واپسی بھی ایک ساتھ اور یکساں حالت میں ہونی چاہیے۔ بعد میں شکوہ نہ کرنا کہ میں نے تمہیں خوشبودار تابوتوں کی تیاری کی مہلت نہیں دی تھی۔"

"تمہیں یہ ہرزہ سرائی بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ دونوں تمہیں تحت الثریٰ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"تحت الثریٰ کا راستہ ان کی قبر سے ہو کر گزرے گا۔ تیاریوں کی ابتدا کر دو۔ وقت کم رہ گیا ہے۔"

"تم ایک کتیا بن کر رہ گئی ہو" ہنری رفتہ رفتہ کمزور پڑ کر جھلاہٹ میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا "ان کے بجائے اپنی فکر کرو۔ وہ جس کام کا ارادہ کرلیں اسے دنیا کی کوئی طاقت ناکام نہیں بنا سکتی۔ برازیل میں تیس برس سے روپوش آرانگو سلازار کو ان ہی دونوں نے تلاش کرکے امریکا پہنچایا تھا۔"

"وہاں انہوں نے بیوک استعمال کی ہوگی۔ یہاں وہ جس سرخ کار میں گھوم رہے ہیں وہ زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ صبح کا سورج کسی اور ہی کہانی کے ساتھ طلوع ہو۔"

"اوہ" فون پر ہنری کی غرّاہٹ ابھری "تو تم مجھے صرف یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ تم ان کی نقل و حرکت سے باخبر ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ تم انہیں دیکھ چکی ہو تو وہ بھی تمہارے بہت قریب پہنچ سکتے ہیں۔ تم فون پر اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔ وہ دونوں کسی بھی لمحے تمہاری گردن میں آہنی شکنجہ ڈال دیں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ان بے چاروں کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنے چار مقامی ساتھیوں سے بچھڑ چکے ہیں۔ سفید کار لاپتا ہے۔ آہنی شکنجہ ان مقامیوں کے پاس ہے۔ ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکے گا" ویرا اس کے بھڑکتے ہوئے لب و لہجے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پُرسکون انداز میں بولی۔

"بند کرو یہ بکواس" ہنری کے اعصاب جواب دے گئے اور وہ فون پر چیخ پڑا "یہ بے سروپا باتیں کرکے تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتیں۔ شاید اپنا انجام سامنے دیکھ کے تمہارے اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ وہ تمہیں کسی چیونٹی کی طرح مسل ڈالیں گے اور تمہارا نشان تک نہیں مل سکے گا۔"

ویرا ہنسی اور پھر سکون سے بولی "آخر تم کھل ہی گئے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے مفاہمت کی راہ دکھا رہے تھے اور اب مجھے میرے انجام سے ڈرا رہے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ میں تمہاری کس بات پر یقین کروں۔"

"کسی بات پر یقین نہ کرو۔ حقیقت سامنے آئے گی تو خود اپنے آپ کو منوا لے گی۔"

"اور اگر میں تمہیں حقیقت بتاؤں تو کیا تم اس کو مان لو گے؟"

"تم ایک خارش زدہ کتیا کی طرح بھونکتی رہو۔ جھوٹ اور سچ کا انتخاب میں خود کرلوں گا" وہ غرّایا۔

"سرخ کار لنگڑے کا مقتل بن چکی ہے" ویرا نے سرد آواز میں رک رک کر کہا "اسے لانے والا مقامی ڈرائیور بھی اسی حالت میں ہے۔ دوسرا منحنی ایجنٹ بھی یہاں کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر مزے سے جہنم کی آگ تاپ رہا ہوگا۔ صبح تک خود کو ان تینوں لاشوں کی وصولی کے لیے تیار کر لینا۔ تمہاری آسانی اور شناخت کے لیے میں نے منحنی ایجنٹ کو اپنی بیم گن کا نشانہ بنایا ہے۔ بدتمیزی کرو گے تو اگلی باری تمہاری ہوگی۔"

اسپیکر فون پر ہنری کی طرف سے فوراً ہی کوئی جواب نہیں آیا۔ بس اس کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ ویرا ہم سب کی طرف دیکھ کر فاتحانہ شان سے مسکرائے جا رہی تھی۔

اس کے بارے میں ویرا کی دھمکی کارگر رہی۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ محتاط تھا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم کیا کہہ رہی ہو.... مجھے تمہارے الفاظ کی صحت پر شبہ ہے.... میں نہیں جانتا کہ بیم گن کیا بلا ہے۔"

"بیم گن واقعی ایک بلا ہے۔ اسے تم بے آواز اور غیر بارودی موت بھی کہہ سکتے ہو۔ تم نہیں تو تمہارے بڑوں میں سے کوئی نہ کوئی اس منفرد ہتھیار کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا جو پینٹاگون کے ذمے داروں نے خاص طور پر شی کے لیے بنوایا تھا۔ مختصر اور سیدھی بات اتنی سی ہے کہ جم کلارک کے بعد اس کے ساتھی بھی اسی کے پیچھے روانہ ہو چکے ہیں۔ میرے پیچھے آنے والوں کو ابدی سکون کے اس سفر پر روانہ ہونا ہی پڑتا ہے۔ ان دونوں ایجنٹوں کے ساتھ ان کے ڈرائیور یا ترجمان کو بھی لمبے سفر پر بھیج دیا گیا ہے۔ ان کے بعد اب تمہاری باری ہے۔"

"تت.... تمہاری باتیں مضحکہ خیز اور ناقابلِ یقین ہیں۔ میں انہیں نہیں مان سکتا...."

ویرا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی "صرف رات بھر۔ صبح تمہیں ان باتوں پر یقین آجائے گا۔"

"لل.... لیکن.... مم.... میرا کیا قصور ہے" اس کی ہکلاتی ہوئی آواز سے موت کی دہشت مترشح تھی "تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ مم.... میری ذات سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے؟"

"میں ہر وہ زبان گدی سے کھینچ لیتی ہوں جو میرے ساتھ بدکلامی کرتی ہے" ویرا کی آواز سفاکانہ ہو گئی "تم نے گفتگو کے دوران میں مجھے جو کچھ کہا ہے' وہ قابلِ معافی نہیں ہے۔ تمہاری گنتی شروع ہو چکی ہے۔ اب تم کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے۔ میرا سایہ ہر لمحے تمہارا پیچھا کرے گا اور جہاں موقع ملا' تمہارا خون چوس لے گا۔ یہ صرف دھمکی نہیں' میری طرف سے جاری کیا ہوا فرمانِ اجل ہے جس پر عمل ہو کر رہے گا۔"

ہنری نے فون پر گھگیانا شروع کیا اور ویرا نے بٹن دبا کر فون بند کر دیا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصد درست تھا" اوّل خان نے فون بند ہوتے ہی تعریفی لہجے میں ویرا سے کہا "تمہاری باتوں نے اسے خوف زدہ نہیں بلکہ دہشت زدہ کر دیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ سازگار حالات میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے سورما مشکلات سے دوچار ہوتے ہی اتنے کمزور اور بودے ثابت ہوتے ہیں۔"

"امریکا میں قانون کی بالادستی کا تصور عام ہے۔ بڑے بڑے مجرم بھی قانون کے محافظوں سے کنی کتراتے ہیں۔ دیگر مقدمات میں ملزموں کو عدالتیں کافی رعایتیں دیتی ہیں لیکن سرکاری اہلکاروں

سے محاذ آرائی مول لینے والے ہر ملزم کو سخت عدالتی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے بہتیرے کمزور افراد بھی سرکاری اداروں میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں" ویرا' ہنری اور اس کی قبیل کے دوسرے امریکنوں کے بارے میں اپنے تجربات کا نچوڑ بیان کرنے لگی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "لیکن جب انہیں کوئی ایسا حریف ٹکراتا ہے جو قانون اور اس کے امریکن محافظوں کو خاطر میں ہی نہ لاتا ہو تو ان کے دل بیٹھنے لگتے ہیں اور وہ گھبرا کر پسپائی اختیار کرلیتے ہیں یا آبرو مندانہ روپوشی کی راہیں تلاش کرنے لگتے ہیں۔"

"آبرو مندانہ روپوشی!" سلطان شاہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا "بعض اوقات تم بہت عجیب اصطلاحات استعمال کرجاتی ہو۔ روپوشی تو سراسر بزدلی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس میں آبرو مند رہنے کی راہ کیسے نکل آتی ہے؟"

"بڑی موٹی سی بات ہے" ویرا سگریٹ سلگا کر بولی "ایک دفتر سے دوسرے دفتر یا ایک محکمے سے دوسرے محکمے میں تبادلہ بھی فرار کا ایک راستہ ہوتا ہے۔ ہنری امریکن ڈپلومیٹک کور کا افسر ہے۔ اس کے لیے فرار کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ وہ پوری کوشش کرکے پاکستان سے اپنا تبادلہ کرالے.... مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ ہماری راہ میں حائل نہیں ہوگا۔"

"یہ تمہارے قیاسات ہیں" اوّل خان نے اچانک ہی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "دیکھنا یہ ہے کہ تمہاری آخری فون کال فوری طور پر کیا گل کھلاتی ہے.... مجھے فوری طور پر اپنے وسائل کو متحرک کرنا ہوگا تاکہ مجھے تازہ ترین خبریں ملتی رہیں۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ تازہ خبریں دلچسپ ثابت ہوں گی" ویرا نے مسکرا کے کہا۔

اس وقت تک اوّل خان کی تقلید میں ہم سب ہی کھڑے ہوچکے تھے۔

"صرف دلچسپ ہی نہیں' آگے پیش آنے والے واقعات خطرناک رخ بھی اختیار کرسکتے ہیں" اوّل خان نے نکاس کے راستے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے ہر وقت خطرات ہمارے منتظر رہتے ہوں یا پھر ہم ان کی تلاش میں رہتے ہوں" غزالہ نے ہنس کر خوشگوار لہجے میں کہا "اتفاق سے کوئی دن کسی ہنگامہ آرائی کے بغیر گزرے تو بہت عجیب محسوس ہوتا ہے جس میں خالی پن کا احساس سب سے نمایاں ہوتا ہے۔"

"گلان میں ہم کئی دنوں تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تھے" ویرا نے اسے یاد دلایا۔

"گلان کی بات نہ کرو۔ وہ پورا عرصہ ہماری قید کا ایک روح فرسا تسلسل تھا۔ وہاں بے عملی بلکہ نیند کے لمحات میں بھی شاید ہم سب کو اپنے مستقبل کے ڈراؤنے خواب نظر آتے رہتے تھے۔" غزالہ بولی۔

زینے طے کرتے ہوئے' اوّل خان کو اچانک اپنے ان دونوں آدمیوں کا دھیان آگیا جو حفاظت کے لیے جہانگیر کی فیکٹری بھیجے گئے تھے۔ فیکٹری پہنچنے پر اسے ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"انہیں چھت پر ہونا چاہیے" جہانگیر نے اوّل خان کے استفسار پر کہا "اوپر ساری ضروریات سے لیس ایک کمرا موجود ہے وہ جب چاہیں وہاں آرام کرسکتے ہیں۔ چھت سے وہ دور دور تک نگاہ رکھ سکیں گے۔"

اسی اثنا میں ہم سب نیچے پہنچ گئے۔ وہاں اوّل خان کا ایک مسلح آدمی اس کا منتظر تھا۔

اوّل خان کو دیکھتے ہی اس نے فوجی انداز میں اسے تعظیم دی۔

"تمہاری گاڑی کہاں ہے؟" اوّل خان نے متجسّس نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"فیکٹری کی عمارت کے پیچھے گیراج میں بند کی ہے تاکہ کسی آنے جانے والے کی نظروں میں نہ آسکے" اس نے کہا۔

"اور تمہارا نمبر دو؟" اوّل خان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ چھت پر ڈیوٹی دے رہا ہے" اس نے مستعدی سے جواب دیا "ہمیں آبزرویشن کے لیے بہترین جگہ ملی ہے۔ ہم نے ٹرائی پوڈ پر دوربین بھی نصب کرلی ہے۔ ایمرجنسی کی صورت میں ہم نیچے والوں سے انٹرکام پر رابطہ کرسکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری نظروں میں آئے بغیر کوئی فیکٹری کے قریب نہیں آسکے گا۔"

"گڈ!" اوّل خان نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر تھپکی دی "اب میں ادھر سے بے فکر رہوں گا۔"

اوّل خان نے اپنی گاڑی میں سوار ہوکر انجن اسٹارٹ کیا اور واپس روانہ ہوگیا۔

"تم دونوں کی واپسی کی فکر میں ہمیں سب کچھ بھولا ہوا تھا لیکن اب اچانک ہی بھوک کا احساس ہونے لگا ہے" جہانگیر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑایا "ہم نے اوّل خان سے بھی کھانے کے لیے نہیں پوچھا اور وہ بے چارہ چائے کی ایک پیالی پی کر رخصت ہوگیا۔"

"تو کیا گھر میں کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں ہے؟" ویرا نے حیرت سے غزالہ سے پوچھا۔

غزالہ نے مسکرا کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "پینے کے نام پر پانی کے سوا اور کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ جہانگیر کے پاس شیواز ریگل کی وہ پراسرار بوتل باقی ہو جو خود بخود خواب گاہ سے کچن میں پہنچ گئی تھی۔ جہانگیر چاہے تو تمہیں اس میں شریک کرسکتا ہے۔"

"تمہارا سارا زور پینے پر ہے جب کہ میں نے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا تھا" ویرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"بے فکر رہو۔ کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا" غزالہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"شاندار بندوبست ہے' گلان کی دعوتوں کی یاد تازہ ہو جائے گی" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "ہم تینوں تمہارے بارے میں فکرمند نہ ہوتے تو اب تک کھانی کر کارڈز کھیل رہے ہوتے۔"

"تم پر بھی ڈینی کا رنگ چڑھنے لگا ہے" ویرا قدرے برہمی سے غزالہ کی طرف متوجہ ہو کر بولی "بات کو گھما پھرا کر اپنے مخاطب کو چکر میں ڈالنے کا فن تم بھی سیکھتی جارہی ہو۔ یہی رفتار رہی تو بہت جلد ہم سب کے کان کترنے لگو گی۔"

"ڈینی کا نہیں تو تمہارا رنگ چڑھنا چاہیے؟" سلطان شاہ نے اسے آڑے ہاتھوں لینا چاہا "آخر غزالہ ڈینی ہی کی بیوی ہے اور اسے اپنے شوہر کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔"

"تم بلاوجہ الجھنے کی کوشش کررہے ہو" جہانگیر نے ناصحانہ لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "ڈینی اور ویرا کے رنگ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ڈینی کے رنگ ڈھنگ سیکھنے میں بے چاری غزالہ کو ابھی ایک عمر درکار ہوگی۔"

اس وقت تک ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ اوّل خان کا آدمی ہماری گفتگو میں کوئی مداخلت کیے بغیر اوپر چڑھتا چلا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی غزالہ کچن کی طرف ہولی۔ ویرا مجھے آنکھ مار کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"خدا کا خوف کرو" سلطان شاہ اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہاں بیٹھنے کے بجائے کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔ وہ ہم سب کی ملازم نہیں ہے کہ اکیلی چولہا جھونکتی رہے۔"

"بکواس مت کرو۔ دنیا میں کہیں بھی مہمانوں سے کام نہیں لیا جاتا۔ میں یہاں جہانگیر کی مہمان ہوں۔ غزالہ کی طرف سے تمہارا جی پھڑک رہا ہے تو جہانگیر کو کچن میں بھیجو۔ میں اس وقت یہاں سے نہیں ہلوں گی۔"

"تم جیسے ڈھیٹ مہمانوں کے ساتھ کوئی مروّت نہیں کرتا۔ ایسے مہمانوں کو نہ صرف خود اپنی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے بلکہ شکم پری کے بعد ولایت میں بھی انہیں اپنے جھوٹے برتن خود دھونے پڑتے ہیں۔"

"ولایت کی ایسی کی تیسی۔ اس وقت میں پاکستان میں ہوں" ویرا تیزی سے بولی۔

"مجبوری ہے" سلطان شاہ بے بسی سے اپنے شانے اچکا کے بولا "اللہ ایسے ڈھیٹ اور بن بلائے مہمانوں سے ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے.... ایک اوّل خان تھا جو شرافت سے چائے پی کر لوٹ گیا...."

ویرا نے سلطان شاہ سے نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور بظاہر تنک کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے سلطان شاہ کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر غصیلے لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا "میں.... یہ طعنے برداشت نہیں کرسکتی۔ جہانگیر کو کھل کر بتانا ہوگا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ اس بات کا فیصلہ نہ ہوا تو میں ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤں گی۔"

"یہ تمہارا اور سلطان شاہ کا جھگڑا ہے۔ مجھے کیوں اس میں گھسیٹ رہی ہو؟" جہانگیر نے احتجاج کیا۔

"اس فساد کی جڑ تم ہی ہو" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "پہلے مجھ پر شراب کی بوتل چھپانے کا الزام لگایا اور اب یہاں معصوم بن رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان شاہ تمہاری شہ پر سینہ زوری کررہا ہے۔"

"خدا کے لیے' میری طرف سے بدگمانیاں نہ پیدا کرو" جہانگیر بوکھلا کر بولا "شراب کی بوتل کے قصے کو میں نے وہیں دفن کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بینک میں' میں نے خود ہی بوتل کچن میں چھوڑ دی ہو۔ اب اس بات کو دہرانا بے سود ہے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت ہوتی تو میں سلطان شاہ سے دل کی بھڑاس نکالنے کے بجائے تم سے بات کرتا۔ تم دونوں آپس کی چپقلش میں مجھے نہ رگیدو۔ میرے لیے تم سب برابر ہو اور میں تمہیں اپنا مہمان سمجھتا ہوں۔"

"تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا" ویرا ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی "سلطان شاہ نے تمہارے سامنے تمہارے حوالے سے میری توہین کی ہے۔ اس کی سرزنش تمہارا فرض ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے سے باہر نکال دو تاکہ اس کا دماغ درست ہوسکے۔"

"لیکن سلطان شاہ نے میرا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ یہ پہل تم نے کی تھی" جہانگیر بولا۔

"یہاں کوئی مہمان نہیں ہے" مجبوراً مجھے دخل انداز ہونا پڑا۔ "ہم سب زبردستی جہانگیر کے سر پر مسلط ہوئے ہیں۔ اسے امتحان میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ آپس کے جھگڑے ہمیں خود طے کرنے چاہئیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے" جہانگیر کسی الم رسیدہ رنڈوے کی طرح بولا "میں اسی لیے تمہاری دوستی پر ناز کرتا ہوں کہ تم ہر آڑے وقت میں میرے کام آتے ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں خود ہی اس سے سمجھ لوں گی۔ یہ میرے سامنے ناک رگڑتا ہوا نظر آئے گا" ویرا' سلطان شاہ کو چیلنج کرتی ہوئی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"کوّی کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ بے پروائی سے بولا۔

"یہ کوّی کیا بلا ہوتی ہے؟" جہانگیر نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"کوّے کی مادہ ہوتی ہے" سلطان شاہ نے اسی بے نیازی سے کہا۔ ویرا مشتعل ہو کر اس کی طرف جھپٹی لیکن میں نے سختی سے اس کا بازو تھام کر اسے وہیں بٹھالیا۔

"تم مذاق میں پہل کرتی ہو اور پھر اس احمق کی بدتمیزی پر اتنی جلدی مشتعل ہوجاتی ہو" میں نے ویرا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کوّے کا رنگ سیاہ ہوتا ہے' تم سفید فام ہو۔ اس کی بھونڈی مثال پر تمہیں قہقہہ لگانا چاہیے تھا۔"

"کالی بھیڑ کی طرح سفید کوّیاں بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھی جاتیں۔ اصل نسل کوّے ان سے دور ہی بھاگتے ہیں۔ تم ویرا کو بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ ان باریکیوں کو خوب سمجھتی ہے" سلطان شاہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور تھا۔

"تم خود ہی دیکھو" ویرا بے بسی سے بولی "یہ اب بھی باز نہیں آرہا۔"

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز" سلطان شاہ نے تحت اللفظ میں فارسی کا وہ شعر پڑھا اور پھر اضافہ کیا "سفید کوّی کے ساتھ باز آہی نہیں سکتا۔ باز اپنا شکار خود پکڑتا اور کھاتا ہے۔ کوّوں کے غول بستیوں کے کوڑا گھروں پر اپنی شکم پری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"کاش میں بھی اتنی اردو جانتی ہوتی پھر دیکھتی کہ تم کس طرح میرے منہ لگتے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ اگر تم نہیں جانتیں تو ڈیڈی تمہیں اردو جنوا دے گا۔ یہ....."

"سلطان شاہ! اب شٹ اپ!" میں نے اس تنازع کو ختم کرانے کے لیے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا پھر ویرا سے مخاطب ہوگیا "اب تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ اردو میں تمہاری مہارت قابلِ رشک ہے۔ یہ فارسی میں بھی تھوڑی سی شد بد رکھتا ہے۔ بلاوجہ بات سے بات نکال کر تمہارا خون سلگاتا رہے گا۔"

ویرا نے غصے سے اپنے سر کو جھٹکا اور پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگانے میں مصروف ہوگئی۔ سلطان شاہ بے فکری کے انداز میں چھت کی طرف دیکھ کر ہولے ہولے سیٹی بجا رہا تھا۔ اس کا وہ انداز بھی چڑانے والا تھا لیکن اس وقت وہ مردود میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا کہ میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہہ کرتا۔ ویرا کے سامنے اسے زیادہ برا بھلا کہنے میں یہ خرابی تھی کہ ویرا شیر ہو جاتی اور سلطان شاہ کا منہ سوج جاتا۔

وہ کشیدگی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ جہانگیر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا ہی تھا کہ ویرا بھی اس کے پیچھے ہولی۔ سلطان شاہ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ ویرا پر پھر کوئی پھبتی کسنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا لیکن میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے پر مجبور کردیا۔

"تم دونوں اگر جہانگیر کی خواب گاہ میں جا رہے ہو تو میں بھی تمہارا ساتھی ہوں" میں نے کہا۔

وہ دونوں بیک وقت پلٹے۔ جہانگیر' ویرا کو اپنے پیچھے دیکھ کر حیران رہ گیا "تم کہاں جا رہی ہو؟"

"وہیں جہاں تم جا رہے ہو" ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آؤ! ہم تینوں ہی چلتے ہیں" میں نے ان دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے" معنی خیز نگاہوں کے تبادلے کے بعد جہانگیر نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "تم لوگوں سے کوئی بات نہیں چھپائی جا سکتی۔ تم ذہنوں تک کو پڑھ لینے پر قادر ہو چکے ہو۔"

میں نے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا "شیواز کی بقیہ بوتل تم اکیلے ہضم نہیں کر سکو گے۔ بھوک چمکانے کے لیے مجھے بھی کسی اشتہا آور سہارے کی ضرورت ہے۔"

"تم تینوں مجھے اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہو" پیچھے سے سلطان شاہ نے ہانک لگائی "تمہاری یہ بد اعمالیاں تمہیں راس نہیں آسکیں گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد تینوں الٹیاں کرتے نظر آؤ گے۔"

ویرا نے مڑ کر خالص امریکن انداز میں اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو فرش کے رخ پر کر کے سلطان شاہ کو دکھایا' انگوٹھے کو کئی بار عمودی جھٹکے دیے اور ہمارے ساتھ چل دی۔

"کون کہاں جا رہا ہے؟" سلطان شاہ کا تبصرہ سن کر کچن سے غزالہ نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"تم کھانا لگاؤ' ہم پانچ منٹ میں آرہے ہیں" میں نے جواب دیا۔

جہانگیر اپنی پُرتعیش خواب گاہ میں پہنچتے ہی شرابوں والی کیبنٹ میں جا گھسا۔ وقت کم تھا اس لیے ویرا نے پھرتی سے تین گلاسوں کے ساتھ ریفریجریٹر سے آئس ٹرے نکال لی۔ اس دوران میں جہانگیر شیواز ریگل کی نئی بوتل کی سیل توڑ رہا تھا۔

"نئی بوتل؟" میں نے حیرت سے دیکھا "وہ پرانی بوتل کہاں گئی؟"

"معدے میں" جہانگیر نے ہنس کر کہا "میں اس کا سہارا نہ لیتا تو تم دونوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا بلڈ پریشر نہ جانے کہاں پہنچ چکا ہوتا۔ الکحل نے مجھے اس قابل رکھا کہ میں خود کو سنبھالنے کے علاوہ غزالہ کو بھی تسلی و تشفی دیتا رہا ورنہ وہ بہت پہلے تمہاری تلاش میں نکل چکی ہوتی۔"

"ایک تہائی بوتل اڑانے کے بعد بھی تم مزید مے نوشی کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ایک تہائی نہیں' چوتھائی سے بھی کم" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "وہ تفکرات کی نذر ہوگئی۔ آدمی پریشان ہو تو الکحل بھی اثر نہیں کرتی اسی لیے دانش مند لوگ باقاعدہ موڈ بنا کر پینے پلانے کی محفل سجاتے ہیں۔"

ویرا اس کی سست روی برداشت نہیں کر سکی اور اس کے ہاتھ سے بوتل لے کر گلاس بنانے لگی۔ وہ مغربی دوشیزہ تھی اور مے نوشی کے مغربی آداب پر اتنی سختی سے کاربند رہتی تھی کہ ابتدا میں بڑے بڑے پیگ بنانے پر میرا مضحکہ اڑایا کرتی تھی لیکن پاکستان میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد وہ خود بھی اپنا رکھ رکھاؤ بھول چکی تھی۔ اس نے گلاسوں میں طلا رنگ سیال کی جو مقدار انڈیلی' وہ کسی چار پانچ پیگ سے کم نہیں تھی۔

ویرا گلاسوں میں برف کے ڈلے اور سوڈا ڈال رہی تھی تو

جہانگیر پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا "گلاس خالی ہونے تک کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا اور غزالہ ہم پر چڑھ دوڑے گی۔"

"مرد بنو اور تیزی سے فرصت حاصل کرو" ویرا نے یہ کہہ کر اپنا گلاس فضا میں لہرایا اور پہلے ہی گھونٹ میں ایک تہائی گلاس خالی کردیا "وقت کم ہو تو آدمی کو سرعت سے کام لینا چاہیے۔"

جہانگیر ویرا کی دعوت پر جوش میں آگیا۔ اس نے ویرا کی تقلید کرنے کی کوشش کی اور اسے اتنی بری طرح اچھولگا کہ آدھا گلاس چھلک کر قالین پر گر گیا۔ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبائے کھانسی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"شاید یہ سلطان شاہ کی بددعا کا اثر ہے" ویرا نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

میں نے جہانگیر کی پیٹھ تھپکتے ہوئے' ویرا کو گھورا اور پھر اپنا گلاس ایک ہی سانس میں غٹاغٹ خالی کردیا۔ میرے حلق سے معدے تک ایک آتشی لکیر سی تیر گئی لیکن ویرا کے بڑبولے پن کا وہی بہترین جواب تھا۔

"سلطان شاہ کی بددعا نے مجھ پر اثر کیوں نہیں کیا؟" میں نے جہانگیر کے سنبھل جانے پر ویرا سے پوچھا۔

"ڈھیٹ اور موٹی چمڑی والے ہر بددعا سے بچے رہتے ہیں۔ ذرا جہانگیر کو دیکھو! کیا سرخ و سفید ہوا جا رہا ہے۔"

"تم خطرناک عورت ہو۔ کسی دن جوش دلا کر مجھے مروا دو گی۔" جہانگیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"عورت کی باتوں پر جوش میں آنا بھرپور جوانی کا اظہار ہوتا ہے" ویرا خوش دلی سے بولی "یہ سمجھو کہ میں کبھی کبھار اپنے دوستوں کی مردانگی کو آزماتی رہتی ہوں۔ تم اسے میرا شوق یا مشغلہ بھی کہہ سکتے ہو۔"

"تم جہانگیر کے ساتھ اپنا شوق پورا کرتی رہو' میں چلا" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"بیچ میں چل دینا بداخلاقی کے زمرے میں آتا ہے۔ تمہیں آخر تک ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔"

"پتا نہیں تمہارا آخر کب ہو۔ میں غزالہ کی برہمی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس وقت جہانگیر خاصا اخلاق زدہ ہو رہا ہے۔ یہ آخر تک تمہارا ساتھ دیتا رہے گا" یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل گیا۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ ڈرائنگ روم خالی تھا۔ غالباً سلطان شاہ کچن میں پہنچ چکا تھا۔

میں نے رک کر سگریٹ کے دو تین گہرے گہرے کش لیے۔ اس وقت فضا لذیذ کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ میں بھی سیدھا کچن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ چولہے پر کھانا گرم کرنے میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ ٹرالی میں سلاد کی پلیٹ سجا رہا تھا۔ میں نے ملی جلی سلاد کا ایک چمچہ اپنے منہ میں ڈالا اور زبان پر مولی کا نمایاں ذائقہ محسوس کرتا ہوا' غزالہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا؟" غزالہ نے سر گھما کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے بچی کھچی بوتل میں تم کو اپنا شراکت دار بنانے سے انکار کردیا' اسی لیے اتنی جلدی لوٹ آئے ہو۔"

"جہانگیر کے کمرے میں بوتلوں کا پورا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اس نے ابھی ابھی نئی بوتل کھولی ہے۔ میں صرف انہیں چڑانے کے لیے ان کے پیچھے ہولیا تھا ورنہ میرا پینے کا ذرا بھی موڈ نہیں تھا" میں نے غزالہ کو خوش کرنے کی نیت سے خواہ مخواہ جھوٹ بولا۔

"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "میرے گنہ گار کان کیا سن رہے ہیں؟"

"یہ ماننے والی بات تو نہیں ہے لیکن تم کہتے ہو تو میں مانے لیتی ہوں" غزالہ بولی۔

مجھے اپنے جھوٹ پر شرم آنے لگی۔ غزالہ میں سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ مجھ سے کسی بات پر بحث نہیں کرتی تھی۔ میں جو کچھ کہتا' اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی تھی جب کہ ویرا کی فطرت غزالہ کے بالکل برعکس تھی۔ وہ میری سچی باتوں پر بھی شکوک و شبہات میں مبتلا رہتی تھی اور جب تک بیسیوں تیکھے سوالات نہ کر لیتی' میری کسی بات پر یقین نہیں کرتی تھی۔

اس موازنے کے ساتھ ہی میرا ذہن چند ثانیوں کے لیے بھٹک گیا۔ شاید یہ مرد کی فطرت ہوتی ہے کہ پرائی عورتوں کی جو عادتیں اسے دل آویز معلوم ہوتی ہیں' اپنی بیویوں کے معاملے میں وہی عادتیں زہر لگتی ہیں۔ میں ویرا کی آزاد روی' بے حجابی' مے نوشی اور کٹ حجتی کا بہت بڑا مداح تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان ہی میں سے کوئی خرابی غزالہ کی ذات اور کردار میں موجود ہوتی تو شاید میں اسے برداشت نہ کر پاتا۔

"میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ ویرا کے ساتھ ہوا خوری کے لیے نکلنے کے بعد تم جہانگیر کے گھر کیسے جا پہنچے؟ اب نوبت یہ آگئی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا ہے" غزالہ کی شکایتی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں یہاں سے ہوا خوری کے ارادے سے ہی نکلا تھا" میں نے دفاعی لہجے میں کہا "لیکن راستے میں دماغ سنک گیا اور میں جہانگیر کے گھر پر اتر گیا۔ شاید وہ میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے ادھر کی راہ دکھائی تھی۔"

"اور اوّل خان کے دونوں آدمی بھی اوّل درجے کے جھوٹے ہیں۔ میرے بار بار پوچھنے پر بھی انہوں نے اگل کر نہیں دیا کہ تم جہانگیر کے گھر گئے ہو۔ آخر تک وہی کہتے رہے جو تم نے انہیں پڑھایا تھا۔"

"وہ بے قصور ہیں۔ وہ میری ہدایت سے کیسے انحراف کر سکتے تھے؟"

"تمہیں ایسی گمراہ کن ہدایت دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

سلطان شاہ نے پوچھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے پروگرام میں تبدیلی سے واقف ہونے کے بعد تم لوگ متوقع خطرات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہو۔۔۔۔ اس میں میری کسی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ ان دونوں کے جھوٹ کے بعد ہمیں کوئی تشویش نہیں تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔

وہ ایک کھلا جھوٹ تھا جو آخر کار سامنے آ ہی گیا تھا۔ اس پر بحث کرنا غزالہ کا حق تھا لیکن پھر بھی اس کا لہجہ صرف متاسفانہ تھا۔ اس کی باتوں میں طنزیا تحقیر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ شکایتی انداز میں مجھ سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے کام بھی نمٹاتی جارہی تھی۔ سلطان شاہ مستعدی سے اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

"تمہاری تشویش اور پریشانی کا مجھے بخوبی اندازہ ہے" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں سے روانہ ہونے تک میرا ادھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اوّل خان بھی یہ جان کر حیران رہ گیا تھا کہ میں اچانک جہانگیر کے گھر جا پہنچا ہوں۔ بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ میرا وہاں جانے کا فیصلہ بہت بروقت تھا۔"

"تم جہانگیر کے گھر سے بھی مجھے فون کرسکتے تھے" غزالہ نے کہا۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میرے وہاں پہنچتے ہی کھیل شروع ہوگیا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ امریکن ایجنٹ اپنی پیش قدمی کے لیے تمہاری آمد کے منتظر تھے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "بظاہر ایسا ہی معلوم ہورہا تھا۔"

"یہ بات عقل میں سماتی ہی نہیں کہ تم نے ہنستے کھیلتے تین حریفوں کو مارلیا ہوگا۔"

"پہلے دو آدمیوں کو ویرا نے شکار کیا۔ میں نے تیسرے پر بیم گن آزمائی تو وہ بے ہوش تھا۔"

"اگر یہ ویرا ہی کا کارنامہ تھا تو تم وہاں کیا کررہے تھے؟"

"منصوبہ میرا تھا لیکن آخری مرحلے پر ویرا نے اچانک ہی الگ راہ اختیار کرلی۔۔۔۔"

"تو یوں کہو کہ جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا' ویرا نے ویسا ہی تمہارے ساتھ کیا۔"

"کم و بیش یہی صورتِ حال پیش آئی تھی" مجھے اعتراف کرنا پڑا۔

پھر غزالہ کے استفسار پر میں نے اختصار کے ساتھ پوری کہانی دہرانی شروع کردی۔ ان دونوں کے لیے ویرا کی بے خوفی اور پیش قدمی کی کتھا حیران کن ثابت ہوئی۔ میں درمیان میں ان کے پُرتجسس سوالات کے جوابات بھی دیتا رہا۔ اسی دوران میں کھانے کی ٹرالی سج کر تیار ہوگئی اور ہم تینوں اسی موضوع پر باتیں کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آگئے۔ وہاں ویرا یا جہانگیر کا پتا نہیں تھا۔

غزالہ' جہانگیر کے گھر پر پیش آنے والے واقعات کی جزئیات جاننے میں اتنی زیادہ منہمک ہوگئی تھی کہ سلطان شاہ اسے ٹوکے بغیر میز لگانے میں مصروف ہوگیا لیکن اس کے کان بھی میری باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں وہ بھی مجھ سے ایک آدھ سوال کرتا جارہا تھا۔

"وہ جتنی دیدہ دلیری دکھاتی ہے' موت اس سے اسی قدر دور بھاگتی ہے" آخر میں وہ بولا۔

"یہ لڑائی کا بنیادی اصول ہے۔ صرف دفاع کرکے کوئی لڑائی نہیں جیتی جاسکتی۔ اسی حقیقت نے جارحانہ دفاع کے ایک نئے فوجی نظریے کو جنم دیا ہے۔ ویرا اسی اصول پر عمل کرتی ہے۔"

"ہر ایک اس کی سرگرمیوں سے لاعلم تھا۔ وہ اندھیرے میں ایک درخت پر چھپ کر گولیاں چلارہی تھی۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اوّل خان کا کوئی آدمی اس درخت پر برسٹ چلاتا اور ویرا خون آلود لوتھڑے کی شکل میں نیچے آجاتی" سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" غزالہ نے ناخوشگوار لہجے میں اسے سرزنش کی "وہ اتنی بری نہیں ہے کہ اس کے بارے میں اتنی بے رحمی سے سوچا جائے۔ اس نے بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں جو بے مثال خدمات سرانجام دی ہیں' ان کے بعد اس کے عمر بھر کے گناہ دھل گئے ہیں۔"

"یہ میری خواہش نہیں تھی" سلطان شاہ گڑبڑا کے بولا "میں خود اسے زندہ اور تر و تازہ دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ میں تو ایک امکان کی بات کررہا تھا۔ وہ کھلی فضا میں آسان ترین نشانے پر تھی اور ماری جاسکتی تھی لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ وہ اطمینان سے گھر کے احاطے میں کود گئی۔"

"یہ مقدر کی بات ہے اور مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ اوّل خان کا ایک ماتحت درخت پر برسٹ فائر کرنا چاہتا تھا لیکن اسے روک دیا گیا۔ اوّل خان ایک وقت میں دو محاذ نہیں کھولنا چاہتا تھا" میں نے کہا "میرا خیال یہ ہے کہ جن لوگوں کو لمبی عمریں ملتی ہیں' وہ بے خوف ہوتے ہیں۔ موت قریب ہو تو آدمی کی چھٹی حس اس کی آہٹ سن لیتی ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ محتاط رہنے لگتا ہے۔ جب تمام تر احتیاط کے باوجود موت اسے آدبوچتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے خوف اور بزدلی کی وجہ سے مارا گیا۔"

"ویرا کی درازیِ عمر سے مجھے خوشی ہوگی" سلطان شاہ مسلسل اپنے تبصرے کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کوشاں تھا "وہ مجھے چڑاتی ضرور ہے لیکن میرے دل میں اس کے خلاف کوئی عناد نہیں۔"

غزالہ نے کرسی پر بیٹھ کر ایک چمچے سے پلیٹ کا سرا بجانا شروع کردیا۔ شاید وہ اس طرح ویرا اور جہانگیر کو بلانا چاہ رہی تھی کیوں کہ اس کی نگاہیں خواب گاہ کی طرف تھیں۔

"بس' دو منٹ میں آتے ہیں" اندر سے جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔

"ان کے دو منٹ آدھے گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کھانا شروع کردینا چاہیے" میں نے ایک پلیٹ اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"انہیں ہم سب کی غیبتیں کرنے کا سنہرا موقع مل گیا ہے۔ وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے" سلطان شاہ ہنس کے بولا "ویرا تو ویسے ہی بے لگام اور منہ پھٹ ہے' جہانگیر بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

"جہانگیر ایسا نہیں ہے" میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے" اس بار غزالہ نے تاسف آمیز لہجے میں کہا تھا "تمہاری اور ویرا کی طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری کے بارے میں اس نے میرے دل میں اَن ہونے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیسے شکوک و شبہات؟" میں نے اپنی پلیٹ میں قورمہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سی باتیں تھیں۔۔۔۔ زیادہ زور اس بات پر تھا کہ تم ویرا کو لے کر کسی پُرتعیش ہوٹل میں جا بیٹھے ہوگے۔ اگر تمہاری کہانی ذرا بھی پھسپھسی ہوتی یا اوّل خان تمہاری کہانی کی تائید نہ کرتا تو جہانگیر تمہیں رگید کر رکھ دیتا۔ اس کی کڑوی کسیلی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ویرا کے معاملے میں تمہیں اپنا رقیب سمجھتا ہو۔"

"رقیب!" میں ہنس پڑا "یہ بھی خوب رہی۔ میں نے ویرا کو ذرا سی شہ دے دی تو وہ دو دن میں اسے گھن چکر بنا کر رکھ دے گی۔ ابھی نادیہ کو قبر بھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی کہ وہ ویرا کے چکر میں پڑ گیا۔"

"ظاہری چمک دمک اور حسن کے شیدائی عام طور پر جذبات سے عاری ہوتے ہیں" سلطان شاہ نے ایک گہری بات کہہ کر مجھے حیران کردیا "جہانگیر بھی ان ہی میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ سب زندگی کے جھمیلے ہیں جو آخری سانس تک ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ ان پر سر کھپانا بے سود ہے" غزالہ نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے کہا "اس وقت اہم ترین بات یہ ہے کہ ہمارے خلاف کھولے گئے ہر محاذ پر خاموشی ہے۔ موتی لال کے پاس ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ سی آئی اے والوں کی موت کے بعد ہنری بھی وہشت زدہ ہوگیا ہے۔ مرکزی والوں کا قضیہ بھی نمٹ چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے خلاف کوئی نیا ہنگامہ کھڑا ہو' ہمیں خاموشی سے ملک سے باہر نکل جانا چاہیے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ ہنری کے قونصل خانے نے ہوم سیکریٹری کی سطح پر ہمارے خلاف شکایت درج کرائی ہوئی ہے۔ محکمۂ داخلہ کو ان لوگوں کی اشک شوئی کے لیے کچھ نہ کچھ اقدامات کرنے پڑیں گے۔ بظاہر زور شور سے ہماری تلاش کی مہم شروع کی جاچکی ہوگی۔ ان ہی حالات کی وجہ سے اوّل خان نے ہمیں اپنی نقل و حرکت محدود کرکے محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ ہم نے کسی بھی بین الاقوامی ائرپورٹ کا رخ کیا تو پکڑے جائیں گے اور پھر اپنوں کے ہاتھوں ہماری وہ درگت بنے گی کہ اگلا پچھلا کھایا پیا تک یاد آجائے گا" میں نے کہا۔

"میں اب مار دھاڑ' کشت و خون اور بے یقینی کی زندگی سے اکتانے لگی ہوں" غزالہ بولی "ہمیں پہلی فرصت میں اس ماحول سے نکلنا ہوگا۔ ہمیں بھی عام شہریوں کی طرح اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔"

"اپنے اس حق کو استعمال کرنے کے لیے ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا" میرے اس جواب پر غزالہ نے سر اٹھا کر چند ثانیوں کے لیے میری طرف دیکھا پھر نظریں جھکالیں۔

ماحول پر یک بیک تفکر آمیز خاموشی طاری ہوگئی۔ فضا میں بس پلیٹوں اور چمچوں کی آوازیں باقی رہ گئیں۔

ہم لوگ کھانے سے تقریباً فارغ ہی ہوچکے تھے کہ جہانگیر' ویرا کے ساتھ میز پر آپہنچا۔ ان دونوں کے چہرے سرخ ہورہے تھے' آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور موڈ نہایت خوشگوار تھے۔ دونوں میں فرق بس اتنا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے جہانگیر کی زبان پر لکنت طاری تھی جب کہ ویرا بے تکان بول رہی تھی۔

وہ دونوں اپنی ترنگ میں تھے اس لیے ہم میں سے کسی نے ان سے کوئی سنجیدہ بات کی نہ ان کی کوئی بات رد کرنے کی حماقت کی۔ سب ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ تخلیے میں مے نوشی کے باعث ان کے درمیان اتنی بے تکلفی پیدا ہوگئی تھی کہ جہانگیر بات بات پر ویرا کے بازو یا شانے پر ہاتھ مار رہا تھا اور ویرا کوئی اعتراض کیے بغیر اس کی خوش گپیوں سے محظوظ ہورہی تھی۔

غزالہ کے لیے اس ماحول میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا ممکن نہیں تھا اس لیے وہ کھانے کے بعد اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ ہم چاروں نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا لیکن حلق تک پینے اور پھر شکم سیر ہونے کے بعد جہانگیر کا نشہ گہرا ہوچلا تھا اور اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ میں نے کوئی ناخوشگوار صورتِ حال رونما ہونے سے پہلے اسے اس کی خواب گاہ میں پہنچانے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے جہانگیر کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا رخ گھمایا تو اسے یہ اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ میں اسے کہاں لے جارہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ منمنایا "تم مجھے کہاں لے آئے؟ ابھی تو مجھے کافی پینی تھی۔ ویرا کہہ رہی تھی کہ یورپ کے مہذب امرارات کے کھانے سے پہلے وہسکی' کھانے کے دوران میں عمدہ وائن اور کھانے کے بعد تلخ کافی پیتے ہیں۔ میں کسی بھی طرح ان سے کم نہیں ہوں۔ میں کافی پیوں گا۔"

اس کی زبان پر لکنت طاری تھی۔ وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر ادا کررہا تھا۔ میں نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا "یہ ویرا ہی کا خیال تھا کہ جب کھانے کی میز پر وائن نہیں تھی تو کافی بے کار رہے

گی۔ اس کا مشورہ سننے کے بعد ہی تم نے اپنے کمرے میں آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؟"

"پھر ٹھیک ہے" وہ میری وضاحت سے مطمئن ہوگیا اور آرام سے بستر پر بیٹھ گیا۔

"دوبارہ پینی نہ شروع کردینا ورنہ تماشا بن کر رہ جاؤ گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں بار بار نہیں پیتا۔ ایک بار ہی دل بھر کر پیتا ہوں۔ اب مجھے نیند آرہی ہے" یہ کہہ کر وہ کسل مندانہ انداز میں مسہری پر آڑا ہی لیٹ گیا۔

میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"تم نے اسے ضرورت سے زیادہ پلا دی ہے" ڈرائنگ روم میں واپس پہنچ کر میں نے ویرا کو لتاڑا "خود تمہاری حالت بھی خاصی ابتر نظر آرہی ہے' آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیر رہے ہیں۔"

"یہ گندم کا خمار ہے" وہ دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تم میری فکر نہ کرو۔ میں اس وقت پوری حاضر دماغی سے کسی بھی بحث میں حصہ لے سکتی ہوں۔"

"جہانگیر کا کیا قصور تھا جو اسے اس برے حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"برے حال کہاں؟ وہ تو خود ہی اپنی خوش حالی ثابت کرنے کے لیے پیے جارہا تھا۔ اس کے دماغ میں کسی طرح یہ بات گھس گئی کہ وہ یورپ کے امرا سے بھی زیادہ خوش حال ہے" ویرا کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔

"تم ہی نے اسے اکسانے کے لیے یورپ کے کسی بڑے آدمی کا ذکر چھیڑا ہوگا۔"

"تو وہ میری مجبوری ہے کیوں کہ میں نے ساری عمر ہی ایسے لوگوں میں گزاری ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں جہانگیر کے ساتھ اکیلا چھوڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"تم بلاوجہ اس بات کو طول دے رہے ہو۔ اس وقت اس کا سوجانا ہی بہتر تھا۔"

"کیوں؟ کیا وہ تمہیں سینگ مار رہا تھا؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی "اس کی موجودگی میں ہم کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ حلق تک سیر ہو کر پی لے تاکہ اسے گہری نیند آجائے اور ہمیں تخلیہ میسر آجائے۔ اب ہم کھل کر باتیں کرسکتے۔"

"تمہیں ایسی کون سی باتیں کرنی ہیں جن میں جہانگیر حارج ہوتا؟"

"کیا ہم اس کے سامنے موتی لال کے بارے میں بات کرسکتے تھے؟" اس نے جوابی سوال داغ دیا۔

"اس وقت تمہیں اچانک موتی لال کیوں یاد آگیا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ہمارے گرد پھیلی ہوئی بساط کا بہت اہم مہرہ ہے" ویرا کی سنجیدگی میں سرمو بھی فرق نہیں آیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "جہانگیر ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا تو ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑاتا۔ ہمارے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ ساری رات آرام سے گہری نیند سوتا رہے۔"

"تو کیا تم ساری رات مذاکرہ جاری رکھنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ موضوع اور تم تینوں کے موڈ پر منحصر ہے۔ میں بالکل تازہ دم ہوں۔"

یہ ایک عجیب بات تھی کہ چند منٹ پہلے میں غزالہ سے باتیں کررہا تھا تو اس نے دوسرے مثبت پہلوؤں کے علاوہ موتی لال کی خاموشی کا بھی ذکر کیا تھا مگر اب ویرا موتی لال کے حوالے سے بات کررہی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ میں خود بھی موتی لال کی طرف سے فکر مند تھا۔ خدو خال اور معاشرتی رسوم و رواج میں بہت زیادہ یکسانیت کی بنا پر بھارتی سفارتی عملے کی تخریبی سرگرمیاں پاکستانی حکّام کے لیے ہمیشہ پریشانی کا سبب بنتی رہی تھیں۔ وہ لوگ اپنے دوستانہ رویّے کی بنا پر بہت جلد مقامیوں کے ساتھ گھل مل کر غیر محسوس انداز میں اپنا کام شروع کردیتے تھے۔ ان کا آلۂ کار بننے والوں کو گمان تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی ملک دشمن سازش کا ایندھن بنائے جارہے ہیں۔ ہر متعصب بھارتی پورے خلوص سے اس بات میں یقین رکھتا تھا کہ پاکستان ان کی دھرتی ماتا کے حصے بخرے کرکے وجود میں لایا گیا ہے اس لیے پہلی فرصت میں اسے اکھنڈ بھارت کا جزو بنانا اس کا مقدس فرض ہے۔ میری نظروں میں مُلّا سرکار اس مشنری جذبے کی ممتاز ترین مثال تھا۔

اس نے اپنا گھربار اور وطن چھوڑ کر سندھ کے ایک دور افتادہ قصبے میں اپنا مسکن بنایا اور اندر سے کٹر ہندو ہونے کے باوجود ایک مسلمان مولوی کا روپ دھار کر برسوں سادہ لوح دیہاتیوں میں اپنی ساکھ بناتا رہا اور جب اس کے گرد اندھے پیروکاروں کی ایک بھیڑ جمع ہونے لگی تو اس نے اپنا اصل کھیل شروع کردیا۔

مُلّا سرکار کے بعد بھی متعدد بھارتی ایجنٹ میری راہ میں آئے۔ وہ ہر طرح اور ہر قیمت پر پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ کبھی سندھ کے قانون شکن عناصر کی سرپرستی کرکے شورش پھیلاتے ہوئے نظر آتے تو کبھی غیر قانونی اسلحے کے انبار ملک میں لاکر لاقانونیت کی سرپرستی کرتے نظر آتے۔ ایک نشانہ ہر آنے والے کے مدِّ نظر رہتا تھا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو نقصان پہنچایا جائے لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے پنجہ آزمائی کے دوران وہ اپنے کسی بھی مقصد میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کرسکے تھے۔

میں اتنے تواتر کے ساتھ ان کے منصوبوں کی مزاحمت کرتا رہا تھا کہ میری ذات ان کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگی تھی۔ مجھے گھیرنے کے لیے انہوں نے میرے ساتھیوں کو بھی اپنی فہرست میں شامل کرلیا تھا۔

اس کی تازہ ترین مثال موتی لال کی تھی جس نے سلطان شاہ کو اغوا کرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

موتی لال کے پیش رو شاید البرٹو ویلیسا کے خاص معتمدین میں سے رہے تھے۔ البرٹو ویلیسا کا تعلق عالمی دہشت گرد' کرنل جیسی جونز سے تھا جو بھاری معاوضے پر نسل پرست یہودی تنظیم ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کررہا تھا۔ شکل و شباہت کی یکسانیت کی بنا پر البرٹو ویلیسا نے ظفر کا روپ دھار کر اسپیشل ٹاسک فورس میں ملازمت کی تھی اور عرصۂ دراز تک اوّل خان کا ہم منصب بلکہ کراچی میں اس کا جانشین رہا تھا۔ البرٹو ویلیسا نے اپنے دور میں جو غدار ایس ٹی ایف میں بھرتی کیے تھے' ان کے روابط موتی لال کے قونصل خانے سے تھے۔

مجھے گھیرنے یا مارنے کے بارے میں موتی لال اتنا مستعد تھا کہ اس نے سردار پائندہ گل کے آدمیوں کے ذریعے میرے اغوا کی سن گن حاصل کرکے طورخم کی سرحد پر اپنے آدمی مامور کردیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ شنگارا ویلی سے میں زندہ آؤں یا مردہ' مجھے طورخم کی راہ اختیار کرنی پڑے گی۔

اور ہوا بھی یہی۔ لنڈی کوتل سے اس کا مخبر میرے پیچھے لگ گیا اور مجھے اغوا کرکے وجے داوا کے حوالے کردیا گیا۔ لیکن یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ مافیا کا ڈان اور را کا سرگرم اہل کار ہونے کے باوجود وجے مجھے زیادہ دیر تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکا اور کسی کتے کی موت مارا گیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ اس بار بھارتیوں کے مواصلاتی رابطے بہت بہتر ہوچکے تھے۔ ہمارے کراچی پہنچنے سے پہلے موتی لال کو وجے کے بھیانک انجام کا علم ہوچکا تھا۔ ہم کراچی پہنچے تو جہانگیر مکاؤ سے آئے ہوئے چینی بدمعاشوں کے عذاب میں مبتلا تھا۔ اسے ڈرن کوانگ فو کے بدمعاشوں کے چنگل سے نکالنے کے لیے ایس ٹی ایف کو حرکت میں لانا پڑا۔ اس اہم ترین خفیہ فورس میں موجود کسی غدار نے موتی لال کو میری اس نئی مصروفیت سے آگاہ کردیا اور اس خبیث نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایس ٹی ایف کے عارف اور سرور نامی دو اہل کاروں کے ذریعے سلطان شاہ کو اغوا کرنے کا بے داغ منصوبہ بنایا جو بری طرح ناکام ہوا۔ ایک سلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا نمک حرام اپنی کمین گاہ سے پکڑا گیا۔ سلطان شاہ نے ان کی تحویل سے ایک مخصوص ٹرانسمیٹر بھی برآمد کیا جس پر وہ موتی لال سے رابطہ رکھتے تھے۔ شاید وہ موتی لال سے واقف نہیں تھے کیونکہ وہ ماسٹر کے نام سے ان کو احکام دیا کرتا تھا۔

ویرا نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ سنپولیے کو پروان چڑھا کر زہریلا ناگ بنانے کے بجائے فوراً ہلاک کردینا چاہیے مگر اوّل خان' موتی لال کے ذریعے کچھ اور لوگوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے وہ موتی لال کے بہت سے مقامی حامیوں کا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

موتی لال کی خوش قسمتی تھی کہ اسی دوران میں ٹی کا نیا سربراہ' جم کلارک' جمی لائیڈ کے قتل کی خبر کے ساتھ کراچی میں آموجود ہوا اور ہم لوگ ایک نئی بارودی جنگ میں مصروف ہوگئے۔ اس پوری معرکہ آرائی میں ہمیں مکمل سرخ روئی حاصل ہوئی۔ جم کلارک کے علاوہ سی آئی اے کے دو غیر ملکی اہل کار اور ان کے چار مقامی معاون موت کے گھاٹ اتارے گئے جب کہ ہمارے کسی آدمی کو خراش تک نہیں آئی۔

جم کلارک کے قضیے سے نمٹتے ہی ویرا کے ذہن میں دبا ہوا موتی لال کا خیال پوری طرح ابھر کر سامنے آگیا تھا اور وہ ایک بار پھر اس کے بارے میں کچھ سنجیدہ گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"کہو' تم موتی لال کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو" میں نے چند ثانیوں میں وہ پورا ذہنی جائزہ مکمل کرنے کے بعد ویرا سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس اسٹینو کو اس کی اوقات سے زیادہ اہمیت دے رہی ہو۔"

"میں اس علاقے کے لوگوں کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں" وہ صوفے میں پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولی "یہاں جو جتنا بڑا افسر ہوتا ہے وہ عملی میدان سے اتنا ہی دور ہوتا ہے۔ افسر میزوں پر بیٹھ کر کاغذ سیاہ کرتے ہیں یا ماتحتوں کو گول مول ہدایات دے کر وقت گزارتے ہیں۔ نچلے درجے کے کارکن اور ملازمین صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ تم نے شاید اس نکتے پر غور نہیں کیا کہ اس بار بھارتیوں نے کسی بڑے سفارتی افسر یا سیکریٹری وغیرہ کے بجائے ایک اسٹینو کو اپنے مشن کی سربراہی سونپی ہے۔ وہ منصوبہ بندیوں کے بجائے عملی نتائج حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرے گا۔ سلطان شاہ کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کرواکے اس نے اپنے عزائم کا کھلا اظہار کردیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے دوسرے وار کو اتنی آسانی سے ناکام نہ بنا سکیں اور ہمیں بھاری خسارے سے دوچار ہونا پڑے۔"

"اسے سنبھالنے کی ذمے داری اوّل خان نے اپنے سر لی تھی۔ ہم نے اس سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم اٹھایا تو وہ ناراض بھی ہوسکتا ہے" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ اس بارے میں کیا کررہا ہے۔"

"تم پوچھ لیتیں۔ میں نے تمہیں روکا تو نہیں تھا" میں نے کہا۔

"ہم سب ہی موتی لال کو بھولے ہوئے ہیں" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "بعد کے واقعات میں ایسا تسلسل چلا کہ کسی کو کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ ہوسکتا ہے کہ اوّل خان بھی موتی لال کو بھول بھال گیا

ہو۔"

"ایس ٹی ایف والے منظم انداز میں کام کرتے ہیں۔ اوّل خان نے مصروفیت کی وجہ سے ادھر توجہ نہ دی ہو تو اور بات ہے مگر کوئی نہ کوئی اس کیس پر کام کررہا ہوگا۔ کم از کم ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو ضرور ریکارڈ کی جارہی ہوگی۔ اس بات چیت کے نتائج حیران کن ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"اب اسے فون کرنے میں کیا حرج ہے؟" ویرا نے میرے دلائل پر اعتراض کیے بغیر کہا۔

"جم کلارک کے معاملے میں اتنی بڑی نفری استعمال کی گئی ہے کہ میں اس پر دباؤ ڈالنا غیر اخلاقی سمجھتا ہوں۔ پھر وہ اپنی فورس میں موجود غداروں کی طرف سے بھی فکر مند تھا۔ کل اس سے ملاقات ہوگی تو بات کرلیں گے۔"

"مگر میں کل تک انتظار نہیں کرسکتی" ویرا نے اپنا نادر شاہی فیصلہ سنایا۔

"انتظار نہیں کرسکتیں تو پھر کیا کرو گی؟" غزالہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تم بھول رہی ہو کہ روزی اس کی پرانی گرل فرینڈ ہے" ویرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ غزالہ کو بتایا "وہ ایک کاک ٹیل پارٹی میں روزی کو اپنے ساتھ گوا لے جانے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ میں کچھ کروں یا نہ کروں، روزی تو جب چاہے اسے فون کرسکتی ہے اور اس وقت ویسے بھی روزی نشے میں ہے۔"

"لعنت ہو موتی لال پر" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "وہ روزی کی طلب میں واقعی مرا جارہا ہوگا۔"

"میں بھی اس کی آواز سننے کو مری جارہی ہوں۔۔۔ روزی ہوں نا!" وہ بائیں آنکھ دبا کے بولی۔

"تفریح رہے گی" غزالہ نے ویرا کی تجویز کی تائید کی "روزی کے فون کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اگر موتی لال کے فون کے ساتھ آبزرویشن مانیٹرنگ والا چکر ابھی تک چل رہا ہے تو اوّل خان کا کوئی آدمی یا وہ خود ہی ساری گفتگو سن لے گا۔ ہمیں اس کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"چاہو تو تم اس بار اسے فیکٹری کا فون نمبر بھی دے سکتی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"ایسی حماقت ہرگز نہ کرنا۔۔۔" میں فوراً ہی بول پڑا مگر ویرا نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"یہ دودھ پیتا بچہ ہے" ویرا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے دو۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ وہ خبیث فون نمبر کے سہارے اس فیکٹری تک پہنچ سکتا ہے۔"

"بس میں یہی بات بتانی چاہ رہا تھا" میں نے مطمئن ہوکر کہا۔ "تم خود سمجھ دار ہو۔"

غزالہ نے موتی لال کا فون نمبر تلاش کرنے کا قصد کیا مگر ویرا نے اسے روک دیا۔ اسے موتی لال کے گھر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ ویرا کے اس انکشاف پر سلطان شاہ کو پھر ایک موقع مل گیا۔ وہ شوخی سے بولا "نمبر زبانی یاد ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اِ... چھپ چھپ کے فون کیے جاتے ہیں اور ہم سب کو اُلّو بنایا جا... ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس وقت واقعی نشے میں ہو جبھی اپنا پول خود کھول رہی ہو۔"

"تمہاری غلیظ کھوپڑی سے میں کبھی صاف ستھری بات کی تو... نہیں کرسکتی" یہ کہہ کر ویرا فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ ویرا نے موتی لال کا فون نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی ہی چلی گئی۔ ویرا فون کا سلسلہ منق... کیے بغیر دلچسپی سے ایک ایک کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ اگر موتی لال سو چکا ہے تو اسے گہری نیند... بیدار کرکے تنگ کیا جانا چاہیے۔

شاید دسویں گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے ریسیور اٹھا... اور غنودہ آواز کے بجائے غیر متوقع طور پر موتی لال کی ترو... آواز سن کر ہم سب حیران رہ گئے۔

"میں روزی بول رہی ہوں، موتی ڈارلنگ" ویرا نے اُر... طویل ہیلو کے جواب میں مخمور لہجے میں کہا "تم اتنی دیر سے کہ... مرے ہوئے تھے؟ میں تو مایوس ہوکر فون بند کرنے والی تھی۔"

"اوہ، روزی!" موتی لال کی تحیر زدہ آواز سے خوشی پھ... رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم نے دوبارہ مجھے فون کیا۔ مَیں مصروف تھا اس لیے فون اٹھانے میں تاخیر ہوگئی۔"

"کہاں مصروف تھے؟ کیا کوئی گرل فرینڈ آئی ہوئی ہے؟"... نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اپنی ایسی قسمت کہاں! جب تک جاگتا رہتا ہوں، دفتر... سر پر سوار رہتا ہے۔ اس وقت بھی اسی میں الجھا ہوا تھا۔... کہ تم کتنی دیر میں میرے پاس پہنچ رہی ہو؟"

"مجھے ایسے مرد سخت ناپسند ہیں جو کسی تمہید یا تکلف کے... پوری ڈھٹائی سے براہِ راست مطلب کی بات پر آجاتے ہیں"... نے ناگواری سے کہا "پارٹی والی ملاقات میں تو تم ایسے نہیں تھے..."

ریسیور پر موتی لال کی بے ڈھنگی ہنسی کی آواز سنائی دی... بولا "میں اب بھی ایسا نہیں ہوں۔ میں نے تم سے کوئی غلط... نہیں کی۔ آجاؤ گی تو ذرا مل بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کریں... میری ذہنی تھکن دور ہوجائے گی اور تم بھی خوش ہوجاؤ گی۔"

"میں نہیں آؤں گی" ویرا نے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح... بگھارنے شروع کردیے "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فون کیوں... کیا؟ میں مسلسل تمہارے فون کا انتظار کرتی رہی ہوں۔ اس... میری نیند نہ اڑی ہوتی تو میں ہرگز تمہیں فون نہ کرتی۔ تم بے... مروّت اور جھوٹے آدمی ہو۔"

"تم مجھے گالیاں بھی دے لو تو میں برا نہیں مانوں گا" وہ...

...ے بڑی خوش دلی سے کہا گیا "مجھے تمہارا فون نمبر مل جاتا تو ...تنے فون کرتا کہ تم بے زار ہوجاتیں۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ ...را فون نمبر کہیں لکھ کر بھول گیا اور کوشش کے باوجود اسے ...ش نہیں کرسکا۔"

"آخر تم کیا کام کرتے ہو جو اس قدر غائب دماغ رہتے ہو۔ ہر ...ں مزاج مرد لڑکیوں کے فون نمبر اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ...تا ہے اور ایک تم ہو کہ بس۔۔۔ یہ بتاؤ کہ میرے کام کا کیا رہا؟"

"ملو گی تو کسی نہ کسی کام کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ تم جیسی ...صلہ مند اور مہم جو لڑکیوں کے لیے کبھی کام کی کمی نہیں ہوتی۔ کام ...ں رومانس کے علاوہ بھاری آمدنی کے مواقع بھی ہوتے ہیں۔"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں حوصلہ مند اور مہم جو ہوں" ویرا ...ے بتدریج راہ پر لارہی تھی۔

"کاک ٹیل پارٹی میں تم سے ہونے والی ملاقات مجھے اچھی ...ح یاد ہے" اس نے سفید جھوٹ بولا پھر اپنی بات بڑھاتے ہوئے ...لا "مہم جوئی کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ تم ...سری بار اتنی رات گئے مجھے فون کررہی ہو۔۔۔ ویسے تم دن میں کیا ...رتی ہو؟"

"نوکری تلاش کرتی ہوں" ویرا نے بے ساختہ جواب دیا "اور کام رہتی ہوں۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ تم جیسی آزاد خیال لڑکی تو لوگوں کو ...وںڈے نہیں ملتی۔"

"اصل خرابی یہی ہے۔ ہر دفتر میں بوڑھے گدھ میرے ...غذات دیکھنے کے بجائے للچائی ہوئی نظروں سے میرے وجود کو ...ورتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مجھے گھن آتی ہے۔"

"کاک ٹیل پارٹیوں میں شریک ہونے والی لڑکی کو اتنا تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ جوہڑ میں سڑتے ہوئے پانی سے ...مجھے گھن آتی ہے۔ بہتے گنگناتے ندی نالے مجھے پسند ہیں جہاں ہر چلّو میں نیا اور تازہ پانی ملتا ہے۔۔۔ میں اپنی مرضی سے اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ زندگی کا بھرپور لطف اٹھاتی ہوں لیکن کسی دفتر میں بیوی کے ستائے ہوئے بڈھے گدھ کی داشتہ بننا میرے بس سے باہر ہے اسی لیے میں کافی دنوں سے بے روزگار ہوں۔ سمجھوتا کرلوں تو کل ہی نوکری مل جائے گی۔"

"خوب۔۔۔ تم بولڈ بھی ہو۔ تم میں تو بے شمار خوبیاں ہیں۔ تم کب آرہی ہو؟"

"پہلے کام کے بارے میں کچھ پتا چلے۔ اسی کے بعد آنے کے بارے میں سوچوں گی۔"

"سرکاری خرچ پر عیش اور سیر و تفریح۔۔۔ تنخواہ مفت میں۔" موتی لال کی تحریص آمیز آواز ابھری۔

"اسے تم طریقۂ کار کہہ سکتے ہو۔ یہ کام تو نہیں ہوا۔ سیر و تفریح کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا۔"

"تم بہت چالاک ہو" شاید موتی لال نے گہرا سانس لے کر کہا تھا "تمہیں کچھ لوگوں سے فلرٹ کرنا ہوگا۔ وہ لوگ معزز اور شوقین ہوں گے۔ تم ان سے کوئی کراہت محسوس نہیں کرو گی۔ انہیں مجھ سے متعارف کرانے کے بعد تمہارا کام ختم ہوجائے گا اور تمہیں نئے نام دے دیے جائیں گے۔ اس دوران میں تمہاری قسمت نے ساتھ دیا اور تم شہر میں ایک بدمعاش کی نشان دہی کرانے میں کامیاب ہوگئیں تو تمہیں مالا مال کردیا جائے گا۔"

ویرا نے ذو معنی نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے پُر تجسس لہجے میں پوچھا "کون ہے وہ؟"

"تمہیں اس کے بارے میں بریف کردیا جائے گا۔ اوّل درجے کا مکار اور حرامی ہے۔ اس کا داؤ چل جائے تو وہ آنکھوں سے کاجل تک اڑا لے جاتا ہے۔ عام طور سے روپوش رہتا ہے۔ وہ تمہارا ضمنی ٹارگٹ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ میرے لیے دلچسپ شکار ہوگا۔ شہر کے رنگین مزاج شرفا کو پھانسنے کے لیے تم کو بہتیری لڑکیاں مل جائیں گی جو ہر شام بن سنور کر بڑے ہوٹلوں کی لابیوں اور طعام گاہوں میں لہراتی پھرتی ہیں۔"

"شاید تم نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اسی لیے بڑی بڑی باتیں بھی آسانی سے کہہ جاتی ہو" موتی لال، ویرا کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور تھا "لیکن یہ نازک معاملات فون پر طے نہیں کیے جاسکتے۔ تم آجاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں تمہاری پسند کا کام دیا جائے گا۔"

"زیادہ نہیں تو مجھے اس نابکار کا نام ہی بتادو۔ میں موقع نکال کر صبح تمہارے دفتر آؤں گی۔"

"صبح؟" موتی لال کی آواز پر مایوسی کی پھٹکار چھا گئی "ابھی کیوں نہیں آتیں؟"

"میں کسی دوست کے گھر پر ہوں۔ اس وقت باہر نہیں نکل سکتی۔"

"پھر فون نمبر ہی دے دو" اس وقت موتی لال کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

"بے روزگاری کی وجہ سے میرے ٹھکانے تیزی سے بدلتے رہتے ہیں" اس بار ویرا نے اسے چڑانے کے بجائے مطمئن کرنے کی ارادی کوشش کی تھی "میں بتا چکی ہوں کہ اس وقت بھی کسی دوست کے گھر پر ہوں۔ کل تم نے نوکری دلوادی تو میں کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالنے کے بعد لوگوں کو فون نمبر دینے کی پوزیشن میں آجاؤں گی۔"

"پھر تم کس نمبر پر میری کال کا انتظار کررہی تھیں؟" اس بار موتی لال نے اسے پکڑ لیا۔

"وہ مذاق تھا" ویرا ہنس پڑی "کاک ٹیل پارٹی میں تم نے اتنی زیادہ پی لی تھی کہ میرے دو دفعہ بتانے کے باوجود تم نے میرا فون نمبر نوٹ نہیں کیا تھا۔ سچ پوچھو تو تمہاری اس بے پروائی سے مجھے رنج

ہوا تھا۔"

"کل ملو گی تو سارے گلے شکوے دور کردوں گا۔ کس وقت آرہی ہو؟"

"دس اور بارہ کے درمیان۔ لیکن تم نے مجھے اپنے بڑے شکار کا نام نہیں بتایا۔"

"بار بار اس کا ذکر نہ کرو" پہلی بار اس کی آواز سے قدرے بدمزگی کا اظہار ہوا "اس وقت بھی میں پاکستان بھر میں ڈینی کے متوقع ٹھکانوں کی فہرست بنانے میں مصروف تھا۔ وہ ہم لوگوں کے اعصاب پر سوار ہوکر رہ گیا ہے۔"

"یعنی اس شخص کا نام ڈینی ہے" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے ورنہ کسی اور کے لیے مجھے اپنی رات کالی کرنے کیا کی ضرورت تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ نام میرا سنا ہوا ہے" ویرا کی آواز پُرخیال ہوگئی "میں صبح آؤں گی تو ہوسکتا ہے کہ مجھے تفصیل بھی یاد آچکی ہو۔ اب میں سونے تک اسی کے بارے میں سوچتی رہوں گی۔"

"اسے اتنی اہمیت نہ دو" موتی لال کی آواز میں رقیبانہ تلخی ابھر آئی "وہ بس ایک چالاک چوہا ہے۔ ہم نے اس کے لیے چوہے دان لگائے ہوئے ہیں اور وہ ان سے بچتا پھر رہا ہے۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ بستر پر لیٹ کر تم میرے بارے میں سوچنا تاکہ تم خواب میں بھی مجھے دیکھتی رہو....."

ویرا نے ایک معصومانہ سا قہقہہ لگایا اور بولی "میں اپنے خوابوں میں تمہیں دیکھوں یا اسے' اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ خواب تو بس خواب ہی ہوتے ہیں جن کی لذت یا اذیت خواب دیکھنے والے کے تصورات تک محدود رہتی ہے۔ ایسی تصوراتی ملاقاتوں کے بارے میں سوچ کر تم بلاوجہ اپنا خون سلگا رہے ہو۔"

موتی لال کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا "یہ دل کی باتیں ہیں۔ تم انہیں نہیں سمجھ سکتیں۔ تم نے اپنی باتوں سے مجھے اپنا گرویدہ کرلیا ہے۔ میں تمہاری زبان سے اپنے سوا کسی اور مرد کا ذکر برداشت نہیں کرسکتا۔ تم اسے رقابت یا حسد بھی کہہ سکتی ہو....."

"تم نے خود بہ خود مجھ پر فریفتہ ہوکر رشک و حسد اور رقابت کا اظہار شروع کردیا اور مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس تک نہیں کی۔ ایسا یک طرفہ عشق تم جیسے عملی آدمی کو زیب نہیں دیتا" ویرا نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔

"مجھے پوچھے بغیر ہی تمہاری مرضی کا علم ہے" اس کی طرف سے کسی تردد کے بغیر جواب آیا "تمہاری دوسری فون کال کا مطلب ہے کہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ ضرور موجود ہے۔ راتوں کو جب نیند نہ آئے تو وہی لوگ یاد آتے ہیں جو دل سے قریب اور کسی نہ کسی درجے میں پسند ہوں۔"

"ہمیشہ پسندیدگی ضروری نہیں ہوتی۔ بعض لوگ نفرت کی وجہ سے بھی یاد آتے رہتے ہیں۔"

"نفرت کی زبان دوسری ہوتی ہے" وہ ویرا کو پھانس لینے کے بارے میں بہت پُراعتماد تھا۔

"بغل میں چھری اور منہ پر رام رام تمہاری ہی کہاوت ہے" ویرا قدرے جارحانہ لہجے میں بولی "ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کرکے میٹھی میٹھی باتیں کررہی ہوں۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ تمہارے خلوص کو نہ پہچان سکوں۔"

ویرا نے ہم لوگوں کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور بولی "تم ڈینی کے ٹھکانوں کی فہرست بناؤ۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔ دعا کرنا کہ مجھے یہ یاد آجائے کہ ڈینی کے بارے میں نے کہاں اور کیا سنا تھا۔"

موتی لال کی طرف سے گڈبائی کے ساتھ ہی ایک چمکار کی آواز سنائی دی اور ویرا نے فون بند کردیا۔ اس وقت ویرا کی آنکھوں میں وہی بے رحمانہ چمک نظر آرہی تھی جو چوہے کی بے بسی سے کھیلتی ہوئی بھوکی بلی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ اس نے موتی لال کو بری طرح اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کرلیا تھا۔

"اسے کل صبح ہی ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے" ویرا نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ تم اس کے سامنے نہیں جاسکتیں۔ ایک زمانے میں ان لوگوں سے تمہارے گہرے مراسم رہے ہیں۔ بھارتی قونصل خانے کے بیشتر ملازمین تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے" میں نے کہا۔

"پرانی تلخ باتیں یاد نہ دلاؤ" ویرا خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ شاید اسے بھی وہ واقعات یاد آگئے تھے جو غزالہ کی کراچی سے نئی دہلی منتقلی کے دوران میں رونما ہوئے تھے۔ وہ میرے خلاف ویرا کی ایک زبردست انتقامی سازش تھی۔ مجھے گھیرنے کے لیے اس نے غزالہ کو شریمان سنگھ کے حوالے کردیا تھا۔ وہ انتہائی خبیث اور بد باطن شخص تھا۔ اس نے مجھ سے سودے بازی کی نیت سے غزالہ کو فوری طور پر نئی دہلی منتقل کرادیا۔ مجھ سے تفصیلی بات چیت کے بعد جب ویرا کو اپنی سنگین غلطی کا احساس ہوا تو بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس نے بھارتیوں سے مطالبہ کیا کہ غزالہ کو ہانگ کانگ میں اس کے آدمیوں کے حوالے کیا جائے۔ اس نے مذاکرات میں کچھ ایسا پیچ ڈالا کہ بھارتی اہل کار غزالہ کو ہانگ کانگ لانے پر مجبور ہوگئے لیکن ان کی نیت صاف نہیں تھی۔ وہ غزالہ کو بظاہر ہانگ کانگ لاکر ویرا کی تسلی کرنے کے بعد خفیہ طور پر اسے واپس بھارت لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس مرحلے پر مکاؤ کا ڈون کوانگ فو ہمارے کام آیا۔ وہ ویرا کا منہ بولا باپ تھا۔ اس کی جان توڑ کوششوں سے غزالہ مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کی حویلی میں پہنچادی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈون سے غزالہ کی بازیابی میں ہمیں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ اس سنسنی خیز مہم جوئی کا خوشگوار ترین پہلو یہ تھا کہ مکاؤ سے واپسی پر غزالہ باقاعدہ طور پر میری بیوی بن چکی تھی۔

غالباً میرے ایک ہی حوالے نے ویرا کے ذہن میں وہ تمام باتیں تازہ کردی تھیں۔ میں نے جلدی سے کہا "میں ماضی کی کسی بات کو نہیں چھیڑنا چاہتا۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اس قونصل خانے کے عملے کے لیے اجنبی نہیں ہو۔ وہ سب تمہیں اور تم ان کو پہچانتی ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بھی اس وقت کی گفتگو کی روشنی میں اسے پکڑنے کے امکانات پر غور کررہے ہو؟"

"ظاہر ہے۔ ہاتھ آئے ہوئے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔"

"کمال ہے" اچانک سلطان شاہ بول پڑا "ابھی تک اوّل خان کا فون نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ ویرا اور موتی لال کی گفتگو سننے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہمیں اس کو باخبر کرنا ہوگا۔"

"ممکن ہے کہ موتی لال کے فون سے آبزرویشن ہٹادیا گیا ہو" ویرا نے رائے زنی کی۔

"اوّل خان کا درمیان میں آنا ضروری نہیں ہے" میں نے کہا "اس وقت موتی لال دام میں آیا ہوا ہے۔ ویرا اسے گھیر سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ویرا پہچان لی جائے گی۔ یہ موقع گنوا کر ہمیں افسوس رہے گا۔"

"میری جگہ غزالہ اس سے ملنے پہنچ جائے تو کیسی رہے گی؟" ویرا نے اچانک تجویز پیش کی۔

"نہیں" غزالہ نے فوراً ہی اپنے کانوں کو ہاتھ لگالیے "یہ میرے بس سے باہر ہے۔ ویرا نے اس سے جس قسم کی باتیں کی ہیں' وہ میں نہیں کرسکتی۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ دو چار جملوں میں ہی بھانپ لے گا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے اور ہماری بازی بالکل اُلٹ جائے گی۔"

"اس کے علاوہ غزالہ بھی ان لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ہے" میں نے ویرا کو یاد دلایا۔

ہم لوگ دیر تک سر جوڑے بیٹھے رہے لیکن اس مسئلے کا کوئی حل تلاش نہیں کرسکے۔

اچانک ہی ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی تو ہم تینوں چونک کر استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ہماری نگاہوں کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے بولی "تم تینوں کے خون سفید ہوگئے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی خبرگیری خوب کرتے ہو لیکن کسی اور کے معاملے میں چوپٹ ہوکر رہ جاتے ہو۔"

"کس کی بات کررہی ہو؟" سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"جہانگیر کو کمرے میں پہنچانے کے بعد سب ہی اسے بھولے ہوئے ہیں۔ میں اسے دیکھنے جارہی ہوں" یہ کہہ کر وہ جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف چل دی۔

غزالہ نے اس سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اسے خاموش کردیا "اس وقت وہ نہیں رکے گی۔ جہانگیر کی خبرگیری کا بہانہ کرکے وہ وہسکی کا ایک آدھ پیگ لینے گئی ہے۔ وہ جب تک جاگتی رہے گی' تھوڑے تھوڑے وقفے سے پیتی رہے گی۔ اپنی اسی عادت کی وجہ سے اس نے جہانگیر کی ایک بوتل کچن کیبنٹ میں چھپائی تھی۔"

"تو وہ ویرا کی حرکت تھی؟" غزالہ حیرانگی سے بولی "غضب خدا کا' وہ کیسی دیدہ دلیری سے جہانگیر پر الزام تراشی کررہی تھی۔ میں خود جہانگیر کی طرف سے شبہے میں پڑگئی تھی کہ بوتل اسی نے چھپائی ہوگی۔"

میں سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا اور مسکراتے ہوئے بولا "وہ بہت کم جھوٹ بولتی ہے لیکن جب بولتی ہے تو چوری اور سینہ زوری کے اصول پر عمل کرتی ہے۔ مجھے متنازعہ بوتل کے بارے میں پوری بات معلوم تھی لیکن میں اس جھڑپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے دانستہ خاموش رہا تھا۔"

"جہانگیر' ویرا کی الزام تراشی پر بری طرح بوکھلا گیا تھا" غزالہ اس سچویشن کو یاد کرکے ہنس پڑی۔

ویرا چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کی سانسوں میں الکحل کی تیز اور تیکھی بُو رچی ہوئی تھی۔ اس بُو کو محسوس کرکے ہم تینوں نے چوری چوری معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا لیکن کسی نے ویرا سے کچھ نہیں کہا۔

"وہ کسی مردے کی طرح مسہری پر پڑا ہوا ہے" ویرا از خود اپنی رپورٹ دینے لگی "اس کا آدھا دھڑ مسہری سے نیچے لٹک رہا تھا۔ میں اسے گھسیٹ کر مسہری کے وسط میں ڈال آئی ہوں۔"

"اگر تمہاری بیٹری چارج ہو چکی ہو تو موتی لال کے مسئلے کا کوئی حل سوچو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ویرا نے خشمناک نگاہوں سے مجھے گھورا اور بولی "میری بیٹری کبھی ڈاؤن نہیں ہوتی.... اگر تم نے مجھ پر گھٹیا قسم کا کوئی طنز کرنے کی کوشش کی ہے تو مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"

"یہی تمہاری صحت مندی کا راز ہے" سلطان شاہ نے کہا "میرا خیال ہے کہ موتی لال تم سے ویرا کے طور پر متعارف نہیں ہے کیونکہ میں نے بھارتی قونصل خانے کے حوالے سے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔"

"تمہارا یہ خیال حیرت ناک طور پر درست ہے" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔

ویرا کے رویّے پر دھیان دیے بغیر سلطان شاہ نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "قونصل خانے جانے میں ویرا کے پہچان لیے جانے کا ڈر ہے۔ اسے کسی بہانے سے موتی لال کو باہر بلانا چاہیے۔ وہ اپنی دانست میں ویرا پر ڈورے ڈال رہا ہے اس لیے قوی امید یہی ہے کہ وہ اکیلا آئے گا اور ہم لوگ اسے پکڑلیں گے۔"

"یہ سامنے کی بات ہم میں سے کسی کو کیوں نہیں سوجھی؟" ویرا نے اس قدر سنجیدگی سے وہ سوال کیا کہ سلطان شاہ کچھ پریشان ہوگیا۔ شاید اسے اندیشہ ہوا ہو کہ اس کی تجویز میں کوئی جھول ہے اور ویرا اس جھول کو واضح کرکے اس کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بعض اوقات انسان الجھنوں میں گھر کر اتنی محویت کے ساتھ بڑے بڑے امکانات کے بارے میں سوچتا رہتا ہے کہ سامنے کی باتیں اس سے نظرانداز ہو جاتی ہیں۔

سلطان شاہ کی تجویز کی ہوئی راہ میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ ہم چاروں نے اس پر مختصر سا تبادلۂ خیال کیا اور اپنی اپنی خواب گاہوں کی طرف چل دیے۔ غزالہ ویرا کے ساتھ تھی۔ سلطان شاہ میرے حصے میں آیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ نے فوراً مجھے ٹوک دیا "معلوم ہوتا ہے کہ ویرا کے بعد اب تمہیں بھی عرقِ خواب آور کی جستجو ہے؟"

"ہر وقت ایک ہی راگنی اچھی نہیں لگتی.... کمرے میں جاؤ' میں اسے دیکھ کر آتا ہوں" اسے خشک سا جواب دے کر میں اپنی راہ پر ہولیا۔ جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر زیرو واٹ کے بلب کی مدھم سی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ایک میز پر رکھی ہوئی بوتل واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ اس کے ساتھ گلاس بھی موجود تھے۔ پچھلی بار میں جہانگیر کو اس کمرے میں چھوڑنے آیا تو وہ دونوں چیزیں میز پر موجود نہیں تھیں۔ اس کا ایک مطلب تھا کہ ویرا ان سے استفادہ کرنے کے بعد انہیں ... کی جگہ پر واپس رکھنا بھول گئی تھی۔ کمرے میں ... بعد جہانگیر اس قابل ہی نہیں تھا کہ کسی چیز کو اس کی جگہ سے لاکر قرینے سے میز پر رکھ سکے۔

میں نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ بدستور بند تھا۔ میں نے بوتل میں سے خاصی مقدار گلاس میں انڈیلی' فریج کھول کر یخ بستہ پانی سے گلاس کو پورا کیا اور تین چار لمبے لمبے سانسوں میں وہ تلخ سیال ختم کردیا۔ اس وقت ویرا کی بجھائی ہوئی راہ میرے لیے فرحت کا سبب بن گئی تھی۔ وہ گلاس خالی کرنے کے بعد میں نے ٹھنڈے پانی کے دو گھونٹ لیے تاکہ میرے منہ میں رچی ہوئی بُو ختم ہوسکے اور پھر جہانگیر پر سرسری نظر ڈال کر باہر نکل آیا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبارات میں پہلے صفحے پر سنسنی خیز خبریں موجود تھیں۔

ہم میں سے کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ سی آئی اے کے دو سفید فام اہل کاروں اور ان کے معاون و مترجم کی لاشیں اتنی جلدی دریافت کرلی جائیں گی کہ وہ خبر صبح شائع ہونے والے اخبارات میں آسکے گی لیکن ویرا کی طرف سے ہنری ڈریک نارمن کو کھڑکائے جانے کے فوری بعد غالباً ان لاشوں کی تلاش شروع کردی گئی تھی۔

اخبار میں مرنے والوں کے نام ولیم' راجر اور ہارون شائع ہوئے تھے۔ وقت ناکافی ہونے کی وجہ سے خبریں بہت تشنہ تھیں۔ یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ ولیم اور راجر اہم امریکن سفارتی افسران تھے جو اپنے ڈرائیور کے ساتھ شہر کی سیر کے لیے نکلے تھے کہ نامعلوم دہشت گردوں کی بربریت کا نشانہ بن گئے۔ ان کے اصل مشن اور سی آئی اے سے تعلق کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی گئی تھی۔

گولیوں کا نشانہ بننے والوں کے نام ولیم اور ہارون تھے جب کہ راجر کسی "پُراسرار آتشیں ہتھیار" کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ان کی الگ الگ ملنے والی لاشوں اور طریقۂ قتل کے نمایاں فرق نے پوری صورتِ حال کو بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا اور پولیس کے اہم افسران دونوں وارداتوں کو مجرموں کے ایک ہی گروہ کی حرکت سمجھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ الگ الگ گروہوں کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ تینوں ایک ساتھ شہر کی سیر کرنے نکلے اور دو مختلف حملوں میں اپنی جانیں کھو بیٹھے۔

اخبارات کو وہ خبر غالباً اتنی تاخیر سے ملی کہ اصل خبر اور تصاویر ہی چھپ سکیں۔ اخباری نامہ نگار کی قیاس آرائی اور خفیہ یا مصدقہ ذرائع سے ملنے والی باتبصرہ معلومات شاملِ اشاعت نہیں ہوسکی تھیں۔

وہ پوری خبر پڑھنے کے بعد میں نے پورا اخبار چھان مارا لیکن امریکن قونصل خانے یا ایچ ڈی نارمن کے بارے میں کہیں ایک لفظ بھی نہیں چھپا تھا۔ ... مطلب ... ذرائع ابلاغ کی حد تک ان لوگوں نے پس پشت رہنے کا فیصلہ کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس تہرے قتل کے بعد امریکنوں نے نیچے سے اوپر تک پوری انتظامیہ کو نچا کر رکھ دیا ہوگا۔

راجر کے قتل میں استعمال ہونے والے پُراسرار آتشیں ہتھیار کے بارے میں خاصی دلچسپ قیاس آرائی کی گئی تھی۔ اسے ایسا ہتھیار قرار دیا گیا تھا جو دھماکے کے بغیر اتنی حرارت پیدا کرتا ہے کہ اس کی زد میں آنے والی ہر چیز جل کر کوئلہ بن جاتی ہے۔ اس نظریے کی حمایت میں راجر کے سامنے کے دانتوں کا حوالہ دیا گیا تھا جو کوئلہ بن کر چور چور ہوگئے تھے۔ اس کے دہانے سے سر تک ایک سوراخ پایا گیا تھا جب کہ بغلی دانت صحیح سلامت تھے۔

رات کو ہم لوگ ویرا کے ساتھ موتی لال کا شکار کھیلنے کا پروگرام طے کرکے سوئے تھے' اس لیے سویرے ہی اٹھ گئے تھے لیکن ناشتے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ شہر میں جاری سرگرمیوں کی وجہ سے ہمارا باہر نکلنا مخدوش ہوسکتا تھا۔ میری اور ویرا کی سرکوبی کے سلسلے میں امریکن قونصل خانے کے حکّام اس قدر فعال ہوچکے تھے کہ انہوں نے جم کلارک کی موت کے بعد ہی میری اور ویرا کی تصاویر مقامی اداروں کو فراہم کرکے' ہمیں ملزم نامزد کردیا تھا۔ ہم لوگوں کو ایس ٹی ایف کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی لیکن وہ فورس ریاستی ریکارڈ پر سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ امن و امان کے قیام اور قانون کے نفاذ کے ذمے دار اداروں کے اعلیٰ حکّام بعض پُراسرار رابطوں کے ذریعے ایس ٹی ایف کی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند تھے لیکن صرف اسی حد تک جہاں ان کی کھلی کارکردگی پر کوئی حرف نہ آتا ہو۔ ایسے اداروں میں بھی نچلے درجے کے عمّال ایس ٹی ایف کے وجود سے بے خبر تھے جب کہ بیشتر عملی اقدامات اسی سطح پر کیے جاتے تھے۔

اگر ہم لوگ موتی لال کو گھیرنے کے لالچ میں باہر نکلتے اور پولیس کی کوئی گشتی پارٹی ہم پر ہاتھ ڈال دیتی تو وہ معاملہ فوری طور پر اتنی تشہیر حاصل کرلیتا کہ اوّل خان اور اس کے بڑے اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ہماری گلو خلاصی کے لیے کچھ نہیں کرسکتے تھے۔

ہم لوگ اسی سوچ بچار میں مصروف تھے کہ نو بجے اوّل خان کا فون آگیا۔ اس نے چھوٹتے ہی ہم لوگوں کے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سب لوگ ریسٹ ہاؤس ہی میں موجود ہیں تو اس نے سب کو وہیں ٹھہر کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی اور عجلت میں فون بند کردیا۔

"اسے کیا پریشانی لاحق ہوگئی؟" اوّل خان کا پیغام سننے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"حالات میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ میں نے اس کے لب و لہجے سے اندازہ لگایا ہے کہ اسے ہمارے یہاں موجود ہونے کی امید نہیں تھی۔ دیکھو' اب وہ کن خبروں کے ساتھ آتا ہے" میں نے کہا۔

"اس نے ویرا اور موتی لال کی گفتگو کا کوئی ذکر نہیں کیا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"نوبت ہی نہیں آئی۔ دو جملوں میں بات ختم ہوگئی۔ وہ بہت عجلت میں تھا۔"

قیاس آرائیاں ہوتی رہیں اور وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس وقت ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہانگیر کو گہری نیند سے بیدار کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہونے کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ رات کا گہرا خمار اترنے سے پہلے وہ بستر چھوڑنے کے قابل نہیں ہوسکے گا۔

بیس منٹ میں اوّل خان جہانگیر کی فیکٹری آپہنچا۔ اس کے بشرے سے تھکن اور خستہ حالی ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں سے بے خوابی کی علامات ظاہر ہورہی تھیں۔ شاید وہ ساری رات مصروف رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم لوگوں کے باہر نکلنے سے پہلے ہی رابطہ کرلیا" وہ آتے ہی کسی تمہید کے بغیر بولا "باہر نکل کر تم سب ناقابلِ تصور مشکلات میں گھر سکتے تھے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کہیں جانے والے تھے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میں نے صبح تین بجے تمہاری اور موتی لال کی گفتگو کی ریکارڈنگ سن کر اندازہ لگالیا تھا کہ اب تم لوگ اسے گھیرنے کے چکر میں پڑ گئے ہو" وہ بولا "موتی لال کی باتوں سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ آسانی سے تمہارے جال میں پھنس سکتا ہے لیکن تمہارے لیے شہر کے حالات مخدوش ہیں۔ امریکن قونصل خانے کی فراہم کی ہوئی تصویر کی بنا پر آج صبح تک شہر کے چار تھانوں میں تجربے کار افسران ایسے افراد کو پکڑ لائے ہیں جن پر ڈینی ہونے کا شبہ کیا جارہا ہے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان بے گناہوں کی کیسی درگت بنائی گئی ہوگی۔ مجھے صرف اس بات سے اطمینان ہے کہ تفتیش مکمل ہوتے ہی ان بے چاروں کو آزادی مل جائے گی مگر چھاپوں اور تلاش کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔"

"چار ڈینی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا "کیا امریکنوں کے ساتھ ہمارے پولیس افسران کا بھی دماغ چل گیا ہے جو وہ بے گناہ شہریوں کو ہراساں کرتے پھر رہے ہیں؟"

"اوپر کا دباؤ ذہین ترین افسروں کے دماغ بھی ماؤف کردیتا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ ڈینی کی تصویر دھندلی ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی واضح تصویر موجود ہوتی تو حالات قابو سے باہر ہوسکتے تھے۔"

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر پوری بات بتاؤ" میں نے نرمی سے کہا۔

"ویرا نے ہنری کو فون کرکے بہت بڑی غلطی کی" اوّل خان نے اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ ویرا نے احتجاج کرتے ہوئے اسے خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

"وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ میں نے سب کے مشورے

۔۔۔ ۔ن کیا تھا اور اس مشورے میں تم بھی شامل تھے۔"

"میں اس مشترکہ فیصلے کی ذمے داری تم پر نہیں ڈال رہا" اوّل خان نے مصالحانہ انداز میں کہا "میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ہم سب کے مشورے سے تم نے ہنری کو جو فون کیا' وہ غلط تھا۔ وہ فوراً ہی پوری قوت سے حرکت میں آگئے اور لاشیں دستیاب ہوتے ہی جارحانہ تیوروں کے ساتھ مقامی حکّام پر چڑھ دوڑے۔ اگر اسے فون نہ کیا جاتا تو سب کچھ فطری انداز میں رونما ہوتا۔ دن چڑھنے کے بعد لاشیں دستیاب ہوتیں' اسبابِ قتل پر غور و خوض ہوتا' شبہات سامنے آتے۔ پھر کسی کا ذہن راجر پر بیم گن کے استعمال کی طرف جاتا تو تمہارا نام سامنے آتا لیکن ہم نے خود ہی ان کی یہ ساری مشکلات آسان کردیں۔ لاشیں ملیں اور وہ تم دونوں کے لہو کے طلب گار ہوگئے۔"

"اوّل یا آخر' یہ تو ہونا ہی تھا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"فی الحال تم سب اسی ریسٹ ہاؤس تک محدود رہو گے۔ امریکن چوٹ کھائے ہوئے کتے کی طرح بلبلا رہے ہیں۔ انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں ایک ہینڈبل چھپوا کر آج دوپہر تک شہر میں ہیلی کاپٹر سے گرانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس میں تمہاری اور ڈیبی کی تصاویر چھاپی جانی تھیں۔ تمہیں مغویہ امریکن دوشیزہ اور ڈیبی کو اغوا کنندہ اور قاتل قرار دیا جاتا۔ ان لوگوں نے ڈیبی کی گرفتاری یا تمہاری بازیابی میں مدد دینے والوں کے لیے پندرہ لاکھ روپے فی کس انعام کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بڑی دقتوں کے بعد انہیں قائل کیا گیا کہ جب مبہم تصویر کی بنا پر پولیس والے چار ڈیبی پکڑ سکتے ہیں تو اس اشتہار کی تقسیم کے بعد ہر تھانے میں مشتبہ افراد کی قطاریں لگ جائیں گی۔ بڑے انعام کے لالچ میں ہزاروں افراد تلاش کی مہم پر نکل پڑیں گے۔ ہیجان' سنسنی اور افراتفری کے علاوہ شہر میں امن و امان کے سنگین مسائل بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ ان کے انفارمیشن سیکریٹری نے بہت مشکل سے اشتہار کا منصوبہ واپس لیا ہے لیکن انعام کا اعلان بدستور برقرار ہے۔ البتہ اب یہ انعام پولیس والوں اور دوسرے سرکاری اہل کاروں کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے تاکہ ان کی کارکردگی میں نمایاں اضافہ ہو۔ عملاً یہ ناممکن ہے کہ میدان میں اترے ہوئے ہر شخص کو ایس ٹی ایف کے ریاستی راز میں شریک کرکے یہ بتایا جائے کہ ڈیبی اور ویرا کی گرفتاری ملکی مفاد کے منافی ہوگی" اوّل خان نے ہمارے خلاف کھلنے والے نئے محاذ کی بھیانک نقشہ کشی کرکے ہم چاروں کو تشویش میں مبتلا کردیا۔

"وہ خود بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے نہیں بیٹھے ہوں گے" میں نے کہا۔

"انہوں نے عام گاڑیوں کا استعمال ترک کردیا ہے۔ عملے کی اجتماعی آمدورفت کے لیے بھی آرمرڈ گاڑیاں استعمال کی جارہی ہیں۔ کراچی میں ان کی کل تعداد صرف چار ہے۔ چھ گاڑیاں اسلام آباد سے چارٹرڈ طیارے کے ذریعے منگوائی جارہی ہیں" اوّل خان نے بوکھلائے ہوئے سفارت کاروں کی کارگزاری پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا۔

"ٹھیک ہے" میں نے ہنس کر کہا "اگر ہمارے دشمن اس قدر اعصاب زدہ ہوچکے ہیں تو ہم چند روز کے لیے اس ریسٹ ہاؤس میں محدود رہ کر چین کی بنسری بجا سکتے ہیں۔ تم نے ابھی تک اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ ولیم اور راجر ان کے اہم سفارتی افسران کیسے ہوگئے؟"

"ان کی شناخت وہ چھپا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ جم کلارک کے قتل کے بعد ہونے والے مشترکہ اجلاس میں ولیم اور راجر نے امریکن سیکرٹ سروس کے نمائندوں کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اسی اجلاس میں انہیں پابند کیا گیا تھا کہ وہ مقامی حکّام کو اعتماد میں لیے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے" اوّل خان بتانے لگا "لیکن اخبارات کو جان بوجھ کر اصل شناخت نہیں بتائی گئی۔ اس کی تشہیر سے ناخوشگوار عوامی ردِ عمل پیدا ہوسکتا تھا۔ پسِ پردہ کارروائیوں سے قطع نظر' دونوں ملکوں کے خفیہ محکموں کے افسران معمول کے فرائض کے سلسلے میں ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن امریکا کے خفیہ محکمے اتنے بدنام ہوچکے ہیں کہ دنیا کا ہر ملک ان کے کسی کلرک تک کی آمد کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ عام سوچ یہ ہوتی ہے کہ آنے والا کوئی نہ کوئی خطرناک منصوبہ لے کر آیا ہوگا۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چودھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ساتھ ہی شائع ہورہا ہے

